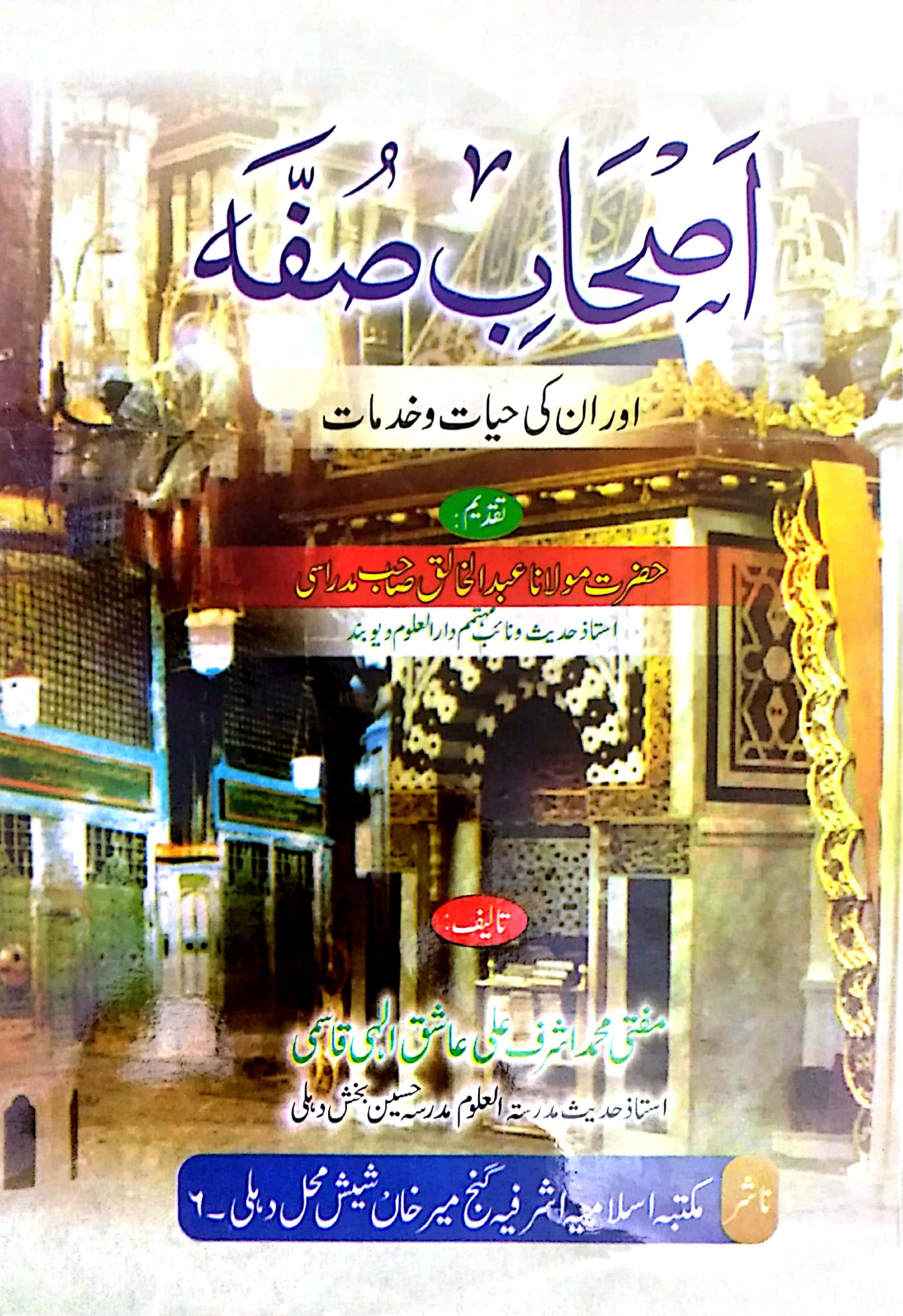

اصحابِ صُفّہ

اور ان کی حیات و خدمات

تقدیم:

حضرت مولانا عبدالخالق صاحب مدراسی

استاذ حدیث و نائب مہتمم دار العلوم دیوبند

تالیف:

مفتی محمد اشرف علی عاشق الٰہی قاسمی

استاذ حدیث مدرسۃ العلوم مدرسہ حسین بخش دہلی

ناشر
مکتبہ اسلامیہ اشرفیہ گنج میر خان شیش محل دہلی۔٦

اصحابِ صُفّہ

اور ان کی حیات وخدمات

تقدیم

حضرت مولانا عبدالخالق صاحب مدراسی

استاذ حدیث ونائب مہتمم دارالعلوم دیوبند

تالیف

مفتی محمد اشرف علی عاشق الہی قاسمی

استاذ حدیث مدرسۃ العلوم مدرسہ حسین بخش دہلی

ناشر مکتبہ اسلامیہ اشرفیہ گنج میر خاں شیش محل دہلی۔ ٦

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب : اصحاب صفہ اور ان کی حیات وخدمات
تقدیم : حضرت مولانا عبدالخالق صاحب مدراسی، استاد حدیث ونائب مہتمم دارالعلوم دیوبند
مؤلف : محمد اشرف علی عاشق الٰہی قاسمی بستی پوری
تصحیح کنندہ : مفتی امیرالدین قاسمی فرخ ابادی
زیر اہتمام : مولانا قربان علی قاسمی بستی پوری
کمپوزنگ : حافظ شبیر احمد دہلوی، ۹۲۱۰۶۹۸۶۲۲
صفحات : ۵۱۳
سن اشاعت : رمضان المبارک ۱۴۲۸ھ مطابق اکتوبر ۲۰۰۷ء

ملنے کے پتے:

۱۔ مکتبہ اسلامیہ اشرفیہ، مسجد تیلیان، گنج میر خاں، شیش محل، دہلی۔ ۶
موبائل نمبر: ۹۳۵۰۳۶۴۸۶۱
۲۔ ادارہ معارف القرآن، شاستری پارک، دہلی
۳۔ جامعہ قاسمیہ، دارالقرآن، ڈہری اون سون، ضلع روہتاس، بہار
۴۔ دہلی اور دیوبند کے بڑے کتب خانوں میں بھی دستیاب ہے۔

انتساب

☆ اپنے مشفق ومحترم والدین کے نام جن کی پر خلوص دعاؤں کے صدقے بندہ کو مادرِ علمی دار العلوم دیوبند سے فراغت کی سعادت نصیب ہوئی۔

☆ ان جملہ اساتذہ کرام کے نام جن کے سامنے احقر نے زانوئے تلمذ طے کیا۔

☆ اور ام المدارس دار العلوم دیوبند کے نام جس کی ایمان افروز اور علم وتحقیق وہنر آموز فضاء میں رہ کر کچھ لکھنے اور بولنے کا شعور پیدا ہوا۔

محمد اشرف علی عاشق الٰہی قاسمی شاہ پور بگھونی، سمستی پور

فہرست مضامین

تقریظ
تقریظ
پیش لفظ
صفہ کی تحقیق
اصحابِ صفہ
اصحابِ صفہ کی تعداد
اصحابِ صفہ کی تعیین میں متکلم فیہ اسماء
اصحابِ صفہ کے اسمائے گرامی
اصحابِ صفہ سے متعلق قرآنی آیتیں
صفہ میں قیام کرنے کا مقصد
تعلیم وتربیت
جہاد میں شرکت
طعام کا بندوبست
تنگی وفقروفاقہ کی زندگی
لباس
پیغمبرِ اسلام کا اصحابِ صفہ کی خبرگیری
صحابہ کرام کا اصحابِ صفہ کے ساتھ نیک برتاؤ
اصحابِ صفہ کی تاریخ کے سلسلہ میں مستند کتابیں
☆ حضرت ابوثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ
نبی اکرم ﷺ سے ملکِ شام میں زمین کا مطالبہ
وفات
شاگردانِ کرام
☆ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ
واقعۂ اسلام
حضرت ابودرداء پیغمبرِ اسلام اور دیگر صحابہ کی نظر میں
معلم وقاضی بنا کر دمشق بھیجا جانا
حضرت ابودرداء کا مدرسہ
شاگردوں میں جلیل القدر صحابۂ کرام
احادیث کی تعداد
دنیا سے بے رغبتی
عبادت اور خشیتِ الٰہی
وفات
☆ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ
حضرت ابوذر کا اسم گرامی اور ان کا سلسلۂ نسب
حضرت ابوذر اسلام لانے سے قبل توحید پرست تھے
اسلام لانے کا واقعہ اور اس کا سبب
صحابہ کرام میں اسلام کے مبلغِ اول
وطن واپسی اور اسلام کی تبلیغ
دربارِ رسالت میں حاضری
صفہ کی زندگی
تحصیلِ علم
حضرت ابوذر رسول اللہ کی نظر میں
صحابۂ کرام اور دیگر علماءِ عظام کی نظریں
حلقۂ درس
زاہدانہ زندگی
سونے چاندی جمع کرنے والوں کے خلاف
حضرت کا سخت رویہ
آخری وقت
☆ حضرت ابورزین رضی اللہ عنہ
☆ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ
غزوات
فقروفاقہ وتنگ دستی
صفہ کی زندگی اور تحصیلِ علم

علمی مقام اور تعدادِ احادیث
سورہ فاتحہ پڑھ کر دم کرنا
حلقۂ درس
بے باکانہ حق گوئی
وفات
☆ حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ
اسلام
عہدِ نبوت ﷺ میں حضرت ابوعبیدہ کے
جنگی کارنامے
امت محمدیہ صاحبہا علیہا الصلوۃ والسلام میں
امین کے لقب سے ملقب
پیغمبرِ اسلام ﷺ کی نظر میں
سیدنا ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہ کی نظر میں
سببِ وفات
صحابۂ کرام میں تین عظیم ترین شخصیات
☆ حضرت ابوعَسیب مولی رسول اللہ ﷺ
☆ حضرت ابوکبشہ انماری رضی اللہ عنہ
عورتوں کی خواہش ہو تو اپنی بیوی کے پاس جانا
☆ حضرت ابومویہبہ مولیٰ رسول اللہ ﷺ
☆ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ
نام کے سلسلہ میں اختلاف
ابوہریرہ کنیت ہونے کی وجہ
خاندانی عزت وشرافت
دولتِ اسلام میں شرف یابی
دربارِ نبوی ﷺ میں باریابی
رسول اللہ ﷺ سے غیر معمولی قربت
پیغمبرِ اسلام کے ساتھ رفاقت کی مدت
صفہ کی تنگ اور سادہ زندگی
والدۂ محترمہ کا اسلام
حصولِ علم
شوقِ علم
علمی سوال
یکسو ہونا
توجہ سے سبق سننا
علمی کمال
حضرت ابوہریرہ رسول اللہ کی نگاہ میں
صحابۂ کرام اور دیگر مستند کبارِ علماء کی نظر میں
آپ کے حافظہ کی تاریخی توثیق
فقہ میں مقام ومرتبہ
حضرت ابراہیم نخعی کا حضرت ابوہریرہ کو غیر فقیہ سمجھنا
اور اس کا تفصیلی جائزہ
حنفیہ کا حضرت ابوہریرہ کی روایت کی مخالفت کرنا
بعض احناف کا حضرت ابوہریرہ کو غیر فقیہ قرار دینا
تفصیلی جائزہ
امام ابوحنیفہ کے نزدیک روایت کی موجودگی
میں قیاس کے چھوڑنے کا اہتمام
حضرت ابوہریرہ کی روایت کے سلسلہ میں
مجتہد محمد بن سہل سرخی کا قول
حلقۂ درسِ حدیث
طریقۂ درس
کثرتِ روایت کے وجوہات
شاگردانِ کرام
حضرت ابوہریرہ کی حدیثوں کے نسخے اور صحیفے
تعدادِ احادیث
عبادت کا اہتمام
حضرت ابوہریرہ کی خوش گوار زندگی اور والہانہ شکر
مہمان نوازی
گورنرِ مدینہ مروان بن حکم کے سامنے بے باکی
آخری وقت
حلیہ مبارکہ

☆حضرت اسماء بن حارثہ رضی اللہ عنہ
☆حضرت براء بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ
خوش لحنی
شجاعت وبہادری
☆حضرت بشیر بن خصاصیہ سدوسی
☆حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ
اسلام اور مصائب
اذانِ بلالی اور اس کی تاثیر
پیغمبرِ اسلام ﷺ کی نظر میں
سیدنا ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہ کی نظر میں
حضرت بلال کی احادیث کی تعداد
اور ان کے فیض یافتگان
حلیۂ مبارکہ
☆حضرت ثقیف بن عمرو اسدی رضی اللہ عنہ
☆حضرت ثوبان مولی رسول اللہ ﷺ
اہلِ بیت میں شامل ہونے کا شرف
جنت کی ضمانت
رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں
حضرت ثوبان کی حالت
گورنر کا حضرت ثوبان کی عیادت کے لئے آنا
☆حضرت جاریہ بن جمیل رضی اللہ عنہ
☆حضرت جرہد بن خویلد رضی اللہ عنہ
صفہ کی زندگی
☆حضرت جعیل بن سراقہ رضی اللہ عنہ
غزوۂ احد کے دن شیطان کا
حضرت جعیل کی شکل اختیار کرلینا
رسول اللہ ﷺ کی زبانی حضرت جعیل کی تعریف
☆حضرت حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہ
جنت کی بشارت
حضرت جبرئیل کی دومرتبہ زیارت
پیغمبرِ اسلام ﷺ کی قربت
اللہ کے راستہ میں خرچ کرنا
☆حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ
غزوات
صفہ کی زندگی اور تحصیلِ علم
رازدارِ رسول اللہ ﷺ
رسول اللہ ﷺ کی تصدیق
شاگردانِ کرام اور تعدادِ احادیث
مدائن کے گورنر
آخری وقت
☆حضرت حرملۃ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ
☆حضرت حازم بن حرملہ رضی اللہ عنہ
☆حضرت حذیفہ بن اسید رضی اللہ عنہ
☆حضرت حکم بن عمیر ثمالی رضی اللہ عنہ
☆حضرت حنظلہ بن ابی عامر رضی اللہ عنہ
شادی کی پہلی رات اور واقعۂ شہادت
☆حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ
اسلام اور مصائب
حضرت خبیب بن یساف رضی اللہ عنہ
اسلام
قاتلِ امیۃ بن خلف
شاگردان، تعدادِ احادیث
☆حضرت خریم بن اوس طائی رضی اللہ عنہ
پیغمبرِ اسلام ﷺ کی ان کے حق میں پیشین گوئی
☆حضرت خریم بن فاتک رضی اللہ عنہ
☆حضرت خنیس بن حذافہ رضی اللہ عنہ
پیغمبرِ اسلام ﷺ سے حضرت حفصہ کا واقعہ نکاح
☆حضرت ذوالبجادین رضی اللہ عنہ
واقعۂ اسلام
تحصیلِ علم

ذوالبجادین کی وفات اور رسول اللہ ﷺ کا
انہیں قبر میں اتارنا
☆ حضرت ربیعہ بن کعب رضی اللہ عنہ
رسول اللہ ﷺ سے بے پناہ محبت
شادی کا واقعہ
خوش حالی
☆ حضرت رفاعۃ ابولبابۃ رضی اللہ عنہ
واقعۂ قبولیتِ توبہ
☆ حضرت زید بن خطاب رضی اللہ عنہ
☆ حضرت سالم بن عبید اشجعی رضی اللہ عنہ
☆ حضرت سالم بن عمیر رضی اللہ عنہ
☆ حضرت سالم بن معقل رضی اللہ عنہ
ہجرت اور وفات
قرآن کریم میں کمال حاصل کرنا
اللہ رب العزت سے بے پناہ محبت
جنگی کارنامے
☆ حضرت سائب بن خلاد رضی اللہ عنہ
☆ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ
حضرت سعد کی خصوصیات
جنت کی بشارت
آپسی اختلافات سے کنارہ کشی
حضرت سعد کی تعلیمی مجلس
☆ حضرت سعید بن عامر جمحی رضی اللہ عنہ
☆ حضرت سفینہ مولیٰ رسول اللہ ﷺ
حضرت سفینہ کی کرامت
☆ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ
قدیم عیسائی پادریوں کی عبادت کی ایک جھلک
حضرت سلمان کی غلامی سے نجات
قدیم پادریوں کے سلسلہ میں ﷺ کا فرمانِ عالی
جنگی کارنامے
پیغمبر اسلام ﷺ کی نظر میں
مجلسِ درس
قناعت، زہد و تقوی
شادی کا واقعہ
زہد و تقوی کے سلسلے میں وعظ و نصیحت
انمول واقعہ
عمرِ مبارک
حضرت عبداللہ بن سلام کے خواب میں
☆ حضرت شداد بن اسید رضی اللہ عنہ
☆ حضرت شمعون ابوریحانہ رضی اللہ عنہ
حصولِ علم کا شوق
پیغمبر اسلام ﷺ سے قربت
مثالی زہد و تقویٰ
☆ حضرت صفوان بن بیضاء رضی اللہ عنہ
☆ حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ
پیغمبر اسلام ﷺ کی نظر میں
جود و سخاوت
واقعہ ہجرت
☆ حضرت طخفہ بن قیس رضی اللہ عنہ
☆ حضرت طلحہ بن عمرو رضی اللہ عنہ
☆ حضرت طفاوی رضی اللہ عنہ
☆ حضرت عباد بن خالد رضی اللہ عنہ
☆ حضرت عبادۃ بن قرص رضی اللہ عنہ
☆ حضرت عبدالرحمان بن جبر رضی اللہ عنہ
کعب بن اشرف کے قتل کا واقعہ
☆ حضرت عبدالرحمن بن قرط رضی اللہ عنہ
☆ حضرت عبداللہ بن اُنیس رضی اللہ عنہ
صفہ کی زندگی
ابورافع کے قتل کرنے میں شرکت
حضرت جابر کا ایک ماہ کی مسافت طے کر کے

حضرت عبداللہ بن اُنیس کے پاس
ایک حدیث سننے کے لیے آنا
☆ حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ
حصولِ علم کا شوق
داعیِ اسلام اور معلمِ قرآن بن کر مدینہ منورہ کی ہجرت
مؤذنِ رسول ﷺ ہونے کا شرف
خلیفۂ رسول ﷺ بننے کا شرف
حبِّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
جذبۂ جہاد
☆ حضرت عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ
☆ حضرت عبداللہ بن حبشی رضی اللہ عنہ
☆ حضرت عبداللہ بن حوالہ رضی اللہ عنہ
☆ حضرت عبداللہ بن زید بن عبدربہٗ رضی اللہ عنہ
مشروعیتِ اذان کی سعادت کے حامل
☆ حضرت عبداللہ بن عبدالأسد ابوسلمہ رضی اللہ عنہ
ہجرتِ مدینہ منورہ
حضرت ام سلمہ کا اپنے شوہر ابوسلمہ سے پناہ محبت
حضرت ام سلمہ سے رسول اللہ ﷺ کے نکاح کا واقعہ
☆ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ
زہد وتقوی
قضاء، امارت وخلافت سے انکار
اللہ کے راستہ میں خرچ اور قناعت
سنتِ رسول ﷺ کی اتباع کا غایت درجہ اہتمام
کثرتِ عبادت اور خشیتِ الٰہی
بڑے لوگوں کی بڑی تمنا
علمی مقام
درسِ حدیث وحلقۂ درس
بغیر کسی تامل کے لاعلمی کا اظہار
شاگردانِ کرام
سببِ وفات
☆ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ
پیغمبرِ اسلام ﷺ کا معجزہ
☆ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ
اسلام لانے کا واقعہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ قرب
علمی مقام
پیغمبرِ اسلام ﷺ کی نظر میں آپ کا مقام
آپ کے کمالِ علمی کا صحابہ کرام کو اعتراف
آپ کے کمالِ علمی کے بارے میں کبارِ تابعین کا تبصرہ
سرزمینِ کوفہ اور درسِ حدیث
شاگردوں کے ساتھ مخلصانہ برتاؤ
شاگردانِ کرام
خطابت، وعظ ونصیحت
جنگی کارنامے
عبادت
زہد وتقوی اور خشیتِ الٰہی
کوفہ سے مدینہ منورہ کی واپسی
وصیت نامہ
☆ حضرت عبید مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
☆ حضرت عتبہ بن عبد سلمی رضی اللہ عنہ
دنیا سے بے رغبتی کے سلسلے میں حضرت عتبہ کی مشہور تاریخی تقریر
☆ حضرت عتبہ بن ندر رضی اللہ عنہ
☆ حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ
حق گوئی وبے باکی
رتبائیل کی زیارت
☆ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ
صفہ کی زندگی
کمالِ علمی
خوش الحان

☆ حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ
☆ حضرت عمرو بن تغلب رضی اللہ عنہ
☆ حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ
☆ حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ
بتوں سے نفرت اسلام لانے کا سبب
حضرت امیر معاویہ کو انتباہ
☆ حضرت عویم بن ساعدۃ رضی اللہ عنہ
☆ حضرت عیاض بن حمار رضی اللہ عنہ
☆ حضرت فرات بن حیان رضی اللہ عنہ
☆ حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ
اصحابِ صفہ کی حالت
خشیتِ الٰہی
قیمتی نصیحت
قاضیٔ شام و دمشق
عمل تھوڑا مگر ثواب پورا
☆ حضرت قرہ بن ایاس رضی اللہ عنہ
☆ حضرت کعب بن عمرو رضی اللہ عنہ
غزوہ تبوک میں شرکت نہ کرنے پر
بڑے بڑے مشکلات کا سامنا
☆ حضرت کناز ابو مرثد غنوی رضی اللہ عنہ
☆ حضرت مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ
☆ حضرت مسعود بن ربیع القاری رضی اللہ عنہ
☆ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ
داعیٔ اسلام اور معلمِ قرآن بن کر مدینہ کی ہجرت
زاہدانہ زندگی
اسلامی فوج کے علم بردار اور شہادت
حضرت مصعب کا اپنے حقیقی کافر بھائی
کے سلسلے میں سخت رویہ
☆ حضرت معاذ بن حارث رضی اللہ عنہ
☆ حضرت معاویہ بن حکم رضی اللہ عنہ
صفہ کی زندگی
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ
☆ حضرت مقداد بن عمرو کندی رضی اللہ عنہ
شادی
جنگی کارنامہ
کاش! میں نبی اکرم ﷺ کی زندگی میں ہوتا
☆ حضرت نضلۃ بن عبید ابو برزہ رضی اللہ عنہ

تقریظ

خاتم المحدثین والمحققین بحر العلوم حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب محدث دار العلوم دیوبند

ادیب العصر حضرت مولانا ریاست علی صاحب استاذِ حدیث وادب دار العلوم دیوبند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداو مصلیاً! صفـــہ، تاریخِ اسلام ہی نہیں، تاریخِ عالم کا پہلا مدرسہ ہے، جہاں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے نادار اور استطاعت نہ رکھنے والے طلبہ کے لئے تعلیم وتعلم کا نظم فرمایا تھا۔

لیکن عجیب اتفاق ہے کہ اس موضوع سے متعلق اردو ہی نہیں، عربی اور فارسی میں بھی کوئی مستقل کتاب نظر سے نہیں گذری۔

قابل مبارکباد ہیں عزیز محترم مولانا اشرف علی صاحب قاسمی زید مجدھم کہ انھوں نے اپنی تصنیف کے لئے بالکل نئے موضوع کا انتخاب کیا، اور اس کے تمام گوشوں کا احاطہ کرتے ہوئے تحقیقی کام کا حق ادا کر دیا۔

انہوں نے اپنی کتاب میں صفہ کی تاریخ، طریقۂ تعلیم، نظم وانتظام، خبر گیری کا طریقہ، سرپرستوں کا حال اور استفادہ کرنے والے پچانوے صحابہ کرام کے نام ذکر کئے ہیں اور ان تمام افراد کے تفصیلی حالات قلمبند کر کے ایک معتبر دستاویز تیار کردی ہے۔

نیز مصنف محترم زید مجدھم کو صمیمِ قلب سے مبارکباد پیش کرتا ہوں، اور خلوص دل سے دعاگوں ہیں کہ اہلِ علم ان کی محنت کی پذیرائی کریں، اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ان کی خدمت کو قبول فرمائے۔ آمین

نعمت اللہ عفی عنہ خادم دار العلوم
دیوبند

خادم تدریس دار العلوم دیوبند

رائے گرامی

فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی سعید احمد پالن پوری، محدث دار العلوم دیو بند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حیرت زا کام

قل الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى آللّه خير اما يشركون (النمل : ۵۹)

ترجمہ: آپ (بیان توحید کے لئے بطور خطبہ کے) کہیے کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے سزاوار ہیں، اوراس کے ان بندوں پر سلام ہو جن کو اس نے منتخب فرمایا ہے، کیا اللہ بہتر ہے یا وہ چیزیں جن کو شریک ٹھہراتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے جن بندوں کو منتخب کیا ہے ان میں رسول، نبی، اکابر صحابہ، اصحابِ صفہ، عام صحابہ، علماءِ امت اور اولیاء کرام شامل ہیں، ان میں سے جس کو جو بھی کمال ملا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا ہے، پس وہ خواہ کتنی ہی بڑی شخصیات ہوں معبود نہیں ہوسکتیں، معبودیت صرف اللہ کے لئے سزاوار ہے۔

لوگوں نے فرشتوں کے حالات لکھے، رسولوں کی سوانح لکھیں، صوفیاء کے تذکرے لکھے، علماء کے احوال بیان کئے اور مدارس اسلامیہ کے ارباب اپنے ابنائے قدیم کے تذکرے لکھتے ہیں مگر اسلام کے پہلے مدرسے کے فضلاء کا تذکرہ عام طور پر کسی نے نہیں لکھا، اب جناب مولانا محمد اشرف علی عاشق الٰہی قاسمی اس موضوع پر ایک ضخیم کتاب لکھ لائے ہیں، کتاب تو ابھی نہیں پڑھی مگر سرسری نظر سے دو باتوں کا خوب اندازہ ہوگیا ہے۔ ایک یہ کہ مفصل سوانح ہیں، تمام اصحابِ صفہ کے احوال ممکنہ حد تک تلاش کر کے جمع کر دیے گئے ہیں، دوم حوالوں کا پورا اہتمام ہے، شاید ہی کوئی بات بے حوالہ لکھی ہو، اور مصنف کی محنت کا پورا اندازہ ہوجاتا ہے، اس لئے یہ کتاب انشاء اللہ معتبر ہے، اللہ تعالیٰ اس کو مصنف کے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے اور امت مسلمہ کو اس سے فیضیاب کرے، نیک لوگوں کا جب ذکر کیا جاتا ہے تو اللہ کی رحمت نازل ہوتی ہے پس اس کتاب کا پڑھنا رحمت و برکت سے خالی نہیں ہے اللہ مصنف کو ایسے اچھے اچھے کام کرنے کی مزید توفیق عنایت فرمائے۔ والسلام

املاہ

سعید احمد عفا اللہ عنہ پالن پوری

خادم دار العلوم دیوبند

۱۷ شعبان ۱۴۲۹ھ

اظہارِ اعتماد

حضرت مولانا محمد قاسم قاسمی صاحب رئیس الجامعۃ مدرسۃ العلوم مدرسہ حسین بخش دہلی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً ومصلیاً امابعد!

تاریخِ عالم گواہ ہے کہ اسلام قبول کرنے سے پہلے بعض اصحاب صفہ قبیلوں، خاندانوں اور علاقائی جماعتوں کے سردار ومعزز بزرگ تھے، مگر اسلام وایمان کی روشنی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت نورانی نے ان کو دنیائے فانی کو چھوڑ کر دائمی حیات کے لئے اساسی کردار کا غازی بنا دیا۔ تاریخِ اسلام میں اصحابِ صفہ مرکزی حیثیت اور امت مسلمہ کے لئے جان و مال اور ترکِ وطن کی قربانی کی راہنمائی کا بنیادی درجہ رکھتے ہیں۔ دین کی حفاظت، دین کی تحقیق، دین کی نشر واشاعت کا یہی حضرات اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں کلیدی مقام حاصل کر چکے ہیں۔ ان ہی اصحاب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معلمیت اور شرفِ تلمذ حاصل تھا۔ آج دنیائے اسلام اسی نقشِ قدم پر چل کر دینی مراکز ودینی مدارس (جو کہ آج بھی اور آئندہ بھی دین کی تحقیق کا مرکز) قائم فرما کر اپنے ایمان واسلام کو باقی رکھے ہوئے ہیں۔ جب تک اصحاب صفہ کے طرز پر طریقۂ تعلیم وتعلم، حب رسول، عقیدۂ توحید، ہر قسم کی قربانی امت میں باقی رہے گی۔ تو دارین کی سعادت نصیب ہوتی رہے گی۔

بڑی سعات ہے، عزیز مولانا اشرف علی قاسمی زاداللہ علمکم استادِ حدیث وفقہ، مدرسۃ العلوم حسین بخش، جامع مسجد دہلی نے اکابر صفہ کے متفرق احوال کو اجتماعی شکل میں تاریخ وسیر کے حوالوں کے ساتھ تالیف فرمایا۔ میرے خیال سے یہ برکت ہے مدرسہ ہذا کی۔ ایشیا میں مدرسۃ العلوم حسین بخش دہلی قدیم ترین ادارہ ہے جہاں سے حضرت مولانا قاسم نانوتوی، سرسید مرحوم، مولانا الطاف حسین حالی، حضرت مولانا یحیٰ صاحب کاندھلوی، حضرت مولانا الیاس، مولانا محمد یوسف الحسینی وغیرہ جیسے مقتدر علماء وادباء نے شرفِ تعلیم حاصل کیا۔ مؤلف موصوف کی خداداد صلاحیت اور جدوجہد سے یہ اہم کام انجام پایا۔ میری دعا ہے کہ ربّ ذوالجلال مؤلف کی اس خدمتِ جلیلہ کو عوام وخاص میں قبول فرما کر نجات کا ذریعہ بنائے اور آئندہ بھی دیگر عنوانات پر کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

محمد قاسم قاسمی

۱۸/ شعبان

۱۴۲۳ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیشِ لفظ

یہ مدارسِ اسلامیہ جو اس وقت کرۂ ارض کے چپہ چپہ پر قائم ہیں، درحقیقت ان کا ربط و تعلق اس مدرسۂ صفہ سے ہے جو روئے زمین کا سب سے پہلا مدرسہ ہے جس کے بانی و مؤسس، معلم و مربی، محسنِ انسانیت، شفیع المذنبین، محبوبِ رب العالمین، حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ جس کے طلبہ اسلام کے ستون، کلام اللہ کے لشکری، خدائی فوج کے نوجوان، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے مخصوص صحابۂ کرام ہیں۔ جو سب سے زیادہ پاک دل، سب سے زیادہ وسیع علم والے، سب سے کم تکلف والے، سب سے اچھے بیان والے، سب سے اچھے ایمان والے، سب سے بڑھ کر خیرخواہ، سب سے زیادہ خداترس اور خدارس تھے۔

جن کی سیرت پر کوئی مستقل قابلِ ذکر کتاب نہ صرف اردو بلکہ عربی میں بھی موجود نہیں ہے عربی کی معتبر اور مشہور کتاب علامہ ابونعیم کی ''حلیۃ الاولیاء'' میں اصحابِ صفہ کی تعیین کی گئی ہے مگر ان کے حالات اس قدر مختصر کہ ان کی زندگی کا ہر پہلو سامنے نہیں آتا ہے، البتہ عربی میں صحابۂ کرام کی سیرت پر لکھی جانے والی دوسری مختلف معتبر کتاب مثلاً ''الاصابۃ''، ''الاستیعاب''، ''اسد الغابۃ''، ''سیر اعلام النبلاء''، ''طبقات ابن سعد'' میں مجھے ان کی پاکیزہ سوانح حیات ملیں، جن کے مطالعہ سے پتہ چلا کہ ان کے سیر جمع کیے جاسکتے ہیں تو من جانب اللہ دل میں یہ داعیہ اور جذبہ بار بار پیدا ہوتا رہا کہ ضرور ان عظیم شخصیات کے احوال لکھے جائیں اور ہم طالبانِ علومِ نبوت کے سامنے ان کے حالات آئیں کہ جن میں ان کے اسلام لانے کے زمانے سے لے کر اخیر زندگی تک کے حالات ہوں، تاکہ پوری امت مسلمہ، خصوصاً ہم فرزندانِ مدارس ان کو زندگی کے ہر پہلو میں اپنا مقتدا اور پیشوا بنائیں اور ان کے مشن کو تا قیامت باقی رکھیں تو اس سلسلے میں ربّ ذوالجلال والاکرام کا نام لے کر عربی کے مستند اور مشہور مراجع الاصابۃ، سیر اعلام النبلاء، الاستیعاب، طبقات بن سعد وغیرہ کو سامنے رکھ کر بقدر وسعت ان کی سیرت کے مختلف پہلو کو اس کتاب میں عام فہم زبان میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور حتی المقدور ہر بات کو باحوالہ ذکر کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے۔ اسکی ترتیب میں اس بات کا خاص خیال رکھا گیا ہے کہ اس کتاب

میں جتنے اصحابِ صفہ کے احوال آئے ہیں انھیں حروفِ تہجی پر مرتب کیا جائے اور ان کی سیرت کی ابتدا میں کسی معتبر اور مستند کتاب سے ان کے اصحابِ صفہ میں ہونے کا ثبوت ذکر کیا جائے، پھر تفصیلی حالات پر بقدرِ وسعت روشنی ڈالی جائے۔

فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم "من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ" کی بناپر بندہ اپنے ان تمام بزرگوں واحباب کا شکر گزار ہے جنہوں نے کسی طرح کا بھی تعاون دیا اور خلوص ومحبت کا ثبوت پیش کیا۔ خصوصاً حضرت مولانا عبدالخالق صاحب مدراسی، استاذِ حدیث ونائب مہتمم دارالعلوم دیوبند کا جنہوں نے اس کتاب سے متعلق قیمتی بیش بہا معلومات پر ایک مقدمہ قلم بند فرمایا، حضرت مولانا مفتی امیر الدین صاحب کا جنہوں نے اس کتاب کی تصحیح میں مکمل ساتھ دیا، حضرت مولانا قربان علی القاسمی مہتمم جامعہ قاسمیہ دارالقرآن، ڈہری اون سون، ضلع روہتاس اور حضرات مولانا فیاض احمد فیضی مہتمم ادارہ معارف القرآن شاستری پارک دہلی کا جنہوں نے قیمتی مشوروں سے نوازا۔ اور جناب حاجی اسلام الدین صاحب دہلی کا جنہوں نے اس کتاب کی طباعت میں حصہ لیا۔

ربِ ذوالجلال سے دعا ہے کہ ان معاونین کو جزائے خیر دے اور میری اس ناچیز کوشش کو اس کے تمام سہو وخطا کے ساتھ مقبولِ عام وخاص کرے اور قبول فرمائے اور دنیا میں ذریعۂ ہدایت اور آخرت میں ذریعۂ نجات فرمائے آمین یارب العالمین۔ وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب.

بندہ محمد اشرف علی عاشق الٰہی قاسمی
خادم التدریس مدرسۃ العلوم مدرسہ حسین بخش دہلی۔ ٦
١٧ر شعبان ١٤٢٨ھ

تقدیم

بقلمِ: حضرت مولانا عبدالخالق صاحب مدراسی، استاذِ حدیث و نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ ہجرت فرمانے کے بعد جہاں امن قائم کرنے کی غرض سے ضروری انتظامات اور مذہب اسلام کو آفاقی بنانے اور مضبوط و پائدار خطوط پر دعوت و تبلیغ کے لئے مؤثر اقدامات کئے، وہیں پہلی ترجیح کے طور پر مستقل تعلیم و تربیت کا بندوبست بھی کیا، جس کے لئے ایک اسلامی درسگاہ کی بنیاد رکھی۔

یہ درسگاہ مسجد نبوی میں قائم کی گئی، جو تاریخ میں صفہ کے نام سے جانی جاتی ہے۔ صفہ سائبان اور سایہ دار جگہ کو کہتے ہیں۔ یہ ایک سائبان تھا جو مسجد نبوی کے ایک کنارے لگایا گیا تھا، اس کا مقصد یہ تھا کہ دین اسلام کی نشر و اشاعت اور دعوت و تبلیغ کے لئے ایک ایسی جماعت تیار کی جائے جو شب و روز آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہ کر شریعت کے اوامر و نواہی اور اسرار و رموز سے واقف و کامل ہوجائے کے ساتھ، تمام تر اسلامی رنگ میں رنگ جائے گفتار و کردار، نشست و برخاست اور قول و عمل ہر ایک علم نبوی کے پرتو سے منور ہوجائے۔

اصحابِ صفہ شب و روز تزکیہ نفس، تعلیم و تربیت، ذکر و فکر اور عبادت و تلاوت میں مشغول رہتے، ان کے بال بچے نہ تھے اور جب نکاح کر لیتے تو اس حلقہ سے نکل آتے تھے اور ان کی جگہ دوسرے لوگ داخل ہوتے تھے۔ نہ تو دنیا کی چمک دمک پر ان کی نظر تھی اور نہ ہی کاروبار اور تجارت و زراعت سے کوئی سروکار، وہ مفلس و نادار تھے ان کے پاس اتنا کپڑا نہیں ہوتا تھا جس سے وہ سر اور پیر ایک ساتھ چھپا سکیں، ان کے پاس خورد و نوش کی چیزیں نہیں تھیں، بھوک کی شدت اور ضعف سے نماز پڑھتے ہوئے گر پڑتے، جو ان کی حالت و کیفیت سے واقف نہیں تھے، وہ سمجھتے تھے کہ یہ دیوانے ہیں۔

عربوں میں لکھنے پڑھنے کا رواج بہت کم تھا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدرسۃ الصفہ قائم کر کے تعلیم کو بنیادی اہمیت دی اور لکھنے پڑھنے کی طرف پوری توجہ فرمائی، چنانچہ صفہ کی تعلیم کے لئے اور معلم بھی مقرر تھے، حضرت عبادہؓ قرآن مجید کے ساتھ لکھنے کی بھی تعلیم دیتے تھے، جنگ بدر کے قیدیوں میں سے جو لوگ فدیہ نہیں ادا کر سکے ان کو اس شرط پر رہا کیا گیا کہ وہ مدینہ میں رہ کر لوگوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدرسۃ الصفہ قائم کر کے تعلیم کو انفرادی کے بجائے اجتماعی بنا دیا تاکہ اس کے فروغ کو تقویت ملے۔ نیز تعلیم اور مذہبی امور کی انجام دہی سے اجارہ داری اور تسلط کا خاتمہ کر دیا۔ اسلام میں دوسری قوموں اور مذاہب کی طرح تعلیم اور مذہبی امور کی انجام دہی کے لئے مخصوص افراد، خاندان

اور طبقہ کو اہمیت نہیں دی گئی ہے؛ بلکہ ہر وہ شخص جو اسلام میں داخل ہو جائے وہ اپنی صلاحیت ولیاقت کے بقدر اس رتبہ کا مستحق ہو سکتا ہے چنانچہ ہر خاندان، قبیلہ، خطہ اور طبقہ سے لوگ آتے اور اِس درسگاہ سے تعلیم حاصل کر کے اپنے قبائل میں واپس جاتے تھے اور ان کو تعلیم دیتے تھے۔

اس درسگاہ سے تعلیم حاصل کرنے والوں کو اصطلاح میں قراء کہا جاتا تھا اکثر کتابوں میں یہی نام آتا ہے، دعوت وتبلیغ کے لئے انہیں میں سے لوگ بھیجے جاتے تھے۔ غزوۂ بیر معونہ میں انہی میں سے ستر قراء بھیجے گئے تھے جنہیں شہید کر دیا گیا تھا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو آپ کو اس قدر صدمہ ہوا کہ پوری عمر اتنا صدمہ نہیں ہوا اور ایک مہینہ تک قنوت نازلہ میں ان ظالموں کے حق میں بددعا فرماتے رہے۔

صفہ کی تعداد گھٹتی بڑھتی رہتی تھی ان کی تعداد چار سو تک بھی پہنچی ہے۔ لیکن کبھی ایک زمانہ میں ان کی تعداد چار سو سے زائد نہیں ہوئی اور نہ اس کی گنجائش تھی۔

اصحابِ صفہ کے احوال سیر وسنن کی کتابوں میں جستہ جستہ مذکور ہیں زرقانی نے ان کو یکجا کرنے کی کوشش کی ہے۔ ابن الاعرابی احمد بن محمد البصری م۳۰۴ھ نے صفہ کے حالات پر مستقل کتاب لکھی ہے، ابو عبد الرحمان سلمی نے بھی ایک الگ تصنیف کی ہے۔ حافظ ابو نعیم نے ''حلیۃ الاولیاء'' میں سب کو جمع کیا ہے لیکن میری معلومات کی حد تک اردو میں کوئی قابل ذکر مستقل تصنیف اس موضوع پر نہیں ہے۔

قابل مبارک باد ہیں عزیز القدر مولانا اشرف علی صاحب قاسمی کہ انہوں نے اس موضوع پر قلم اٹھایا اور لکھنے کا حق ادا کیا۔ مدرسۃ الصفہ کی شب وروز کی سرگرمیوں، نظامِ تعلیم، طریقۂ تربیت اور اس سے تعلق رکھنے والے صحابہ کرام کی تعلیمی، تبلیغی اور اصلاحی، سیاسی اور انتظامی خدمات پر روشنی ڈالی ہے موصوف نے اس میں کافی محنت کی ہے اور لکھنے کا حق ادا کیا ہے۔ جو بھی لکھا ہے اسے حوالے کے ساتھ لکھا ہے۔

اللہ ذو الجلال سے دعاء ہے کہ وہ اس کو مقبولِ خاص وعام بنائے اور مؤلف کو مزید اس طرح کی خدمت کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین

عبد الخالق عفی عنہ
خادم تدریس دار العلوم دیوبند
۲۱رشعبان ۱۴۲۸ھ
۴رستمبر ۲۰۰۷ء
بروز منگل بعد نماز ظہر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ رب العالمین و الصلاۃ و السلام علی سید الأنبیاء

و المرسلین و علی آلہ و صحبہ أجمعین۔ امابعد:

صُفہ کی تحقیق

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام مسلمان سولہ یا سترہ مہینے تک بیت المقدس کی جانب رخ کر کے نماز پڑھتے رہے۔ (۱) پھر بیت المقدس سے قبلہ تحویل ہو کر خانہ کعبہ ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی کی شمالی دیوار کو باقی رکھ کر اس کو پٹوا دیا اور گھاس پھوس کا اس پر چھپر ڈلوا دیا۔ (۲)

علامہ ابن منظور صاحب لسان العرب فرماتے ہیں:

الصفۃ، الظلۃ، ھو موضع مظلل من المسجد کان یاوي الیہ المساکین۔ (۳)

ترجمہ: صفہ عربی زبان میں سائبان کو کہتے ہیں اور یہ مسجدِ نبوی میں ایک سایہ دار جگہ تھی جس میں فقراء و مساکین رہتے تھے۔

علامہ ابن الأثیر جزری (المتوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں:

فقراء المھاجرین و من لم یکن لہ منزل یسکنہ فکانوا یاوون إلی موضع مظلل في مسجد المدینۃ یسکنونہ۔ (۴)

ترجمہ: فقراءِ مہاجرین اور مدینہ منورہ میں جن کا کوئی گھر در نہیں تھا، یہ لوگ مدینہ منورہ کی مسجد کے ایک سائبان میں قیام فرماتے تھے اور اسی کو اپنا گھر بنا رکھے تھے۔

صفہ کی وسعت، لمبائی و چوڑائی تاریخ میں صراحتاً نہیں ملتی ہے، البتہ روایتوں سے اشارۃً اتنا سمجھ میں آتا ہے کہ صفہ کے اندر اتنی وسعت و کشادگی تھی کہ اس کے اندر ایک بڑی تعداد سمو سکتی تھی۔

ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صفہ کے اندر صحابۂ کرام کی دعوتِ ولیمہ فرمائی، تین سو

---

(۱) صحیح بخاری: ۱/ ۵۷ رقم ۳۹۹۔

(۲) وفاء الوفاء للسمہودی: ۱/ ۳۲۱

(۳) لسان العرب "مادہ صفف" ۹/ ۱۹۵۔

(۴) النہایۃ فی غریب الحدیث: ۳/ ۳۷۔

صحابۂ کرام دعوتِ ولیمہ میں شریک ہوئے، جگہ کی تنگی کی وجہ سے کچھ لوگ ازواج مطہرات کے گھروں میں آ گئے۔ (۱)

اصحابِ صفہ

مدرسہ صفہ کی بنیاد پڑنے کے بعد صفہ میں سب سے پہلے قیام کرنے والے مہاجرین صحابہ کرام تھے، یہی وجہ ہے کہ انہیں "صفۃ المہاجرین" کہا جاتا ہے۔ (۲)

نو واردین اور وفود مشرف بہ اسلام ہو کر دور دراز مقامات و قبائل سے حاضر ہوتے اور صفہ میں قیام کر کے قرآن، سنت، فقہ اور شرائعِ اسلام کی تعلیم حاصل کرتے تھے، حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ قبیلۂ عکل کا وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور صفہ میں قیام کیا۔ (۳)

جب بھی مدینہ منورہ میں کوئی نو وارد شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مستفیض ہونے کے لیے آتا اور مدینہ منورہ میں اس کی کسی سے شناسائی اور جان پہچان ہوتی تو اس کے یہاں قیام کرتا۔ اور اگر مدینہ منورہ میں کسی سے تعارف و شناسائی نہیں ہوتی تو صفہ میں قیام کرتا تھا۔ (۴)

مدینہ منورہ کے بعض انصار صحابۂ کرام بھی زہد و فقر کی زندگی اختیار کر کے اصحابِ صفہ کے ساتھ گذر بسر کرتے تھے، مثلاً حضرت کعب بن مالک انصاری (۵)، حضرت حنظلہ ابن ابو عامر انصاری اور حضرت حارثہ بن نعمان انصاری رضی اللہ عنہم (۶) ہیں، جن کا مدینہ منورہ میں اپنا گھر تھا، اس کے باوجود علمی پیاس بجھانے اور فقر و مسکنت کی زندگی گذارنے کے لیے صفہ میں رہتے تھے۔

صفہ میں مختلف قبائل کے لوگ مقیم تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صفہ میں قیام کرنے والے اور علمی پیاس بجھانے والے کو "اوفاض" ☆ بھی کہتے تھے۔ حضرت ابو رافع کا بیان ہے: حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی پیدائش ہوئی تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض

---

(۱) صحیح مسلم: ۱/۴۶۱، النکاح۔

(۲) سنن ابوداود: ۲/۵۵۶۔

(۳) صحیح بخاری: ۱/۶۳، رقم ۴۴۰۔

(۴) مسند احمد: ۳/۴۸۷، حلیۃ الأولیاء: ۱/۳۳۹-۳۴۷۔

(۵) الجرح والتعدیل: ۳/ق: ۲/۱۶۰۔

(۶) حلیۃ الأولیاء: ۱/۳۵۶-۳۵۷۔

☆ اوفاض: علامہ ابن الاثیر جزری اوفاض کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں "ہم الفرق والأ خلاط من الناس" مختلف قسم کے لوگوں کے مجمع اور مختلف جماعتوں کو اوفاض کہتے ہیں اور بعض کہتے ہیں: "**هم الذين مع كل واحد منهم فضة وهي مثل الكنانة الصغيرة يلقي فيها طعامه**" جن لوگوں کے پاس چھوٹے چھوٹے ترکش کے مانند تھیلا ہوتا ہے، جس میں وہ اپنا کھانا رکھتے ہیں۔ (النہایۃ فی غریب

کیا، یارسول اللہ! کیا میں بیٹے کی جانب سے عقیقہ کروں؟ آپ نے فرمایا: نہیں۔ بلکہ اس کے سر کے بال مونڈ دے اور بال کے برابر اوفاض (اصحابِ صفہ) اور غرباء ومساکین پر چاندی صدقہ کردے۔ (۱)

اصحابِ صفہ کا تعارف کراتے ہوئے حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: **اھل الصفة أضياف الإسلام، لایاوون علی أهل ولا مال ولا علی أحد**” صفہ کے غریب نادار اسلام کے مہمان تھے، نہ ان کا گھر، نہ مال، اسباب اور نہ کوئی دوست وآشنا تھا۔ (۲)

طبقات ابن سعد میں ہے کہ اصحابِ صفہ بہت کمزور اور نادار تھے، ان کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا، یہ مسجد ہی میں سوتے تھے، کیونکہ مسجد کے علاوہ کہیں ان کی پناہ گاہ نہیں تھی اور نہ سرتن چھپانے کی کوئی اور جگہ تھی۔ (۳)

اصحابِ صفہ کے عریف وترجمان حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ تھے، چونکہ صفہ میں قیام کرنے والے حضرات کے علمی اور عملی مقام ومرتبہ سے خوب واقف تھے اور حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان ہی کے ذریعہ اصحابِ صفہ کو کھانے پر بلایا کرتے تھے۔ (۴)

اصحابِ صفہ کی تعداد

درسگاہِ صفہ میں مقیم طلباء کرام کی تعداد گھٹتی بڑھتی رہتی تھی، نو واردین اور وفود کبھی زیادہ آتے تو ان کی تعداد میں اضافہ ہوجاتا (۵) اور وہ وفود واپس چلے جاتے یا اصحابِ صفہ میں سے کسی کی شادی ہوجاتی، یا کوئی سفر میں چلا جاتا، یا کسی کا انتقال ہوجاتا تو اصحابِ صفہ کی تعداد کم ہوجاتی تھی۔ (۶) ورنہ بیک وقت عام طور سے ۷۰/ستر، یا ۸۰/اسّی کی تعداد ہوا کرتی تھی۔ حضرت سعد بن عبادۃ رضی اللہ عنہ روزانہ رات میں ۸۰/اصحابِ صفہ کو کھانا کھلانے کے لیے اپنے گھر لے جاتے تھے۔ (۷)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ”**لقد رأيت سبعين من أصحاب الصفة**“ میں نے ستر اصحابِ صفہ کو (خستہ حالت) میں دیکھا ہے۔ (۸)

---

(۱) مسند أحمد: ۶/ ۳۹۱، الحلیۃ: ۱/ ۳۳۹۔

(۲) صحیح البخاری: ۲/ ۹۵۵، رقم ۲۴۵۲۔

(۳) بحوالہ فتح الباری: ۱۱/ ۲۹۱، حدیث نمبر: ۲۴۵۲، کے تحت۔

(۴) الحلیۃ: ۱/ ۳۷۶-۳۷۷۔

(۵) الحلیۃ: ۱/ ۳۴۰۔

(۶) فتح الباری: ۶/ ۶۸۸، حدیث نمبر ۳۵۸۲ کے تحت۔

(۷) الحلیۃ: ۱/ ۳۴۱۔

(۸) صحیح البخاری: ۱/ ۶۳، رقم ۴۴۲۔

علامہ ابنِ حجر عسقلانی کہتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا ستر اصحابِ صفہ کے دیکھنے کی بات کہنا یہ اس جانب غماز ہے کہ ستر سے زائد اصحابِ صفہ کی تعداد تھی۔ نیز ۵ھ **بئرِ معونة** میں صفہ کے ۷۰/ستر قراءِ صحابۂ کرام شہید ہوئے، جن کو حضرت ابو ہریرہؓ نے نہیں دیکھا تھا، چونکہ حضرت ابو ہریرہؓ ۷ھ میں رسول اللہ صلی علیہ وسلم کے بارگاہ میں حاضر ہوئے ہیں۔ تو حضرت ابو ہریرہؓ کا ۷۰/ستر اصحابِ صفہ کی رویت کا ذکر کرنا **بئرِ معونة** میں شہید ہونے والے ۷۰/ستر اصحابِ صفہ کے علاوہ ہے۔(۱) اس طرح اصحابِ صفہ کی مجموعی تعداد ۱۴۰/ ایک سو چالیس سے زائد ہوتی ہے۔

علامہ سَمہودی صاحبِ وفاء الوفاء اور حافظ ابنِ حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ امام ابو نُعیم اصبہانی نے اصحابِ صفہ کے اسماء ایک سو سے زائد شمار کرائے ہیں(۲) علامہ ابنِ حجر مزید رقم طراز ہیں کہ علامہ ابنُ الاعرابي، ابو عبدالرحمان سُلمی، حاکم اور ابو نُعیم نے اصحابِ صفہ کے اسمائے گرامی احاطہ کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے، ان میں سے ہر ایک نے آپس میں دوسرے سے مختلف اصحابِ صفہ کے نام ذکر کئے ہیں، ”**وفي بعض ما ذكروه اعتراض ومناقشة**“ اور اصحابِ صفہ میں کچھ ایسے حضرات کو بھی شامل کر لیا ہے جن کے سلسلہ میں اشکال ہے۔ ”**ولكن لا يسع هذا المختصر تفصيل ذلك**“ مگر اس مختصر کتاب فتح الباری میں اس تفصیل کی گنجائش نہیں ہے۔(۳)

محدثینِ عظام اور مورخینِ کرام میں صرف علامہ ابو نُعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی (المتوفی ۴۳۰ھ) ہی اصحابِ صفہ کے اسماءِ گرامی حروفِ تہجی کی ترتیب پر ایک، یا دو سطر میں مختصر تعارف کے ساتھ پیش کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ انہوں نے صفہ کے طلبۂ کرام میں جن صحابۂ کرام کو شمار کیا ہے، ہر ایک کے اصحابِ صفہ ہونے کے سلسلہ میں صریح ثبوت پیش کیا ہے، جن کے بارے میں حدیثِ پاک ہی میں ثبوت مل گیا تو کافی ہے، ورنہ متقدمین ائمۂ جرح وتعدیل، یا متقدمین مستند مورخین مثلاً علامہ واقدی، امام محمد بن سعد کے اقوال سے استدلال کیا ہے اور عام طور سے امام ابو عبدالرحمن محمد بن حسین سُلمی (المتوفی ۴۱۲ھ) اور حافظ ابو عبداللہ نیساپوری کے حوالہ سے اصحابِ صفہ کے اسماء کی تعیین کی ہے، البتہ ان حضرات کے اقوال میں کسی قسم کا تردد وشک ہوا ہے تو اسے دلیل کے ساتھ رد کیا ہے۔

---

(۱) فتح الباری: ۱/ ۶۳۹۔

(۲) وفاء الوفاء: ۱/ ۳۲۱، فتح الباری: ۲/ ۲۸۸، حدیث نمبر ۳۵۸۲، کے تحت۔

(۳) فتح الباری: ۱/ ۶۳۹، حدیث ۴۴۲، کے تحت۔

مثال کے طور پر: سب سے پہلے اوس بن اوس ثقفی کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: **نسبه إلى أهل الصفة وهم فإنه قدم وافدا مع وفد ثقيف على رسول الله ﷺ في آخر عهده**" حضرت اوس رضی اللہ عنہ کو اصحابِ صفہ کی جانب منسوب کرنا وہم ہے، کیونکہ یہ وفدِ ثقیف کے ساتھ اخیر زمانۂ رسالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے ہیں، "**وانزلهم النبي ﷺ القبة لا الصفة**" اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو صفہ کے بجائے "قبہ" میں ٹھہرایا ہے اور یہ خود ہی فرماتے ہیں "كنت في اسفل القبة" میں قبہ کے نچلے حصہ میں مقیم تھا۔ امام ابُونعیم آگے رقم طراز ہیں کہ حضرت اوس سے کوئی حدیثِ رسول مروی ہے اور نہ ان سے اصحابِ صفہ کے کسی قسم کے احوال منقول ہیں۔ (۱)

اصحابِ صفہ کی تعیین میں متکلم فیہ اسماء

۱۔ اوس بن اوس ثقفی
۲۔ اغر بن مزینہ
۳۔ ثابت بن ضحاک
۴۔ ثابت بن ودیعہ
۵۔ حبیب بن زید انصاری
۶۔ حجاج بن عمرو اسلمی
۷۔ خالد بن زید ابو ایوب انصاری
۸۔ دکین بن سعید رضی اللہ عنہم (۲)

اس کتاب کے اندر اکثر وبیشتر علامہ ابونعیم کی کتاب (حلیۃ الأولیاء) ہی سے طلبۂ صفہ کی تعیین وتشخیص کی گئی ہے اور علامہ ابونعیم کے قول پر اعتماد کرنے کے ساتھ ساتھ دیگر معروف اور مستند مؤرخین اور محدثین کے اقوال بطورِ حجت پیش کیے گئے ہیں اور بطورِ خاص جن کے اصحابِ صفہ ہونے کی علامہ ابونعیم نے نفی کی ہے یا شک وتردد کا اظہار کیا ہے تو ان حضرات کے تعارف سے گریز کیا گیا ہے۔

اصحابِ صفہ کے اسمائے گرامی

۱۔ حضرت ابوثعلبہ خُشَنی رضی اللہ عنہ
۲۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ
۳۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ
۴۔ حضرت ابورزین رضی اللہ عنہ
۵۔ حضرت ابوسعید خُدری رضی اللہ عنہ
۶۔ حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ
۷۔ حضرت ابوعُسیب مولیٰ رسول اللہ ﷺ
۸۔ حضرت ابوکبشہ أنماری رضی اللہ عنہ
۹۔ حضرت ابومُوَیہبہ مولی رسول اللہ ﷺ
۱۰۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

---

(۱) الحلیۃ: ۱/ ۳۴۷-۳۴۸۔

(۲) الحلیۃ: ۱/ ۳۴۹، ۳۵۱، ۳۵۵، ۳۵۷، ۳۶۱۔

۱۱۔ حضرت اسماء بن حارثہ رضی اللہ عنہ
۱۲۔ حضرت بَرَاء بن مالک رضی اللہ عنہ
۱۳۔ حضرت بشیر بن خصاصیہ رضی اللہ عنہ
۱۴۔ حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ
۱۵۔ حضرت ثقیف بن عمرو رضی اللہ عنہ
۱۶۔ حضرت ثوبان مولیٰ رسول اللہ ﷺ
۱۷۔ حضرت جاریہ بن جمیل رضی اللہ عنہ
۱۸۔ حضرت جَرہَد بن خُویلد رضی اللہ عنہ
۱۹۔ حضرت جُعَیل بن سُراقہ رضی اللہ عنہ
۲۰۔ حضرت حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہ
۲۱۔ حضرت حازم بن حَرمَلہ رضی اللہ عنہ
۲۲۔ حضرت حذیفہ بن اَسید رضی اللہ عنہ
۲۳۔ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ
۲۴۔ حضرت حَرملہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ
۲۵۔ حضرت حکم بن عُمیر ثُمالی رضی اللہ عنہ
۲۶۔ حضرت حنظلہ بن ابی عامر رضی اللہ عنہ
۲۷۔ حضرت خباب بن ارتؓ رضی اللہ عنہ
۲۸۔ حضرت خُبیب بن یَساف رضی اللہ عنہ
۲۹۔ حضرت خُریم بن اوس رضی اللہ عنہ
۳۰۔ حضرت خُریم بن فاتک رضی اللہ عنہ
۳۱۔ حضرت خُنیس بن حذافہ رضی اللہ عنہ
۳۲۔ حضرت ذوالبجادین رضی اللہ عنہ
۳۳۔ حضرت رَبیعہ بن کعب رضی اللہ عنہ
۳۴۔ حضرت رِفاعہ بن عبدالمُنذر رابولُبابہ
۳۵۔ حضرت زید بن خطاب رضی اللہ عنہ
۳۶۔ حضرت سالم بن عُبید اشجعی رضی اللہ عنہ
۳۷۔ حضرت سالم بن عمیر رضی اللہ عنہ
۳۸۔ حضرت سالم بن معقل مولیٰ ابوحذیفہ
۳۹۔ حضرت سائب بن خلّاد رضی اللہ عنہ
۴۰۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ
۴۱۔ حضرت سعید بن عامر جُمحی رضی اللہ عنہ
۴۲۔ حضرت سفینہ مولیٰ رسول اللہ ﷺ
۴۳۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ
۴۴۔ حضرت شداد بن اَسید رضی اللہ عنہ
۴۵۔ حضرت شقرانؓ مولیٰ رسول اللہ ﷺ
۴۶۔ حضرت شمعون ابورَیحانہ رضی اللہ عنہ
۴۷۔ حضرت صفوان بن بیضاء رضی اللہ عنہ
۴۸۔ حضرت صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ
۴۹۔ حضرت طِخفَہ بن قیس رضی اللہ عنہ
۵۰۔ حضرت طلحہ بن عمرو رضی اللہ عنہ
۵۱۔ حضرت طفاوی دوسی رضی اللہ عنہ
۵۲۔ حضرت عبّاد بن خالد رضی اللہ عنہ
۵۳۔ حضرت عُبادہ بن قُرص رضی اللہ عنہ
۵۴۔ حضرت عبدالرحمن بن قُرط
۵۵۔ حضرت عبدالرحمن بن جَبر رضی اللہ عنہ
۵۶۔ حضرت عبداللہ بن اُنیس رضی اللہ عنہ
۵۷۔ حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ
۵۸۔ حضرت عبداللہ بن حارث بن جَزء

۵۹۔ حضرت عبداللہ بن حبشی خثعمی رضی اللہ عنہ
۶۰۔ حضرت عبداللہ بن حوالہ رضی اللہ عنہ
۶۱۔ حضرت عبداللہ بن زید بن عبدِ ربّہٖ
۶۲۔ حضرت عبداللہ بن عبدا لاسد ابوسلمہ
۶۳۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما
۶۴۔ حضرت عبداللہ ﷺ بن عمرو بن حرام
۶۵۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ
۶۶۔ حضرت عبید مولیٰ رسول اللہ ﷺ
۶۷۔ حضرت عتبہ بن عبد سلمی رضی اللہ عنہ
۶۸۔ حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ
۶۹۔ حضرت عتبہ بن ندر رضی اللہ عنہ
۷۰۔ حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ
۷۱۔ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ
۷۲۔ حضرت عُکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ
۷۳۔ حضرت عمرو بن تغلب نَمری رضی اللہ عنہ
۷۴۔ حضرت عمرو بن عوف مُزنی رضی اللہ عنہ
۷۵۔ حضرت عمرو بن عتبہ سُلمی رضی اللہ عنہ
۷۶۔ حضرت عُوَیم بن ساعدہ رضی اللہ عنہ
۷۷۔ حضرت عَیاض بن حمار رضی اللہ عنہ
۷۸۔ حضرت فُرات بن حَیّان رضی اللہ عنہ
۷۹۔ حضرت فُضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ
۸۰۔ حضرت قُرّہ بن ایاس رضی اللہ عنہ
۸۱۔ حضرت کعب بن عمرو رضی اللہ عنہ
۸۲۔ حضرت کعب بن مالک انصاری
۸۳۔ حضرت کَناز بن حُصین ابومَرثد رضی اللہ عنہ
۸۴۔ حضرت مِسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ
۸۵۔ حضرت مسعود بن ربیع قاری رضی اللہ عنہ
۸۶۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ
۸۷۔ حضرت معاذ بن حارث رضی اللہ عنہ
۸۸۔ حضرت معاویہ بن حَکَم رضی اللہ عنہ
۸۹۔ حضرت مقداد بن عمرو کندی رضی اللہ عنہ
۹۰۔ حضرت نَضلہ بن عبید رضی اللہ عنہ
۹۱۔ حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ
۹۲۔ حضرت وابصہ بن معبد رضی اللہ عنہ
۹۳۔ حضرت ہلال مولیٰ مغیرہ رضی اللہ عنہ
۹۴۔ حضرت ہند بن حارثہ رضی اللہ عنہ
۹۵۔ حضرت یسار ابوفُکَیہہ رضی اللہ عنہ

اصحابِ صفہ سے متعلق قرآنی آیتیں

۱۔ اللہ تعالیٰ نے اصحابِ صفہ کے بارے میں فرمایا: ”**للفقراء الذین احصروا فی سبیل اللہ لایستطیعون ضربا فی الأرض یحسبهم الجاهل اغنیاء من التعفف تعرفهم بسیماهم لایسألون الناس الحافا**“ صدقات میں اصل حق ان حاجت مندوں، غرباء نادار کا ہے جو اللہ تعالیٰ

کے راستہ میں مقید ہوگئے ہوں اور اسی وجہ سے وہ لوگ ملک میں کہیں چلنے پھرنے کا امکان نہیں رکھتے اور ان کے سوال سے بچنے کی وجہ سے ناواقف انہیں مالدار خیال کرتا ہے، البتہ تم ان کو ان کے طرز سے پہچان سکتے ہو کہ فقر وفاقہ سے چہرہ پر اثر ضرور آتا ہے۔ وہ لوگوں سے لپٹ کر مانگتے نہیں پھرتے۔ (۱)

طبقات ابن سعد میں ہے کہ حضرت ابن کعب قُرظی نے فرمایا: اس آیت میں فقراء سے مراد اصحابِ صفہ ہیں، جو گھر بار چھوڑ کر علمِ دین حاصل کرنے کے لیے صفہ میں پڑے رہتے تھے۔ (۲)

۲۔ **"ولو بسط اللّٰه الرزق لعباده لبغوا في الأرض ولكن ينزل بقدر ما يشاء انه بعباده خبير بصير"** اور اگر اللہ تعالیٰ اپنے سب بندوں کے لیے روزی فراخ کر دیتا تو وہ دنیا میں شرارت کرنے لگتے، لیکن جتنا رزق چاہتا ہے اندازے سے ہر ایک کے لیے اتارتا ہے، وہ اپنے بندوں کے مصالح خوب جاننے والا اور ان کا حال دیکھنے والا ہے۔ (۳)

امام ابنِ جریر طبری اور علامہ ابونعیم اصبہانی نے حضرت عمرو بن حرّیث رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ حضرت عمرو نے فرمایا: **"إنما نزلت هذه الآية في أصحاب الصفة"** یہ آیت اصحابِ صفہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ (۴)

۳۔ **"واصبر نفسک مع الذين يدعون ربهم بالغدٰوة والعشي يريدون وجهه"** اور آپ اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ مقید رکھیے جو صبح وشام اپنے رب کی عبادت محض اس کی رضاء جوئی کے لیے کرتے ہیں۔ (۵)

جب یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی ازواج مطہرات کے گھر میں تشریف فرما تھے، یہ آیت کریمہ سنتے ہی آیت کریمہ میں ذکر کردہ صفات کی حامل جماعت کو ڈھونڈتے ہوئے باہر تشریف لائے، تو کچھ پراگندہ حال و پراگندہ بال غرباء کو (مسجدِ نبوی) میں دیکھا، جن کے جسم پر صرف ایک کپڑا تھا، اسی سے اپنا ستر چھپا رکھے تھے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول تھے، یہ دیکھ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی مجلس میں بیٹھ گئے اور فرمایا **"الحمد للّٰه الذي جعل في أمتي من أمرني أن اصبر نفسي معه"** تمام تعریف اس پروردگار کی ہے جس نے میری امت میں ایسے

---

(۱) سورۃ البقرۃ آیت ۲۷۳۔ (۲) طبقات ابن سعد: ۱/ ۲۵۵۔

(۳) سورۃ الشوریٰ: آیت ۲۷۔ (۴) تفسیر طبری: ۵/ ۳۰، حلیۃ الأولیاء: ۱/ ۳۳۸۔

(۵) سورۃ الکہف: آیت ۲۸۔

افراد پیدا کیے کہ جن کے ساتھ خود مجھے رہنے کا حکم دیا۔ (۱)

اسی جیسی روایت سننِ ابوداؤد شریف میں بھی آئی ہے، جو آرہی ہے۔ وہاں فقراءِ مہاجرین کی صراحت ہے کہ یہ لوگ علمِ دین حاصل کرنے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے ہی میں مشغول رہتے تھے۔

صفہ میں قیام کرنے کا مقصد

اصحابِ صفہ ہر چیز سے یکسو ہو کر علمِ دین حاصل کرنے اور منبعِ نبوت سے بھرپور مستفیض ہونے میں کوشاں رہتے، مسجدِ نبوی ہی میں قرآن، سنت، فقہ اور شرائعِ اسلام کا علم حاصل کرتے اور آپس میں تکرار کرتے رہتے تھے۔

حضرت ابوسعید خدریؓ کا بیان ہے کہ میں فقراءِ مہاجرین کی ایک جماعت کے ساتھ بیٹھا تو دیکھا کہ ان میں سے بعض اپنے ستر کو کپڑے کے کم ہونے کے سبب دوسرے کے کپڑے سے یا دوسرے شخص کے پیچھے بیٹھ کر اپنے ستر کو چھپا رہے تھے اور قاریٔ قرآن درسِ قرآن دے رہے تھے کہ اچانک معلمِ انسانیت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور کھڑے ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے ہی قاریٔ قرآن خاموش ہو گئے، آپ نے سلام کیا، پھر دریافت کیا کہ تم لوگ کیا کر رہے تھے؟ ہم لوگوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہمارے قاری صاحب قرآنِ کریم پڑھ رہے تھے اور ہم سن رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا: ”**الحمد لله الذي جعل من أمتي من أمرت أن أصبر نفسي معهم**“ تمام تعریف اس پروردگار کی ہے جس نے میری امت میں ایسے افراد پیدا کیے کہ جن کے ساتھ مجھے خود رہنے کا حکم دیا۔ پھر آگے بڑھ کر خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان جلوہ افروز ہو گئے، تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں کے ساتھ بیٹھنے میں برابر کے شریک رہیں۔ پھر اپنے دستِ مبارک سے اشارہ فرمانے لگے کہ اچھی طرح حلقہ بنا لو، تاکہ تمام حضرات کے چہرے میرے سامنے ہو جائیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے فقراءِ مہاجرین کی جماعت! تم لوگ قیامت کے دن کامل و مکمل نور کی بشارت و خوشخبری قبول کرو اور تم لوگ مال داروں سے آدھا دن پہلے جنت میں جاؤ گے اور وہ آدھا دن پانچ سو سال کے برابر ہوگا۔ (۲)

بیرِ معونہ میں شہید ہونے والے ۷۰ ستر قراءِ صحابہ کرام کو علامہ ابنِ حجر عسقلانی نے

---

(۱) تفسیر طبری: ۱۵/ ۱۵۵۔ (۲) سنن ابوداؤد: ۲/ ۵۱۶، العلم۔

اصحابِ صفہ میں شمار کیا ہے۔ (۱) حضرت انس رضی اللہ عنہ ان اصحابِ صفہ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں! "یقرؤن القرآن ویتدارسون باللیل یتعلمون، یہ قراء صحابۂ کرام قرآن کریم پڑھتے تھے اور رات میں تعلیماتِ قرآن وسنت کا آپس میں تکرار ومذاکرہ کیا کرتے تھے (۲) صفہ کے طلبۂ کرام بطورِ خاص راتوں میں مذاکرہ وتکرار اور یکسو ہوکر نماز پڑھتے اور ذکرِ خداوندی میں مشغول رہتے تھے، گویا کہ ان کا مقصد یہی تھا کہ شرائع اسلام کا علم حاصل کریں اور خلوت وتنہائی میں اللہ تعالیٰ کی خوب عبادت کریں اور زہد وفقر کی زندگی کو اپنے گلے لگائیں اور اپنے ظاہر وباطن کو علم وعمل سے خوب مجلیٰ ومصفیٰ کریں۔

تعلیم وتربیت

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اصحابِ صفہ کے سامنے قرآن کریم پڑھنے اور علمِ دین حاصل کرنے کی فضیلت واہمیت بیان کرکے تعلیمِ قرآن دیا کرتے تھے۔ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، ہم لوگ صفہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے اصحابِ صفہ کو مخاطب کرکے فرمایا: تم میں کون شخص اس کو پسند کرے گا کہ صبح سویرے بازار "بُطحان" یا "عقیق" میں جائے اور دو اونٹنیاں عمدہ سے عمدہ بلا کسی قسم کے گناہ اور قطعِ رحمی کے پکڑ لائے صحابہ نے عرض کیا: اس کو تو ہم میں سے ہر ایک شخص پسند کرے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسجد میں جاکر آیتوں کا پڑھنا، پڑھانا، دو اونٹنیوں سے اور تین آیت کا تین اونٹنیوں سے، اسی طرح چار کا چار سے افضل ہے اور ان کے برابر اونٹنیوں سے افضل ہے۔ (۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اصحابِ صفہ کی تعلیم وتربیت کا بہت خیال رکھتے تھے، شدتِ بھوک کی حالت میں بھی ان کو سبق پڑھاتے، حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت بھوک کی حالت میں کھڑے ہوکر "صفہ" کے طلبۂ کرام کو پڑھاتے ہوئے دیکھا ہے۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پشتِ مبارک سیدھی رکھنے کے لیے اپنے پیٹ سے پتھر کا ایک ٹکڑا باندھے ہوئے تھے۔ (۴)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم وتربیت بہت ہی اچھے اور نرالے انداز پر ہوتی تھی، طالبِ

---

(۱) فتح الباری: ۱/۶۳۵۔ (۲) صحیح مسلم: ۲/۱۳۹، ا، ل امارۃ۔

(۳) صحیح مسلم: ۱/۲۷۰۔ (۴) حلیۃ الاولیاء: ۱/۳۴۲۔

علم سے کتنی بڑی سخت غلطی ہو جائے پھر بھی نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کی پٹائی کرتے اور نہ ڈانٹ ڈپٹ کرتے، بلکہ بڑے پیار بھرے لب ولہجہ میں سمجھاتے، جس سے طالب علم بڑا متاثر ہوتا اور تعلیماتِ نبوی سے اپنے آپ کو خوب مزین و آراستہ کر لیتا۔

''صفہ'' کے ایک ہونہار طالب علم حضرت معاویہ بن حکم سلمی رضی اللہ عنہ (۱) اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا، نمازیوں میں سے کسی کو چھینک آ گئی، میں نے ''یرحمک اللہ'' اس کے جواب میں کہہ دیا، اتنا کہنا تھا کہ لوگ مجھے گھورنے لگے، میں نے کہا: کیا ہو گیا، تم لوگ مجھے کیوں گھور رہے ہو؟ نماز میں بولنے کی بنا پر وہ لوگ اپنی اپنی رانوں پر ہاتھ مارنے لگے، تو میں سمجھ گیا کہ نماز میں بولنے کی وجہ سے یہ لوگ مجھے خاموش کرا رہے ہیں۔ بال آخر میں خاموش ہو گیا۔

فلما صلى رسول اللهﷺ فبابي هو وأمي، ما رأيت معلماً قبله ولا بعده أحسن تعليماً منه، فو الله ما كهرني ولا ضربني ولا شتمني ثم قال: إن هذه الصلاة لا يصلح فيها شيء من كلام الناس، انما هو التسبيح والتكبير وقراءة القرآن۔ (۲)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر میرے ماں باپ قربان ہوں! میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا معلم، نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے اور نہ آپ کے بعد دیکھا، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو اللہ کی قسم! نہ آپ نماز میں بولنے کی بنا پر مجھ سے ناراض ہوئے نہ پٹائی کی اور نہ ڈانٹ ڈپٹ کی، بلکہ بڑے پیار بھرے لہجہ میں ارشاد فرمایا: نماز میں کسی قسم کی بات نہیں کی جاتی ہے اور نہ ایسا کرنا درست ہے، بلکہ نماز میں صرف اللہ تعالیٰ کی پاکی اور بڑائی بیان کی جاتی ہے اور قرآن کریم کی تلاوت کی جاتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعض دفعہ صفہ کے طالب علموں کو فرداً فرداً تعلیم و تربیت دیتے تھے، حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صفہ کے ایک طالب علم ابورزین نامی شخص سے فرمایا: اے ابورزین! جب تم خلوت و تنہائی میں رہو تو تم اپنی زبان پہ اللہ تعالیٰ کا ورد جاری رکھو، جب تک اللہ تعالیٰ کے ذکر میں لگے رہوگے، برابر نماز ہی میں شمار کیے جاؤ گے، اگر تم لوگوں کے سامنے ذکر کرو گے تو لوگوں کے سامنے نفل نماز پڑھنے کے برابر تمہیں ثواب

---

(۱) حلیۃ الاولیاء: ۲/ ۳۳۔ (۲) صحیح مسلم: ۱/ ۲۰۳، باب تحریم الکلام فی الصلاۃ۔

دیا جائے گا۔ (۱)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم طلبۂ صفہ کی تربیت کی خاطر راتوں میں مدرسۂ صفہ میں گشت بھی لگاتے اور اگر کوئی کام خلافِ شرع پاتے تو اس پر تنبیہ فرماتے۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ پیٹ کے بل مسجدِ نبوی میں سو رہے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنے پاؤں مبارک سے ٹھوکر مار کر جگایا اور فرمایا: اے جُندُب! یہ کیا لیٹنے کا طریقہ ہے؟ یہ تو شیطان اور جہنمیوں کا طریقہ ہے۔ (۲)

حضرت طِخفہ غفاری رضی اللہ عنہ اپنے مدرسۂ صفہ کے ساتھیوں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں دعوت کھا کر مسجدِ نبوی میں پیٹ کے بل سو گئے۔ یہ خود ہی فرماتے ہیں! کسی نے پیر سے مجھے حرکت دی اور کہا: اس طرح لیٹنا اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے۔ کہنے والے کی جانب میں نے دیکھا تو وہ محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ (۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طلبۂ صفہ کی تعلیم وتربیت کی خاطر استاد بھی متعین کر رکھا تھا حضرت عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں!

"**علّمتُ ناساً من أهل الصفة القرآن والكتاب**" میں نے صفہ کے کچھ طلبۂ کرام کو قرآن کریم کی تعلیم دی اور لکھنا بھی سکھایا تو ان میں سے ایک طالب علم نے مجھے ایک کمان ہدیہ میں دی☆ (۴)

طلبۂ صفہ اپنی علمی پیاس اکابرِ علماءِ صحابۂ کرام سے بھی بجھایا کرتے۔ اگر کوئی آیت یاد نہ ہوتی، یا کسی آیت کا مطلب سمجھ میں نہیں آتا، تو حضرت ابوبکر، حضرت عمر رضی اللہ عنہما جیسے اکابرِ صحابہ سے چلتے پھرتے راستہ میں یا کسی بھی جگہ پوچھ کر اپنی معلومات میں اضافہ کر لیتے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں سخت بھوک کی وجہ سے لوگوں کی

---

(۱) حلیۃ الأولیاء: ۱/ ۳۶۲، الإصابۃ: ۴/ ۷۰۔ (۲) سنن ابن ماجۃ: / ۲۶۴۔

(۳) الحلیۃ: ۱/ ۳۷۳۔ (۴) سننِ أبوداؤد: ۲/ ۴۸۵، الإجارۃ عون المعبود: ۹/ ۲۰۳۔

☆ حضرت عبادہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلیم قرآن وغیرہ کی بنا پر ہدیہ میں اس کمان کے جواز کے سلسلہ میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: اگر تو آگ کا طوق اپنے گلے میں پہننا چاہتا ہے تو اسے قبول کر لے (سننِ ابوداؤد: ۲/ ۴۸۵) علامہ خطابی نے اس روایت کی توجیہ میں فرمایا: اصحابِ صفہ غریب نادار تھے، وہ لوگوں کے صدقہ وغیرہ کے مال پر گذر بسر کرتے تھے، چنانچہ ان محتاجوں پر تو خرچ کرنا چاہیے، نہ کہ ان سے

گذر گاہ میں بیٹھ گیا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ گذرے، میں نے ان سے قرآن مجید کی ایک آیت کے متعلق سوال کیا، تا کہ حضرت ابو بکر سوال کا جواب دے کر مجھے گھر لے جا کر کھانا کھلائیں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے سوال کا جواب دیا اور چلے گئے، مگر اپنے ساتھ نہیں لے گئے، پھر حضرت عمرؓ کا گذر ہوا، میں نے ان سے بھی قرآن کریم کی ایک آیت کے متعلق معلوم کیا تا کہ وہ مجھے اپنے ساتھ گھر لے جائیں اور کھانا کھلائیں، وہ بھی گذر گئے اور مجھے اپنے ساتھ نہیں لے گئے۔ (۱)

صفہ کے ممتاز طالب علم حضرت واثلۃ بن اسقع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں تین دن کا بھوکا تھا، عشاء کی نماز کے وقت حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر میں نے "سورۂ سبا" کی کچھ آیتیں ان سے پڑھنے کی درخواست کی، وہ چلتے رہے، پڑھاتے رہے، جب اپنے گھر کے دروازہ تک پہنچ گئے تو میں اپنے دل میں بہت خوش ہوا کہ اب مجھے کھانے کے لیے ضرور بلائیں گے مگر وہ اپنے گھر کے دروازہ پر کھڑے سمجھا کر خاموشی کے ساتھ اندر تشریف لے گئے اور مجھ سے کچھ نہیں کہا۔ پھر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس قرآن کریم کی آیت سمجھنے کے بہانے سے گیا، انہوں نے بھی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ جیسا معاملہ اپنایا۔ (۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ کا مقصد اگر چہ ان دونوں حضرات سے آیت کے سلسلہ میں پوچھنا نہیں تھا، بلکہ اس کے پسِ پردہ اپنی بھوک مٹانے کی خاطر چند لقمے حاصل کرنا تھا، کہ شاید آیت سمجھنے کے بہانہ سے حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما ان کی بے بسی اور بھوک کی سختی کو دیکھ کر کھانا کھلا دیں۔ مگر ایسے واقعات سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ صفہ کے طلبۂ کرام اکابرِ علماءِ صحابۂ کرام سے بھی اپنی علمی پیاس بجھاتے تھے، یہی وجہ ہے کہ حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما یہی سمجھے کہ ان دونوں کا مقصد آیت کے سلسلہ میں ہی دریافت کرنا اور اپنی معلومات میں اضافہ کرنا ہے۔ اس طرح صفہ کے طلبۂ کرام علومِ نبوت سے مستفیض ہوتے۔

بعض طلبۂ کرام نے مدرسۂ صفہ میں رہ کر اس قدر علمِ حدیث حاصل کیا کہ دوسرے اس سے پیچھے رہ گئے۔ مثلاً: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنے سینۂ گنجینہ میں احادیث طیبہ کا اتنا بڑا ذخیرہ جمع کیا کہ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کے سب سے بڑے حافظِ حدیث کہلائے۔ اور حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے بطورِ خاص فتنوں سے متعلق احادیث یاد کرنے کا اس قدر اہتمام کیا کہ

---

(۱) صحیح بخاری: ۲/ ۹۵۵، نمبر ۶۴۵۲

(۲) المستدرک: ۴/ ۱۱۶۔

دوسرے اس مقام کو نہ پا سکے۔ اور حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ منبعِ نبوت سے اس قدر فیض یاب ہوئے کہ خلیفۃ المسلمین حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کے بارے میں فرمایا "**وعی علماً عجز منه**" حضرت ابوذر ایسے علم کو حاصل کئے ہوئے ہیں جس سے لوگ عاجز آ گئے۔ (۱)

جہاد میں شرکت

صفہ کے طلبائے کرام نے اپنے آپ کو صرف علمِ دین سیکھنے اور عبادت کرنے ہی تک محدود نہیں کر رکھا تھا، بلکہ مسلمانوں کے اجتماعی کاموں اور میدانِ کارزار میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ اور میدانِ جہاد میں بڑے بڑے کارنامے انجام دیتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ دین کے عالم، رات کے راہب اور دن کے شہ سوار تھے۔ کتنے ہی اصحابِ صفہ میدانِ کارزار میں شہید ہوئے۔ نمونۂ ازخروارے کے طور پر چند اسماءِ گرامی پیش کیے جا رہے ہیں۔ حضرت صفوان بن بیضاء، خریم بن فاتک، خبیب بن یساف، سالم بن عمیر اور حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہم غزوۂ بدر میں جامِ شہادت نوش کئے۔ (۲) غزوۂ احد میں حضرت حنظلۃ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے۔ (۳) جنہیں فرشتوں نے غسل دیا۔ غزوۂ خیبر میں حضرت ثقف بن عمرو (۴) غزوہ تبوک میں حضرت عبداللہ ذُوالبجادین اور جنگِ یمامہ میں حضرت عمر فاروق کے بھائی زید بن خطاب اور حضرت سالم مولیٰ ابوحذیفۃ رضی اللہ عنہم (۵) شہید ہوئے۔

طعام کا بندوبست

صفہ کے طلبۂ کرام کی عام غذا کھجور تھی اسی کو کھا کر اور پانی پی کر گذر بسر کرتے تھے۔ حضرت طلحہ بن عمرو بصری رضی اللہ عنہ اصحابِ صفہ میں ہیں، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں مدینہ آیا، وہاں کوئی جان پہچان والا نہیں تھا، اس لیے صفہ میں ایک آدمی کے ساتھ رہنے لگا۔ ہم دونوں کو روزانہ ایک مد☆ کھجور ملتی تھی، ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ کر واپس ہو رہے تھے، اصحابِ صفہ میں سے ایک شخص نے بڑھ کر کہا: یارسول اللہ! "**أحرق التمر بطوننا وتحرفت علينا الحرف**" کھجوروں نے

---

(۱) طبقات ابن سعد: ۴/ ۲۳۲۔

(۲) الحلیۃ: ۱/ ۳۷۳، ۳۶۷، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۷۱، ۳۵۶۔

(۳) الحلیۃ: ۱/ ۳۵۷۔

(۴) الحلیۃ: ۱/ ۳۵۲۔

(۵) الحلیۃ: ۱/ ۳۵۶، ۳۶۷، ۳۷۰۔

☆ ایک مد/ ۸۰۰ گرام یا/ ۵۰۰ گرام اور

ہمارے شکم جلا دیئے ہیں اور ہماری مشغولیتیں مشکل ہوگئی ہیں۔

اس شخص کی بات سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف لے گئے اور خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ مکہ میں مجھ پر اور میرے اصحاب پر دسوں دن ایسے گذرے ہیں جن میں ہم نے صرف پیلو کے پھل پر گذر بسر کیا ہے اور جب ہم ہجرت کر کے اپنے بھائی انصار کے یہاں آئے تو دیکھا کہ ان کی عام غذا کھجور ہے، انہوں نے ہر طرح کی ہمدردی کی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مستقبل میں مسلمانوں کے پاؤں تلے مال و دولت کے انبار لگنے کی خوشخبری سنائی۔ (۱)

حضرت ابو ہریرۃ کا بیان ہے کہ ایک دن میں بے وقت مسجد میں گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا، اس وقت کیسے آئے ہو؟ میں نے بھوک کی شدت بیان کی، اتنے میں اور بھی اصحابِ صفہ آ گئے، آپ نے اندر سے کھجور کا ایک طبق منگایا اور ہم میں سے ہر ایک کو دو دو کھجور دے کر فرمایا: تم لوگ ان کو کھا کر پانی پی لو، آج تمہارے لیے یہی کافی ہے۔

عموماً صدقے کا سامان اصحابِ صفہ پر خرچ ہوتا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابۂ کرام کو اصحابِ صفہ پر صدقہ و خیرات کرنے کے سلسلہ میں خوب ابھارتے تھے۔ (۲) جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صدقہ کا سامان آتا تو آپ اصحابِ صفہ کے پاس بھیج دیتے، خود اس میں سے کچھ بھی استعمال نہ فرماتے اور جب ہدیہ کی کوئی چیز آتی تو اصحابِ صفہ کو بلا بھیجتے ان کو کھلاتے اور خود بھی تناول فرماتے۔ (۳)

خاندانِ قریش کے مالدار حضرات بطورِ خاص ان کے لیے کھانا بھیجتے تھے۔ (۴)

اصحابِ صفہ کے طعام کا بندوبست صحابۂ کرام بھی آپس میں مل کر کرتے تھے وہ اس طرح کہ ایک صحابی اپنے ساتھ ایک یا اس سے زائد اصحابِ صفہ کو اپنے گھر لے جاتے تھے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شام کو ہم اصحابِ صفہ کے پاس تشریف لاتے اور صحابۂ کرام کے درمیان طلبۂ صفہ کو تقسیم فرما دیتے۔ ایک صحابی اپنے ساتھ ایک، یا دو، یا تین اصحابِ صفہ کو اپنے ساتھ گھر لے جاتے، زیادہ سے زیادہ ایک صحابی اپنے ساتھ دس کو لے جاتے،

---

(۱) مسند أحمد: ۳/ ۴۸۷، صحیح ابن حبان رقم ۶۶۳۹۔ (۲) مسند أحمد: ۶/ ۳۹۱۔

(۳) صحیح بخاری: ۲/ ۹۵۵، رقم: ۶۴۵۲۔ (۴) حلیۃ الأولیاء: ۱/ ۳۷۸۔

(۵) الحلیۃ: ۱/ ۳۴۱۔

البتہ حضرت سعد بن عبادۃ رضی اللہ عنہ ہر رات ۸۰؍ اصحابِ صفہ کو اپنے ساتھ لے جاتے اور کھانا کھلاتے۔ (۵)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر وبیشتر اصحابِ صفہ کو اپنے ساتھ گھر لے جاتے۔ حضرت عبدالرحمن بن ابوبکر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اصحابِ صفہ محتاج وبے خانماں تھے۔ ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علی وسلم نے صحابۂ کرام کو مخاطب کرکے فرمایا: جس کے پاس دو آدمیوں کا کھانا ہو وہ ان میں سے تیسرے شخص کو لے جائے اور جس کے یہاں چار آدمیوں کا کھانا ہو وہ پانچویں یا چھٹے شخص کو ساتھ لے جائے۔ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دس آدمی لے گئے اور حضرت ابوبکر تین آدمی گھر پر لے آئے اور اسی طرح صحابۂ کرام اپنی وسعت کے مطابق لے گئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے مہمانوں کے ساتھ دسترخوان پر بیٹھے، کھانا شروع کیا، کافی برکت ہوئی ان کے صاحبزادہ حضرت عبدالرحمن کا بیان ہے: ہم جب ایک لقمہ اٹھاتے تو نیچے سے کھانا اور بڑھ جاتا، اس طرح سارے لوگ کھا کر شکم سیر ہو گئے اور کھانا جتنا پہلے تھا اس سے بھی زیادہ ہو گیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ نے کھانا جوں کا توں دیکھ کر اپنی اہلیہ محترمہ سے کہا: اے بنو فراس کی بہن! یہ کیا معاملہ ہے؟ انہوں نے کہا: میری آنکھ کی ٹھنڈک کی قسم: کھانا جتنا پہلے تھا اس سے تین گنا زیادہ ہو گیا ہے۔ (۱)

اصحابِ صفہ خود بھی اپنے کھانے کا بندوبست اور انتظام کرتے تھے اور اپنے بھائیوں پر بوجھ بننا نہیں چاہتے تھے۔ بئرِ معونہ میں شہید ہونے والے ۷۰؍ ستر قراءِ صحابہ کرام کے بارے میں حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”**وکانوا بالنہار یجیئون بالماء فیضعونہ فی المسجد، ویحتطبون، فیبیعونہ ویشترون بہ الطعام لأھل الصفۃ۔** (۲) قراءِ صحابۂ کرام دن میں پانی لاکر مسجد میں رکھتے اور جنگلوں سے لکڑیاں چن کر لاتے اور بازاروں میں بیچتے اور ان روپے سے اصحابِ صفہ اور فقراء کے لیے کھانے کا انتظام کرتے۔

غزوۂ خیبر کے بعد اصحابِ صفہ کے خورد ونوش کے منتظم حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رہے، کیونکہ یہ صفہ کے ہر ہر طالب علم کو اور اس کے علمی وعملی مقام کو خوب اچھی طرح جانتے تھے (۳) اور ان میں میزبانی اور مہمان نوازی کا خاص سلیقہ تھا۔ حضرت طفاوی کا بیان ہے کہ میں چھ مہینہ تک مدینہ طیبہ

---

(۱) صحیح بخاری: ۱/ ۵۰۶، رقم ۳۵۸۱۔

(۲) صحیح مسلم: ۲/ ۱۳۹، ال إمارۃ۔

(۳) الحلیۃ: ۱/ ۳۷۶۔

(۴) تذکرۃ الحفاظ: ۱/ ۳۵۔

میں حضرت ابو ہریرہ کا مہمان رہ چکا ہوں، ان کے جیسا مہمان نواز اور خاطر تواضع کرنے والا میں نے کسی کو نہیں پایا۔ (۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ لوگوں کی گذرگاہ پر ایک دن کھڑے ہو گئے، شدتِ بھوک سے حالت خراب تھی، حضرت ابو بکر صدیق گذر گئے، انہوں نے کھانے کے لیے نہیں پوچھا اس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی گذر گئے، محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم گذرے، آپ انہیں دیکھتے ہی مسکرا دیئے اور دل کی کیفیت پہچان گئے اور ان کے چہرہ سے بھانپ گئے کہ یہ بھوکے ہیں، آپ نے فرمایا ابوہر! میرے ساتھ آؤ۔ حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں! یہ فرما کر گھر کے اندر مجھے لے گئے اور ایک پیالہ بھرا ہوا دودھ دیکھ کر فرمایا: یہ دودھ کہاں سے آیا؟ جواب ملا فلاں نے آپ کو تحفہ میں بھیجا ہے یہ سن کر آپ نے حضرت ابو ہریرہ سے فرمایا: اے ابوہر! اہلِ صفہ کو بلا کر لے آؤ۔ میں ان کو بلا کر لے آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دودھ کا پیالہ دیتے ہوئے فرمایا: سب کو باری باری پلا دو، میں نے سب کو باری باری پلایا، سارے شکم سیر ہو کر پیئے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوہر! اب تو بیٹھ جا اور دودھ پی، میں بیٹھ گیا اور خوب شکم سیر ہو کر دودھ پیا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: اور پی، میں نے اس مرتبہ اتنا پی لیا کہ میرے پیٹ میں گنجائش ہی نہیں رہی۔ (۱)

تنگی وفقر وفاقہ کی زندگی

اصحابِ صفہ نے مدرسۂ صفہ میں کس قدر بے بسی، کسم پرسی، تنگی، فقر وفاقہ اور شدتِ بھوک کی حالت میں زندگی گزاری ہے خود ان کی زبانی ملاحظہ فرمائیں!

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ صفہ کے طلبۂ کرام کی بے بسی کو اپنے شاگردوں کے سامنے بیان کرتے تھے، ان کے شاگرد عبداللہ بن شقیق کا بیان ہے کہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک سال تک رہا ایک دن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کے پاس آپ نے مجھ سے فرمایا: ہم اصحابِ صفہ کے پاس پھٹی پرانی چادر کے علاوہ کوئی کپڑا جسم کو ڈھانکنے کے لیے نہیں تھا اور ہم میں سے ہر ایک کو کمر اور پشت سیدھی رکھنے کے بقدر بھی کھانا ملے عرصہ گذر جاتا، اپنی پشت اور کمر سیدھی رکھنے کے لیے ہر ایک اپنے خالی پیٹ پر پتھر باندھ لیتا، پھر اوپر سے اس پتھر کو کپڑے سے اس قدر زور سے

---

(۱) صحیح بخاری: ۲/ ۹۵۵، رقم ۶۴۵۲۔ (۲) مسند احمد: ۲/ ۳۲۴۔

باندھتا کہ وہ ظاہر ہونے اور گرنے سے محفوظ ہو جاتا۔ (۲)

اصحابِ صفہ کو عموماً پیٹ بھر کر کھانا میسر نہیں ہوتا، بلکہ سدِّ رمق کے بقدر کھانا میسر ہوتا تھا، جس کا اثر ان پر اس طرح ظاہر ہوتا تھا کہ نماز میں شدتِ بھوک سے غش کھا کر اور چکرا کر گر جاتے، بدو حضرات انہیں پاگل و مجنوں کہتے تھے۔

حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا رہے تھے، کچھ صفہ کے طلبۂ کرام شدتِ بھوک کی وجہ سے غش کھا کر نماز کی حالت میں گر گئے ۔ انہیں دیکھ کر دیہاتی لوگ کہنے لگے کہ یہ لوگ مجنوں، دیوانے اور پاگل ہیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو انہیں مخاطب کر کے فرمایا: اس مصیبت و سختی کے برداشت کرنے اور اس پر صبر کرنے پر اللہ تعالیٰ کے یہاں جو تمہیں اجر و ثواب ملے گا، اسے جان لو تو تم لوگ فقر و فاقہ اور تنگ دستی کی تمنا کرنے لگو، تا کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں زیادہ سے زیادہ اجر و ثواب کے مستحق ہو جاؤ۔ (۱)

صفہ کے مایۂ ناز طالب علم حضرت ابو ہریرۃ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ تین دن کا بھوکا تھا، زبان پہ کھانے کی کوئی چیز نہیں رکھی تھی، اسی شدتِ بھوک کی حالت میں صفہ جا رہا تھا کہ چلتے چلتے گر پڑا، چھوٹے چھوٹے بچے میرے پاس جمع ہو گئے اور مجھے پاگل، مجنوں کہنے لگے بھوک سے چکرا کر، غش کھا کر گرتے پڑتے مدرسۂ صفہ تک پہونچا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے چہرہ سے بھوک کے آثار دیکھ کر گھر سے ثرید۔ گوشت روٹی چور کر تیار کیا گیا کھانا۔ منگوایا اور میرے ذریعہ اصحابِ صفہ کو بلوایا وہ آ گئے اور کھانے لگے، مگر مجھے کھانے کے لیے نہیں کہا گیا، جس کی بنا پر میں بہت پریشان ہو رہا تھا۔ جب لوگ کھا کر جانے لگے، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیالہ کے کنارہ میں لگے ہوئے کھانا کے بچے حصہ کو اپنی انگلی مبارک سے جمع فرمایا، جو مشکل سے ایک لقمہ ہوا، تو میری جانب مخاطب ہو کر فرمایا: ابو ہریرۃ! بسم اللہ پڑھ کر کھاؤ۔ فرماتے ہیں کہ! اس ذات پاک کی قسم، جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، اسی ایک لقمہ میں اتنی برکت ہوئی کہ میں آسودہ ہو گیا۔ (۲)

حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں صفہ میں تھا، میرے صفہ کے ساتھیوں کو سخت بھوک کا احساس ہوا، ان لوگوں نے مجھ سے کہا: اے واثلہ! تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ

---

(۱) مسند أحمد: ۶/ ۱۸، الحلیۃ: ۲/ ۱۷۔ (۲) صحیح ابن حبان بحوالہ فتح الباری:

وسلم سے ہم لوگوں کے لیے کھانا مانگ کر لے آؤ۔ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا: اے اللہ کے رسول! میرے ساتھی بھوک سے بلبلا رہے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر حضرت عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا سے فرمایا: اے عائشہ! کیا تمہارے پاس کچھ ہے؟ جواب میں عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کچھ چوری ہوئی روٹی ہے۔

آپ نے فرمایا: اسی کو لے آؤ وہ ایک چمڑے کے تھیلے میں لے کر آئیں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بڑا ڈونگا منگوایا اور چوری ہوئی روٹی اسی میں ڈال دی پھر اپنے دستِ مبارک سے ثرید تیار کرنے لگے، ثرید تیار ہوتے ہوتے ڈونگا بھر گیا، آپ نے ارشاد فرمایا: اے واثلہ! تم جاؤ اپنے دس ساتھیوں کو بلا کر لے آؤ، ان میں سے دسویں تم شمار کیے جاؤ گے۔ میں گیا، اپنے ساتھیوں کو بلا کر لایا، آپ نے فرمایا: بیٹھ جاؤ، بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کرو اور اپنے سامنے ہی سے کھانا، ہرگز بیچ پیالہ سے مت کھانا، کیونکہ برکت کا نزول بیچ ہی میں ہوتا ہے۔ جب یہ لوگ آسودہ ہو کر کھا لیے اور جانے لگے تو آپ نے مزید دس اصحابِ صفہ کو بلوایا۔ اس طرح ۴۰ر چالیس صفہ کے طلبۂ کرام کی دعوت فرمائی۔ یہ آپ کی مبارک دعوت میں شریک ہو کر خوب شکم سیر ہو کر کھائے اور کھانا پیالہ میں اسی طرح بچ گیا، کچھ بھی کم نہیں ہوا۔ (۱)

حضرت واثلہ فرماتے ہیں! ماہِ رمضان المبارک میں ہم اصحابِ صفہ روزہ رکھتے تھے، افطار کے وقت ہم میں سے ہر ایک کو کوئی صاحبِ خیر اپنے گھر لے جاتے اور افطار کراتے اور کھانا وغیرہ کھلاتے رمضان المبارک کی ایک رات ایسی آئی کہ کوئی شخص بھی ہم لوگوں کو لینے کے لیے نہیں آیا، روزہ ہی کی حالت میں رات گذار دی پھر دوسرے دن روزہ رکھا، اس رات بھی کوئی نہیں آیا، ہم لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شدتِ بھوک کی اور دو دن سے کھانا نہ ملنے کی شکایت کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو اپنی ازواجِ مطہرات میں سے ہر ایک کے گھر بھیجا، تاکہ کھانے کے سلسلہ میں دریافت کر آئے۔ ہر ایک نے یہی کہلوا بھیجا کہ جو کھانا بچ گیا تھا اسے غرباء میں تقسیم کر دیا گیا ہے، اب کچھ بھی نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر اصحابِ صفہ سے ارشاد فرمایا: تم لوگ جمع ہو جاؤ۔ سارے جمع ہو گئے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ سے دعاء فرمائی ”**اللّٰهم إنا نسألک من فضلک ورحمتک، فإنهما بیدک لایملکهما أحد غیرک**“ اے اللہ! ہم

---

(۱) الحلیۃ: ۲/ ۲۲-۲۳۔

آپ سے آپ کے فضل ورحمت کا سوال کرتے ہیں۔ یہ دونوں چیزیں (فضل ورحمت) آپ ہی کے قبضۂ قدرت میں ہے، آپ کے علاوہ کوئی ان دونوں کا مالک نہیں ہے۔ ابھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دعا ختم ہی کر پائے تھے کہ ایک شخص بھنی ہوئی بکری اور بہت ساری چپاتیاں لے کر آیا اور اندر داخل ہونے کی اجازت مانگی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی۔ یہ کھانا ہم لوگوں کے سامنے رکھا گیا، ہم لوگ خوب آسودہ ہو کر کھائے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ”إنا سألنا اللّٰہ من فضله ورحمته وقد ذخر لنا عنده رحمة“ ہم نے اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل ورحمت کا سوال کیا، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہمارے لیے رحمتوں کے ذخیرے اور انبار ہیں۔ (۱)

لباس

صفہ کے طلبۂ کرام کے پاس پھٹی پرانی چادر کے علاوہ کوئی کپڑا جسم کو ڈھانکنے کے لئے نہیں تھا (۲) اور پھٹی پرانی چادروں میں اتنا لباس بھی میسر نہیں تھا کہ جس سے پورے طور پر اپنے تن کو ڈھانک سکیں۔ (۳) حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ میں نے ۷۰ رستر اصحابِ صفہ کو دیکھا ہے، ان میں سے کسی کے پاس اتنی بڑی چادر نہیں تھی جس سے اپنے پورے جسم کو چھپا سکے، بلکہ یا تو ان کے پاس لنگی ہوتی، یا اوپر کی چادر جسے وہ اپنی گردنوں میں باندھ لیتے، ان چادروں میں سے بعض تو نصف پنڈلیوں تک پہنچتیں اور بعض ٹخنوں تک، جسے وہ بے پردگی کے خوف سے نیچے کی جانب سے پکڑے رہتے۔ (۴)

بعض دفعہ صفہ کے فقراءِ مہاجرین کو اتنے کپڑے بھی میسر نہیں ہوتے کہ جس سے وہ اپنے ستر چھپا سکیں، حضرت ابوسعید خدری کا بیان ہے کہ میں فقراءِ مہاجرین کی ایک جماعت کے ساتھ (صفہ میں) بیٹھا، تو دیکھا ان میں سے بعض اپنے ستر کو کپڑے کے کم ہونے کے سبب دوسرے کے کپڑے سے، یا دوسرے شخص کے پیچھے بیٹھ کر اپنے ستر کو چھپا رہے تھے اور قاریٔ قرآن درسِ قرآن دے رہے تھے۔ (۵)

---

(۱) حلیۃ الأولیاء: ۲/ ۲۲۔

(۲) مسند أحمد: ۲/ ۳۲۴۔

(۳) طبقات ابن سعد: ۱/ ۲۵۵۔

(۴) صحیح بخاری: ۱/ ۶۳، رقم: ۴۴۲۔ فتح الباری: ۱/ ۶۳۹۔

(۵) سننِ أبوداود: ۲/ ۵۱۶، العلم۔

ایک مرتبہ مدرسہ صفہ کے ایک طالب علم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی۔ یا رسول اللہ! "**تخرقت عنا الخنف**" ہم لوگوں کی سفید، موٹی اور ردی قسم کی چادریں بھی پھٹ گئیں۔ یہ شکایت سن کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف لے گئے ارشاد فرمایا: صبر کرو۔ "**ولکن لعلکم تدرکون زمانا تلبسون فیہ مثل أستار الکعبۃ**" عنقریب تم ایسا زمانہ پاؤ گے، جس میں لباس فاخرہ غلافِ کعبہ کی طرح پہنو گے۔ (۱)

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا اصحابِ صفہ کی خبر گیری

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم روزانہ بذاتِ خود ہی اصحابِ صفہ کی خیریت اور ان کے احوال دریافت فرماتے تھے۔ روزانہ صبح کے وقت صفہ میں تشریف لاتے اور طلبۂ صفہ کو مخاطب کر کے "**السلام علیکم یا اھل الصفۃ**" فرماتے وہ لوگ جواب میں "**وعلیکم السلام یا رسول اللہ**" عرض کرتے۔ پھر آپ دریافت فرماتے **کیف اصبحتم**؟ آج کی رات صحیح گذری؟ اور تم لوگ بخیر ہو؟ وہ لوگ عرض کرتے! اے اللہ کے رسول! ہم لوگ بخیر ہیں۔ پھر آپ فرماتے: تم لوگ آج اس دن کی بہ نسبت خیر و بھلائی میں ہو کہ جب ایک وقت آئے گا، صبح و شام تمہارے پاس عمدہ اور لذیذ قسم کے کھانوں کے بڑے بڑے پیالے اور ڈونگے بھر بھر کر آئیں گے اور صبح و شام عمدہ اور خوبصورت جوڑے آئیں گے اور تم لوگ کعبہ شریف پر غلاف پہنانے کی طرح اپنے اپنے گھروں کو غلاف پہناؤ گے۔ یہ سن کر اصحابِ صفہ نے عرض کیا۔ ہم لوگ اس دن بہت خیر و بھلائی میں ہوں گے، چونکہ اللہ تعالیٰ ان دنوں ہمارے اوپر نعمتوں کی بارش برسائیں گے اور ہم ان نعمتوں کا شکر بجالائیں گے مال وغیرہ خوب صدقہ وخیرات کریں گے اور غلاموں کو خوب آزاد کریں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں، بلکہ آج تم خیر و بھلائی میں ہو۔ آئندہ جب اس طرح نعمتوں کی بہتات ہوگی تو تم لوگ آپس میں حسد کرو گے اور بغض وعداوت رکھو گے اور رشتے ناطے توڑو گے۔ (۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اصحابِ صفہ کے مریضوں کی عیادت فرماتے اور تسلی بخش جملے ارشاد فرما کر اطمینان دلاتے۔ حضرت طفاوی کا بیان ہے کہ میں نے صفہ میں حضرت ابو ہریرہ کے

---

(۱) الحلیۃ: ۱/ ۳۷۴۔

(۲) حلیۃ الأولیاء: ۱/ ۳۴۰۔

پاس ایک ماہ تک قیام کیا، مجھے سخت بخار لگ گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے، میرے بارے میں دریافت فرمایا کہ دوسی غلام کہاں ہے؟ آپ کو بتایا گیا کہ سخت بخار میں مبتلا مسجد کے گوشہ میں پڑا ہوا ہے۔ آپ علیہ السلام تشریف لائے، میری عیادت کی اور مجھ سے اطمینان بخش جملے ارشاد فرمائے۔ (۱)

عام طور سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اصحابِ صفہ کی مجلسوں میں بیٹھتے، انہیں نصیحت فرماتے اور قرآن کریم کی تلاوت کرنے، آپس میں مذاکرہ کرنے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے پر ابھارتے اور دنیا کی حقارت ونفرت اور آخرت کی فکر ورغبت ان کے اندر پیدا کرنے کی بھرپور کوشش فرماتے۔ (۲)

ہر معاملہ میں اصحابِ صفہ کا بہت خیال رکھتے۔ ایسا لگتا کہ ان کا سارا معاملہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہے۔ ان کا خیال رکھنے اور ان پر صدقہ وخیرات کرنے کے سلسلہ میں صحابۂ کرام اور اپنے گھر والوں کو بھی خوب ابھارتے۔ (۳) نواسۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی پیدائش ہوئی تو آپ نے ان کی والدہ محترمہ سے فرمایا: اے فاطمہ! تو اس کے سر کے بال مونڈ دے اور سر کے بال کے بقدر چاندی اصحابِ صفہ پر صدقہ کردے۔ (۴)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے جسم کے ٹکڑے اور اپنی لختِ جگر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ اصحابِ صفہ کی راحت وآرام کی فکر تھی۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو چکی سے آٹا پیسنے میں بہت تکلیف ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ حضرت علی نے ان سے فرمایا: آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ قیدی غلام آئے ہیں، تم بھی جاؤ اور ایک غلام مانگ کر لے آؤ۔ حضرت فاطمہ تشریف لائیں۔ اتفاق سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر پر نہیں ملے، آنے کا مقصد حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے عرض کر دیا اور واپس چلی گئیں۔ حضرت عائشہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا۔ یہ سن کر رات ہی کے وقت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے۔ (۵) اور حضرت فاطمہ سے فرمایا:

واللّٰہ لاأعطیکم وأدع أهل الصفة تطوي بطونهم من الجوع، لا أجد ما انفق علیهم، ولكن أبیعهم، وأنفق علیهم أثمانهم۔

---

(۱) الحلیۃ: ۱/ ۳۷۲۔ (۲) مسند أحمد: ۴/ ۸، الحلیۃ: ۱/ ۳۴۰-۳۴۱۔

(۳) مسند أحمد: ۶/ ۳۹۱۔ (۴) حلیۃ الأولیاء: ۱/ ۳۳۹۔

ترجمہ: خدا کی قسم! میں تم دونوں کو غلام دے کر اصحابِ صفہ کو شدتِ بھوک میں بلبلاتا نہیں چھوڑ دوں گا، میں ان غلاموں کے علاوہ کوئی اور چیز ان پر خرچ کرنے کی نہیں پاتا ہوں، چنانچہ میں ان غلاموں کو بیچوں گا اور ان قیمتوں اور روپیوں کو ان پر خرچ کروں گا۔ (٦) اور تمہارے لیے اس غلام سے بہتر چیز میں بتاتا ہوں، جب تم اپنے بستر پر لیٹنے جاؤ تو ٣٣ مرتبہ سبحان اللہ، ٣٣ مرتبہ الحمد للہ اور ٣٤ مرتبہ اللہ اکبر پڑھ لیا کرو۔ یہ تم دونوں کے لیے خادم سے بہتر ہوگا۔ (١)

عام طور سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اصحابِ صفہ کی دعوت فرماتے رہتے، اگرچہ عمدہ لذیذ قسم کا کھانا نہ ہوتا جو بھی میسر ہوتا اسی کو کھلاتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض دفعہ دودھ پلایا۔ (٢) کبھی آٹا اور گوشت یا کھجور سے تیار شدہ کھانا کھلایا کبھی آٹے، گھی اور کھجور سے تیار شدہ حریرہ کھانے کے لیے پیش فرمایا۔ (٣) اور کبھی دعوت میں ثرید ہی پر اکتفاء فرمایا (٤) ان کے سامنے عمدہ ولذیذ کھانا نہ پیش کرسکنے کی بنا پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے معذرت فرمالیتے۔ ایک مرتبہ آپ نے ان کے سامنے جو سے تیار شدہ کھانا پیش کرتے ہوئے فرمایا: **"والذي نفس محمد بيده، ما أمسى في آل محمد طعاماً ليس شيئاً ترونه"** اس ذات پاک کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں محمد ﷺ کی جان ہے۔ جو کھانا دیکھ رہے ہو، خانوادۂ محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں بس یہی کھانا ہے، آلِ محمد۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اسی پر گذر بسر کرتے ہیں۔ (٥)

صحابۂ کرام کا اصحابِ صفہ کے ساتھ نیک برتاؤ

صحابۂ کرام رضوان اللہ عنہم اجمعین اصحابِ صفہ کے ساتھ نیک برتاؤ کرتے اور ان کا بہت خیال رکھتے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعمیلِ حکم میں ان پر خوب صدقہ وخیرات کرتے، بلکہ ان کے سلسلہ میں جہاں تک خیر وبھلائی کرسکتے ضرور کرتے۔ (٦) جتنے اصحابِ صفہ کے طعام کا انتظام کرسکتے،

---

(١) صحیح بخاری: ٢/ ٨٠٧، رقم ٥٣٦١۔

(٢) صحیح بخاری: ٢/ ٩٥٥، رقم ٦٤٥٢۔

(٣) حلیۃ الأ والیاء: ١/ ٣٧٤۔

(٤) صحیح ابن حبان بحوالہ فتح الباری: ١١/ ٢٨٩۔

(٥) طبقات ابن سعد: ١/ ٢٥٦۔

(٦) حلیۃ ال أولیاء: ١/ ٣٤٠، بحوالہ المجتمع المدنی: / ١٠٠۔

(٧) طبقات ابن سعد: ١/ ٢٥٥، الحلیۃ: ١/ ٣٣٨۔

ضرور ان کو اپنے ساتھ کھانا کھلانے کے لیے گھر لے جاتے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جن صحابی کے درمیان اصحابِ صفہ کو تقسیم فرما دیتے وہ اسے بخوشی قبول کر لیتے۔ (۷)

جب اسلامی فتوحات کے دروازے کھلے، صحابۂ کرام کے حالات بدلے تو اصحابِ صفہ کے حالات میں بھی غیر معمولی تبدیلی آ گئی، اب انہیں کھانا کھلانے کے لیے صحابۂ کرام کے درمیان نبی اکرم صلی للہ علیہ وسلم کو تقسیم کرنے کی کوئی ضرورت نہیں رہی (۱) صحابۂ کرام خود ہی جنہیں اپنے گھر لے جانا چاہتے لے جاتے، یا صفہ ہی میں جو چیزیں بھیجنا چاہتے، بھیج دیتے۔

ایک مرتبہ محمد بن مسلمۃ انصاری اور دیگر انصار صحابۂ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ بات پیش کی کہ یا رسول اللہ! آپ ہر باغ کے مالک صحابی کو یہ حکم فرما دیں کہ پختہ کھجوروں سے بھرا ہوا گچھہ اصحابِ صفہ اور فقراء مسلمین کے لیے نکال لیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رائے کو بہت پسند فرمایا: اور مسجدِ نبوی کے دو ستونوں کے درمیان رسی باندھی، انصار مدینہ اپنے باغات سے پختہ کھجوروں سے بھرے ہوئے خوشے لا لا کر دوستونوں کے درمیان بندھی ہوئی رسی پر لٹکانے لگے۔ بیس سے زیادہ خوشے ہو گئے اور اس کے منتظم حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ قرار پائے۔

دوسری روایتوں سے یہ پتہ چلتا ہے کہ درحقیقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو اپنے باغات کی کھجور کے کچھ خوشے صدقہ کرنے کا حکم دیا، تا کہ اللہ تعالیٰ اس صدقہ کرنے کی برکت سے پھلوں کو آفات اور بلاؤں سے محفوظ رکھے۔ صحابۂ کرام تعمیلِ حکم میں اصحابِ صفہ پر کھجور کے خوشے صدقہ کرنے لگے۔

علامہ سمہودی فرماتے ہیں کہ یہ مسجدِ نبوی میں کھجور کے خوشے لٹکانے کا رسم دوسری صدی تک باقی رہا، اہلِ مدینہ اپنے باغات کی کھجور کے خوشے مسجدِ نبوی میں رسی پر لٹکاتے اور نمازی کھاتے تھے۔ (۲)

اصحابِ صفہ کی تاریخ کے سلسلہ میں مستند کتابیں

سب سے پہلے اصحابِ صفہ کی زندگی اور ان کے حالات پر قلم اٹھانے والے مؤرخوں کے

---

(۱) طبقات ابنِ سعد: ۱/ ۲۵۵۔ (۲) وفاء الوفاء: ۱/ ۳۲۴۔

امام محمد بن سعد (المتوفی ۲۳۰ھ) ہیں، انہوں نے اپنی کتاب ''الطبقات الکبریٰ'' میں مستقل ''باب'' اور ''فصل'' قائم کرکے ان کے حالات قلم بند فرمائے ہیں۔

واضح رہے کہ ''الطبقات الکبریٰ'' میں حافظ ابنِ سعد نے جتنی تاریخی باتیں لکھی ہیں وہ سب علامہ محمد بن عمر بن واقد المعروف بالواقدی (المتوفی ۲۰۷ھ) کی تاریخ سے اخذ کی ہیں، لیکن امام واقدی کی کتاب ''کتاب المغازی'' کے اندر اصحابِ صفہ کے سلسلہ میں کوئی مستقل باب وعنوان، یا ان کی زندگی سے متعلق کسی قسم کا کوئی پہلو ہمیں نہیں ملا ہے، البتہ ان کی ایک کتاب ''الطبقات'' مفقود اور نایاب ہے اسی سے حافظ ابنِ سعد نے اپنی کتاب ''طبقات کبریٰ'' میں امام واقدی کی اکثر تاریخی باتیں نقل کی ہیں۔ (۱)

میرے علم میں اصحابِ صفہ کے سلسلہ میں مستقل تصنیف کی گئی سب سے پہلی کتاب ''تاریخ اہل الصفۃ'' ہے، جس کے مصنف حافظ ابوعبدالرحمن محمد بن حسین سلمی نیساپوری (المتوفی ۴۱۲) ہیں۔ (۲)

شیخ دکتور اکرم ضیاء عمری کہتے ہیں کہ یہ کتاب نایاب ہے۔ ممکن ہے کہ علامہ ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی (المتوفی ۴۳۰ھ) نے اپنی کتاب ''حلیۃ الأولیاء'' میں اصحابِ صفہ کی تعیین اور ان کی سوانح حیات کے سلسلہ میں اسی کتاب ''تاریخ اہل الصفۃ'' کو مأخذ ومصدر بنایا ہو، اگرچہ یہاں اس کی تصریح نہیں کی ہے، مگر اپنی کتاب '' حلیۃ الأولیاء جلد ۸ رصفحہ ۲۵'' کے اخیر میں ''تاریخ اہل الصفۃ'' سے ''حلیۃ الأولیاء'' میں مختلف چیزوں کے نقل کرنے کے سلسلہ میں صراحت کی ہے۔ (۳)

متاخرین میں علامہ تقی الدین سبکی (المتوفی ۷۵۶) نے ''**التحفة في الكلام على اهل الصفه**'' کے نام سے ایک کتاب اصحابِ صفہ کے سلسلے میں لکھی ہے۔ (۴)

---

(۱) بحوث فی تاریخ السنۃ المشرفۃ: /۳۵-۵۶۔

(۲) کشف الظنون للحاجی خلیفۃ: ۱/ ۲۸۶۔

(۳) المجتمع المدنی: /۱۰۳۔

(۴) ریکند ورف دائرۃ المعارف الإسلامیۃ: /۱۰۶۔

(۱) حضرت ابوثعلبہ خُشنی رضی اللہ عنہ

امام ابونعیم اصبہانی فرماتے ہیں: ”له في جملة أهل الصفة ذكر“ کہ اصحابِ صفہ میں حضرت ابوثعلبہ رضی اللہ عنہ کا بھی ایک گونہ ذکر آتا ہے۔ (حلیۃ ال أولیاء: ۲/۲۹)۔

حضرت ابوثعلبہ رضی اللہ عنہ کے نام اور ان کے والد کے نام کے سلسلے میں بہت اختلاف ہے۔ امام احمد بن حنبل، یحیٰ بن معین، ابن سعد اور ابن حبان کا کہنا ہے کہ ان کا نام ”جُرہُم بن ناشم“ ہے۔(۱)

واقعۂ اسلام: ابن سعد کی روایت ہے کہ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ خیبر کی تیاری فرما رہے تھے، یہ خدمتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوکر مشرف بہ اسلام ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ خیبر میں شریک رہے۔ پھر سات افراد پر مشتمل ”خُشنین“ کا وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ سارے لوگ حضرت ابوثعلبۃ ہی کے پاس قیام کیے۔(۲)

ابنِ کلبی کی روایت ہے کہ حضرت ابوثعلبہ بیعتِ رضوان☆ میں شریک رہے اور

---

(۱) طبقات ابنِ سعد: ۷/۴۱۶، الثقات نمبر (۲۰۱) ال اِصابۃ: ۴/۳۰۔ (۲) طبقات: ۷/۴۱۶، ال اِصابۃ: ۴/۳۰۔

☆ بیعتِ رضوان: صلح حدیبیہ ماہ ذی قعدہ ۶ ھ کے موقع سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (جو مکہ معظمہ سے نو میل کے فاصلہ پر ہے اسے آج کل شُمیسی کہا جاتا ہے) حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو رؤساء قریش اور ابوسفیان کے نام یہ پیغام دے کر بھیجا کہ ہم لڑنے نہیں آئے ہیں، ہم کو آنے دو، عمرہ کر کے چلے جائیں گے۔ حضرت عثمان اُدھر روک لیے گئے اِدھر یہ خبر مشہور ہوگئی کہ حضرت عثمان قتل کر دیے گئے۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ”کیکر“ کے درخت کے نیچے تمام صحابۂ کرام کو جمع کیا۔ سب نے آپ کے دستِ مبارک پر بیعتِ جہاد کی کہ جب تک جان میں جان ہے جہاد کریں گے مگر بھاگیں گے نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس بیعت کی شرفِ قبولیت کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا: لقد رضی اللّٰہ عن المؤمنین إذیبایعونک تحت الشجرة (سورۃ الفتح آیت: ۱۸) اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں سے خوش ہوا جب کہ یہ لوگ آپ سے درخت کے

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ خیبر کے موقع سے انہیں مالِ غنیمت میں شریک فرمایا اور حضرت ابوثعلبہ کو ان ہی کی قوم ''خشین'' کے پاس داعیٔ اسلام اور مبلغِ اسلام بنا کر بھیجا، جس کے نتیجہ میں پوری قوم شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہوگئی۔

عبادت اور خلقت خداوندی میں غور و فکر

حضرت ابوثعلبہ بہت زیادہ عبادت گذار تھے، ان کا معمول تھا کہ روزانہ رات میں گھر سے باہر نکلتے اور کافی دیر تک اللہ تعالیٰ کی خلقت: آسمان، تارے وغیرہ میں غور و فکر کرتے، پھر واپس لوٹ کر اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ میں گر جاتے۔ ان کا انتقال بھی سجدہ ہی کی حالت میں ہوا۔ (۱)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملکِ شام میں زمین کا مطالبہ

حضرت ابوثعلبہ کا بیان ہے کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول: آپ ملکِ شام میں میرے نام اتنی زمین الاٹ کر دیجیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت الاٹ نہیں کیا اور صحابۂ کرام کی جانب متوجہ ہو کر فرمایا: کیا تم لوگ اس کی بات نہیں سن رہے ہو؟

میں نے عرض کیا: اس ذات پاک کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے میں ضرور اس زمین کو حاصل کر کے رہوں گا۔ تو نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مطلوبہ زمین کو میرے نام الاٹ کر دیا۔ (۲)

انہوں نے شام میں سکونت اختیار کر لی اور وہیں ان کی ذریت نے نشو و نما پائی۔ (۳)

وفات

حضرت ابوثعلبہ رضی اللہ عنہ اپنی وفات سے پہلے اپنے شاگردوں اور متوسلین سے کہا کرتے تھے کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی ذات سے یہ امید ہے کہ میری موت تم لوگوں کی طرح نہیں ہوگی بلکہ عام لوگوں کی موت سے الگ تھلگ میری موت ہوگی اور ایسا ہی ہوا۔

---

(۱) الاصابۃ: ۴/ ۳۰۔ (۲) مسند احمد: ۴/ ۱۹۳- ۱۹۴۔

(۳) الثقات: (۲۰۱)۔

تہجد کی نماز پڑھ رہے تھے، سجدہ کی حالت میں روح قبض ہوگئی، ان کی صاحبزادی نے اسی وقت انہیں خواب میں دیکھا کہ والد محترم کا انتقال ہو چکا ہے، وہ گھبرائی ہوئی اٹھی اپنی امی جان سے معلوم کیا کہ ابو جان کہاں ہیں؟

امی نے جواب دیا کہ ابھی نماز پڑھ رہے ہیں، بیٹی نے پاس آ کر ابو جان! ابو جان! آواز دی مگر کوئی جواب نہ پا کر انہیں حرکت دی تو ان کا جسم ایک جانب گر گیا، گھر والوں کو یقین ہو گیا کہ سجدہ کی حالت میں ہی روح قفسِ عنصری سے نکل چکی ہے۔ (۱) یہ سانحۂ ارتحال ۵۷ھ "شام" میں پیش آیا۔ (۲)

شاگردانِ کرام

حضرت ابوثعلبہ رضی اللہ عنہ کے شاگردوں میں ابوادریس خولانی، سعید بن مسیب، مکحول شامی اور ابوقلابہ وغیرہ ہیں۔ (۳)

---

(۱) سیر اعلام النبلاء: ۲/ ۵۷۰-۵۷۱، الاصابۃ: ۴/ ۳۰۔ (۲) طبقات ابن سعد: ۷/ ۴۱۶۔

(۳) تہذیب التہذیب: ۱۲/ ۵۱۔

(۲) حکیم الامت حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ

حافظ ابوعبداللہ نیساپوری اور علامہ ابونعیم اصبہانی نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کو صفہ کے طالب علموں میں شمار کیا ہے۔

(حلیۃ الأولیاء: ۲ / ۲۲)

حضرت ابوالدردا رضی اللہ عنہ اپنی کنیت ''ابوالدرداء'' سے ہی مشہور ہیں، جب کہ نام عویمر ہے اور والد کے نام میں مختلف اقوال ہیں: قیس، مالک، عامر، زید بن قیس وغیرہ۔ انصار کے قبیلۂ خزرج سے تعلق رکھتے ہیں۔ (۱)

طبقۂ صحابۂ کرام کے عبّاد وزہّاد میں بہت اعلیٰ اور ممتاز مقام رکھتے ہیں، حکیم الامت کے لقب سے صحابۂ کرام میں معروف ومشہور ہیں۔ قرآن، حدیث، فقہ، فرائض، حساب اور اشعارِ عرب کے جامع عالم ومعلم اور دمشق کے قاضی وسید القراء ہیں، جامعینِ قرآن میں ان کا بھی شمار ہوتا ہے۔

واقعۂ اسلام

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ انصار صحابۂ کرام میں سب سے آخر میں غزوۂ بدر کے دن مشرف بہ اسلام ہوئے ہیں۔ غزوۂ بدر کے دن اسلام قبول کرنے کی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں بدری صحابۂ کرام میں شمار کیا ہے۔ بیت المال سے ہر ماہ ۴۰۰ درہم وظیفہ دیا کرتے تھے۔

ان کے اسلام لانے کا واقعہ اس طرح منقول ہے کہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ اپنے گھر میں بتوں کی عبادت کیا کرتے تھے، ایک دن حضرت عبداللہ بن رواحہ ومحمد بن مسلمۃ رضی اللہ عنہما ان کے گھر میں گھس آئے اور ان کے بتوں کو توڑ ڈالا۔ حضرت ابودرداء اٹھے اور بتوں کے ٹوٹے ہوئے پتھروں کو اکٹھا کرنے لگے اور یہ کہنے لگے، اے بت! تیری ہلاکت وبربادی ہو! تیرے اندر اتنی بھی

---

(۱) تہذیب التہذیب: ۸ / ۱۷۵۔

طاقت نہیں کہ تو اپنی جانب سے دفاع کر سکے اور اپنے توڑنے والوں کو ہلاکت کے گھاٹ اتار سکے۔ ان کی بیوی ام الدرداء ان کی نقل وحرکت کو دیکھ رہی تھی اور ان کی باتیں سن رہی تھی تو کہنے لگی اگر یہ بت نفع وضرر کے مالک ہوتے تو ضرور اپنی جانب سے دفاع کرتے اور ان کے توڑنے والے ضرور تباہ وبرباد ہو جاتے۔

حضرت ابودرداء پر ان باتوں کا گہرا اثر ہوا، انہوں نے اپنی بیوی ام الدرداء کو مخاطب کر کے کہا! میرے غسل کرنے کے لیے غسل خانہ میں جلدی پانی رکھو۔ یہ اٹھے اور غسل کیا، کپڑے تبدیل کئے اور سیدھے بارگاہِ رسالت میں حاضری دینے کے لیے روانہ ہو گئے۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ نے انہیں جب آتا ہوا دیکھا تو کہا! اے اللہ کے رسول! ابودرداء ہماری ہی تلاش میں آ رہا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نہیں، بلکہ وہ اسلام قبول کرنے کے لیے آ رہا ہے، میرے رب نے ابودرداء کے اسلام لانے کے سلسلے میں مجھ سے وعدہ کیا ہے، ایسا ہی ہوا، وہ دربارِ نبوی میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گئے۔ (۱)

حضرت ابوالدرداء پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر صحابہ کرام کی نظر میں

غزوۂ احد میں حضرت ابوالدرداء نے پوری شجاعت وبہادری کا مظاہرہ کیا تھا اور بڑے کرتب دکھلائے تھے، جس سے خوش ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دادِ شجاعت دی اور ارشاد فرمایا: "**نعم الفارس عويمر**" عویمر (حضرت ابوالدرداء کا نام ہے) بہترین شہ سوار ہے۔ اور فرمایا: "**هو حكيم أمتي**" وہ میری امت کا حکیم ودانا ہے۔ (۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

ومات النبي ﷺ ولم يجمع القرآن غير أربعة: أبو الدرداء، ومعاذ بن جبل وزيد بن ثابت وأبو زيد۔ (۳)

ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دنیا سے تشریف لے جانے کے وقت صرف چار

---

(۱) المستدرک: ۳/ ۳۳۶-۳۳۷۔

(۲) المستدرک: ۳/ ۳۳۷۔

(۳) صحیح بخاری: ۲/ ۷۴۸، حدیث نمبر ۵۰۰۴۔

آدمی حافظِ قرآن تھے۔ ابوالدرداء رضی اللہ عنہ، معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور ابوزید رضی اللہ عنہ☆ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوالدرداء کو مخاطب کر کے فرمایا: **"ماحملت ورقاء ولا أظلت خضراء اعلم منک یا أبا الدرداء"** اے ابوالدرداء! آسمان وزمین کے درمیان آپ سے بڑا کوئی عالم نہیں ہے۔(۱)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے بطورِ خاص وفات کے وقت چار حضرات سے علم حاصل کرنے کی وصیت کی۔

حضرت ابوالدرداء، حضرت عبداللہ بن مسعود، سلمان فارسی اور عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہم جنہوں نے یہودیت کے بعد اسلام قبول کیا ہے۔(۲)

امام المغازی محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ صحابۂ کرام آپس میں کہا کرتے تھے **"أتبعنا للعلم والعمل أبو الدرداء"** کہ ہم لوگوں میں سے سب سے بڑے عالم باعمل ابوالدرداء ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما لوگوں سے فرمایا کرتے تھے تم لوگ ہمارے سامنے دو عقلمند شخص کی سند سے روایت بیان کیا کرو اور ان ہی دو عقلمندوں کی باتوں کو بھی ہمارے سامنے نقل کیا کرو۔ پوچھا گیا وہ دو عقلمند کون ہیں؟ جواب میں فرمایا: حضرت معاذ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ(۳)

امام المحدثین حضرت مکحول شامی کا بیان ہے کہ حضرات صحابۂ کرام آپس میں تذکرہ کرتے تھے کہ ہم میں سب سے زیادہ ایک دوسرے پر رحم کرنے والے حضرت ابوبکر ہیں، ہم میں حق گو حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں، ہم میں سب سے بڑے امین حضرت ابوعبیدہ ہیں، ہم میں حلال وحرام کے سب سے بڑے عالم حضرت معاذ ہیں اور ہم میں سب سے اچھے قاریٔ قرآن حضرت اُبی ہیں۔ ایک ایسا آدمی جس کے پاس علم ہی علم ہے وہ عبداللہ بن مسعود ہیں **"وتبعهم عويمر أبو الدرداء بالعقل"** عقل وفہم میں ان حضرات کے بعد حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کا درجہ ہے۔

☆ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان کہ صرف چار حافظِ قرآن تھے "یہ صرف قبیلۂ خزرج" کے لوگوں کے اعتبار سے ہے، نہ کہ تمام صحابۂ کرام کے اعتبار سے ہے اور قبیلۂ اوس کے لوگوں پر قبیلۂ خزرج کا اس منقبت کو شمار کر کے فخر کرنا ہے۔ (فتح الباری: ۹/ ۵۱)

(۱) سیر اعلام النبلاء: ۲۸/ ۳۴۳۔ (۲) سیر اعلام النبلاء: ۲/ ۳۴۳۔

(۳) طبقات ابنِ سعد: ۲/ ۳۵۰، رجالہ ثقات۔

مسروق کہتے ہیں کہ میں نے تمام صحابۂ کرام کا علم چھ حضرات کے پاس پایا: حضرت عمر، حضرت علی، حضرت اُبی بن کعب، حضرت زید، حضرت ابوالدرداء اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم پھر ان سارے حضرات کا علم حضرت علی وعبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے پاس جمع ہوگیا۔(۱)

معلم وقاضی بنا کر دمشق بھیجا جانا

حضرت یزید بن اُبی سفیان رضی اللہ عنہما نے امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس یہ خط لکھا کہ دن بہ دن اہل شام کی تعداد بڑھتی چلی جارہی ہے، جس سے پورا ملکِ شام آبادیوں سے کھچا کھچ بھر چکا ہے، جس کی بنا پر قرآن وحدیث اور دینِ اسلام کی تعلیم دینے والے معلمین ومدرسین کی اشد ضرورت ہے، لہٰذا حضرت والا سے درخواست ہے کہ کچھ ایسے رجال کار روانہ فرمائیں جو قرآن وحدیث اور دینِ اسلام کی صحیح تعلیم دے سکیں۔

یہ خط ملتے ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پانچ کبارِ علماء: حضرت ابوایوب انصاری، حضرت ابی بن کعب، حضرت معاذ بن جبل، حضرت عبادۃ بن صامت اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہم کو طلب فرمایا: یہ حضرات دربارِ عمری میں حاضر ہوئے، تو ان حضرات کو مخاطب کر کے حضرت عمر نے یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کا خط پڑھ کر سنایا اور فرمایا: آپ میں سے کوئی تین شخص آپسی رضامندی سے اس منصب کو قبول کر کے اس مہم کے لیے روانہ ہوجائیں۔

ان حضرات نے بیک زبان ہوکر جواب دیا ہم لوگ اس مہم کے لیے آپس میں قرعہ اندازی نہیں کرتے، بلکہ خود سے ہی دو حضرات کو اس مہم کے لیے معذور سمجھتے ہیں۔ حضرت ابوایوب انصاری زیادہ ضعیف اور بوڑھے ہو چکے ہیں اور حضرت ابی بن کعب مسلسل بیمار رہتے ہیں، جس کی بنا پر یہ دونوں حضرات معذور ہیں، رہ گئے تین حضرات، تو یہ اس مہم کے لیے روانہ ہوجائیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان حضرات کی پیش کش کو بسر وچشم قبول کرنے کے بعد فرمایا: سب سے پہلے آپ لوگ ''حمص'' جائیے کیونکہ وہاں کے لوگ مختلف مزاج اور مختلف طور وطریق کے ہیں، ان میں سے ایک ذہین وعقلمند شخص کو تلاش کیجیے۔ جب دستیاب ہوجائے تو اس کے ذریعہ سے تمام لوگوں کو جمع کیجیے اور لوگوں کو خوب جانچ کر دیکھئے، جب اہلِ ''حمص'' سے پورے طور پر مطمئن

---

(۱) طبقات ابن سعد ۲/ ۳۵۱، اسنادہ صحیح۔

ہوجائے تو اپنے تین ساتھیوں میں سے جسے مناسب سمجھئے اسے وہاں چھوڑ دیجئے، پھر دوسرا ساتھی دمشق کے لیے روانہ ہوجائے اور تیسرا ساتھی فلسطین کے لیے روانہ ہوجائے۔

یہ تینوں حضرات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مشورے کو بسر وچشم قبول کرکے مدینہ منورہ زاد ہا اللہ شرفتہ وعظمتہ کو چھوڑ کر روانہ ہوگئے۔ حضرت عمر کی ہدایت کے مطابق اہلِ حمص سے پورے طور پر مطمئن ہونے کے بعد وہاں کے لیے عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ کو منتخب فرمایا اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ دمشق کے لیے روانہ ہوگئے اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فلسطین کے لیے روانہ ہوگئے اور فلسطین ہی میں ''طاعونِ عمواس'' میں وفات پائی۔ ان کے خلاء کو پُر کرنے کے لیے حضرت عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ ''حمص'' سے ''فلسطین'' تشریف لے آئے اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ زندگی کی آخری سانس تک دمشق ہی میں رہے اور یہیں ان کا انتقال ہوا۔ (۱)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوالدرداء کو دمشق کا معلم ومدرس بنا کر بھیجا تھا، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت میں انہیں دمشق کا قاضی مقرر کردیا۔

علامہ ذہبی ان کے تذکرہ میں رقم طراز ہیں: ''**وکان عالم أهل الشام ومقرئ أهل دمشق وفقيههم وقاضيهم**'' وہ اہل شام کے عالم، اہل دمشق کے مقری وقاری ان کے فقیہ وقاضی تھے۔ (۲)

حضرت ابوالدرداء کا مدرسہ

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے دمشق پہونچ کر جامعِ دمشق میں اپنا مدرسہ قائم کیا۔ روزانہ نمازِ فجر کے بعد جامعِ دمشق میں بیٹھ جاتے اور قرآن کریم کا ایک جزء تلاوت کیا کرتے تھے، تمام طلبۂ کرام قرآن کریم پڑھنے کے لیے ان کو گھیر لیا کرتے تھے اور ان کے قرآن کریم کے الفاظ کی ادائیگی بغور سنتے تھے، پھر آپس میں دس دس ساتھی تقسیم ہوکر تلاوت کرنے میں ایک دوسرے سے مقابلہ کیا کرتے تھے، ان طلبۂ کرام کے عریف وترجمان ابنِ عامر تھے، ایک دن حضرت ابوالدرداء نے اپنے مدرسہ کے طلبۂ کرام کو شمار کرایا ''**فجاؤ اا الفاو ست مئة ونيفا**'' تو ان کی تعداد سولہ سو سے کچھ زائد

---

(۱) طبقات ابن سعد: ۲/ ۳۵۶-۳۵۷ سیر أعلام النبلاء: ۲/ ۳۴۴۔ (۲) تذکرۃ الحفاظ: ۱/ ۲۴۔

(۳) سیر اعلام النبلاء: ۲/ ۳۴۶، رجالہ ثقات۔

ہوئی۔(۳)

ابو مالک کا بیان ہے کہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نماز سے فراغت کے بعد طلبۂ کرام کو درس دینے کے لیے بیٹھ جاتے، خود بھی پڑھتے اور طلبہ سے بھی پڑھوایا کرتے تھے، جب مجلسِ درس سے اٹھنا چاہتے تو شاگردوں سے دریافت کرتے کہ آج کسی کے یہاں سے ولیمہ یا عقیقہ وغیرہ کی دعوت تو نہیں آئی ہے کہ جہاں ہم لوگوں کی شرکت ضروری ہو؟ اگر وہ لوگ جواب دیتے ہاں! تو پھر دعوت میں شرکت کے لیے تشریف لے جاتے ورنہ فرماتے: **"اللّٰهم إني أشهدک أني صائم"** اے اللہ میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ میں روزہ سے ہوں۔(۱)

ایک حدیث معلوم کرنے کی غرض سے ایک طالب علم مدینہ منورہ سے سفر کر کے حضرت ابوالدرداء کی خدمت میں دمشق آیا۔ حضرت ابوالدرداء نے اس سے فرمایا تم یہاں کسی ضرورت سے یا تجارت کی غرض سے آئے ہو؟ اس نے کہا میں صرف ایک حدیث شریف آپ کی زبانِ مبارک سے سننے کے واسطے آیا ہوں۔ یہ سن کر حضرت ابوالدرداء نے فرمایا: تم خوش ہو جاؤ، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ بندہ طلبِ علم میں نکلتا ہے تو فرشتے اس کے لیے پر بچھاتے ہیں اور وہ جنت کے راستے طے کرتا چلا جاتا ہے اور اس کے لیے زمین و آسمان والے دعاءِ مغفرت کرتے ہیں حتیٰ کہ سمندر کی مچھلیاں دعاء کرتی ہیں، اور عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے چودھویں کے چاند کی تمام ستاروں پر، اہلِ علم انبیاء کے وارث ہیں اور انبیاء دینار اور درہم کا وارث نہیں بناتے بلکہ علم کا وارث بناتے ہیں، جو شخص علم حاصل کرے بڑا حصہ پائے گا۔(۲)

حضرت ابوالدرداء قرآن، حدیث، فقہ، فرائض حساب اور اشعارِ عرب کے جامع عالم و معلم تھے اور ان علوم کا درس دیتے تھے۔ عبداللہ بن سعید اپنا چشم دید واقعہ بیان کرتے ہیں!

رأیت أباالدرداء دخل المسجد مسجد النبيﷺ ومعه من الأتباع مثل مایکون مع السلطان، فمن سائل عن فریضة، ومن سائل عن حساب، ومن سائل عن شعر، ومن سائل عن حدیث، ومن سائل عن معضلة۔

ترجمہ: میں نے ابوالدرداء کو اس حال میں دیکھا کہ وہ مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل

---

(۱) سیر اعلام النبلاء: ۲/ ۳۴۶۔ (۲) جامع ترمذی شریف: ۲/ ۹۷۔

ہورہے تھے اوران کے متبعین ان کے ساتھ یوں چل رہے تھے جیسے بادشاہ کے ساتھ حشم وخدم ہوتے ہیں، ان میں کوئی فریضہ کا سوال کرتا، کوئی حساب پوچھتا تھا، کوئی شعر کی معلومات حاصل کرتا تھا، کوئی حدیث معلوم کرتا تھا، کوئی مشکل مسائل کا حل پوچھتا تھا۔ (۱)

دوسرے صحابۂ کرام کی طرح حضرت ابوالدرداء بھی احادیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کرنے میں بہت احتیاط سے کام لیتے تھے۔ حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم بیان کرتے وقت یہ کہتے "اللّٰهم إن لا هكذا، وإلاّ فكشكله" اے اللہ اگر اس طرح نہیں ہے تو اسی کے مثل ومانند ہے۔

ام الدرداء رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ حضرت ابوالدرداء حدیث شریف بیان کرتے وقت مسکراتے تھے۔ میں نے کہا! سارے لوگ آپ کو بے وقوف سمجھیں گے۔ تو فرمانے لگے "كان رسول اللّٰه ﷺ لا يحدث بحديث إلا تبسم" کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زبانِ مبارک سے جو بھی ارشادِ عالی بیان فرماتے تو مسکرائے بغیر نہیں رہتے تھے۔ (۲)

شاگردوں میں جلیل القدر صحابۂ کرام

حضرت ابوالدرداء کے شاگردوں میں جلیل القدر صحابۂ کرام کی ایک لمبی فہرست ہے ناقدِ حدیث علامہ شمس الدین ذہبی نے مثال کے طور پر مندرجہ ذیل صحابۂ کرام کے اسماءِ گرامی ذکر کئے ہیں: حضرت أنس بن مالک، فضالۃ بن عبید، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمرو بن عاص اور ابوأمامہ رضی اللہ عنہم اور خود حضرت ابوالدرداء کے اساتذہ میں صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرتے ہوئے علامہ ذہبی رقم طراز ہیں "ولم يبلغنا أبداً أنه قرأ على غير النبي ﷺ" کہ ہمارے مبلغِ علم میں یہی ہے کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی سے بھی تعلیم حاصل نہیں کی ہے۔ (۳)

احادیث کی تعداد

علامہ ذہبی نے مجموعۂ ذخیرۂ احادیث میں ان کی سند سے روایت کی جانے والی احادیث کی تعداد ۱۷۹ تحریر کی ہے، جن میں سے صحیح بخاری وصحیح مسلم میں صرف دو حدیثیں ہیں اور صرف صحیح بخاری

---

(۱) کتاب الجرح والتعدیل: ۳/قسم ۲، ص: ۲۷۔ (۲) مسند أحمد: ۵/۱۹۹۔

(۳) سیر اعلام النبلاء: ۲/۳۳۶۔ (۴) سیر اعلام النبلاء: ۲/۳۳۶۔

میں تین حدیثیں ہیں اور صحیح مسلم میں آٹھ حدیثیں ہیں بقیہ دیگر کتب احادیث میں ہیں۔ (۴)

دنیا سے بے رغبتی

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوالدرداء کے درمیان مواخات کرا کے بھائی بھائی بنا دیا تھا تو حضرت سلمان حضرت ابوالدرداء کی ملاقات کو گئے، کیا دیکھتے ہیں کہ ان کی بیوی محترمہ ام الدرداء☆ میلے کچیلے کپڑے پہنی ہوئی ہیں، حضرت سلمان نے پوچھا: کیوں بھاوج کیا حال ہے؟ انہوں نے جواب دیا: تمہارے بھائی ابوالدرداء میں دنیاداری اور دنیا کی بالکل رغبت نہ رہی، اتنے میں حضرت ابوالدرداء آ گئے، جلدی سے حضرت سلمان کے لیے کھانا تیار کیا اور ان سے کہنے لگے آپ کھایئے، میں روزہ سے ہوں۔ حضرت سلمان نے فرمایا: میں تو نہیں کھانے کا جب تک تم بھی نہیں کھاتے۔ حضرت ابوالدرداء نے روزہ توڑ ڈالا اور کھانے میں شریک ہو گئے۔ جب رات ہوئی تو حضرت ابوالدرداء تہجد کی نماز کے لیے اٹھنے لگے، حضرت سلمان نے فرمایا: ابھی سو جایئے۔ وہ سو رہے، پھر اٹھنے لگے تو حضرت سلمان نے دوبارہ سونے کے لیے کہا، وہ سو گئے، جب اخیر رات ہوئی تو حضرت سلمان نے فرمایا اب اٹھئے! خیر دونوں نے تہجد کی نماز پڑھی، پھر حضرت سلمان نے انہیں مخاطب کر کے فرمایا: بھائی صاحب! آپ کے پروردگار کا آپ پر حق ہے، آپ کی جان کا بھی آپ پر حق ہے اور آپ کی بیوی کا بھی آپ پر حق ہے، تو ہر ایک حق والے کا حق ادا کریں۔ حضرت ابوالدرداء یہ سن کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں سیدھے حاضر ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان کی تصدیق کرتے ہوئے فرمایا: "صدق

☆ اُم الدرداء: علامہ ذہبی لکھتے ہیں "زوجتہ أم الدرداء العالمۃ" کہ ان کی بیوی محترمہ ام الدرداء عالمہ تھیں۔ (سیر أعلام النبلاء: ۲/ ۳۳۶) یہ بھی اپنے شوہر کی طرح بہت نیک پارسا تھیں۔ ایک مرتبہ یہ دعا کی، اے اللہ! ابوالدرداء نے مجھے اس دنیا میں پیغامِ نکاح دیا اور مجھ سے شادی کی ہے۔ اے اللہ! اب میں انہیں آپ کے واسطہ سے پیغامِ نکاح دیتی ہوں اور آپ سے یہ سوال کرتی ہوں کہ جنت میں انہیں میرا شوہر بنا دیجیے۔ حضرت ابوالدرداء نے یہ دعاء سن کر فرمایا: اگر تو واقعتًا ایسا ہی چاہتی ہے تو میری وفات کے بعد کسی سے شادی مت کرنا، تاکہ میں ہی اس دنیا میں تمہارا پہلا اور آخری شوہر رہوں۔ جب حضرت ابوالدرداء کا انتقال ہو گیا تو ام الدرداء کے حسن و جمال اور ان کے تقویٰ و طہارت کو دیکھ کر شام کے گورنر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں پیغامِ نکاح دیا۔ تو انھوں نے یہ کہہ کر مسترد کر دیا کہ اللہ کی قسم! میں دنیا میں کسی سے شادی نہیں کروں گی بلکہ انشاء اللہ جنت میں ابوالدرداء سے شادی کروں گی۔ (حلیۃ الأولیاء: ۲/ ۲۲۴۔۲۲۵)

(۱) صحیح بخاری شریف: ۲/ ۹۰۶، حدیث نمبر ۶۱۳۹۔

سلمان" سلمان سچ کہتا ہے۔ (۱)

حضرت ابوالدرداء کا بیان ہے کہ بعثتِ نبوی سے پہلے میں تاجر تھا۔ جب اسلام آیا تو میں نے اپنی زندگی میں تجارت وعبادت دونوں کو جمع کر لیا کہ تجارت بھی کرتا اور عبادت بھی کیا کرتا تھا، لیکن یہ دونوں ایک ساتھ جمع نہ ہو سکے کہ تجارت بھی کی جائے اور عبادت بھی کی جائے اور یہ کیسے دونوں ایک ساتھ جمع ہو سکتے؟ لہٰذا میں نے تجارت چھوڑ دی اور عبادت کو لازم پکڑ لیا۔ (۱) ☆

عبادت اور خشیتِ الٰہی

عون بن عبداللہ کا بیان ہے کہ میں نے ام الدرداء سے معلوم کیا کہ حضرت ابوالدرداء کس عبادت کا زیادہ اہتمام کرتے تھے؟ جواب دیا: "**التفکر و الاعتبار**" اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں غور وفکر اور تدبر کرنے اور اپنے نفس کا محاسبہ کرنے میں۔ (۲)

حضرت ابوالدرداء فرماتے ہیں "**تفکر ساعة خیر من قیام لیلة**" ایک ساعت، ایک گھڑی اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں غور وفکر کرنا رات بھر تہجد کی نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔ (۳)

ایک مرتبہ حضرت ابوالدرداء سے سوال کیا گیا کہ دن بھر میں کتنی تسبیحات پڑھ لیتے ہیں؟ جواب دیا: "**مئة ألف**" ایک لاکھ مرتبہ تسبیح پڑھ لیتا ہوں الا یہ کہ میری انگلیاں شمار کرنے میں خطا کر جائیں۔ (۴)

حضرت ابوالدرداء کا بیان ہے اگر مجھے تین چیزیں میسر نہ ہوتیں تو میں ہرگز زندہ رہنا پسند

---

(۱) طبقات ابن سعد: ۷/ ۳۹۱، مجمع الزوائد: ۹/ ۳۶۷۔ وقال: رواہ الطبرانی ورجالہ رجال الصحیح۔

☆ علامہ شمس الدین ذہبی رقم طراز ہیں کہ یہی صوفیاء کرام وبوریہ نشیں حضرات کا طریقہ ہے، لیکن بہتر اور افضل یہی ہے کہ تجارت وعبادت دونوں اپنے اپنے اوقات میں ہوں، حقیقت یہ ہے کہ اس سلسلہ میں لوگوں کے مزاج اور حالتیں مختلف ہیں، بعض دونوں کو بحسنِ خوبی انجام دے لیتے ہیں، جیسے سیدنا ابوبکر صدیق اور عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہما اور صحابہ کرام کے بعد عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ ہیں۔ بعض دونوں کے جمع کرنے سے عاجز رہ جاتے ہیں تو وہ عبادت پر اکتفاء کرتے ہیں، بعض شروع میں خوب اچھی طرح تجارت کرتے رہتے ہیں لیکن عبادت الٰہی میں منہمک ہونے کی وجہ سے تجارت چھوڑ بیٹھتے ہیں اور بعض لوگ اس کے برعکس ہیں بہر حال شریعت میں ہر چیز کی گنجائش ہے "**ولکن لابد من النهضة بحقوق الزوجة والعيال**" البتہ بیوی اور بچوں کے حقوق ادا کرنے کے لیے تجارت وغیرہ کے ذریعہ کچھ مال حاصل کرنا ضروری ہے، تاکہ بیوی وبچوں کی زندگی صحیح گذر سکے۔ (سیر اعلام النبلاء: ۲/ ۳۳۸)

(۲) حلیة الأولیاء: ۱/ ۲۰۸۔ (۳) طبقات ابن سعد: ۷/ ۳۹۲، الحلیة: ۱/ ۲۰۹۔

(۴) سیر اعلام النبلاء: ۲/ ۳۴۸۔

نہیں کرتا۔

۱۔روزہ کی حالت میں دوپہر کے وقت سخت پیاس کا لگنا۔

۲۔رات کے وقت اللہ تعالیٰ کے حضور میں سجدہ کرنا۔

۳۔ **"مجالسة اقوام ينتقون جيد الكلام كما ينتقى أطايب الثمر"** ایسے لوگوں کی صحبت وہم نشینی ہمیں حاصل ہونا جو عمدہ کھجوروں کے لینے کی طرح اچھے کلام کو لیتے ہیں۔(۱)

حضرت ابوالدرداء کا بیان ہے کہ تین ایسی چیزوں کو میں محبوب رکھتا ہوں کہ جنہیں عام طور پر لوگ ناپسند کرتے ہیں۔

۱۔فقیری وتنگدستی: اسی کی وجہ سے میں اپنے آپ کو رب کے سامنے عاجز وہیچ سمجھتا ہوں۔

۲۔بیماری: اس وجہ سے کہ بیماری میرے گناہوں کا کفارہ بنتی ہے۔

۳۔موت: کہ اسی راستہ سے اپنے رب کی ملاقات وزیارت کے شوق کو پورا کرسکتا ہوں۔(۲)

حضرت ابوالدرداء کی ایک آنکھ میں اس قدر تکلیف ہوئی کہ اس آنکھ کی روشنی جاتی رہی۔ ان سے کہا گیا: آپ نے اللہ تعالیٰ سے اس کی شفاء کے لیے کیوں نہیں دعاء کی؟ جواب میں فرمایا: اللہ کے بندے مجھے دعائے مغفرت سے فرصت ہی نہیں کہ میں اپنی آنکھ کی شفاء کے لیے دعاء کرسکوں۔(۳)

حضرت ام الدرداء بیان کرتی ہیں کہ حضرت ابوالدرداء کے پاس ۳۶۰ دینی دوستوں کے ناموں کی فہرست تھی ہر نماز میں ان لوگوں کے لیے دعائیں کیا کرتے تھے۔ میں نے ایک مرتبہ اس کی وجہ دریافت کی، تو بولے، کوئی بھی شخص اپنے بھائی کے لیے غائبانہ دعاء کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس پر دو فرشتے مقرر فرمادیتے ہیں جو اس کی دعاء کے جواب میں "**ولک بمثل**" تمہارے لیے بھی ایسا ہی ہو (کہ جو دعاء وہ اپنے دینی بھائی کے لیے کررہا ہے وہی تمہارے لیے بھی ہو) کہتے ہیں۔ تو آخر کیوں میں اپنے حق میں فرشتوں کی دعاؤں سے محروم رہوں۔(۴)

حضرت ابوالدرداء فرماتے ہیں: مجھے سب سے زیادہ حساب کے دن کا خوف ہے کہ جس دن سارے لوگوں کے سامنے مجھ سے حساب لیا جائے گا اور یہ سوال کیا جائے گا، بتا! تو نے اپنے علم کے

---

(۱) سیر أعلام النبلاء: ۲/ ۳۴۹۔

(۲) طبقات ابن سعد: ۷/ ۳۹۲۔

(۳) سیر أعلام النبلاء ۲/ ۳۴۹۔

(۴) سیر أعلام النبلاء: ۲/ ۳۵۱۔

مطابق کتنا عمل کیا؟

حضرت ابوالدرداء ایک مرتبہ بیمار پڑے، ان کے ساتھی عیادت کے لیے آئے اور کہنے لگے : کیا حال ہے اور کونسی بیماری ہے؟ فرمایا: مجھے اپنے گناہوں کا شکوہ ہے، میری سب سے بڑی بیماری میرے گناہ وسیئات ہیں۔ پھر ساتھیوں نے دریافت کیا: آپ کی کیا خواہش ہے؟ بولے! بس میری خواہش جنت ہے۔ پھر ساتھیوں نے کہا حکم ہو تو ڈاکٹر بلالیں؟ جواب میں فرمایا: رہنے دو! بس ڈاکٹروں نے ہی مجھے صاحبِ فراش بنادیا ہے۔(۱)

ملکِ شام کے گورنر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لڑکے یزید بن معاویۃ نے حضرت ابوالدرداء کے پاس پیغامِ نکاح بھیجا کہ آپ اپنی صاحبزادی ''الدرداء'' کا نکاح مجھ سے کردیں ،حضرت ابوالدرداء نے پیغامِ نکاح پاتے ہی اسے مسترد کردیا۔ مگر جب ایک ضعیف، کمزور ناتواں مسلمان شخص نے پیغامِ نکاح دیا تو اسے بسر وچشم قبول کرکے اپنی بیٹی کی شادی اس کے ساتھ کردی۔

جب یزید کے پیغام کے مسترد کرنے کی وجہ دریافت کی گئی تو جواب میں فرمایا: درداء کے سارے احوال میرے سامنے ہیں، تم لوگ ذرا یہ بتلاؤ جب درداء یزید کے گھر جائے گی، وہاں کی چمک دمک، عیش وعشرت اور وہ ساری بہاریں دیکھے گی تو اس کا اور اس کے دین کا اس وقت کیا حال ہوگا!!(۲)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے نصیحت آموز اور حکیمانہ بیانات سے تاریخ بھری پڑی ہے۔ خاص طور سے ''تاریخ ابنِ عساکر''(۳) ''حلیۃ الأولیاء''(۴) اور ''سیر اعلام النبلاء''(۵) میں ان کی حکیمانہ نصیحتیں کثرت سے ہیں ان کی چند حکیمانہ نصیحتیں یہاں ذکر کی جارہی ہیں جن کا تعلق ہم طلبۂ علوم اسلامیہ سے ہے۔

حضرت ابوالدرداء ہمیشہ لوگوں کو علومِ اسلامیہ کے حاصل کرنے پر ابھارا کرتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے اے لوگو! آئے دن علماءِ کرام کی جماعتیں ختم ہوتی چلی جارہی ہیں اور جاہلوں کی جماعتوں میں خوب تر اضافہ ہوتا چلا جارہا ہے، ان جاہلوں کو علمِ دین حاصل کرنے کا ذرہ برابر شوق ہی نہیں ہے سنو!

---

(۱) الحلیۃ الأولیاء: ۲/۲۱۸۔

(۲) الحلیۃ: ۱/۲۱۵۔

(۳) ۱۳/۳۶۶/۱ سے ۲/۳۹۳۔

(۴) ۱/۲۰۸، سے ۲۲۷۔

(۵) ۲/۳۳۵-۳۵۳۔

(۶) تاریخ ابنِ عساکر: ۱۳/۳۷۵/۲، بحوالہ سیر أعلام النبلاء: ۲/۳۴۹۔

عالم اور متعلم طالبِ علم اور مدرس دونوں اجر و ثواب میں ایک دوسرے کے سہیم و شریک ہیں۔ (۲)

علمِ دین حاصل نہ کرنے والوں اور جاہل بن کر بیٹھنے والوں کے لیے ہلاکت و بربادی ہے اور جو علمِ دین حاصل کرتے ہیں مگر اس پر عمل نہیں کرتے تو ان کے لیے اور زیادہ ہلاکت و بربادی ہے۔ اس آخری جملہ کو سات مرتبہ دہرایا کرتے تھے (۱) یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے قیامت کے دن لوگوں میں سب سے بدترین وہ بے عمل عالم ہوگا۔ (۲)

حضرت ابوالدرداء سے ایک شخص نے نصیحت کی درخواست کی تو انہوں نے جامع و بلیغ نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: تم اللہ تعالیٰ کو خوش حالی میں یاد کرو تو اللہ تعالیٰ تمہیں تنگدستی و غربت میں یاد کریں گے۔ جب تم مُردوں کا ذکر کیا کرو تو ان ہی مُردوں میں اپنے آپ کو شمار کرلیا کرو۔ جب دنیا کی کسی چیز پر تمہارا دل آجائے تو فوراً اس کے انجام و نتیجہ پر غور کرلیا کرو۔ (۳)

اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو گویا کہ تم اسے دیکھ رہے ہو۔ مظلوموں کی بددعاء سے بچو، یہ جان لو کہ تھوڑا مال تمہارے پیٹ کو بھر دے یہ زیادہ بہتر ہے کہ زیادہ مال تمہیں دین سے غافل کردے۔ نیکی و بھلائی کے کام ضائع نہیں ہوتے۔ گناہوں سے ہرگز غافل نہیں ہونا چاہیے۔ جب بھی شیطانی بہکاوے اور خواہشاتِ نفسانی کی بنا پر کوئی گناہ ہوجائے تو فوراً توبہ کرلو۔ (۴)

وفات

صحیح قول کی بنا پر ان کی وفات حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت ۳۲ھ میں ہوئی۔ (۵)

---

(۱) تاریخ ابن عساکر ۱۳/ ۳۷۷/ ۲ بحوالہ سیر اعلام النبلاء ۲/ ۳۵۰۔

(۲) حلیۃ الأولیاء: ۱/ ۲۲۳۔

(۳) تاریخ ابنِ عساکر: ۱۳/ ۳۸۱/ ۱، بحوالہ سیر اَعلام النبلاء: ۲/ ۳۵۰۔

(۴) تاریخ ابنِ عساکر ۱۳/ ۲۸۶/ ۱، بحوالہ سیر اَعلام النبلاء ۲/ ۳۵۰۔

(۵) طبقات ابن سعد: ۲/ ۳۹۳، سیر اَعلام النبلاء ۲/ ۳۵۳، الإصابۃ: ۳/ ۴۵۔

(۳) حضرت ابوذر غِفاری رضی اللہ عنہ

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ صفہ کے ممتاز اور نمایاں طالب علموں میں ہیں ان کا ذاتی بیان ہے: ''كنت من أهل الصفة، فكنا إذا أمسينا حضرنا باب رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' میں اصحابِ صفہ میں تھا، جب شام کا وقت ہوتا تو ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درِ اقدس پہ حاضر ہوجاتے۔ (طبقات ابنِ سعد: ۱/ ۲۵۶، حلیۃ الأولیاء: ۱/ ۳۵۳۔۳۵۴)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا اسم گرامی اور ان کا سلسلۂ نسب

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا اسم گرامی ''جُندب'' ہے اور باپ کا نام ''جُنادۃ'' ہے، بعضوں نے سکن، سفیان اور عبدو غیرہ بتایا ہے۔(۱) نصِ نبوی میں ''جندب'' نام کی صراحت ہے، ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر کو اسی نام سے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: یاجندب! ماهذه الضجعة؟ اے جندب! یہ کیا لیٹنے کا طریقہ ہے؟(۲) اور سننِ ابنِ ماجہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''یاجُنَیدب'' تصغیر کے ساتھ کہہ کر انہیں پکارا ہے(۳) ابوذر آپ کی کنیت ہے، اور اسی

---

(۱) الاستیعاب: ۴/ ۶۲، ال إصابة: ۴/ ۶۳۔

(۲) حلیۃ الأ ولیاء: ۱/ ۳۵۳، حدیث شریف کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

(۳) سننِ ابنِ ماجہ/ ۲۶۴۔

(۴) ال إصابة: ۴/ ۶۴۔

کنیت سے آپ مشہور ہوئے۔ آپ دراز قد، گندمی رنگ اور چھریرے بدن کے انسان تھے۔ (۴)

حضرت ابوذر کا سلسلۂ نسب اس طرح ہے: **جندب بن جنادۃ بن کعب بن صعیر بن وقعۃ بن حرام بن سفیان بن عبید بن حرام بن غِفار بن ملیل بن ضمرۃ بن بکر بن عبدمناۃ بن کنانہ۔** (۵) ''کنانہ'' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پندرہویں پشت میں آتے ہیں اور ان ہی پر حضرت ابوذر غفاری نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملتے ہیں۔

قبیلۂ غِفار: مکہ مکرمہ سے پہاڑوں کے درّوں اور ریگستانی بیابانوں میں ہوتا ہوا راستہ شام وفلسطین کی طرف جاتا ہے، ٹھیک اسی شاہراہ کی کسی باریک سمت میں غفار بن ملیل کی اولاد غفار کے نام سے بسی ہوئی ہے۔ عام طور سے اس کا تلفظ غین کے زبر اور ف کے تشدید کے ساتھ کیا جاتا ہے جو غلط ہے۔ (۱) صحیح غِفار ہے غین کے زیر اور ف کو بغیر تشدید کے پڑھا جائے۔

حضرت ابوذر اسلام لانے سے قبل توحید پرست تھے

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ اسلام لانے سے قبل زمانۂ جاہلیت میں بھی توحیدِ باری تعالیٰ اور لا الہ الا اللہ کے قائل تھے، اور بتوں کی پرستش نہیں کرتے تھے۔ (۲) ایک مرتبہ انہوں نے اپنے بھتیجے کو مخاطب کر کے فرمایا **"لقد صليت يا ابن أخي قبل أن القى رسول الله ﷺ ثلاث سنين"** اے میرے بھتیجے! میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارتِ مبارکہ سے تین سال پہلے ہی سے نمازیں پڑھتا تھا۔

راوی نے عرب کے شرک وضلالت کو دیکھتے ہوئے نماز کا نام سن کر بڑی حیرت وتعجب سے پوچھا! آپ نماز کس کے لیے پڑھتے تھے؟ آپ نے فرمایا: "لله" اللہ تعالیٰ کے لیے! اس نے دریافت کیا! رخ کس طرف کیا کرتے تھے؟ جواب میں فرمایا: **"حيث يوجهني ربي"** جس طرف میرے پروردگار میرا رخ کر دیتے۔ میں عشاء کی نماز پڑھتا جب اخیر رات ہوتی تو کمبل کی طرح پڑجاتا تھا،

---

(۱) ال أنساب للسمعاني: ۴/ ۳۰۴۔ (۲) طبقات ابن سعد: ۴/ ۲۲۲۔

(۳) صحیح مسلم: ۲/ ۲۹۷۔

☆ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے واقعہ میں صحیح بخاری صحیح مسلم کی روایتوں میں بڑا اختلاف ہے، جس کی وجہ سے علامہ قرطبی کو مجبوراً یہ لکھنا پڑ گیا **"وفي التوفيق بين الروايتين تكلف شديد"** دونوں روایتوں میں تطبیق دینے میں سخت تکلف ہے (فتح الباری: ۷/ ۱۷۵) اگرچہ حافظ ابن حجر عسقلانی اور علامہ سندی نے ان روایتوں میں تطبیق دینے کی مکمل کوشش کی ہے، انشاء اللہ اسی کے مطابق ان کے تفصیلی واقعۂ اسلام کو ذکر کیا جائے گا۔

یہاں تک کہ مجھ پر دھوپ پڑنے لگتی تھی۔ (۳)

اسلام لانے کا واقعہ☆اور اس کا سبب

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم اپنی قوم "غفار" سے نکل کھڑے ہوئے کیونکہ یہ لوگ حرام مہینوں کو حلال سمجھتے تھے، میں میرا بھائی اُنَیس اور ہماری ماں تینوں نے ایک ساتھ اپنے قبیلۂ غفار کو الوداع کہا، اور اپنے ماموں کے پاس آ کر قیام کیا، انہوں نے ہماری خوب خاطر ومدارات کی اور وہ خوب حسنِ سلوک کے ساتھ پیش آئے، جس کی بنا پر ان کی قوم ہم لوگوں سے حسد کرنے لگی اور ہمارے ماموں سے کہنے لگی، جناب آپ جب باہر جاتے ہیں اور گھر میں کوئی نہیں رہتا تو آپ کے بھانجے اُنَیس گھر والوں پر افسری کرتے ہیں اور ہر قسم کی ابتری پھیلا دیتے ہیں ان کی وجہ سے لوگوں کی ناک میں دم ہے۔ یہ سن کر ہمارے ماموں آئے اور پوچھ گچھ شروع کر دی۔ اتنا سننا تھا کہ میں نے اپنے ماموں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا! آپ نے تمام گذشتہ احسانات کی نہروں کو گدلا کر دیا، بس اس کے بعد ہمارا اجتماع آپ کے ساتھ ممکن نہیں۔ بالآخر ہم اپنے اونٹوں کے پاس گئے اور اپنا اسباب لاد کر روانہ ہو گئے، ماموں اپنے چہرہ کو کپڑے سے ڈھانک کر روتے جاتے تھے، ہم چلتے رہے اور "مکہ" کے قریب پہونچ کر قیام کیا۔

ایک دن اُنَیس نے کہا! مجھے مکہ میں کام ہے، آپ یہاں ٹھہرے رہیے، میں جاتا ہوں، وہ گیا اور اس نے واپسی میں تاخیر کر دی، اُس کی واپسی پر میں نے دریافت کیا، تو نے میرے سلسلہ میں کیا کیا؟ وہ بولا، میں مکہ میں ایک شخص سے ملا جو تیرے دین پر ہے یعنی توحید پرست ہے اور وہ اللہ کی عبادت کرتا ہے اور وہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو بھیجا ہے۔ میں نے دریافت کیا، لوگ اسے کیا کہتے ہیں؟ اس نے کہا لوگ اسے شاید کاہن اور جادوگر کہتے ہیں اور اُنَیس خود بھی شاعر تھا، اس نے کہا میں نے کاہنوں کی بات سنی ہے لیکن جو کلام یہ شخص پڑھتا ہے وہ کاہنوں کا کلام نہیں ہے اور میں نے اس کا کلام شعر کے تمام بحروں اور اوزان پر خوب جانچا، شعر تو وہ یقیناً نہیں ہے، خدا کی قسم یہ سچا ہے اور وہ سب کے سب جھوٹے ہیں (۱) صحیح بخاری میں اُنَیس کے کلام میں اتنا اضافہ ہے کہ میں نے ان کو اچھی عادتوں اور عمدہ اخلاق کا حکم کرتے دیکھا ہے۔ (۲) میں نے کہا تم یہاں رہو، میں خود اس شخص کو دیکھ کر

---

(۱) صحیح مسلم: ۲/ ۲۹۷۔

(۲) صحیح بخاری: ۱/ ۵۴۵، رقم ۳۸۶۱۔

آتا ہوں پھر میں مکہ آیا اور کمزور و ناتواں شخص کو مکہ والوں میں چھانٹا (اس لیے کہ طاقت ور شخص سے پوچھنے پر مجھے تکلیف پہونچنے کا امکان تھا اور کمزور شخص سے کوئی خطرہ نہیں تھا) اور اس سے پوچھا، وہ شخص کہاں ہے جسے تم صابی کہتے ہو۔ (یعنی دین بدلنے والا) عرب کے کفار معاذ اللہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صابی کہتے تھے۔ اس نے میری طرف اشارہ کر کے لوگوں کو بھڑکایا اور کہا یہ صابی شخص ہے، یہ سن کر اہلِ مکہ ڈھیلے، ہڈیاں لے کر مجھ پر ٹوٹ پڑے اور اس قدر مارا کہ میں چکرا کر گر پڑا، جب میں ہوش میں آ کر اٹھا تو میں نے اپنے آپ کو لال بت (خون میں نہانے کی بنا پر) کی مانند دیکھا، اسی وقت زمزم پر آیا، پانی پیا اور خون دھویا، تیس دن وہاں رہا، زمزم کے پانی کے علاوہ اور کوئی کھانا میرے پاس نہ تھا، جب بھوک لگتی تو اسی کو پی لیتا، یہاں تک کہ (موٹاپے سے) میرے پیٹ کی بٹیں لٹک گئیں، اور میں نے اپنے کلیجہ میں بھوک کی توانائی قطعاً محسوس نہیں کی۔ (۱)

ان ہی دنوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا رات میں کعبہ شریف سے گذر ہوا، تو دیکھا کہ ایک پردیسی مسافر ہے، ان کو اپنے گھر لے آئے، میزبانی فرمائی، لیکن اس کے پوچھنے کی کچھ ضرورت نہ سمجھی کہ تم کون ہو، کیوں آئے ہو؟ مسافر نے بھی کچھ ظاہر نہیں کیا، صبح کو پھر مسجد حرام میں آ گئے، اپنی زنبیل اور مشک رکھ کر مکہ مکرمہ کے کوچہ و بازار میں شام تک مصروفِ جستجو رہے لیکن کامیابی نہیں ہوئی، پھر حرم شریف لوٹ آئے، آج کے دن بھی شام کو حضرت علی رضی اللہ عنہ حرم کے پاس سے گذرے، انہیں دیکھ کر فرمایا: کیا آدمی کے لیے اپنی فرودگاہ تک جانے کا وقت نہیں آیا، یہ کہہ کر انہیں اپنے ساتھ لیا اور گھر لے آئے، آج بھی میزبانی کی مگر اس رات بھی پوچھنے کی نوبت نہ آئی اور صبح سویرے حرم شریف میں آ دھمکے۔ (۲)

آج کی رات عجیب و غریب واقعہ پیش آیا جسے خود نقل کرتے ہیں: **فبينما أهل مكة في ليلة قمراء اضحيان إلخ**۔ چاندنی رات خوب روشن تھی، اہلِ مکہ اپنے کاموں میں مصروف تھے کہ یکا یک اللہ تعالیٰ کی زبردست قدرت نے تھپکیاں دے کر انہیں سلا دیا، اس وقت بیت اللہ شریف کا طواف کرنے والا کوئی نہیں تھا۔ صرف دو عورتیں ''اُساف'' اور ''نائلہ'' کو دُہائی دے رہی تھیں، یہ عورتیں طواف کرتے کرتے میرے سامنے آئیں، میں نے کہا ایک کا نکاح دوسرے سے کر دو، یہ سن کر بھی وہ اساف و نائلہ کو پکارنے سے باز نہ آئیں، اس دفعہ میں نے صاف کہہ دیا: ان کے فلاں میں لکڑی۔ یہ عورتیں

---

(۱) صحیح مسلم: ۲/ ۲۹۷۔ (۲) صحیح بخاری: ۱/ ۵۴۵، حدیث نمبر: ۳۸۶۱۔

اپنے معبود کے بارے میں کھلم کھلا گالی سن کر چلائیں اور یہ کہتی ہوئی چلیں ، کاش! اس وقت میری جماعت کا کوئی آدمی یہاں ہوتا تو اس کی خبر لیتا، راستہ میں ان عورتوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پہاڑ کی جانب سے آتے ہوئے ملے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان عورتوں سے پوچھا کیا ہوا؟ وہ بولیں! ایک صابی کعبہ شریف کے پردوں میں چھپا ہوا ہے، انہوں نے پھر دریافت کیا! وہ صابی کیا بولا؟ وہ بولیں! زبان تک لانے کی بات نہیں ہے وہ بہت بُری بات بک رہا ہے۔ اس گفتگو کے بعد وہ تو گھر روانہ ہوگئیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھی کے ساتھ کعبہ شریف تشریف لائے، حجرِ اسود کو بوسہ دیا اور طواف کیا پھر نماز پڑھی، جب نماز پڑھ چکے تو ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے ہی اول اسلام کی سنت ادا کرتے ہوئے ''السلام علیک یارسول اللہ کہا'' آپ نے فرمایا: وعلیک السلام ورحمۃ اللہ'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: من أنت؟ تو کون ہے؟ میں نے عرض کیا ''من غفاری'' قبیلۂ غفار کا ایک شخص ہوں۔ یہ سنتے ہی پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ کو پیشانی کی طرف جھکا یا اور سر پکڑ لیا میں نے اپنے دل میں کہا کہ شاید غفاری کی جانب میرے انتساب کو آپ نے ناپسند فرمایا۔ (۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پکڑنے کی ''طبقات ابنِ سعد'' کی ایک روایت میں یہ وجہ لکھی ہے! **عجب النبيﷺ أنهم يقطعون الطريق "فجعل النبيﷺ يرفع بصره فيه ويصوّبه تعجباً من ذلک لِما كان يعلم منهم"** نبی اکرم صلی اللہ علی وسلم کو تعجب ہوا کہ قبیلہ غفار تو رہزنی کرتے اور ڈاکہ ڈالتے ہیں (ان میں ایسا شخص کیوں کر پیدا ہوسکتا ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر متعجب ہوکر اپنی نگاہ ان پر ڈالی اور کبھی جھک کر دیکھا، کیونکہ غفاریوں کے حالات سے خوب واقف تھے، پھر فرمایا: ''انّ اللّٰہ یھدی من یشاء'' یقیناً اللہ تعالیٰ جسے چاہتے ہیں ہدایت دیتے ہیں۔ (۲)

بہرحال حضرت ابوذر فرماتے ہیں: میں آپ کے دستِ مبارک پکڑنے کے لیے لپکا، لیکن ان کے ساتھی (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) نے مجھے روک لیا وہ بہ نسبت میرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت سے زیادہ واقف تھے، پھر آپ نے سر اٹھایا اور فرمایا تم یہاں کب سے ہو؟ میں

---

(۱) صحیح مسلم: ۲/ ۲۹۷۔

(۲) طبقات ابن سعد: ۴/ ۲۲۳۔

(۳) صحیح مسلم: ۲/ ۲۹۷،

نے عرض کیا: تیس راتیں یہاں گزر گئیں، آپ نے فرمایا: تجھے کون کھانا کھلاتا ہے؟ میں نے کہا: زمزم کے پانی کے علاوہ کچھ کھانا وغیرہ نہیں ہے، بلکہ زمزم کے پانی ہی پر گذر بسر کرتا ہوں، میں موٹا ہو گیا، یہاں تک کہ (موٹاپے کی وجہ سے) پیٹ کی شکن لٹک گئی، اور میں اپنے کلیجہ میں بھوک کے ضعف کا کوئی اثر نہیں پاتا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر ارشاد فرمایا: ''**إنها مباركة، إنها طعام طعم**'' زمزم کا پانی برکت والا ہے، اور سیر کرنے اور پیٹ بھرنے والی غذا اور کھانا ہے۔ (۳)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے یہاں صرف سونے کے لیے دو راتیں گذاری تھیں، کھانے کی مہمان داری نہیں ہوئی تھی۔ اسی صورت میں دونوں صحیح روایتوں میں تطبیق ہو سکے گی۔

الغرض: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، یارسول اللہ! آج کی رات انہیں کھانا کھلانے کی مجھے اجازت دیجیے۔ انہیں اجازت مل گئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ چلے، میں بھی ان دونوں کے ساتھ چلا، حضرت ابوبکر مجھے اپنے ساتھ گھر لائے اور طائف کی کشمشیں نکال کر ہمارے حوالہ کیں، یہ سب سے پہلا کھانا تھا جو میں نے مکہ مکرمہ میں کھایا، پھر جب تک ٹھہرنا چاہا ٹھہرا۔ (۱)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صبح ہوتے ہی حرم میں آ گئے، جب رات ہوئی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آج تیسری رات ضیافت کے لیے اپنے ساتھ گھر لے پہونچے، آخر حضرت علی سے نہ رہا گیا، بول پڑے! **مالذي أقدمك**؟ کس ضرورت سے آپ آئے ہیں؟ اور کیا غرض ہے؟ تو حضرت ابوذر نے پہلے ان کو قسم اور عہد و پیمان دیئے اس بات کی کہ وہ صحیح اور سچ سچ بتائیں گے حضرت علی نے عہد کیا۔ اس کے بعد اپنی غرض بتلائی، یہ سن کر حضرت علی نے فرمایا: یہ بالکل سچ ہے کہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔ جب صبح

---

(۱) صحیح مسلم: ۲/ ۲۹۷،

واضح رہے کہ صحیح مسلم کی روایت میں ان کے اسلام لانے کے لفظ کی صراحت نہیں ہے، جس کی بنا پر علامہ سندی ہی کی رائے کو ترجیح دیتا ہوا رقم طراز ہوں کہ درحقیقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ملاقات سے ان کے دل میں ایمان خوب راسخ ہو گیا تھا، مگر یہ برملا اس کا اظہار نہ کر پائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ٹھکانہ کا انہیں صحیح علم نہیں ہو سکا، جس کی بنا پر پھر تیسری رات حضرت علی کے مہمان بنے اور ساری راز دارانہ گفتگو وغیرہ ہوئی واللہ اعلم (حاشیہ سندی علی صحیح مسلم: ۱/ ۲۹۷)

(۲) صحیح بخاری: ۱/ ۵۴۵، حدیث نمبر ۳۸۶۱۔

ہوتو میرے ساتھ چلنا میں وہاں تک پہونچادوں گا لیکن مخالفت کا زور ہے اس لیے راستہ میں اگر ایسا واقعہ نظر آئے کہ جس سے میرے ساتھ چلنے کی وجہ سے تم پر کوئی خطرہ معلوم ہوتو بیٹھ جاؤں گا، گویا کہ پیشاب کررہا ہوں تم سیدھے چلے چلنا، پھر جدھر میں جاؤں چلے جانا اور جہاں داخل ہونے لگوں توتم بھی وہاں داخل ہوجانا۔ چنانچہ صبح کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پیچھے پیچھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہونچے، وہاں جاکر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ فرمانِ عالی سنے۔(۲)

طبقات ابنِ سعد کی روایت میں ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن مجید کی کچھ آیت تلاوت کرنے کی درخواست کی، توآپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کی ایک سورت پڑھی، جسے حضرت ابوذر نے سن کر ''**اشهد أن لا اله الا الله و اشهد ان محمداً رسوله**'' بلندآواز سے پڑھا اور اسی وقت مسلمان ہوگئے۔ تھوڑی دیر میں حضرت ابوبکر تشریف لائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اسلام کی خوش خبری سنائی، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انہیں بغور دیکھ کر پہچان لیا اور فرمایا: ''**أليس ضيفي بالأمس؟**'' کیا وہ شخص نہیں ہے جوکل میرے مہمان تھے؟ جواب دیا: کیوں نہیں!! پھر حضرت ابوبکر نے فرمایا: ''**انطلق معي**'' میرے ساتھ چلئے، حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ اپنے گھر لے گئے اور انہیں دو رنگین وخوبصورت کپڑے نکال کردیئے، کپڑے بدلے اور جب تک مکۃ المکرمۃ میں ان کا قیام رہا، حضرت ابوبکر کے مکان پر مقیم رہے۔(۱)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ چوتھے نمبر پر مسلمان ہوئے ہیں یہ خود فرماتے ہیں: ''**أسلم قبلي ثلاثة و أنا الرابع**'' مجھ سے پہلے کُل تین حضرات مسلمان ہوئے، اور میں چوتھے نمبر پر مسلمان ہوا ہوں۔(۲)

صحابہ کرام میں اسلام کے مبلغِ اوّل:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے کانوں میں جب کبھی غیر اللہ کے نام کی دہائی کی آواز گونجتی تو ان کی غیرتِ ایمانی جوش میں آجاتی اور کافروں کے ہاتھوں کافی تکلیفیں اٹھانا پڑتیں۔ ان کے بہادرانہ کردار اور غیرتِ ایمانی کو دیکھتے ہوئے اور ان پر شفقت کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ان کی قوم کا بلکہ اسلام کا مبلغِ اوّل بناکر بھیجنا چاہا اور اس طرح ارشاد فرمایا:

---

(۱) ۴/۲۲۳۔

(۲) حلیۃ الأولیاء:۱/۱۵۷۔

(۳) صحیح

قدوُجِهتُ لي أرض نخل، لا أراها إلا يثرب فهل أنت مبلغ عني قومک؟ عسى الله أن ينفعهم بک ويأجرک فيهم۔

ترجمہ: مجھے کھجوروں والی زمین دکھلائی گئی ہے اور میں اسے یثرب (مدینۃ منورۃ) کے علاوہ اور کسی شہر کو خیال نہیں کرتا، تو کیا میری طرف سے تم اپنی قوم میں تبلیغ کر سکتے اور دین کی دعوت دے سکتے ہو؟ امید ہے کہ تیری ذات سے اللہ تعالیٰ انہیں نفع پہنچائے اور تمہیں ان میں تبلیغ کرنے کا اجر وثواب دے۔ (۳)

یہ دعوت وتبلیغ کے لیے آمادہ ہو گئے اور فرمایا: "**إني منصرف إلى أهلي وناظر متى يوم بالقتال فالحق بک**" میں اپنے گھر جاتا ہوں اور انتظار کرتا رہوں گا کہ جنگ کا کب حکم دیا جاتا ہے تو اسی وقت آپ سے آملوں گا۔ (۱)

حضرت ابوذر تاڑ گئے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شفقتاً انہیں واپس بھیج رہے ہیں تا کہ کفار کی ایذاؤں کا انہیں زیادہ سامنا نہ کرنا پڑے، لہٰذا تجاہلِ عارفانہ برتتے ہوئے دریافت کیا "**فإنني أرى قومک عليک جميعاً**" آپ کی قوم کو متفق ہو کر آپ کے ایذاء کے درپے میں دیکھتا ہوں اس لیے بھی میرا جانا مناسب ہے۔ یہ سن کر ارشاد فرمایا: "**أصبت**" سچ کہتے ہو۔ (۲) یہ سنتے ہی حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی رگِ حمیت پھڑک اٹھی اور مارِ جوش کے کہا "**لا أرجع حتى أصرخ بإسلام في المسجد الحرام**" میں نہیں جا سکتا جب تک کلمۂ اسلام کے ساتھ مسجد حرام میں جا کر نہ چیخوں حتیٰ کہ غیظ میں آ کر قسم کھا بیٹھے، جو صحیح بخاری میں ریکارڈ ہے۔ "**والذي نفسي بيده لأصرخنّ بها بين ظهرانيهم**" اس ذات پاک کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اس کلمۂ توحید کو ان کافروں کے بیچ میں چلا کر پڑھوں گا۔ چنانچہ اسی وقت مسجدِ حرام میں تشریف لے گئے اور باآوازِ بلند "**اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمداً رسول الله**" پڑھا، پھر کیا تھا چاروں طرف سے لوگ اٹھے اور اس قدر مارا کہ زخمی کر دیا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا جان حضرت عباس جو اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے ان کے اوپر بچانے کے لیے لیٹ گئے اور قریش کو مخاطب کر کے کہا! ارے کیا کرتے ہو؟ تمہارا

---

(۱) طبقات ابن سعد: ۴/ ۲۲۳۔ (۲) طبقات ابن سعد: ۴/ ۲۲۲۔

(۳) صحیح بخاری: ۱/ ۵۴۵، حدیث نمبر: ۳۸۶۱۔

ستیاناس ہو، انہیں پہچانتے ہو؟ یہ قبیلۂ غفار کا آدمی ہے، جدھر سے تمہارے شامی تاجروں کا راستہ ہے۔ اور تمہاری تجارت وغیرہ سب ملکِ شام سے وابستہ ہے۔ اس طرح سے حضرت عباس نے انہیں کافروں کے پنجوں سے چھڑایا۔

دوسرے دن پھر اسی طرح انہوں نے جا کر کافروں کے بیچ باوازِ بلند کلمہ پڑھا اور لوگ اس کلمہ کے سننے کی تاب نہ لا سکے اور ان پر پہلے دن کی طرح پھر ٹوٹ پڑے اور جی کھول کر مارنا شروع کیا، حسنِ اتفاق سے حضرت عباس نے آج بھی انہیں کافروں سے چھٹکارا دلایا۔ (۳)

وطن واپسی اور اسلام کی تبلیغ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے وطن واپس آئے اور سب سے پہلے اپنے بھائی حضرت اُنَیس سے ملے، وہ انتظار میں تھے ہی، سب سے پہلے یہی پوچھا ماصنعتَ؟ آپ نے کیا کیا؟ بولے: "إني قد أسلمت و صدقت" میں مسلمان ہوگیا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق کی یہ سنتے ہی اُنَیس نے کہا: مابي رغبة عن دينک فإني قد أسلمت و صدقت" مجھے بھی آپ کے دین سے کوئی نفرت اور انکار نہیں، میں بھی مسلمان ہوا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق کی، تبلیغی مہم کو جاری رکھتے ہوئے یہ دونوں اپنی والدۂ محترمہ کے پاس آئے، اس حال کو دیکھ کر وہ بولیں مجھے بھی تم دونوں کے دین سے کوئی نفرت نہیں ہے، میں بھی مسلمان ہوئی اور میں نے بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی تصدیق کی۔ (۱)

مکۃ المکرمۃ سے روانگی کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قریش کے مظالم کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ کہا تھا اے اللہ کے رسول! قریش نے میرے اوپر جو مظالم ڈھائے ہیں اور انہوں نے جو میری بے تحاشہ پٹائی کی ہے اس کا بدلہ لیے بغیر نہیں رہوں گا، چنانچہ قریش سے بدلہ لینے کے لیے "غسفان" کی گھاٹی "ثنية غزال" (جو تاجرانِ قریش کے راستہ میں پڑتی تھی) میں جا چھپے اور اس راستہ سے جو قافلۂ قریش گذرتا اسے لوٹ لیتے، جب ان پر قبضہ ہو جاتا تو اس کے بعد فرماتے: اگر تم لوگ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کرتے ہو اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق کرتے ہو تو سارا مال ابھی واپس کر دیا جائے گا۔ اور اگر انکار کروگے تو یاد رکھو ایک دانہ بھی نہیں مل سکتا "فیقولون

---

(۱) صحیح مسلم: ۱/ ۲۹۸۔

(۲) طبقات ابنِ سعد: ۴/ ۲۲۳-۲۲۴۔

لاالہ الااللہ ویاخذون الغرائو" یہ سن کر قریش کلمۂ لاالہ الااللہ کا اقرار کر لیتے اور سارا مال واپس لے کر لوٹتے۔(۲)

واضح رہے کہ اگر حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر ایمان لانے والے محض مال کی طمع سے مسلمان ہوتے تو ان کے لیے بالکل ممکن تھا کہ مکۃ المکرمۃ میں جا کر اسلام سے پھر جاتے، لیکن تاریخ اس کی ایک نظیر بھی پیش نہیں کرتی، جو مسلمان ہوتے تھے بس ہمیشہ کے لیے ہوتے تھے کہ حق وصداقت کی روشنی دلوں میں خواہ کسی طریقے اور کسی وسیلے سے بھی ہو جب صحیح طور پر اتر جاتی ہے تو دیکھا گیا ہے کہ پھر وہ بہت مشکل سے بجھتی ہے۔

الغرض وادیٔ ''عُسفان'' کو سر کرنے کے بعد حضرت ابوذر اپنے بھائی اور اپنی والدہ محترمہ کے ساتھ اپنے اونٹوں پر سارا سامان لاد کر اپنی قوم ''غفار'' میں پہونچے، ان میں اسلام کی تبلیغ کی، آدھی قوم مسلمان ہوگئی اور ان کے امام ''أیماء بن رحضہ غفاری'' تھے اور وہ ان کے سردار بھی تھے، آدھی قوم نے یہ کہا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لے آئیں گے تو ہم مسلمان ہوں گے۔(۱)

دربارِ رسالت میں حاضری

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لے آئے اور بدر واُحد جیسے معرکے بھی گذر گئے، تب حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ تشریف لائے (۲) اور قبیلۂ غفار کی آدھی قوم جو مسلمان نہیں ہوئی تھی وہ بھی آئی اور مسلمان ہوگئی اور قبیلۂ اسلم کے لوگ آئے انہوں نے عرض کیا، یارسول اللہ! ہم بھی اپنے غفاری بھائیوں کی طرح مسلمان ہوتے ہیں۔ یہ منظر دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "غفار غفر اللّٰہ لها وأسلم سالمها اللّٰہ" غفار کی اللہ تعالیٰ مغفرت کرے اور اسلم کو اللہ تعالیٰ سلامت رکھے۔(۳)

مدینہ منورہ میں آ کر دامنِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس مضبوطی سے تھام لیا کہ پھر الگ

---

(۱) صحیح مسلم: ۲/ ۲۹۶۔

(۲) طبقات ابن سعد: ۴/ ۲۲۲۔

(۳) صحیح مسلم: ۲/ ۲۹۶۔

(۴) سیر اعلام النبلاء: ۲/ ۵۸۔ الاصابۃ: ۴/ ۶۴۔

(۵) طبقات ابن سعد: ۱/ ۲۵۶۔

ہونے کا خیال ہی نہ آیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ان سے کافی اُنس ہو گیا کہ جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابۂ کرام کی مجلس میں تشریف لاتے تو سب سے پہلے حضرت ابوذر کی خیریت دریافت فرماتے اگر یہ غائب ہوتے تو انہیں تلاش کراتے۔ (۴)

صفہ کی زندگی

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ اصحابِ صفہ کے ساتھ مل گئے، اور صفہ کی زندگی گذارنے لگے، خود ان کا بیان ہے: **کنت من أهل الصفة إذا أمسينا حضرنا باب رسول اللهﷺ الخ۔** (۵) جب شام کا وقت ہوتا تو ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درِ اقدس پہ حاضر ہو جاتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر ایک صحابی کو اپنے ساتھ ایک ایک اہلِ صفہ کو لے جانے کا حکم فرمایا کرتے تھے، بعض اوقات دس اصحابِ صفہ، یا زیادہ، یا اس سے کم بچ جاتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کھانا لایا جاتا، تو سب لوگ مل کر کھاتے۔ جب ہم اصحابِ صفہ رات کے کھانے سے فارغ ہو جاتے، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں سے فرماتے جاؤ! مسجد میں سو جاؤ۔ اسی طرح ایک مرتبہ میں مسجدِ نبوی میں جا کر سو گیا، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس سے گذرے اور میں اپنے چہرہ کے بل سو رہا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاؤں مبارک سے ٹھوکر مار کر فرمایا: "**یا جندب! ماهذه الضجعة فإنها ضجعة الشيطان**" اے جندب! یہ کیا لیٹنے کا طریقہ ہے؟ یہ تو شیطان کے لیٹنے کا طریقہ ہے۔ (۱)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ اصحابِ صفہ کے ممتاز طالب علم ہونے کے ساتھ ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ممتاز خادم بھی رہے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی خدمت سے بہت زیادہ خوش تھے۔

ایک دن کا واقعہ ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت سے فارغ ہو کر رات گذارنے کے لیے مسجدِ نبوی میں آئے، چونکہ مسجدِ نبوی ہی ان کا گھر تھا، تھوڑی دیر کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے اور انہیں مسجد میں سویا ہوا پا کر اپنے انگوٹھے کے اشارہ سے جگایا، یہ گھبرا کر اٹھ بیٹھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا: کیا تم اسی جگہ سو گئے؟ انہوں نے عرض کیا پھر کہاں سوؤں؟ کیا اس مسجد کے علاوہ بھی کوئی میرا گھر ہے!! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے

---

(۱) حلیۃ الأولیاء: ۱/ ۳۵۳۔۳۵۴۔ سنن ابن ماجہ: / ۲۶۴، مختصراً۔

پاس بیٹھ گئے پھر دریافت کیا اے ابوذر! اس دن کیا کرو گے جب لوگ تمہیں اس (مسجدِ نبوی) سے نکالیں گے؟ جواب دیا! کہ میں شام چلا جاؤں گا، کیونکہ وہ ہجرت گاہ ہے، میدانِ محشر کے قائم ہونے کی جگہ ہے اور انبیاء کرام کا مسکن ہے۔ میں ان ہی لوگوں میں ہو کر رہ جاؤں گا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب لوگ تمہیں شام سے نکالیں گے اس دن کیا کرو گے؟ یہ بولے کہ میں مسجدِ نبوی لوٹ کر آجاؤں گا، یہی میرا گھر اور میرا مسکن ہوگا۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا: لوگ یہاں سے تمہیں دوبارہ نکالیں گے تو کیا کرو گے؟ یہ سن کر بولے! اپنی تلوار سونت لوں گا اور نکالنے والوں سے جیتے جی لڑتا رہوں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا میں اس سے بہتر بات نہ بتاؤں؟ میں نے عرض کیا ضرور، اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان!!

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم ان لوگوں کی اتباع کرتے رہنا جس طرف بھی وہ تمہیں لے جائیں، یہاں تک کہ تم اسی حالت میں مجھ سے آملو۔ (۱)

تحصیلِ علم

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ اصحابِ صفہ کے ساتھ رہ کر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم بن کر بہت زیادہ علوم حاصل کئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بذاتِ خود انہیں مخاطب کر کے علم زہد وتقویٰ سکھایا ہے۔ حضرت ابوذر کا بیان ہے میں ایک مرتبہ مدینہ منورہ کی کالی پتھریلی زمین میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جا رہا تھا، اتنے میں سامنے سے ''اُحد'' پہاڑ دکھائی دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوذر! انہوں نے کہا لبیک یا رسول اللہ! پھر آپ نے فرمایا: اے ابوذر! اگر اس اُحد پہاڑ کے برابر بھی میرے پاس سونا ہو تو میں اس کو بالکل پسند نہیں کروں گا کہ ایک اشرفی برابر سونا بھی میرے پاس تیسرے دن تک رہ جائے، البتہ کسی کا قرض مجھ پر آتا ہو اس کے ادا کرنے کے لیے کچھ رکھ چھوڑوں تو یہ اور بات ہے۔ میں سارا سونا اللہ کے بندوں میں دائیں بائیں اور پیچھے (تینوں طرف) محتاجوں میں بانٹ دوں گا۔ سنو! جو لوگ دنیا میں بہت مال و دولت رکھتے ہیں اور سرمایہ دار کہلاتے ہیں آخرت میں وہی نادار اور ٹٹ پونجیے ہوں گے البتہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے دولت دی ہو پھر وہ دائیں

---

(۱) مسند أحمد: ۶/ ۴۵۷۔

(۲) صحیح بخاری: ۲/ ۹۵۴، نمبر ۲۴۴۴

(۳) مسند أحمد: ۵/ ۱۸۱۔

بائیں اور پیچھے اس کو لٹائے یعنی محتاجوں اور مسکینوں کو خوب دے۔ (۲)

ایک دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر کو مخاطب کر کے فرمایا: اے ابوذر! **"أعقل ما أقول لک"** میری بات سمجھو اور مانو، ایک بکری کسی مسلمان کو حاصل ہو یہ اس سے بہتر ہے کہ "احد" پہاڑ کے برابر اس کے پاس سونا ہو، پھر اپنے بعد اس کو چھوڑ جائے۔ (۳)

مال و دولت جاہ و عزت کی مذمت سننے کے بعد یہ کسب و حرفت نہ چھوڑ بیٹھیں اور حالاً وقالاً بھیک مانگنے پر نہ آمادہ ہو جائیں، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ضروری تنبیہ فرمائی!

حضرت ابوذر کا بیان ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے بلایا اور فرمایا: کیا تم ایک ایسی بات پر بیعت کرو گے کہ جس کے بدلے تمہارے لیے صرف جنت ہی جنت ہے؟ میں نے عرض کیا! جی ہاں! اور میں نے ہاتھ پھیلا دیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا میں تم سے عہد لینا چاہتا ہوں کہ تم کسی آدمی سے کچھ نہ مانگو گے، میں نے کہا بہت بہتر ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: حتیٰ کہ وہ کوڑا بھی نہیں جو تمہارے گھوڑے پر سے گر پڑے، بلکہ تم اترو اور خود اٹھاؤ۔ (۱)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ تمام صحابۂ کرام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے علمی سوالات کرنے میں نمایاں تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کے سلسلہ میں فرماتے ہیں **"کان یکثر السوال فیعطی ویمنع"** کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ سوال کرتے تھے، تو انہیں کبھی جواب دیا جاتا اور کبھی نہیں۔ (۲)

انہیں تحصیلِ علم کا بہت شوق تھا، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے خوب کھود کر ید کر علمی سوالات کرتے تھے، اسی شدتِ سوال کی بنا پر ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے سخت عتاب کا سامنا کرنا پڑا کہ جسے کبھی نہ بھول سکے۔ واقعہ یہ تھا کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو شبِ قدر کی بڑی تلاش رہتی تھی، خود فرماتے ہیں کہ ایک دن نبی علیہ الصلاۃ والسلام سے پوچھنے لگا کہ یارسول اللہ! کیا شبِ قدر صرف رمضان کے مہینے کے ساتھ مخصوص ہے یا دوسرے مہینوں میں بھی ہو سکتی ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا صرف رمضان میں! میں نے عرض کیا کہ شبِ قدر محض اس وقت تک رہے گی جب تک اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہم میں ہیں، یا قیامت تک اس کا سلسلہ باقی رہے گا؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں، بلکہ قیامت تک باقی رہے گی۔ میں نے عرض کیا کہ رمضان کے کس عشرہ میں اس رات کو

---

(۱) مسند احمد: ۵/ ۲۰۲۔ (۲) طبقات ابن سعد: ۴/ ۲۳۲۔

تلاش کیا جائے؟ آپ نے فرمایا: شروع عشرہ، یا اخیر عشرہ میں اسے تلاش کرو۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بعد کسی اور گفتگو میں مشغول ہو گئے، میں تاک میں لگا رہا، ذرا غفلت پا کر پھر پوچھا کہ آخر ان دو عشروں میں سے کس عشرہ میں واقع ہوتی ہے؟ فرمایا: آخر عشرہ میں۔ اور فرمایا: بس آئندہ کچھ نہ پوچھنا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوسری بات میں مشغول ہو گئے مگر میں موقع کی تلاش میں رہا۔ موقع پاتے ہی ممانعت کے باوجود میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! آپ پر جو کچھ بھی میرا حق ہے، میں اس حق کی قسم دے کر عرض کرتا ہوں کہ مجھے بتا دیجئے کہ اخیر عشرہ کی کس رات میں یہ رات آتی ہے؟ بس اتنا کہنا تھا۔ ”فغضب علي عضبا لم يغضب مثله منذ صحبته“ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے اوپر اس قدر برہم اور غضب ناک ہوئے کہ اتنا غصہ آپ کو مجھ پر کبھی نہ آیا تھا جب سے آپ کے دامن صحبت سے وابستہ ہوا تھا۔ (۱)

ان کے اسی علمی جذبہ اور شوق کو دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار انہیں مخاطب کر کے منبعِ نبوت سے سیراب کیا ہے اور خاص طور سے انہیں بہت ساری نصیحتیں فرمائی ہیں اور کچھ احادیث ایسی ہیں جو خاص طور سے تنہائی میں ان ہی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہیں۔ غرضیکہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ علوم حاصل کیے خود فرماتے ہیں ”لقد تركنا رسول الله ﷺ وما يتقلب في السماء طائر إلا ذكرنا منه علما (۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت ہم لوگوں سے رخصت ہوئے جب فضاء میں اڑنے والے پرندوں کے متعلق بھی ہمیں کوئی نہ کوئی علم مل گیا۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی مجموعی احادیث کی تعداد علامہ شمس الدین ذہبی کے بیان کے مطابق ۲۸۱ ہے۔ (۳)

حضرت ابوذر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں

۱۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر کے صدق وصفا، ظاہر و باطن کی پاکیزگی اور

---

(۱) مسند احمد: ۵/ ۱۷۱۔ (۲) مسند احمد: ۵/ ۱۶۲۔

(۳) سیر اعلام النبلاء: ۲/ ۷۵۔ (۴) جامع ترمذی: ۲/ ۲۲۰، نمبر ۳۸۰۱۔

(۵) مسند احمد: ۵/ ۱۶۴، طبقات ابن سعد: ۴/ ۲۲۸۔

قلب وزبان کی سچائی کی گواہی ان الفاظ میں دی ہے "**ما أقلت الغبراء، ولا أظلت الخضراء أصدق من لهجة أبي ذر**" آسمان تلے اس سرزمین پر ابوذر سے زیادہ کوئی سچا نہیں ہے۔ (۴)

۲۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنی سواری پر اپنے پیچھے بٹھا کر ردیف النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے شرف سے نوازا ہے۔ (۵)

۳۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے چار شخصوں سے محبت کرنے کا حکم دیا ہے اور خود اللہ تعالیٰ بھی ان سے محبت کرتے ہیں۔ صحابۂ کرام نے عرض کیا، یا رسول اللہ ان خوش نصیبوں کے نام بتا دیجئے۔ سب سے پہلے حضرت علی کا نام لیا اور تین مرتبہ ان کا نام لیا۔ پھر ابوذر، مقداد اور سلمان رضی اللہ عنہم کے نام ذکر فرمائے۔ ان اسمائے گرامی کے ذکر کرنے کے بعد پھر وہی جملہ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ان چار شخصوں سے محبت کرنے کا حکم دیا ہے اور خود اپنے بارے میں بھی بتایا کہ میں بھی ان سے محبت کرتا ہوں۔ (۱)

۴۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہر نبی کو سات رفقاء اور سات وزراء دیئے گئے ہیں اور مجھے چودہ رفقاء اور وزراء دیئے گئے ہیں۔ ان میں ایک ابوذر ہے۔ (۲)

۵۔ غزوۂ تبوک میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ اسلامی فوج سے پیچھے رہ گئے، صحابۂ کرام میں ان کے سلسلہ میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہو گیا، آپ نے ارشاد فرمایا: اس کو چھوڑ دو، اگر اس کی ذات میں خیر و بھلائی ہوگی تو اللہ تعالیٰ خود تم لوگوں سے ملا دیں گے، واقعہ یہ ہوا کہ حضرت ابوذر کا اونٹ ایک جگہ ٹھہرا کہ اسلامی فوج آگے بڑھ گئی، اونٹ سست پڑ گیا، بہت کوشش کرنے کے باوجود اس کے رفتار میں تیزی نہ آئی، آخر تھک کر اونٹ سے اتر گئے، جو سر پر لاد سکے لاد لیا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکل پڑے، قافلہ کے قریب آ گئے، کسی صحابی کی نظر پڑی کہ کوئی پیادہ پا تیزی کے ساتھ چلا آ رہا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی معلوم ہوا، آپ نے دیکھ کر ارشاد فرمایا "**كن أباذر**" ابوذر ہی ہو۔ کچھ ہی دیر میں صحابۂ کرام میں شور ہوا کہ یہ ابوذر ہیں، خدا کی قسم ابوذر ہی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "**رحم الله أباذر يمشي وحده، ويموت وحده، ويبعث وحده**" اللہ تعالیٰ ابوذر پر رحم کرے، اکیلا ہی چلتا ہے، اکیلا ہی مرے گا اور اکیلا ہی

---

(۱) جامع ترمذی: ۲/ ۲۱۳، مناقب علی مسندِ احمد: ۵/ ۳۵۱۔

(۲) مسندِ احمد: ۵/ ۱۶۴، طبقات ابن سعد: ۴/ ۲۲۸۔

اٹھایا جائے گا۔ (۳)

۶۔ سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "**من سرّہ أن ینظر إلی تواضع عیسی ابن مریم فلینظر إلی أبی ذرّ**" جو حضرت عیسی بن مریم علیہ الصلاۃ والسلام کے تواضع کو دیکھ کر خوش ہونا چاہتا ہے وہ ابوذر کو دیکھ لے۔ (۴)

صحابہ کرام اور دیگر علماءِ عظام کی نظر میں:

خلیفۂ راشد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوذر کے علمی مقام کو اجاگر کرتے ہوئے فرمایا "**وعی علماً عجز منه**" حضرت ابوذر ایسے علم کو حاصل کیے ہوئے ہیں جس سے لوگ عاجز آ گئے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ بہت زیادہ حریص ولالچی تھے، کس چیز میں؟ خود ہی فرماتے ہیں: "**شحیحا علی دینه حریصاً علی العلم**" دین کی پیروی کرنے اور اس کی باتوں پر عمل کرنے میں لالچی اور علم کے حاصل کرنے میں حریص تھے۔ بہت زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کرتے تھے، پھر انہیں کبھی جواب دیا جاتا اور کبھی نہیں۔ "**وقد ملئ له في وعائه حتی امتلأ**" اس پر ان کے لیے ان کا پیمانۂ علم اتنا بھر دیا گیا کہ وہ لبریز ہو گیا۔ (۱)

ایک مرتبہ حضرت علی نے فرمایا: "**أبو ذر عَلَمُ العلم، ثم أوکی، فربط علیه ربطاً شدیداً**" ابوذر علم کے پہاڑ ہیں، سارے علم کو انہوں نے اپنے سینۂ گنجینہ میں محفوظ کر رکھا ہے۔ (۲)

"**کان عمر یوازی ابن مسعود في العلم**" خلیفۂ راشد حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ انہیں علم میں حضرت عبداللہ بن مسعود کے ہم پلہ گردانتے تھے اور انہیں بدریین کی فہرست میں شمار کر کے ان کے ساتھ بدریوں جیسا معاملہ کیا کرتے تھے جب کہ ابوذر غزوۂ بدر میں شریک نہیں رہے ہیں۔ (۳)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شاگردِ رشید، بانیٔ نحو، امام ابوالاسود دولی نے کہا: "**زرت اصحاب النبي ﷺ فما رأیت لأبي ذر**" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں کو میں نے دیکھا،

---

(۱) طبقاتِ ابن سعد: ۴/ ۲۳۲۔

(۲) طبقاتِ ابن سعد: ۴/ ۲۳۲، سیر اعلام النبلاء: ۲/ ۶۰۔

(۳) الاصابۃ: ۴/ ۶۵۔

(۴) مسندِ احمد: ۵/ ۱۸۱۔

(۵) سیر اعلام النبلاء ۲/ ۴۴۔

لیکن ابوذر جیسا کسی کو نہ دیکھا۔ (۴)

علامہ شمس الدین ذہبی کا بیان ہے: ”**کان یفتي في خلافة أبي بکر وعمر وعثمان**“ کہ حضرت ابوذر حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے زمانہ خلافت میں فتویٰ دیا کرتے تھے۔ (۵)

حلقۂ درس

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی باضابطہ مجلسِ درس کسی خاص مقام میں قائم نہیں ہوتی تھی بلکہ جہاں اور جس جگہ بھی لوگوں نے حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم دریافت کرلی، اسی جگہ آپ کا حلقۂ درس قائم ہوگیا۔

ایک مرتبہ ایک شخص نے آکر کہا: اے حضرت ابوذر! میں آپ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ احوال دریافت کرنا چاہتا ہوں۔ یہ سن کر آپ نے جواب دیا ”إن کان سرأ من سرّ رسول اللہ ﷺ لم أحدث“ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اسرار و راز کی باتیں بتائی ہیں وہ اگر پوچھتے ہو تو نہیں بتاؤں گا، اس کے علاوہ جو کچھ پوچھنا ہو پوچھو۔ (۱)

حدیث پاک بیان کرتے وقت آپ کی حالت بہت غیر ہوجاتی تھی، حدیث شریف بیان نہیں کرپاتے اور آپ پر بہت زیادہ گریہ طاری ہوجاتی، احنف بن قیس کا بیان ہے کہ مجھ سے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے ”بیت المقدس“ میں ایک حدیث بیان کی، حدیثِ پاک بیان کرتے وقت صرف یہ الفاظ ”**اخبرنی حبیبی ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم**“ (مجھ سے میرے محبوب ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا) بیان کرکے چیخ مارتے رہے اور یہی الفاظ دو تین مرتبہ دہراتے رہے کہ مجھے میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کسی طرح چوتھی مرتبہ ضبط کرکے انہوں نے حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم بیان کی۔ (۲)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا باضابطہ حلقۂ درس قائم نہ ہونے کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ان کا مزاج تبلیغی تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی نشر و اشاعت میں انہوں نے اپنے آپ کو کھپادیا تھا۔ یہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ”ابوذر کی اس رگِ گلو پر تلوار کی دھار بھی رکھ دی جائے اور کسی سچی

---

(۱) مسند أحمد: ۵/ ۱۶۲۔ (۲) مسند أحمد: ۵/ ۱۶۴۔

بات کی تبلیغ اس سے رہ گئی ہو تو اسے نافذ کر کے رہے گا'' جہاں کچھ لوگ نظر آتے بس کھڑے ہو کر وعظ ونصیحت کرنا شروع کر دیتے، خاص طور سے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ مال اکٹھا کرنے والوں اور اصحابِ ثروت کی اصلاح کرنے کی فکر میں ہر وقت لگے رہتے تھے۔ بعض دفعہ بزورِ قوت حق کی تبلیغ کیا کرتے تھے اور حق کی تبلیغ میں ہرگز کسی کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ بے لوث ہو کر اشاعتِ حق کیا کرتے تھے، خود ان کا بیان ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے پانچ مرتبہ بیعت لی اور مجھ سے سات مرتبہ عہد وپیمان لیا اور سات مرتبہ مجھے اللہ کا واسطہ دے کر فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کے سلسلہ میں ہرگز کسی ملامت گر کی ملامت اور لعن طعن کا خوف نہ کروں۔ (۱)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا مستقل حلقۂ درس قائم نہ ہونے کے باوجود ان کے فیض یافتگان کی ایک بڑی جماعت ہے۔ جن میں حضرت عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہم جیسے صحابۂ کرام ہیں۔ (۲)

زاہدانہ زندگی

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے علم اور زہد وتقویٰ میں اتنا کمال حاصل کیا کہ علم کے پہاڑ بنے اور زاہدوں کے امام کہلائے۔ ان کے زہد وفقر کو سراہتے ہوئے اور تمام صحابۂ کرام میں انہیں گویا کہ زاہدوں کے امام کا مقام دیتے ہوئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''**من سره أن ينظر إلى زهد عيسى بن مريم فلينظر إلى أبي ذر**'' جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زہد وتقویٰ کو دیکھ کر خوش ہونا چاہتا ہے وہ ابوذر کو دیکھ لے۔ (۳)

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر کے زہد وتقویٰ کو حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے زہد وتقویٰ کے مماثل ومشابہ قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''**أبو ذر في أمتي على زهد عيسى بن مريم عليه السلام**''۔ (۴)

حقیقت یہ ہے کہ سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم خصوصیت کے ساتھ حضرت ابوذر کے سامنے مال ودولت کی مذمت فرماتے رہے کہ جس کی گہری چھاپ ان کی زندگی پہ پڑی اور پوری زندگی زاہدانہ

---

(۱) مسند أحمد: ۵/۱۷۲۔

(۲) سير أعلام النبلاء: ۲/۷۵۔

(۳) طبقات ابن سعد: ۴/۲۲۸۔

(۴) الاستيعاب: ۴/۶۴۔

زندگی گذاری اور اسی زاہدانہ زندگی کی تعلیم وتبلیغ کرتے رہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ یہ فرمایا کرتے تھے، لوگو! میں قیامت کے دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے زیادہ قریب رہوں گا، کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے ''**إن أقربكم مني يوم القيامة من خرج من الدنيا كهيئته يوم تركته عليه**'' کہ تم میں سب سے زیادہ قریب قیامت کے دن مجھ سے وہ شخص ہوگا جو دنیا سے اسی حال میں رخصت ہو جس حال میں اسے چھوڑ کر جاؤں ''**والله مامنكم من أحد إلا وقد تشبث منها بشيء غيري**'' اور خدا کی قسم! میرے علاوہ اب تم میں کوئی ایسا نہیں رہا جو اپنی پہلی حالت پر قائم ہو اور اس کے ساتھ دنیا کی کوئی نئی چیز نہ لپٹ گئی ہو، اسے دنیا حاصل نہ ہوئی ہو اور اس کے اندر خوش حالی نہ آئی ہو۔(۱)

یہ ان کا دعویٰ کوئی کچا اور ذاتی نہ تھا بلکہ سید العالم رسولِ خاتم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کی تصدیق کی اور اس پر مہرِ ثبت لگا دی ہے۔ ایک دن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام کو مخاطب کرکے ارشاد فرمایا: ''**أيكم يلقاني على الحال التي أفارقه عليها؟**'' تم میں ایسا کون شخص ہے جو مجھ سے میرے چھوڑے ہوئے حال پر قیامت کے دن آکر ملے گا؟ حضرت ابوذر نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! ''میں'' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا: ''صدقت'' تو نے سچ کہا، کہ تم اسی حال پر مروگے جس حال پر میں تمہیں چھوڑ کر جاؤں گا۔(۲)

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے! آج اللہ تعالیٰ کے دین کے سلسلہ میں ملامت کرنے والوں کے طعنوں سے نہ ڈرنے والوں میں صرف ''ابوذر'' رہ گئے ہیں، حتیٰ کہ میں بھی اپنے کو مستثنیٰ نہیں کرسکتا۔ یہ جملہ فرما کر حضرت علی اپنی چھاتی پیٹتے تھے۔(۳)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو سالانہ چار ہزار دربارِ خلافت سے وظیفہ ملا کرتا تھا، جب وظیفہ ملتا تو اپنے خادم کو بلاتے اور فرماتے کہ سال بھر کا غلہ خرید لاؤ اور بقیہ اشرفی اور درہم کو پیسے سے بھنا لو، پھر فرماتے کہ جو لوگ سونے اور چاندی پر گرہیں لگاتے ہیں وہ شعلے بن کر ان سے لپٹیں گے۔(۴)

حضرت ابوذر کے اندر زہد وتقویٰ اور فناء فی اللہ اس قدر پیدا ہوگیا تھا کہ اپنی حرمِ محترمہ کے

---

(۱) مسندِ أحمد: ۵/ ۱۶۵۔
(۲) طبقاتِ ابنِ سعد: ۴/ ۲۲۸۔
(۳) طبقات: ۴/ ۲۳۱-۲۳۲۔
(۴) طبقاتِ ابنِ سعد: ۴/ ۲۳۰۔
(۵) طبقاتِ ابنِ سعد: ۴/ ۲۳۱۔
(۶) حلیۃ الأولیاء: ۱/ ۱۶۱۔

رنگ وروپ اور زیبائش وآراستگی کا کبھی انہیں خیال بھی پیدا نہ ہوا، عبداللہ بن خراش کعبی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے ابوذر کو مقام "ربذہ" کے سائبان میں بیٹھا دیکھا "وتحته امرأة سحماء" اور اس وقت ان کے نکاح میں ایک کالی کلوٹی عورت تھی (۵) جب لوگوں نے کہا اے ابوذر! آپ نے یہ کالی کلوٹی عورت سے نکاح کیا ہے؟ تو فرمانے لگے جس بیوی کی وجہ سے لوگ مجھے ذلیل سمجھیں اسے میں ایسی عورت سے بہتر سمجھتا ہوں، جس کی وجہ سے لوگوں میں میری خاص وقعت وعزت ہو کہ یہ وہ شخص ہے کہ جس کے نکاح میں نہایت پری پیکر اور عالی خاندان کی لڑکی ہے۔(۶)

شام کے گورنر حبیب بن مسلمہ نے ایک دفعہ حضرت ابوذر کی خدمت میں تین سو اشرفیاں بھیجیں اور یہ لکھ بھیجا "استعن بها على حاجتك" اپنی ضرورتوں میں اس سے کام چلایئے۔ حضرت ابوذر نے قاصد کو جواب میں فرمایا: ان اشرفیوں کو تم حبیب کے حوالہ کر دینا اور کہنا کہ ان کو مجھ سے زیادہ کوئی اور غریب آدمی نہیں ملتا۔ خدا کے فضل وکرم سے میں ایک سائبان رکھتا ہوں کہ جس کے سایہ میں آرام کرتا ہوں۔ بکریوں کے ایک گلہ کا بھی مالک ہوں جو دن بھر چر کر شام کو گھر آجاتی ہے (اور اسے خوب دودھ ہوتا ہے) ایک خادمہ بھی ہے جو میرے کام کاج میں میرا ہاتھ بٹاتی ہے، ان مالوں کو زیادہ سمجھ کر خوف کھاتا رہتا ہوں۔(۱)

حضرت ابوذر کو اپنے زہد وتقویٰ پر بڑا ناز تھا کبھی کبھی فرماتے! یہ بنو امیہ کے امراء مجھے فقر وافلاس سے ڈراتے ہیں، جب کہ فقر، مالداری وتونگری سے زیادہ مجھے محبوب ہے۔(۲)

سونے چاندی جمع کرنے والوں کے خلاف حضرت کا سخت رویہ

سیم وزر اور مال ودولت کی مذمت حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے دل میں اس قدر راسخ وپیوست ہوگئی تھی کہ جو لوگ سونے وچاندی کو جمع کر کے رکھتے تھے ان کو دھمکاتے، ڈراتے اور فرماتے تھے "**إن خليلي ﷺ عهد الي أنه أيما ذهب أو فضة أوكي عليه فهو جمر على صاحبه يوم القيامة حتى ينفقه في سبيل الله**(۳)" "میرے خلیل صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سامنے زور دے کر بیان فرمایا کہ جو لوگ سونے اور چاندی پر گرہیں لگاتے ہیں وہ قیامت کے دن شعلے بن کر ان سے لپٹیں گے

---

(۱) حلیۃ الأولیاء:۱/۱۶۱۔ (۲) حلیۃ الأولیاء:۱/۱۶۲۔

(۳) مسند أحمد:۵/۱۷۶، الحلیۃ:۱/۱۶۲۔

جب تک کہ اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہ کر دیں۔ (۳)

مسئلۂ کنز کی سختی کے ساتھ تبلیغ کیا کرتے، اربابِ ثروت واصحابِ دولت گھبرا جاتے تھے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت کے بعد یہ ملکِ شام چلے گئے تھے، وہاں بھی اس مسئلہ کی شدت سے تبلیغ کرتے رہے، عہدِ عثمانی میں مالداروں اور سرمایہ داروں کی جانب سے بارہا ان کے خلاف عرضیاں و درخواستیں پیش ہوئیں کہ ان کی وجہ سے غرباء ہمیں دھمکیاں دیتے ہیں اور زجروتوبیخ کرتے ہیں۔ یہ شکایتیں سن کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ان سے گھبرا گئے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خط لکھ بھیجا کہ ''حضرت ابوذر کی وجہ سے یہاں بہت فساد برپا ہو رہا ہے آپ انہیں مدینہ طیبہ بلوالیں۔ انہیں مدینہ بلالیا گیا یہ وہاں بھی پہنچ کر اسی مسئلہ کی خوب تبلیغ کرنے لگے، مدینہ منورہ والے بھی ان سے خفا ہو گئے اور حضرت عثمان سے شکایت کی بالآخر انہوں نے خود امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے فرمائش کی '' ائذن لی أن اخرج إلى الربذة'' آپ اجازت دیجئے تاکہ میں ربذہ ☆ چلا جاؤں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کی اجازت دے دی اور فرمایا: کہ اچھا آپ وہاں جاسکتے

☆ ربذہ: ذات عرق سے جو سڑک مکہ معظمہ گئی تھی، ٹھیک اسی کے کنارے ربذہ ایک مختصر سے گاؤں کی شکل میں آباد تھا۔ اور مدینہ منورہ سے کل تین منزل دور تھا۔ علامہ اصمعی فرمایا کرتے تھے کہ لوگ ''نجد'' کا تذکرہ کرتے ہیں اس کی عراء و بہار کی روح پرور نسیم پر سر دھنتے ہیں، حالانکہ نجد کا سب سے عمدہ قطعہ ''شرف'' ہے جسے میں نجد کا جگر سمجھتا ہوں، اسی خطۂ شرف میں ''ربذہ'' بھی شامل تھا۔ ''شرف'' میں جو خاص سرکاری رکھت تھی، ربذہ اس کے داہنے جانب پر واقع تھا (معجم البلدان: ۳ / ۲۴) امام المؤرخین ابن جریر طبری اور علامہ ابن الا ثیر نے حضرت ابوذر اور خلیفۃ المسلمین حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے مابین گفتگو جس انداز سے نقل کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عثمان نے ''شام'' سے واپس بلانے کے بعد ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ شام کے لوگ تمہاری زبان کی تندی وتیزی کے شاکی ہیں۔ اس کے بعد بطورِ فہمائش کے حضرت عثمان نے فرمایا اے ابوذر! ہم پر ذمہ داری جو کچھ عائد ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ جو باتیں ہم پر واجب ہیں انہیں ادا کریں اور رعایا کو اعتدال واقتصاد کی دعوت دیں، لیکن ہم پر یہ تو واجب نہیں ہے کہ لوگوں کو ترکِ دنیا اور زہد پر مجبور کریں، یہ سن کر بجائے جواب دینے کے حضرت ابوذر نے یہ کہنا شروع کیا لاترضوا من الناس بکف الاذی حتی یبذلوا المعروف الخ۔ ہرگز ہرگز امیروں سے راضی نہیں ہونا چاہیے جب کہ نیک کاموں پر وہ اپنی دولت نہ خرچ کریں، پڑوسیوں کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش نہ آئیں، بھائیوں کی خبر گیری نہ کریں اور رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی نہ کریں۔ گویا کہ ان کا یہ کہنا ہے کہ میں ترکِ دنیا پر لوگوں کو مجبور نہیں کرتا ہوں اسی موقع پر حضرت کعب احبار کی زبان سے یہ نکل گیا کہ جس نے فرض ادا کر دیا یعنی زکوٰۃ ادا کر دی، بس اس پر جو بات فرض تھی اس سے وہ سبکدوش ہو گیا، اس پر ان کو جلال آ گیا اور کعب احبار کی طرف یہ کہتے ہوئے جھپٹے ما أنت وماہنا؟ ابے تو کون ہے جو یہاں اور اس مقام پر آ کر بول رہا ہے؟ اسی کے ساتھ ڈنڈا بھی رسید کر دیا جس سے ان کا سر زخمی ہو گیا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی خاطر سے معاف کرا دیا (تاریخ طبری: ۴ / ۲۸۴) الکامل فی التاریخ لابن الاثیر: ۳/ ۵۷، الحلیۃ: ۱/ ۱۹۰)۔

ہیں، میں بیت المال سے کچھ اونٹنیوں کو دودھ کے لیے آپ کے پاس بھیج دوں گا۔ انہوں نے یہ سن کر فرمایا: قریشیو! اپنی دنیا کو تم لو اور اسے خوب زور سے تھامو، ہمیں اس کی ضرورت وحاجت نہیں یہ کہہ کر زبدہ کے لیے روانہ ہوگئے۔(۱)

کچھ لوگوں نے یہ خیال کیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں شہرِ مدینہ سے نکال دیا، یا ان سے ناراض ہوکر ''ربذہ'' چلے گئے تو اس کے جواب میں فرمایا: ''**لو أمرني عثمان أمشي على رأسي لمشيت**'' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مجھے سر کے بل چلنے کا حکم دیں تو ایسا کروں گا ۔(۲)

آخری وقت:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے ایک چھوٹی سی بستی سرزمین ''ربذہ'' ہی کو اپنا وطن بنایا اور زندگی کے آخری ایام اسی سرزمین میں گذارے۔

جب حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت آیا تو ان کی اہلیہ محترمہ کی آنکھیں اشکبار ہوگئیں اور خوب پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔ حضرت ابوذر نے دریافت کیا کہ تم کو کس نے رلایا؟ انہوں نے جواب دیا: آپ کا وقتِ موعود آ گیا ہے اور میں عورت ہوں، اتنی قوت میرے اندر نہیں کہ اس پتھریلی زمین میں آپ کے لے قبر کھود سکوں گی اور گھر میں ایک معمولی سا کپڑا ابھی نہیں، جس میں آپ کو کفن دے سکوں گی یہ سن کر حضرت ابوذر فرمانے لگے! مت روؤ! ایک دن صحابۂ کرام کی جماعت کے ساتھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا، اس وقت آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: تم لوگوں میں سے ایک شخص کی چٹیل سنسان وادی میں موت آئے گی، جس کے جنازہ میں مسلمانوں کی ایک جماعت شریک ہوگی۔ میں اس دن سے اندازہ کرر ہا ہوں کہ وہاں پر جتنے لوگ تھے ان میں سب کے سب کسی شہر یا کسی گاؤں میں وفات پاچکے ہیں اور اب صرف میں اکیلا رہ گیا ہوں جو اس وقت اس سنسان وادی میں دم توڑ رہا ہوں، بس جا! راستہ پر جا کر بیٹھ، مسلمانوں کی جماعت ضرور آرہی ہوگی، کیونکہ خدا کی قسم! نہ میں جھوٹ بول رہا ہوں اور نہ مجھ سے جھوٹ کہا گیا ہے، اہلیہ محترمہ نے کہا! خدا جانے اب لوگ کہاں سے آئیں گے، حاجیوں کی آمد ورفت کا سلسلہ بند ہو چکا ہے، راستہ بالکل سنسان پڑا ہے۔ انہوں نے اصرار کرتے ہوئے فرمایا: تم جاؤ تو سہی، جا کر دیکھو بھی تو! آخری وقت کا حکم تھا، اس لیے کرہاً جبراً اٹھ کر چلیں اور راستہ میں آکر بیٹھ گئیں، کچھ دیر کے بعد اچانک اونٹوں کی ایک قطار

انتہائی تیز رفتاری کے ساتھ نمودار ہوئی۔ (کأنھم الرخم) ان کی سواریاں اس طرح اڑتی چلی آرہی تھیں کہ گویا بھاری پرندوں کی ٹولیاں زنانے بھرتی ہوئی آرہی ہیں۔ یہ لوگ ایک عورت کو سنسان وادی میں اکیلا دیکھ کر اپنی سواریوں کو اس کے پاس لاکر روکے اور بیک زبان ان لوگوں نے دریافت کیا! آپ یہاں کیوں کھڑی ہیں؟ آپ پر کیا حادثہ گزرا؟ انہوں نے جواب دیا! مسلمانو! ایک مسلمان شخص کا آخری وقت ہے اس کے لیے کفن کا سامان کردو، خداءِ ذوالجلال کے یہاں اجرِ جمیل پاؤ گے۔ قافلہ والوں نے پوچھا! وہ مسلمان شخص کون ہے؟ آواز آئی! ابوذر صحابیٔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم! یہ سن کر ہوش اڑ گئے، سننے والوں نے شور برپا کردیا وہ ان پر ہمارے ماں باپ قربان ہوں وہ ان پر ہمارے ماں باپ قربان ہوں۔ یہ شور دوایلا مچاتے ہوئے اونٹوں سے اتر پڑے، ان اونٹوں کی گردنوں میں کوڑے لٹکا کر تیزی سے آگے بڑھے اور حضرت ابوذر تک جاپہونچے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے ان حضرات کو آتا ہوا دیکھ کر فرمایا: ”اَبْشِرُوا“ تمہیں خوش خبری ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم ہی لوگوں کے بارے میں وہ مژدہ سنا گئے ہیں کہ ابوذر کے کفن ودفن میں مسلمانوں کی ایک جماعت شریک ہوگی۔

ایک خوش خبری کی بات اور سنو! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے میں نے سنا ہے، جن دو مسلمانوں (شوہر و بیوی) کے درمیان دو بچے یا تین بچے مر گئے ہوں اور ان کی موت پر انہوں نے صبر سے کام لیا ہو، اور اس صبر پر ثواب کی امید لگائی ہو، تو یہ دونوں ہمیشہ کے لیے آگ کے شعلوں سے بچ گئے۔ اس موقع پر اس روایت کے بیان کرنے کا مقصد اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا: اے کاش! میرے پاس اتنے کپڑے ہوتے کہ میرے کفن کے لیے کافی ہوتے اور اسی کپڑے میں مجھے کفن دیا جاتا، لیکن آج میں اس سے عاری ہوں۔۔۔۔ تم لوگوں کو اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ مجھے نہ تو کسی صوبہ کا گورنر، نہ عریف (حکومت کا ترجمان) اور نہ ڈاکیہ کفن دے، اتفاقاً اس جماعت میں جتنے آدمی تھے، ہر ایک ان عہدوں میں سے کسی نہ کسی پر فائز تھے، صرف ایک انصاری نوجوان ایسا تھا جس میں یہ باتیں نہ تھیں، وہ آگے بڑھ کر بولا ”أنا صاحبک“ مجھ میں آپ کی تمام شرطیں پائی جاتی ہیں اور میرے تھیلے میں دو کپڑے ہیں جن کے سوت میری ماں نے کاتے ہیں، اور ایک کپڑا یہ ہے جو میرے بدن پر پڑا ہوا ہے، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر فرمایا: ”أنت

---

(۱) مسند أحمد: ۵ / ۱۶۶، طبقات ابن سعد ۴ / ۲۳۲ - ۲۳۳، ذکرہ الہیثمی فی مجمع الزوائد: ۹ / ۳۳۱، ونسبہ لأحمد: وقال: رجالہ رجال

صاحبی "ہاں تم میرے دوست ہو، تمہارے ہی اندر میرے تمام شرائط موجود ہیں، اسی کپڑے میں مجھے کفن دینا۔ (۱)

طبقات ابنِ سعد اور مسندِ احمد کی روایت میں اتنا ہی ہے۔ تاریخِ طبری، الاستیعاب اور سیرِ اعلام النبلاء میں مزید تفصیل ہے، البتہ روایتیں کچھ مختلف ہیں، ان میں صحیح اور غیر صحیح کے درمیان تمیز دیتا ہوا لکھ رہا ہوں۔

غرضیکہ ان حضرات نے کفن دے دیا اور حسبِ وصیت ان کا جنازہ اٹھایا گیا اور عام گزرگاہ پر لاکر رکھ دیا گیا، کوفہ سے معلم کوفہ، فقیہ الامت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حج کا احرام باندھے ایک جماعت کے ساتھ مکہ مکرمہ کے ارادے سے نہایت تیزی کے ساتھ اونٹ بھگائے ہوئے چلے آرہے تھے، قریب تھا کہ جنازہ سواری تلے آجاتا، لیکن یکا یک آپ ٹھٹھک گئے، ایک غلام نے آگے بڑھ کر کہا! یہ ابوذر صحابیِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں! ان کی تدفین کے سلسلہ میں ہماری مدد کیجئے۔ ابنِ اسحاق کی روایت میں ہے کہ اس جملہ کو سن کر حضرت عبداللہ بن مسعود نے ایک چیخ ماری اور بلک کر رونے لگے، روتے جاتے اور یہ کہتے جاتے تھے۔ "**صدق رسول اللہ ﷺ یرحم اللہ أباذر، یمشی وحدہ، ویموت وحدہ، ویبعث وحدہ**" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا تھا کہ ابوذر پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے! یہ اکیلا ہی چلتا ہے، اکیلا ہی مرے گا اور اکیلا ہی اٹھایا جائے گا۔ پھر آگے بڑھ کر جنازہ کی امامت کی اور ان سارے حضرات نے انہیں "ربذہ" کی سرزمین میں ۳۱ھ یا ۳۲ھ میں سپردِ خاک کیا (۱) اور مکہ معظّمہ کے لیے روانہ ہوگئے اور امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اس حادثہ کی خبر دی، انہیں سخت صدمہ ہوا، مکۃ المکرمۃ سے واپسی میں "ربذہ" کی طرف سے مدینہ منورہ لوٹے، سرزمینِ "ربذہ" میں اتر کر ان کے اہل وعیال کو اپنے اہل وعیال سے ملالیا اور مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہوگئے۔ (۲)

---

(۱) تاریخ طبری: ۴/ ۳۰۸، الاستیعاب: ۴/ ۶۴-۶۵، سیر اعلام النبلاء: ۲/ ۷۸، الإصابة: ۴/ ۶۵۔

(۲) تاریخ طبری: ۴/ ۳۰۹، البدایۃ والنہایۃ: ۶/ ۱۶۵۔

(۴) حضرت ابورَزین رضی اللہ عنہ

حافظ ابوعبداللہ نیساپوری اور علامہ ابونعیم اصبہانی نے حضرت ابورزین رضی اللہ عنہ کو اصحابِ صفہ میں شمار کیا ہے۔ (حلیۃ الأولیاء:۱/ ۳۶۶)

علامہ ابنِ حجر علیہ الرحمۃ ان کے تذکرہ میں لکھتے ہیں "**يقال: إنه كان من أهل الصفة**" ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ اصحابِ صفہ میں ہیں۔
(الإصابۃ: ۴/ ۷۰)

صفہ کی زندگی میں تحصیلِ علم

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے صفہ کے طالب علموں میں خاص طور سے حضرت ابورزین رضی اللہ عنہ کو چند نصیحتیں فرمائی ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابورزین کو مخاطب کرکے فرمایا: اے ابورزین! کیا میں

---

(۱) حلیۃ الأولیاء:۱/ ۳۶۶-۳۶۷۔

تمھیں دنیا وآخرت میں خیر وبھلائی پانے کی جڑ اور اصل الاُصول نہ بتادوں؟ میں نے عرض کیا: ضرور فرمائیں! آپ نے ارشاد فرمایا: تم ذاکرین (اللہ کے ذکر کرنے والے) کی مجلس کو لازم پکڑلو۔ جب بھی تم تنہائی میں رہو تم سے جہاں تک ہوسکے خوب اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو۔ اللہ ہی کے لیے محبت کرو اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے بغض وعداوت رکھو۔ اے ابورزین! کیا تمھیں معلوم ہے کہ ایک شخص اپنے گھر سے اپنے دینی بھائی کی زیارت وملاقات کے لیے نکلتا ہے تو اس کے ساتھ ۷۰ رستر ہزار فرشتے اس کے لیے دعاءِ رحمت کرتے ہوئے نکلتے ہیں اور یوں کہتے ہیں "**ربنا إنه وصل فیک فصله**" اے ہمارے پروردگار! اس شخص نے آپ کے لیے تعلق ومحبت کی، آپ بھی اس سے تعلق ومحبت رکھئے" لہٰذا اگر تم اپنے جسم کو اس عملِ محبوب میں استعمال کرسکو تو ضرور کرو۔ (۱)

حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: "**أن النبي ﷺ قال لرجل من أهل الصفة یکنی أبا رزین**" کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحابِ صفہ کے ایک شخص ۔ جن کی کنیت ابورزین ہے ۔ فرمایا: اے ابورزین! جب تم خلوت وتنہائی میں رہو تو تم اپنی زبان پہ اللہ تعالیٰ کا وِرد رکھو۔ جب تک اللہ تعالیٰ کے ذکر میں لگے رہوگے برابر نماز ہی میں شمار کئے جاؤگے۔ اگر تم لوگوں کے سامنے ذکر کروگے تو لوگوں کے سامنے نفل نماز پڑھنے کا ثواب دیا جائے گا اور اگر تم خلوت وتنہائی میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کروگے تو خلوت وتنہائی میں نماز پڑھنے کا ثواب دیا جائے گا۔ اے ابورزین! جب لوگ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد کے لیے نکلیں اور تم کسی مجبوری کی بنا پر ساتھ نہ جاسکو، لیکن جہاد کے اجر وثواب کی تمنا رکھتے ہو تو تم مسجد کو لازم پکڑلو اور بغیر کسی اجرت وتنخواہ کے مؤذنی کرو، ہر نماز کے لیے اللہ کے بندوں کو نماز کے لیے بلاؤ۔ (۱)

علامہ ابنِ حجر عسقلانی نے اس روایت کی سند پر کلام کرتے ہوئے کہا "**سنده ضعیف ووقع ذکره في حدیث آخر**" کہ اس روایت کی سند ضعیف وکمزور ہے؛ البتہ حضرت ابورزین کا تذکرہ دوسری حدیث میں ملتا ہے، جسے حافظ عقیلی نے "**الضعفاء**" میں مجہول راوی "محمد بن اشعث" کے ترجمہ میں اس طریق سے ذکر کیا ہے۔ "**عن ابی سلمة عن أبي هریرة قال قال أبو رزین**" کہ حضرت ابوسلمہ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں اور حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابورزین نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول: قبرستان میں مردوں کے پاس سے میرا گذر

---

(۱) حلیۃ الأولیاء: ۱/ ۳۶۶، الإصابۃ: ۴/ ۷۰۔ (۲) الإصابۃ: ۴/ ۷۰۔

ہوتا رہتا ہے، کیا کوئی ایسی دعاء یا کوئی ایسا ذکر ہے کہ جسے میں مردوں کے پاس سے گذرتے وقت پڑھا کروں۔ آپ نے ارشاد فرمایا جب کبھی مردوں کے پاس سے گذرو تو ان الفاظ سے انہیں سلام کیا کرو "السلام علیکم یا أهل القبور من المسلین، أنتم لنا سلف، و نحن لکم تبع و إنا إن شاء اللّٰہ بکم لاحقون" پھر ابورزین نے دریافت کیا: اے اللہ کے رسول! کیا وہ لوگ میری آواز سنتے ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا: ہاں! وہ لوگ سنتے ہیں، لیکن جواب نہیں دے سکتے، اے ابورزین! کیا تم اس بات سے راضی نہیں، کہ ان مُردوں کی تعداد کے بقدر فرشتے تمہارے سلام کا جواب دیں۔ اس روایت پر علامہ عقیلی نے کلام کرتے ہوئے کہا: "لایعرف إلا بهذا الإسناد و هو غیر محفوظ" یہ روایت صرف اسی سند سے جانی جاتی ہے اور یہ سند غیر محفوظ ہے۔ (۲)

(۵) حضرت ابوسعید خُدری رضی اللہ عنہ

امام ابوعبید قاسم بن سلّام (المتوفی ۲۲۴ھ) اور علامہ ابونعیم اصبہانی نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کو صفہ کے طالب علموں میں سے گردانا ہے۔ (حلیۃ ال أولیاء: ۱/ ۳۶۹-۳۷۰)

نام سعد، والد کا نام مالک بن سنان، کنیت ابوسعید خدری اور انصارِ مدینہ کے قبیلۂ خزرج سے تعلق رکھتے ہیں (۱) آپ اپنی کنیت ابوسعید خدری سے مشہور ہیں۔ آپ کے جداعلیٰ میں "ابجر" نامی ایک شخص گذرے ہیں جن کا اصل نام "خُدرہ" ہے اور ایک قول یہ ہے کہ "ابجر" نامی شخص کی ماں کا نام "خدرہ" ہے، اسی کی جانب منسوب کرکے خدری کہے جاتے ہیں۔ (۲)

آپ کے والدِ محترم مالک بن سنان رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی ہیں غزوۂ احد میں جامِ

---

(۱) الثقات: / ۱۶۴، ۲۰۰، ال إصابۃ: ۲/ ۳۳۔ (۲) المستدرک للحاکم: ۳/ ۵۶۳، الاستیعاب: ۲/ ۴۴۔

(۳) الثقات: / ۲۲۰۔ (۴) الاستیعاب: ۲/ ۴۴۔

شہادت نوش کیا ہے۔ (۳)

غزوات:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کم سنی کی وجہ سے غزوہ اُحد میں شریک نہیں کیے گئے۔ اس کے بعد تمام غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک رہے، جس کی مجموعی تعداد بارہ ہے۔ (۴)

خود حضرت ابوسعید خدری فرماتے ہیں کہ غزوۂ احد کے وقت میری عمر ۱۳ ر سال کی تھی، میرے والد محترم مجھے اپنے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے کر آئے اور عرض کیا اے اللہ کے رسول! "عَبَلُ العظام" یہ مضبوط اور موٹی ہڈیوں اور جوڑوں والا لڑکا ہے۔ یہ سن کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اوپر نیچے بغور دیکھنے کے بعد فرمایا: "رُدّہ" اسے واپس کردو، جنگ میں شرکت کی اسے اجازت نہیں ہے۔ یہ حکم ملتے ہی مجھے واپس کر دیا گیا۔ (۱)

فقر و فاقہ و تنگ دستی

غزوۂ احد میں میرے والد محترم شہید ہو گئے تھے اور انہوں نے بطورِ میراث کے کچھ بھی مال نہیں چھوڑا اور میرے گھر میں کچھ کھانے کو بھی نہیں تھا۔ ایک روز میری اہلیۂ محترمہ نے بھوک کی وجہ سے میرے پیٹ سے ایک پتھر باندھ دیا اور کہا: دیکھ، فلاں فلاں شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا ہے تو آپ نے ان کو خوب نوازا ہے۔ تم بھی جاؤ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ مانگ کر لے آؤ۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مال وغیرہ مانگنے ابھی آیا ہی تھا کہ آپ نے مجھے دیکھتے ہی ارشاد فرمایا: **"من یستغن یغنہ اللّٰہ، و من یستعف یعفہ اللّٰہ"** جو اللہ تعالیٰ سے بے نیازی طلب کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے بے نیازی کی دولت سے نوازتے ہیں اور جو اللہ تعالیٰ سے عفت و پاکدامنی مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے عفیف و پاکدامن بناتے ہیں (۲) "حلیہ" کی روایت میں اتنا اضافہ ہے کہ آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا: اس ذات پاک کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں محمد کی جان ہے! بندہ کو صبر سے بہتر اور وسیع

---

(۱) تاریخ ابن عساکر: ۷/۹۴، بحوالہ سیر اعلام النبلاء: ۳/۱۶۹۔ (۲) صفۃ الصفوۃ: ۱/۷۱۵، الاصابۃ: ۲/۳۳۔

ترین کوئی چیز نہیں دی گئی ہے(۳) یہ ارشادِ عالی سن کر خاموشی کے ساتھ واپس آگیا اس کے بعد پوری زندگی میں نے کسی کے آگے کبھی بھی دستِ سوال دراز نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے خود ہی اتنا مال دیا کہ میرے علم میں انصارِ مدینہ میں مجھ سے زیادہ کوئی مالدار نہیں ہوا۔ (۴)

صفہ کی زندگی اور تحصیلِ علم

امام ابوعبید قاسم بن سلاّم اور حافظ ابونعیم نے فرمایا کہ حضرت ابوسعید خدری کی حالت اصحابِ صفہ کی سی تھی، انہوں نے غربت و مسکنت کی زندگی گذاری، مگر اپنی غربت و فقیری کسی پر بالکلیۃ ظاہر نہ ہونے دی، جب کہ انصاری صحابی تھے، ان کا گھر وغیرہ مدینہ منورہ میں تھا اس کے باوجود طلبِ علم کی خاطر ہر چیز قربان کر کے یہ صفہ کے طالب علموں کے ساتھ رہے۔ (۱)

واقعی حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ اسی آیت کے مصداق رہے **"للفقراء الذين احصروا في سبيل الله لايستطيعون ضرباً في الأرض يحسبهم الجاهل أغنياء من التعفف، تعرفهم بسيماهم، لايسئالون الناس الحافاً"** (۲) صدقہ وخیرات ان فقیروں کے لیے ہے جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں -طلبِ علم وغیرہ- میں گھر گئے ہیں، ملک میں چل پھر نہیں سکتے، ناواقف انہیں غنی و مالدار خیال کرتا ہے محض سوال سے بچنے کی وجہ سے تو انہیں ان کے چہروں سے پہچان لے گا اور وہ لوگوں سے لگ لپٹ کر نہیں مانگتے ہیں مقصد یہ ہے کہ ضرورت کے باوجود نہیں مانگتے ہیں۔

خود حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں فقراءِ مہاجرین کی ایک جماعت کے ساتھ بیٹھا تھا تو دیکھا کہ ان میں سے بعض اپنے ستر کو کپڑے کے کم ہونے کے سبب دوسرے کے کپڑے سے یا دوسرے شخص کے پیچھے بیٹھ کر اپنے ستر کو چھپا رہے تھے اور قاریٔ قرآن درسِ قرآن دے رہے تھے کہ اچانک معلّم انسانیت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور کھڑے ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے ہی قاریٔ قرآن خاموش ہو گئے آپ نے سلام کیا۔ پھر دریافت کیا کہ تم لوگ کیا کر رہے تھے؟ ہم لوگوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہمارے قاریٔ صاحب قرآن کریم پڑھ رہے تھے اور ہم سن رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا: **الحمدللہ الذي**

---

(۱) حلیۃ الأولیاء: ۱/ ۳۶۹-۳۷۰۔ (۲) سورۃ البقرۃ آیت ۲۷۳۔

☆ یہ تواضعاً اور بطورِ ترغیب کے ان لوگوں کے ساتھ بیٹھتا تھا (مجمع البحار مادۃ یعدل بنفسہ فینا بحوالہ عون المعبود ۱/ ۷۲)

جعل من أمتي أمرتُ أن أصبر نفسي معهم۔

ترجمہ: تمام تعریف اس اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جس نے میری امت میں ایسے افراد پیدا کیے جن کے ساتھ مجھے خود رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔

پھر آگے بڑھ کر خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان جلوہ افروز ہو گئے؛ تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں کے ساتھ بیٹھنے میں برابر کے شریک رہیں☆ پھر اپنے دستِ مبارک سے اشارہ فرمانے لگے کہ صحیح سے حلقہ بنا کر بیٹھ جاؤ؛ تاکہ تمام حضرات کے چہرے میرے سامنے ہو جائیں۔

حضرت ابوسعید فرماتے ہیں کہ میرا گمان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں میں میرے علاوہ کسی کو نہیں پہچانا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے فقراءِ مہاجرین کی جماعتو! تم لوگ قیامت کے دن کامل و مکمل نور کی بشارت و خوش خبری قبول کرو اور تم لوگ مالداروں سے آدھا دن پہلے جنت میں جاؤ گے اور وہ آدھا دن پانچ سو سال کے برابر ہو گا۔ (۱)

علمی مقام اور تعدادِ احادیث

نوعمر صحابۂ کرام میں حضرت ابوسعید خدری حدیث وفقہ کے سب سے بڑے عالم مانے جاتے ہیں، حنظلہ بن ابی سفیان نے اپنے مشائخ کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت ابوسعید نوعمر صحابۂ کرام میں

---

(۱) سننِ أبوداؤد شریف: ۲/ ۵۱۶۔ العلم (۲) طبقات ابن سعد: ۲/ ۳۷۴۔

☆ واقعہ حرہ: یزید بن معاویہ کے دورِ خلافت ۶۳ ھ میں اہلِ مکہ ومدینہ نے حضرت عبداللہ بن زبیر کو خلیفۃ المسلمین تسلیم کر لیا اور ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور تمام اُموی گورنروں کو مدینہ منورہ سے نکال دیا، اہلِ مدینہ نے یزید کی بیعت فسخ کرنے کے بعد عبداللہ بن حنظلہ کو اپنا امیر بنایا اور مدینہ منورہ میں جو بنوامیہ مقیم تھے، تمام امویوں کو نکال دیا جب شام میں یزید کو خبر پہونچی، تو یزید نے مسلم بن عقبہ کو دس ہزار فوج دے کر بھیجا اور ہدایت کر دی کہ پہلے اہلِ مدینہ کو اطاعت کی دعوت دینا، جب وہ انکار کریں، اسی وقت تلوار اٹھانا اور انہیں شکست دینے کے بعد تین دن تک مدینہ منورہ کو لوٹنا، ایک قول یہ ہے کہ دس ہزار گھوڑ سوار لشکر تھا۔ تیسرا قول یہ ہے کہ ستائیس ہزار لشکر مسلم بن عقبہ کے ماتحت تھا، جس میں بارہ ہزار گھوڑ سوار اور پندرہ ہزار پیدل لشکر تھا، اہلِ مدینہ نے اپنے لشکر کی چار جماعتیں کر دیں اور سب سے بڑی جماعت کا امیر حضرت عبداللہ بن حنظلہ کو مقرر کیا، چنانچہ تین دن تک خوں ریز معرکہ ہوا، اہلِ مدینہ نے بڑی پامردی سے مقابلہ کیا لیکن حکومت کی کثیر فوج کا مقابلہ دشوار تھا، اس لیے آخر میں بڑی شکست فاش ہوئی، اس جنگ میں مہاجر وانصار کے اکابر واشراف تقریباً سات سو کام آئے، جس میں عبداللہ ابن حنظلہ وغیرہ مارے گئے اس کے علاوہ عوام اور غلام تقریباً دس ہزار مقتول ہوئے۔ شکست دینے کے بعد شامی فوجیں تین دنوں تک مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کو لوٹتی اور قتل عام کرتی رہی اور عورتوں کی آبرو ریزی کا یہ عالم تھا کہ ان دنوں میں ایک ہزار عورتیں حاملہ ہوئیں۔ (عمدۃ القاری: ۱۷/ ۲۲۰-۲۲۱)

(۳) تاریخ ابن عساکر: ۷/ ۹۶، بحوالہ سیر اعلام النبلاء: ۳/ ۱۷۰۔ (۴) سیر اعلام النبلاء: ۳/ ۱۷۲۔

سب سے بڑے فقیہ تھے۔ (۲)

واقعہ حرہ ☆ میں حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ ایک غار میں چھپ گئے تھے، ایک شامی فوجی نے آپ سے کہا غار سے باہر آجاؤ۔ آپ نے جواب دیا: میں یہاں سے باہر نہیں آؤں گا، اگر تم اندر آئے تو قتل کر دوں گا۔ جب وہ اندر آگیا تو آپ نے اپنی تلوار رکھ کر کہا! تم میرا گناہ اپنے سر لے کر جاؤ۔ یہ سن کر شامی سپاہی نے پوچھا کہ آپ ابوسعید خدری ہیں؟ اثبات میں جواب پانے پر اس نے کہا آپ میری مغفرت کی دعاء کریں یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔ (۳)

آپ مکثرینِ صحابہ میں حدیث کے مشہور راوی ہیں۔ علامہ ذہبی نے آپ کی احادیث کی تعداد ۱۱۷۰/ بتائی ہے۔ جن میں سے صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ۴۳/ اور صرف صحیح بخاری میں ۱۶/ اور صرف صحیح مسلم میں ۵۲/ اور بقیہ احادیث دیگر کتب احادیث میں ہیں۔ (۴)

سورہ فاتحہ سے پڑھ کر دم کرنا

آپ کے کمال علمی ہی کی بات ہے کہ آپ نے جان لیا کہ سورۂ فاتحہ ہر مرض کی دواء ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر شفاء رکھی ہے۔

خود حضرت ابوسعید خدری ہی کا بیان ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ صحابۂ کرام عرب کے ایک قبیلہ میں پہونچے۔ انہوں نے دستور کے موافق ان کی ضیافت نہیں کی، اتفاق سے ان کے سردار کو بچھو نے ڈنک مار دیا، اب سٹ پٹائے صحابۂ کرام کے پاس دوڑے آئے، کہنے لگے بھائیو! تمہارے پاس بچھو کاٹنے کی کوئی دواء یا منتر ہے؟ انہوں نے کہا! ہاں ضرور ہے؛ مگر تم نے ہماری ضیافت تک نہیں کی لہٰذا ہم بغیر اجرت کے منتر نہیں کریں گے۔ آخر انہوں نے کچھ بکریاں بطورِ اجرت دینی قبول کر لیں۔ ایک صاحب۔ یہ حضرت ابوسعید خدری ہی ہیں جیسا کہ محدثین نے اور بطورِ خاص علامہ ابنِ حجر عسقلانی نے صراحت کی ہے۔ آگے بڑھے اور سورۂ فاتحہ پڑھ کر تھوک منہ میں اکٹھا کر کے ڈنک ماری ہوئی جگہ پر تھوک دیا، بال آخر وہ سردار اچھا ہو گیا۔ اس قبیلہ کے لوگ بکریاں لے آئے؛ لیکن صحابۂ کرام کو تردد ہوا، انہوں نے کہا، ہم یہ بکریاں اس وقت تک نہیں لیں گے جب تک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ نہ لیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا، آپ ہنس دیئے اور فرمایا: ”وما أدراک أنها رقية

---

(۱) صحیح بخاری: ۲/ ۸۵۴، حدیث نمبر ۵۷۳۶-۲۲۲۱، سنن ابوداؤد: ۲/ ۵۴۴، فتح الباری: ۴/ ۵۳۲-۵۳۳۔

خذوھا واضربوا الی بسھم" تجھ کو کیسے معلوم ہوا کہ سورۂ فاتحہ منتر بھی ہے! بکریاں شوق سے لے لو اور میرا بھی حصہ لگاؤ۔ (۱)

حلقۂ درس

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا تعلیمی وتدریسی حلقہ مسجدِ نبوی میں منعقد ہوتا تھا، بعض اوقات ان کے مکان پر یا دوسری جگہ پر بھی ہوتا تھا، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کے مطابق نہایت والہانہ انداز میں طلبہ کا استقبال کرتے تھے، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ وصیت روایت کی ہے:

وسیاتیکم شباب من أقطار الأرض یطلبون الحدیث فإذا جاؤ کم فاستوصوا بھم خیراً۔

ترجمہ: عنقریب روئے زمین کے مختلف علاقوں سے نوجوان تمہارے پاس حدیث کی طلب میں آئیں گے۔ جب وہ آئیں تو ان کے ساتھ حسنِ سلوک کا برتاؤ کرنا۔ (۱)

ان کے شاگرد ابوہارون عبدی کا بیان ہے کہ حضرت ابوسعید خدری جب نوجوان طالب علموں کو اپنی مجلس میں آتے ہوئے دیکھتے تھے تو کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کو مرحبا ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو وصیت فرمائی تھی کہ ہم تم لوگوں کے لیے مجلس میں گنجائش نکالیں اور تم کو حدیث سمجھائیں، اس لیے کہ ہمارے بعد تم لوگ ہمارے خلف جانشیں اور حدیث کے عالم بنو گے۔ (۲)

ابوہارون عبدی کی دوسری روایت میں ہے کہ جب ہم لوگ حضرت ابوسعید خدری کی مجلس میں جاتے تو کہتے! مرحباً بوصیة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ہم پوچھتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا وصیت فرمائی ہے؟ تو بتاتے کہ ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ عنقریب میرے بعد لوگ تمہارے پاس میری حدیث حاصل کرنے کے لیے آئیں گے، جب وہ آئیں تو تم ان کے ساتھ لطف وکرم اور مہربانی کے ساتھ پیش آنا اور ان کو حدیث کی تعلیم دینا۔ (۳)

---

(۱) شرف اصحاب الحدیث: /۲۱، ۲۳۔

(۲) المحدث الفاصل: /۱۷۶۔

(۳) المحدث الفاصل: /۱۷۶۔

(۴) الفقیہ والمتفقہ: ۲/ ۱۹۹۔

شہر بن حوشب کا بیان ہے کہ ہم نوجوان ابوسعید خدری کی خدمت میں جا کر حدیث اور دینی باتیں معلوم کرتے تھے، وہ کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کو مرحبا ہو! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ عنقریب لوگ تمہارے پاس دین میں تفقہ حاصل کرنے کے لیے آئیں گے، تم ان کو دین میں تفقہ وفقاہت کی تعلیم دینا، اس کے بعد حضرت ابوسعید ہمارے سوالات کے جوابات دیتے اور مسائل ختم ہونے کے بعد حدیث بیان کرتے؛ تا آنکہ ہم اکتا جاتے تھے۔ (۴)

آپ زبانی حدیث شریف یاد کرنے کو ترجیح دیتے تھے اور اپنے شاگردوں کو حدیث پاک یاد کرنے کی تاکید کرتے تھے اور کہتے تھے کہ جس طرح ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث سن کر یاد کی ہے تم لوگ بھی ہم سے سن کر یاد کرو۔ ایک روز ابونصر وغیرہ نے آپ سے درخواست کی کہ جو حدیثیں ہم آپ سے سنتے ہیں، کیوں نہ لکھ لیا کریں تاکہ ان میں کمی زیادتی کا احتمال نہ رہے۔ آپ نے فرمایا کہ تم لوگ حدیث کو قرآن بنانا چاہتے ہو؟ یہ ہرگز نہیں ہوگا۔ (۱)

آپ اپنے حلقہ نشینوں سے کہا کرتے تھے کہ حضرات صحابۂ کرام جب کہیں بیٹھ کر آپس میں گفتگو کرتے تھے تو ان کا موضوع فقہی ہوتا تھا، یا کسی شخص کو حکم دیتے اور وہ ان کے سامنے قرآن کریم کی کوئی سورت پڑھتا تھا۔ (۲)

آپ خاص طور سے اپنے طلبۂ کرام کو تاکید کرتے تھے کہ تم لوگ آپس میں حدیث کا مذاکرہ کیا کرو کیونکہ ایک حدیث دوسری حدیث کو یاد دلاتی ہے۔ (۳)

ایک ساعت علمِ دین کا مذاکرہ کرنا پوری رات عبادت کرنے سے بہتر ہے ۔ (۴)

شاگردانِ کرام

حضرت ابوسعید خدری کے فیض یافتگان میں خود ان کے معاصر صحابۂ کرام ہیں، مثلاً: حضرت عبداللہ ابن عمر، عبداللہ بن عباس، جابر بن عبداللہ، انس بن مالک، ابواُمامہ بن سہل، ابوالطفیل رضی اللہ

---

(۱) جامع بیان العلم: ۱/ ۶۴۔

(۲) طبقات ابن سعد: ۲/ ۳۷۴۔

(۳) الاصابۃ: ۲/ ۳۳۔

(۴) جامع بیان العلم: ۱/ ۱۱۱، تدریب الراوی: ۱۸۔

(۵) سیر أعلام النبلاء: ۳/ ۱۶۹، تہذیب التہذیب۔

عنہم وغیرہ ہیں۔ (۵)

کبارِ تابعین کی ایک لمبی فہرست ہے جسے حافظ مزی نے ''تہذیب الکمال'' میں تفصیل کے ساتھ قلم بند کیا ہے۔

بے باکانہ حق گوئی

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں، ابوذر، عبیدۃ بن صامت، محمد بن مسلمہ، ابوسعید خدری ایک اور شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات پر بیعت کی کہ ہم اللہ تعالیٰ کے اوامر نواہی کے بارے میں کسی کی پرواہ نہیں کریں گے۔ بعد میں اس چھٹے شخص -جس کا نام ذکر نہیں کیا ہے- نے بیعت توڑ دی۔

ایک دن حضرت ابوسعید خدری نے حدیث بیان کی کہ تم میں سے کوئی آدمی جب حق کو دیکھے یا سنے تو لوگوں کا خوف اس کو حق بات سے نہ روکے۔ اس کے بعد کہا: اسی حدیث نے مجھے امادہ کیا اور میں سواری کر کے مدینہ منورہ سے ''شام'' امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور ان کے کان میں حق بات کہہ کر واپس ہو گیا۔ (۱)

آپ مروان بن حکم جیسے بادشاہ کے سامنے بھی حق گوئی سے باز نہ آئے۔

خود آپ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا جب عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی نماز کے لیے تشریف لے جاتے تو پہلے نماز پڑھاتے۔ نماز کے بعد لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے اگر فوج کشی کی ضرورت ہوتی تو اس کا تذکرہ ان کے سامنے کرتے، یا اگر کوئی دوسری ضرورت ہوتی تو انہیں اس کا حکم فرماتے۔ پھر حاضرینِ مجلس سے فرماتے: صدقہ کرو، صدقہ کرو، صدقہ کرو، زیادہ تر عورتیں صدقہ کرتیں۔ پھر آپ گھر تشریف لاتے، اسی پر برابر عمل ہوتا رہا، جب مروان کا دورِ حکومت آیا اور ہم مروان کا ہاتھ پکڑ کر عیدگاہ آئے تو دیکھا ''کثیر بن صلت'' نے پہلے سے مٹی اور کچی اینٹ کا منبر تیار کر رکھا تھا، وہاں پہنچ کر مروان مجھ سے اپنے ہاتھ کو چھڑانے لگا جیسے مجھے منبر کی طرف کھینچ رہا ہو اور میں اسے نماز کے لیے کھینچ رہا تھا۔ جب ایسا میں نے دیکھا تو میں نے کہا، خطبہ سے پہلے عید کی نماز کا پڑھنا کہاں گیا؟ اس

---

(۱) الاصابۃ: ۲/ ۳۳۔

(۲) صحیح مسلم: ۱/ ۲۹۰، (العیدین)

(۳) الثقات: ۱۶۴/ ال اصابۃ: ۲/ ۳۳۔

(۴) سننِ ابوداود: ۲/ ۴۴۴ (الجنائز)

نے کہا: جس کو آپ جانتے ہیں اس پر عمل ختم ہو گیا۔

میں نے کہا: خدا کی قسم جسے میں جانتا ہوں اس سے بہتر تم ہرگز نہیں جانتے ہو۔ چند مرتبہ میں نے کہا تو وہ رک گیا۔(۲)

وفات

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی وفات واقعۂ حرّہ کے بعد ۶۴ھ میں ہوئی۔(۳)

حضرت ابو سلمہ کہتے ہیں کہ جب حضرت ابو سعید خدری کا آخری وقت ہوا تو انھوں نے نئے کپڑے منگا کر پہنے اور فرمایا کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مردہ ان ہی کپڑوں میں اٹھایا جاتا ہے جن میں مرتا ہے۔(۴)

(۶) حضرت ابوعبیدہ بن جرّاح رضی اللہ عنہ

حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو حافظ ابوعبداللہ نیساپوری اور علامہ ابونعیم اصبہانی نے صفہ کے طالب علموں میں شمار کیا ہے۔

(حلیۃ الأولیاء: ۲/ ۱۰)

حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ اصحابِ صفہ کے ساتھ رہ کر منبعِ نبوت سے اس قدر سیراب ہوئے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں قرآن وسنت اور دینِ اسلام کا معلم بنا کر وفدِ نجران کے ساتھ روانہ کیا۔(۱) قرآن کریم کے اندر اتنا کمال حاصل کیا کہ ان کا شمار جامع قرآن میں

---

(۱) صحیح مسلم: ۲/ ۲۸۲، مناقب ابوعبیدۃ۔

(۲) سیر اعلام النبلاء: ۱/ ۹۔

(۳) سیر اعلام النبلاء: ۱/ ۱۲۔

(۴) تہذیب التہذیب: ۵/ ۷۳۔

(۵) سیر اعلام النبلاء: ۱/ ۶۔

ہونے لگا۔ (۲)

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے اکثر اوقات میدانِ جنگ میں لشکرِ اسلام کی قیادت کرتے ہوئے گذرے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں حضرت خالد بن ولید کی جگہ امیرِ لشکر اور سپہ سالارِ اسلام آپ ہی رہے ہیں۔ (۳) یہی وجہ ہے کہ آپ کا کوئی مخصوص حلقۂ درس نہیں رہا اور نہ آپ باضابطہ طریقۂ تعلیمِ علومِ نبوت کو اپنا سکے، پھر بھی آپ کے فیض یافتگان میں مشہور صحابۂ کرام ہیں، ان میں: حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت عرباض بن ساریہ، حضرت ابوامامہ باہلی، حضرت سمرہ بن جندب اور حضرت عبدالرحمن بن غنم رضی اللہ عنہم ہیں۔ (۴) آپ کی احادیث کی تعداد بقول علامہ ذہبی ۱۵ ہے۔ (۵)

حضرت ابوعبیدہ کا سلسلۂ نسب اور ان کا حلیۂ مبارکہ

حضرت ابوعبیدہ کا اسمِ گرامی عامر ہے، اور ان کے والد کا نام عبداللہ بن جراح بن ہلال ہے، ان کی کنیت ابوعبیدہ بن جراح ہے اور یہ خاندانِ قریش سے تعلق رکھتے ہیں۔ (۱)

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ خوش شکل، خوب رو، دبلے پتلے، دراز قد، ذرا جھکے ہوئے اور ہلکی ڈاڑھی والے تھے اور آپ کے سامنے کے دو دانت ٹوٹے ہوئے تھے۔ (۲)

اسلام

حضرت ابوعبیدۃ رضی اللہ عنہ قدیم الاسلام ہیں۔ طبقات ابنِ سعد کے حوالہ سے علامہ ابنِ حجر نے نقل کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے "دارارقم" میں تشریف لے جانے سے پہلے حضرت ابوعبیدۃ، حضرت عثمان بن مظعون، حضرت عبیدۃ بن حارث، حضرت عبدالرحمن بن عوف اور حضرت ابوسلمۃ بن عبدالأسد رضی اللہ عنہم ایک ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر اسلام پیش کیا اور اسلامی ضروری باتیں انہیں بتائیں یہ سب بیک وقت مسلمان ہوگئے۔ (۳)

---

(۱) طبقات ابنِ سعد: ۳/ ۴۱۴، المستدرک: ۳/ ۲۶۴۔

(۲) تہذیب التہذیب: ۵/ ۷۳

عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حضرت ابوعبیدہ کے جنگی کارنامے

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر میں شریک ہوکر اسلام کی حقانیت کی خاطر رہتی دنیا تک ایک تاریخی کارنامہ انجام دے گئے ہوا یہ کہ غزوۂ بدر میں حضرت ابوعبیدہ بے خوف وخطر دشمنوں کی صفوں کو چیرتے ہوئے آگے بڑھتے جارہے تھے، کفار سامنے سے ہٹتے جارہے تھے، لیکن ایک شخص آپ کے سامنے کھڑا ہی نہیں تھا بلکہ آپ سے مقابلہ کرنے کے درپے تھا؛ لیکن آپ نے اس سے پہلوتہی اختیار کرنے میں کوئی کسر باقی نہ رکھی، مگر وہ شخص آپ سے مقابلہ کرنے کے لیے بار بار سامنے آتا رہا، جب دیکھا کہ اب مقابلہ کیے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے تو تلوار سے ایسا زوردار وار کیا جس سے جسم کے دوٹکڑے ہوگئے۔ یہ شخص آپ کے والد عبداللہ بن جراح تھے۔ آپ کا یہ اقدام اللہ تعالیٰ کو اتنا پسند آیا کہ آپ کی شان میں یہ آیت نازل کردی:

لا تجد قوماً يؤمنون بالله واليوم الآخر يوادون من حاد الله ورسوله ولو كانوا آباء هم أو أبناءهم أو إخوانهم أو عشيرتهم (إلى آخر الآية)۔

ترجمہ: جو لوگ اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر (پورا پورا) ایمان رکھتے ہیں آپ ان کو نہ دیکھیں گے کہ وہ ایسے شخصوں سے دوستی رکھتے ہوں جو اللہ اور اس کے رسول کے برخلاف ہوں، خواہ وہ ان کے باپ، یا بیٹے، یا بھائی، یا ان کے اہلِ خاندان ہی کیوں نہ ہوں۔ ان لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان ثبت کردیا ہے اور اپنی طرف سے ایک روح، فیض عطا کرکے ان کو قوت دی ہے اور ان کو ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے، اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوگا، وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہوں گے، یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے گروہ ہیں، خوب سن لو! اللہ تعالیٰ کا گروہ ہی فلاح وکامیابی پانے والا ہے۔(۱)

حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے غزوۂ احد میں بھی شرکت کرکے ایک زبردست کارنامہ انجام دیا ہے۔ غزوۂ احد میں جب مسلمانوں کے پاؤں اکھڑنے لگے تو اس نازک وقت میں یہ

---

(۱) سورۃ المجادلۃ آیت ۲۲، طبقات ابن سعد: ۳/ ۲۹۸، حلیۃ الأولیاء: ۱/ ۱۰۱۔

(۲) المغازی للواقدی: ۱/ ۲۴۰۔

ان چودہ جاں نثار صحابۂ کرام میں سے ایک تھے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد گھیرا ڈال رکھا تھا اور اپنے سینوں پہ دشمنوں کی تیر کھا کر محبوبِ جان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے دفاع کا بھرپور فریضہ سرانجام دیا تھا۔ (۲)

اس دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سرِ مبارک، رخسارِ انور اور نیچے کا لبِ مبارک زخمی ہوا تھا اور رباعی دندانِ مبارک شہید ہوئے تھے۔ (۳) رخسارِ انور میں خود (لوہے کی ٹوپی) کے دو حلقے گڑ گئے تھے، اس کو حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے دانت سے پکڑ کر کھینچا جس سے ان کے سامنے کے دو دانت گر گئے، اس کے باوجود ان کو دیکھنے والے یہ کہا کرتے کہ اگلے دونوں دانت ٹوٹ جانے کے بعد بھی حضرت ابوعبیدہ نہایت خوبصورت دکھائی دیتے تھے۔ (۴)

غزوۂ ذات السلاسل ☆ میں پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی مدد کے لیے حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ ہی کو دو سو آدمیوں کے ساتھ روانہ فرمایا تھا، جن میں حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی تھے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تاکید فرمائی تھی کہ عمرو بن عاص سے مل کر کام کرنا اور آپس میں اختلاف نہ کرنا، جب حضرت ابوعبیدہ وہاں پہونچے اور نماز کا وقت آیا تو انہوں نے امامت کرنی چاہی۔ حضرت عمرو بن عاص نے فرمایا: امیرِ لشکر تو میں ہوں، آپ لوگ میری مدد کے لیے آئے ہیں، یہ سن کر انہوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چلتے وقت مجھ کو حکم دیا تھا کہ اتفاق سے رہنا اختلاف نہ کرنا اس لیے میں تمہاری اطاعت کر رہا ہوں، اور اپنی امامت تمہیں سونپ رہا ہوں۔ (۱)

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی اعلیٰ دیانت اور اکمل قائدانہ صلاحیت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھتے ہوئے "جنگِ سیف البحر" میں آپ ہی کو امیرِ لشکر بنایا یہ جنگ ۸ھ ماہِ رجب میں پیش

☆ غزوۂ ذات السلاسل: ماہِ جمادی الثانی ۸ھ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی کہ بنو قضاعۃ کی جماعت مدینہ منورہ پر حملہ آور ہونا چاہتی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی سرکوبی کے لیے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو امیر بنایا انہیں سفید جھنڈا دیا اور تین سو آدمی اور تیس گھوڑے ان کے ساتھ کیے۔ آگے چل کر معلوم ہوا کہ کفار کی تعداد بہت ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے امداد طلب کی، آپ نے حضرت ابوعبیدہ کو دو سو گھوڑوں کے ساتھ روانہ کیا جیسا کہ آگے آ رہا ہے۔ یہ سب آپس میں مل کر بنو قضاعہ پر زوردار حملہ کیے، جس سے ان کے پاؤں اکھڑ گئے اور میدان چھوڑ بھاگے۔ (المغازی للواقدی: ۶۹۲/ فتح الباری: ۸/ ۷۴)

(۱) المغازی للواقدی: ۲/ ۷۶۹، فتح الباری: ۷/ ۶۷۴۔ (۲) المغازی: ۲/ ۷۷۴، فتح الباری: ۷/ ۶۷۹۔

آئی ہے۔ (۲)

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے سمندری ساحل کی طرف قریش کی گھات میں تین سو افراد پر مشتمل ایک لشکر بھیجا اور امیرِ لشکر حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو بنایا، راستہ ہی میں لشکر کا زادِراہ ختم ہوگیا، حضرت ابوعبیدہ نے لشکر کے بچے کھچے زادِراہ جمع کرنے کا حکم دیا، دو تھیلے کھجوروں کے جمع ہوگئے۔ حضرت جابر کا بیان ہے کہ روزانہ ہمیں تھوڑا تھوڑا کھانے کو دیتے تھے، بالآخر یہ بھی ختم کے قریب ہوا تو ہمارے حصہ میں صرف ایک ایک کھجور آتی تھی، ایک کھجور کی قدر اس وقت معلوم ہوئی اور اس موقع پر سخت فاقہ کی بنا پر درختوں کے پتے تک کھائے اسی لیے اس لشکر کا نام ''سریۃ الخبط'' بھی پڑ گیا پندرہ دنوں تک اسی حالت میں رہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے بڑے ٹیلے کی طرح ایک مچھلی ظاہر فرمائی اس مچھلی کو سارا لشکر اٹھارہ راتوں تک کھاتا رہا، بعد میں حضرت ابوعبیدہ کے حکم سے اس مچھلی کے پسلیوں کی دو ہڈیاں کھڑی کی گئیں اور ایک سواری کا کجاوا کسا گیا اور وہ اس کے نیچے گذاری گئی مگر ہڈیوں کو بالکل نہیں چھوا۔ (۱)

آپ تمام غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک رہے اور ہر غزوہ میں پوری جنگی قوت کا مظاہرہ کیا۔ (۲)

امتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام میں ''امین'' کے لقب سے ملقب

''نجران'' کا وفد پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا! اے اللہ کے رسول! ہمارے ساتھ ایک ایسا آدمی بھیجیے جو ہمیں قرآن وسنت کی تعلیم دے۔ (۳) اور صحیح بخاری کی روایت میں یہ ہے کہ آپ ہمارے ساتھ کوئی امانت دار شخص بھیجیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں تمہارے ساتھ ایک امانت دار آدمی ہی کو بھیجوں گا جو یقیناً کماحقہ امانت دار ہے۔

صحابۂ کرام شدت سے منتظر تھے کہ کسے بھیجتے ہیں؟ (۴) اس عظیم اور اعلیٰ صفت ''امین'' کا

---

(۱) صحیح البخاری: ۲/ ۶۲۵ حدیث نمبر: ۴۳۶۰-۴۳۶۱۔ واضح رہے کہ اس جنگِ سیف البحر میں کفار سے کسی قسم کے قتل وقتال کی نوبت نہیں آئی۔ (فتح الباری: ۷/ ۶۷۹)۔

(۲) الاصابۃ: ۲/ ۲۴۳۔

(۳) صحیح مسلم: ۲/ ۲۸۲۔

(۴) صحیح بخاری: ۲/ ۶۲۹، نمبر ۴۳۸۰، ۳۷۴۵۔

(۵) مسندِ ابویعلی بحوالہ فتح الباری: ۷/ ۱۱۶۔

(۶) صحیح بخاری: ۲/ ۶۲۹، نمبر: ۴۳۸۰-۴۳۸۲۔

حامل کون ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ زندگی میں صرف ایک مرتبہ امیر وسردار بننے کی خواہش ہوئی، وہ یہی موقع تھا، وہ بھی امارت وسیادت کے شوق کی بنا پر نہیں، بلکہ اس وجہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان فرمودہ اوصاف کا مصداق میں قرار پاؤں۔ (۵) لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوعبیدہ سے فرمایا: آپ کھڑے ہوجایئے اور ان کے ساتھ جایئے، جب جانے کے لیے تیار ہوگئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **لکل أمة أمین و أمین هذه الأمة ابو عبیدة بن الجراح**" ہرامت میں ایک امین ہوتے ہیں، اس امت کے امین ابوعبیدہ بن جراح ہیں۔ (۶)

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں

عبداللہ بن شقیق کا بیان ہے کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ صحابۂ کرام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ محبوب کون تھے؟ انہوں نے جواب دیا: حضرت ابوبکر، میں نے عرض کیا: پھر کون؟ جواب دیا: حضرت عمر، پھر کون؟ فرمایا: حضرت ابوعبیدہ بن جراح، پھر کون؟ اس مرتبہ وہ خاموش ہوگئیں اور کچھ جواب نہ دیا۔ (۱)

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "**نعم الرجل أبو بکر**" بہترین آدمی ابوبکر ہیں، "**نعم الرجل عمر**" بہترین آدمی عمر ہیں "**نعم الرجل أبو عبیدة بن الجراح**" اور بہترین آدمی ابوعبیدہ بن جراح ہیں۔ (۲)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام کو مخاطب کر کے فرمایا: "**مامنکم من أحد إلاً لو شئت لأخذت علیه بعض خلقه إلا أبا عبیدة**" سوائے ابوعبیدہ کے تم میں کوئی ایسا نہیں ہے کہ جسے بعض اخلاقی معاملہ میں آڑے ہاتھ نہ لے لوں۔ (۳)

علامہ ذہبی نے اس حدیث پاک کے ذیل میں لکھا ہے۔ "**کان أبو عبیدة موصوفاً بحسن الخلق وبالحلم الزائد والتواضع**" کہ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ تواضع، حلم وبردباری

---

(۱) جامع ترمذی:۲/۲۱۶، مناقب ابوعبیدۃ۔
(۲) جامع ترمذی:۲/۲۱۷، مناقب ابوعبیدۃ۔
(۳) المستدرک:۳/۲۶۶، الاستیعاب:۳/۲۔
(۴) سیر أعلام النبلاء:۱/۱۳۔
(۵) جامع ترمذی:۲/۲۱۵۔

اور حسنِ اخلاق کے پیکر تھے۔ (۴)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بھی عشرہ مبشرہ میں شمار کیا ہے۔ (۵)

سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما کی نظر میں

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ سقیفۂ بنوساعدہ میں بیعتِ خلافت کے دن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دل موہ لینے والی شستہ اور فی البدیہہ تقریر کرتے ہوئے فرمایا: انصاری بھائیو! تم نے جو اپنی فضیلت و بزرگی بیان کی وہ سب درست ہے اور تم بے شک اس کے مستحق اور اہل ہو، مگر خلافت قریش کے سوا اور کسی خاندان والوں کے لیے نہیں ہوسکتی، کیونکہ خاندانِ قریش نسب اور خاندان کے اعتبار سے عرب کی تمام قوموں پہ فائق ہے **"فبايعوا أيهما شئتم فأخذ بيدي وبيد أبي عبيدة بن الجرّاح وهو جالس بيننا"**؛ لہٰذا اب تم لوگ ایسا کرو ان دو آدمیوں میں سے کسی سے بیعت کرلو، حضرت ابوبکر نے یہ فرما کر میرا اور ابوعبیدہ بن جراح ۔ جو ہم لوگوں کے مابین تشریف فرما تھے۔ کا ہاتھ تھاما اور بیعتِ خلافت کے لیے آگے بڑھا دیا، کچھ دیر لوگوں میں چہ میگوئیاں ہوئیں اس کے بعد تمام لوگوں نے حضرت ابوبکر کو خلیفۃ المسلمین نامزد کرنے اور ان سے بیعتِ خلافت لینے پر اتفاق کرلیا۔ (۱)

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ان کے معاون و خیرخواہ رہے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انہیں بیت المال کا ذمہ دار اور خزانچی بنادیا۔ (۲) پھر ۱۳ھ میں ان کو ''شام'' کا گورنر بنادیا، یہ ''شام'' ہی میں تھے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوگیا اور ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفۃ المسلمین بنے اور انہوں نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو لشکرِ اسلام کی امارت سے معزول کرکے حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو لشکرِ اسلام کی امارت و سیادت سونپی اور ان کو سپہ سالارِ اسلام منتخب کیا۔ (۳)

آپ نے لشکرِ اسلام کی قیادت کا فریضہ بحسنِ خوبی انجام دیا اور بڑی تیزی سے شہر در شہر فتح کرتے چلے گئے۔ بیت المقدس کو فتح کرنے کے موقع سے عیسائیوں کی شرط کے مطابق حضرت عمر رضی اللہ عنہ ''شام'' تشریف لائے تو حضرت ابوعبیدہ امیر المؤمنین کو دیکھ کر گھوڑے سے اتر گئے، حضرت عمر

---

(۱) صحیح بخاری: ۲/۱۰۰۱۰، نمبر۔ ۶۸۳، کا مطالعہ کریں۔

(۲) تاریخ خلیفۃ: /۱۲۳، سیر أعلام النبلاء: ۱/۱۵۔

(۳) سیر أعلام النبلاء: ۱/۲۱۔

(۴) البدایۃ والنہایۃ: ۷/۵۵۔

بھی اتر پڑے، حضرت ابوعبیدہ نے ان کے ہاتھ چومنے کا ارادہ کیا، تو حضرت عمر نے ان کے پاؤں چومنے کا قصد کیا، پھر حضرت ابوعبیدہ پیچھے ہٹے تو حضرت عمر بھی پیچھے ہٹ گئے۔ (۴)

اسی موقع سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوعبیدہ سے فرمایا: آپ ہمیں اپنے گھر لے چلیں انہوں نے عرض کیا: میرے گھر جا کر آپ کیا کریں گے؟ میرے گھر میں کیا رکھا ہے؟ اگر آپ جائیں گے تو روئے بغیر نہیں رہیں گے۔ اگر رونا ہی چاہتے ہیں تو تشریف لے چلیں۔ جب ان کے گھر تشریف لائے تو گھر کو خوب ٹٹولا، مگر کوئی سامان نہ پائے، تو حیرت اور تعجب سے پوچھا! آپ کے گھر کے سازوسامان کہاں؟ صرف بچھانے کا ایک فرش، کھانے کی ایک بڑی سی تھالی اور پینے کا ایک مشکیزہ نظر آرہا ہے، جب کہ آپ امیر ہیں، کیا آپ کے پاس خوراک اور غلّہ نہیں ہے؟ حضرت ابوعبیدہ یہ سن کر کھڑے ہوئے اور امیر المؤمنین کے سامنے ایک برتن لاکر رکھ دیا جس میں کھجور کے کچھ ٹکڑے پڑے ہوئے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کی یہ حالت دیکھ کر بلک بلک کر رونے لگے۔ حضرت ابوعبیدہ نے فرمایا: اے امیر المؤمنین! میں نے آپ سے پہلے کہہ دیا تھا کہ آپ میری حالت دیکھ کر آنسو بہائے بغیر نہیں رہیں گے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے ابوعبیدہ! آپ کے علاوہ ہم تمام لوگوں کو دنیا نے بدل ڈالا۔ (۱)

امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے واپسی پر مدینہ منورہ سے ان کے پاس اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے پاس چار ہزار درہم بھیجے اور قاصد سے یہ بتادیا کہ ان دونوں پر گہری نظر رکھنا کہ یہ ان درہموں کو کہاں خرچ کرتے ہیں؟ حضرت ابوعبیدہ کو جیسے ہی یہ رقم ملی اسی وقت سارے درہموں کو تقسیم کرادیا اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے بھی ایسا ہی کیا؛ البتہ اہلیہ محترمہ کے مطالبہ پر کچھ دراہم انہیں دے دیئے، جب قاصد نے سارا ماجرا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سنایا تو وہ بہت خوش ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی بہت زیادہ تعریف کرتے ہوئے اور شکر بجالاتے ہوئے فرمایا: "**الحمد لله الذي جعل في الإسلام من يصنع هذا**" (۲)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ اپنے ہم نشینوں سے فرمایا: تم لوگ اپنی اپنی خواہش کا اظہار کرو، ہر ایک نے اپنی خواہش ظاہر کی۔ بعض نے یہ کہا کہ میرے پاس گھر بھر سونا ہوتا اسے اللہ

---

(۱) سیر اعلام النبلاء: ۱/ ۱۷۔
(۲) طبقات ابن سعد: ۳/ ۴۱۳۔
(۳) طبقات ابن سعد: ۳/ ۴۱۳، المستدرک: ۳/ ۲۶۲۔
(۴) مسند احمد: ۱/ ۱۸۔

تعالیٰ کی راہ میں لٹا کر اجرِ عظیم حاصل کرتا، بعض نے گھر بھر کر جوہر کی خواہش ظاہر کی اور بعض نے گھر بھر درہم کی خواہش ظاہر کی کہ اگر اتنے مال ہوتے تو اللہ تعالیٰ کی راہ میں سب خرچ کر دیتا۔ اخیر میں حضرت عمر نے فرمایا: میری خواہش اور میری آرزو یہ ہے کہ ایک میرا ایسا گھر ہو جس میں ابوعبیدہ بن جراح جیسے صفات کے حامل لوگ جمع ہوں۔ (۳)

امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر ابوعبیدہ کی زندگی میں میری موت ہوگئی تو مجھے کوئی پرواہ نہیں، میں انہیں خلیفہ نامزد کر جاؤں گا۔ اگر اللہ تعالیٰ مجھ سے ان کے خلیفہ بنانے کے متعلق سوال کریں گے تو میں یہ جواب دوں گا اے رب العالمین! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ہر امت میں ایک امین ہوتا ہے، میری امت کے امین ابوعبیدۃ بن جراح ہیں۔ (۴)

سببِ وفات

حضرت ابوعبیدۃ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں لڑی جانے والی جنگوں کے نتیجے میں فتوحات کا سلسلہ بامِ عروج پر پہونچا ہوا تھا کہ عین اسی موقع پر ۱۸ھ میں طاعونِ عمواس ☆ کی ایسی خطرناک وبا پھیلی کہ جس سے نسلِ انسانی کے کشتوں کے پشتے لگ گئے، ۳۶ر ہزار اسلامی فوج میں سے صرف چھ ہزار اس وباء سے بچ سکے اور ۳۰ر ہزار کی عظیم الشان فوج اور جلیل القدر صحابۂ کرام اس وباء کی نذر ہو گئے (۱)۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس مہلک وباء کا علم ہوا تو فوراً ایک قاصد کو خط دے کر حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی طرف روانہ کیا، جس میں یہ لکھا کہ مجھے آپ سے بہت ضروری کام ہے، آپ کے بغیر یہ کام نہیں ہو سکتا ہے؛ لہٰذا خط ملتے ہی مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہو جائیں۔ جب حضرت ابوعبیدۃ نے حضرت عمر کا والا نامہ پڑھا تو فرمایا: میں امیر المؤمنین کی ضرورت خوب سمجھ رہا ہوں کہ انہیں مجھ سے کیا ضروری کام ہے؟ درحقیقت وہ ایک ایسے شخص کو موت کے پنجہ سے بچانا چاہتے ہیں جو اس دنیا میں ہمیشہ ہمیش باقی رہنے والا نہیں ہے، یہ جملہ کہتے ہوئے امیر المؤمنین کے نام جوابی خط لکھا! ’’حضرت!

☆ طاعونِ عمواس یہ طاعون ’’عمواس‘‘ نامی بستی کی جانب منسوب ہے یہ بستی ’’رملہ‘‘ اور بیت المقدس کے درمیان واقع ہے۔ (سیر أعلام النبلاء: ۱/ ۲۳)

مجھ سے آپ کی کیا ضرورت وابستہ ہے اس کا مجھے خوب علم ہے۔ براہِ کرم آپ مجھے ان مجاہدینِ اسلام کے ساتھ ہی رہنے کی اجازت مرحمت فرمائیں؛ کیونکہ آج میں لشکرِ اسلام کا ایک فرد ہوں اور اس نازک حالت میں اس لشکر کو نہیں چھوڑ سکتا ہوں اور نہ ان سے کسی قسم کی جدائیگی برداشت کر سکتا ہوں''۔

جب یہ خط حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پڑھا تو انہیں ایک دھچکا سا لگا اور زار و قطار رونے لگے ان کی یہ حالت دیکھ کر کچھ لوگوں نے دریافت کیا کہ کیا حضرت ابو عبیدہ کا انتقال ہو گیا؟

حضرت عمر نے جواب میں فرمایا ''لا، و کأن قد'' نہیں! لیکن بس۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ بھی اس مہلک وباء سے نہ بچ سکے، آپ کی ہتھیلی میں طاعون کا اثر ظاہر ہوا۔ اسے دیکھ کر آپ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے قاصد حارث بن عمیرۃ سے فرمایا: خدا کی قسم! اگر اس بیماری کے بدلہ سرخ اونٹ (یہ عربوں میں سب سے زیادہ قیمتی مال شمار ہوتا ہے) بھی مجھے مل جاتا تو میں اسے پسند نہیں کرتا۔ (۲)

اسی حالت میں ''جابیہ بیت المقدس'' نماز پڑھنے کے لیے تشریف لے گئے، اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشیں اور لوگوں کا امیر بنایا اور اسی وقت ''بیسان'' کے قریب مقام ''فحل'' ۱۸ھ طاعونِ عمواس میں اپنی جان جانِ آفریں کے حوالہ کر دی (۱) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ☆ نے آپ کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور لوگوں میں تعزیتی تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

انکم فجعتم برجل، ما زعمو اللہ إني رأيت من عباد اللہ قط أقل حقداً، ولا أبر صدراً، ولا أبعد غائلۃ، ولا أشد حياء للعاقبۃ ولا أنصح للعامۃ منہ فترحموا عليہ۔

ترجمہ: لوگو! آج تم ایک ایسی ہستی کے غم میں مبتلا ہو کہ خدا کی قسم! میں اللہ کے بندوں میں

---

(۱) سیر اعلام النبلاء: ۱/ ۲۱، ال إصابۃ: ۲/ ۲۴۵۔

☆ حضرت معاذ بن جبل انصاری رضی اللہ عنہ امام العلماء، صحابہ کرام میں حلال و حرام کے سب سے بڑے عالم، قاریٔ قرآن اور جامعِ قرآن، رسول اللہ صلی علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں مکہ مکرمۃ کے معلّمِ قرآن اور فقیہ، قاضیٔ یمن اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب نظر تھے۔ یہ بہت ہی حسین و جمیل تھے، ان جیسا خوبصورت شخص کبھی کسی عورت نے جنا ہی نہیں (سیرِ اعلام النبلاء: ۱/ ۴۴۵) یہ ۱۸ رسال کی عمر میں ''عقبۃ'' میں شریک ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ انہوں نے بہت سے عظیم الشان کارنامے انجام دیئے ہیں، اس کے لیے (سیرِ اعلام النبلاء: ۱/ ۴۴۳ تا ۴۶۱) کا مطالعہ کریں۔ یہ بھی اسی طاعونِ عمواس میں ۳۴ رسال کی عمر میں اللہ تعالیٰ کے پیارے ہو گئے۔ (ال إصابۃ: ۳/ ۴۰۷)

(۲) ال إصابۃ: ۲/ ۲۴۵۔ (۳) سیرِ اعلام النبلاء، ۱/ ۱۴

ان سے بڑھ کر بغض وحسد سے پاک سینہ، نیک دل، بغض وعداوت سے کوسوں دور، آخرت سے زیادہ شرم کرنے والا اور عوام الناس کے ساتھ نصیحت وخیر خواہی کا معاملہ کرنے والا کسی اور کو نہ پایا۔ تم لوگ اللہ تعالیٰ سے ان پر رحمت برسانے کی دعاء کرو۔ (۲)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ صحابۂ کرام میں میرے تین حقیقی دوست تھے: ا۔ حضرت ابوبکر ۲۔ حضرت عمر ۳۔ حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہم۔ (۳)

صحابہ کرام میں تین عظیم ترین شخصیات

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ قریش کی تین شخصیات ایسی ہیں جن کے چہرے تمام لوگوں سے بڑھ کر زیادہ حسین، جن کا اخلاق سب سے عمدہ اور جن میں سب زیادہ حیاء پائی جاتی ہے وہ تین عظیم شخصیات یہ ہیں! حضرت ابوبکر، حضرت عثمان بن عفان اور حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہم۔ (۴)

(۷) حضرت ابوعُسیب مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

علامہ ابونعیم فرماتے ہیں "ابو عسیب مولی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کان یبیت في المسجد ویخالط أهل الصفة" کہ حضرت ابوعسیب مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجدِ نبوی میں رات گذارتے تھے اور اصحابِ صفہ کے ساتھ رہتے تھے۔ (حلیۃ ال أولیا: ۲/ ۲۷)

حضرت ابوعسیب رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ یہ اپنی کنیت

---

(۱) الثقات:/ ۲۱۰، (۱۵۰۱) (۲) ال اصابۃ:۴/

☆ چاند کی تیرہ، چودہ اور پندرہ تاریخ کو ایامِ بیض کہا جاتا ہے؛ کیونکہ ان راتوں میں پوری چاندنی رات ہوتی ہے۔

(۳) طبقات ابن سعد: ۷/ ۲۱۔

سے ہی جانے جاتے ہیں(۱) ان کے نام میں مختلف اقوال ہیں: بعض نے احمر، بعض نے سفینہ وغیرہ بتایا ہے علامہ ابنِ حجر علیہ الرحمۃ نے ان سب پر رد کرتے ہوئے کہا کہ حضرت ابوعسیب کوئی اور ہیں۔ (۲)

یہ بہت عابد وزاہد تھے، ان کی صاحبزادی میمونہ بنت عسیب کا بیان ہے کہ میرے والدِ محترم ہر مہینہ میں تین روزے لگا تار رکھتے تھے، بطورِ خاص ایامِ بیض ☆ کے روزے رکھتے تھے اور چاشت کی نماز پابندی سے کھڑے ہوکر پڑھا کرتے تھے، جب کمزور ہوگئے اور کھڑے ہونے کی طاقت نہیں رہی تو بیٹھ کر چاشت کی نماز پڑھتے تھے۔

حضرت میمونہ کہتی ہیں: والدِ محترم کی آواز بہت ہلکی اور کمزور نحیف ہوگئی تھی، جس کی بنا پر اپنے تخت میں ایک چھوٹی سی گھنٹی لگا رکھی تھی، جب مجھے بلانا ہوتا تو گھنٹی بجادیتے، میں حاضر ہوجاتی (۳)۔

حضرت ابوعسیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے باہر تشریف لائے، آپ نے مجھے آواز دی، میں حاضرِ خدمت ہوا۔ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس سے گذرے انہیں بھی آواز دی، وہ بھی تشریف لائے، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس سے گذرے، انہیں بھی آواز دی وہ بھی تشریف لائے، ہم لوگ ایک انصاری کے باغ میں پہونچے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے باغ کے مالک انصاری شخص سے فرمایا: نیم پختہ کھجور کھلاؤ، تو وہ ایک خوشہ لے کر آگئے۔ سارے لوگوں نے کھایا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی طلب فرمایا اور پانی پیا۔ پھر ارشاد فرمایا "لتسئلن عن ھذا یوم القیامۃ" قیامت کے دن تم لوگوں سے اس نعمت کے بارے میں ضرور سوال کیا جائے گا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر کھجور کا خوشہ لیا اور زمین پر دے مارا، ساری کھجوریں بکھر کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلی گئیں۔ پھر عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا قیامت کے دن ہم لوگوں سے اس کھجور کے بارے میں سوال کیا جائے گا؟ آپ نے فرمایا: ہاں! البتہ

---

(۱) حلیۃ الأولیاء: ۲/ ۲۷-۲۸۔ مسندِ أحمد: ۵/ ۸۱۔ البدایۃ والنہایۃ: ۵/ ۳۲۳

(۲) :۵/ ۸۱۔

تین معمولی چیز کے بارے میں سوال نہیں ہوگا۔

۱۔ وہ کھانا جو بھوک مٹانے کے لیے کھایا جا رہا ہو۔

۲۔ وہ کپڑا جو سترِ عورت کے بقدر ہو۔

۳۔ وہ گھر جس سے سردی اور گرمی میں اپنا بچاؤ کیا جا رہا ہو۔ (۱)

حضرت ابوعسیب کی حدیث مسندِ اُحمد (۲)، معجمِ کبیر اور مستدرکِ حاکم وغیرہ میں ہے۔

(۸) حضرت ابوکبشہ اَنماری مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

حافظ ابوعبداللہ اور علامہ ابونعیم اصبہانی نے حضرت ابوکبشہ رضی اللہ عنہ کو اصحابِ صفہ میں شمار کیا ہے۔ (حلیۃ ال أولیاء: ۲ / ۲۰)

حضرت ابوکبشہ رضی اللہ عنہ کے نام کے سلسلے میں اختلاف ہے، امام ابنِ حبان اور خلیفہ بن خیاط نے ان کا نام ''سُلیم'' بتایا ہے (۱) اور یہی صحیح اور مشہور قول ہے جیسا کہ حافظ ابنِ کثیر نے اس کی

---

(۱) الثقات: / ۱۲۶، نمبر ترجمہ: (۵۲۸) ال إستیعاب: ۴ / ۱۶۴۔

(۲) البدایۃ والنہایۃ: ۵ / ۳۲۳۔

(۳) الاستیعاب: ۴ / ۱۶۴۔

(۴) ا ل إصابۃ: ۴ / ۱۶۴۔

(۵) البدایۃ والنہایۃ: ۵ / ۳۲۳۔

(۶) الثقات: (۵۲۸)۔

(۷) البدایۃ والنہایۃ: ۵ / ۳۲۳۔

(۸) الثقات: (۵۲۸)

(۹) البدایۃ والنہایۃ: ۵ / ۳۲۳۔

صراحت کی ہے۔ (۲)

ابنِ ہشام کہتے ہیں کہ یہ فارس کے تھے (۳) بعض لوگ قبیلہ ''اوس'' کی جانب منسوب کرتے ہیں (۴) جب کہ '' حافظ ابنِ کثیر ''انمار مذحج'' کی جانب منسوب کرکے انماری کہتے ہیں اور اسی کو قولِ مشہور قرار دیتے ہیں۔ (۵)

امام ابن حِبان کہتے ہیں کہ ان کی جاءِ پیدائش مکۃ المکرمہ ہے (۶) جب کہ حافظ ابنِ کثیر ان کی جاءِ پیدائش اور ان کا وطنِ اصلی سرزمینِ ''دوس'' قرار دیتے ہیں۔ (۷)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں خرید کر آزاد کیا تھا جس کی بنا پر مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہے جاتے ہیں۔ (۸)

غزوۂ بدر، اُحد اور دیگر تمام غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک رہے ہیں۔ (۹)

بروز سوموار ۲۲ جمادی الاخری ۱۳ھ میں جس دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے اسی دن ان کا انتقال ہوا۔ (۱)

بعض کہتے ہیں کہ ۲۳ھ میں جس دن عروہ بن زبیر پیدا ہوئے اسی روز ان کا انتقال ہوا۔ (۲)

عورتوں کی خواہش ہو تو اپنی بیوی کے پاس جانا

امام احمد بن حنبل اور علامہ ابونعیم اصبہانی نے اپنی سند سے یہ روایت نقل کی ہے۔

حضرت ابوکبشہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں میں تشریف فرما تھے کہ سامنے سے ایک عورت کا گذر ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فوراً اپنی کسی زوجہ مطہرہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے، پھر ہم لوگوں کے پاس تشریف لائے اور آپ کے سرِ مبارک سے

---

(۱) ال اصابۃ: ۴/ ۱۶۴، البدایۃ والنہایۃ: ۵/ ۳۲۳۔

(۲) الاستیعاب ۴/ ۱۶۴۔

(۳) حلیۃ ال اَولیاء: ۲/ ۲۰، مسندِ اَحمد بحوالہ البدایۃ والنہایۃ: ۵/ ۳۲۳۔

پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ ہم نے کہا: اے اللہ کے رسول! یہ کیا ہوا، کہ ایک عورت آپ کے پاس سے گذری تو آپ نے غسل فرمایا؟ آپ نے ارشاد فرمایا: فلاں عورت میرے پاس سے گذری تو میرے دل میں عورتوں کی خواہش پیدا ہوئی، بس میں فوراً ایک بیوی کے پاس گیا، جس سے طبیعت کو تسکین مل گئی۔

جب تم لوگوں کے دلوں میں ایسی بات پیدا ہوجائے تو تم لوگ بھی ایسا ہی کرلیا کرو؛ کیونکہ حلال وجائز شیٔ کے پاس آنا تمہارے اچھے اور بہترین اعمال میں سے ہے۔ (۴)

(۹) حضرت ابومُویہبہ مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

☆ غزوہ مریسیع کو غزوۂ بنی مصطلق بھی کہتے ہیں، یہ غزوہ شعبان ۵ھ میں پیش آیا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہونچی کہ حارث بن ابی ضرار سردار بنومصطلق نے بہت سی فوج جمع کی ہے اور مسلمانوں پر حملہ کرنے کی تیاری میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بریدۃ بن حصیب رضی اللہ عنہ کو تحقیقِ حال کے لیے روانہ فرمایا، حضرت بریدہ نے آکر بیان کیا کہ خبر صحیح ہے، آپ نے صحابۂ کرام کو خروج کا حکم دیا اور خود بھی ازواجِ مطہرات میں سے ام المؤمنین حضرت عائشہ اور ام المؤمنین حضرت ام سلمہ کو ساتھ لے کر ۲ رشعبان بروز پیر مدینہ منورہ سے نکلے راستہ میں ایک جاسوس ملا، جس کو حضرت عمر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے قتل کیا۔ جب کفار کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روانگی اور جاسوس کے قتل ہونے کی خبر ملی تو کفار پر رعب چھا گیا اور قبائل منتشر ہوگئے، حارث کے ساتھ صرف اس کے قبیلہ کے آدمی رہ گئے۔ (صحیح بخاری :۱/ ۴۴۵) ایک روایت میں ہے کہ "نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنومصطلق پر اچانک حملہ کیا اور وہ لوگ غافل اپنے جانوروں کو پانی پلا رہے تھے، حملہ کی تاب نہ لاسکے، دس آدمی مقتول ہوئے، باقی مرد، عورت، بچے اور بوڑھے سب گرفتار ہوئے، مال واسباب لوٹ لیے گئے (المغازی للواقدی: ۲/ ۴۰۴-۴۱۰، فتح الباری: ۷/ ۴۳۱) واقدی کی روایت میں ہے کہ اونٹ اور پانچ ہزار بکریاں غنیمت میں ملیں کوئی مسلمان اس غزوہ میں شہید نہ ہوتا؛ مگر ہشام بن صبابہ غلطی سے حضرت عبادہ بن صامت کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ اسی غزوہ کے قیدیوں میں حارث بن ابی ضرار کی بیٹی جویریہ بھی تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں آزاد کرکے ان سے شادی کرلی۔ صحابۂ کرام میں جب یہ خبر پھیلی تو سب نے بنومصطلق کی قیدیوں کو یہ کہہ کر آزاد کردیا کہ یہ لوگ رسول اللہ کے رشتہ دار ہوگئے ہیں (المغازی: ۴۱۰-۴۱۱) حضرت عائشہ فرماتی ہیں! میں نے جویریہ سے زیادہ کسی عورت کو اپنی قوم کے لیے بابرکت نہیں دیکھا کہ جس کی وجہ سے ایک دن میں سو گھرانے آزاد ہوئے (سننِ ابوداود: ۲/ ۲۰۰) اسی جنگ سے واپسی کے وقت حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت کا واقعہ پیش آیا تھا۔ تفصیل کے لیے صحیح بخاری: ۲/ ۵۹۳-۵۹۶) دیکھیں۔

علامہ ابونعیم کہتے ہیں کہ حضرت ابوموہبہ رضی اللہ عنہ مسجدِ نبوی میں رات گذارتے تھے اور اصحابِ صفہ کے ساتھ گذر بسر کرتے تھے۔

(حلیۃ الأولیاء: ۲ / ۲۷)

حضرت ابوموہبہ رضی اللہ عنہ قبیلۂ مُزینہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں خرید کر آزاد کیا تھا، جس کی وجہ سے مولی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جانے جاتے ہیں۔ یہ اپنی کنیت ہی سے مشہور ہیں۔

غزوۂ مریسیع ☆ میں حاضر رہے اور ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اونٹ چلانے کی خدمت پر مامور تھے۔(۱)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما حضرت ابوموہبہ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت ابوموہبہ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آدھی رات کو مجھے طلب فرمایا، میں حاضرِ خدمت ہو کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلنے لگا، جب ہم لوگ ''جنت البقیع'' ۔مدینہ منورہ کے قبرستان کا نام ہے۔ پہونچے تو آپ نے ارشاد فرمایا: اے ابوموہبہ! مجھے بقیعِ غرقد والوں کے لیے استغفار کرنے کا حکم ملا ہے۔ میں ان لوگوں کے استغفار کرنے کے لیے ہی آیا ہوں۔ یہ ایک لمبی حدیث شریف ہے، اسی میں یہ بھی ہے۔ کہ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوموہبہ! مجھے ایک طویل عرصہ تک دنیا میں رہنے کا اختیار دیا گیا ہے اور دنیا کے خزانوں کی کنجیاں بھی دی گئی ہیں؛ لیکن اے ابوموہبہ! میں نے اپنے رب کی ملاقات اور جنت کو اختیار کیا ہے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائے اور اسی دن سے آپ کے مرض الوفات کی تکلیف کی ابتداء ہوئی ہے۔(۲)

---

(۱) الاستیعاب: ۴ / ۱۷۹، الإصابۃ: ۴ / ۱۸۸، البدایۃ والنہایۃ: ۵ / ۳۲۴۔

(۲) حلیۃ الأولیاء: ۲ / ۲۷، مسندِ أحمد بحوالہ البدایۃ والنہایۃ: ۵ / ۳۲۳-۳۲۴۔

(۳) الاستیعاب: ۴ / ۱۷۹۔

(۴) الإصابۃ: ۴ / ۱۸۸۔

علامہ ابنِ عبدالبر نے اس روایت کی تحسین کرتے ہوئے فرمایا: "حدیثہ حسن" حضرت ابومویہبہ کی حدیث حسن درجہ کی ہے۔ (۳)

حضرت ابومویہبہ کے فیض یافتگان میں صرف حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما ملتے ہیں۔ (۴)

(۱۰) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

علامہ ابونعیم اصبہانی فرماتے ہیں "**وکان عریف من سکن الصفة**" کہ حضرت ابوہریرۃ اصحابِ صفہ کے ترجمان تھے؛ اس لیے کہ جب کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اصحابِ صفہ کو کھانے کی دعوت دیتے تو انہیں بلانے کے لیے حضرت ابوہریرہ کو بھیجتے تھے، چونکہ حضرت ابوہریرہ اصحابِ صفہ میں سے ہر ایک فرد کو اور ہر ایک کے مقام و مرتبہ کو خوب جانتے تھے۔ (حلیۃ ال أولیاء:۱/٣٧٦-٣٧٧)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں: "کنت امرءًا

مسکینا من مساکین الصفۃ" میں صفہ کے مسکینوں میں تھا۔

(صحیح بخاری: ۱/ ۲۷۴(۲۰۴۷)

نام کے سلسلہ میں اختلاف

ابو ہریرہ کنیت ہے اور آپ اپنی کنیت سے اس قدر مشہور ہوئے کہ آپ کے اصل نام پہ دبیز پردہ پڑ گیا اب امت اصل نام کے سلسلہ میں بہت پریشان ہے، محدثین متقدین اور مؤرخین نے آپ کے نام کے سلسلہ میں اس قدر اختلاف کیا کہ جتنے منہ اتنے ہی اقوال!!

علامہ ابن عبدالبر یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ آپ کے نام اور آپ کے والد کے نام کے سلسلہ میں جتنے اقوال ہیں، انہیں ضبطِ تحریر میں نہیں لایا جاسکتا۔ زمانۂ جاہلیت کے نام کچھ اور، زمانۂ اسلام کے نام کچھ اور ہیں خود ان دونوں زمانوں کے ناموں میں شدید اختلاف ہے۔ (۱)

ان میں سے مختلف اقوال کو علامہ ابنِ حجر عسقلانی نے ضبط کرنے کے بعد یہی فرمایا کہ آپ کے نام اور آپ کے والد کے نام کے سلسلہ میں اقوال کو مکمل طور پر شمار کیا جائے تو ان کی تعداد تقریباً ۲۴۷ ہوتی ہے؛ لیکن ان اقوال میں خوب غور وفکر کیا جائے تو تعداد دس تک بھی نہیں پہونچتی اور سند کی صحت اور صحتِ نقل کا اہتمام کیا جائے تو وہ اقوال ان تین: عمیر، عبداللہ اور عبدالرحمن میں منحصر ہو کر رہ جائے۔ (۲)

اکثر کبارِ محدثین، جن میں امام احمد، یحییٰ بن معین، ابوزرعۃ، امام بخاری اور ترمذی وغیرہ کی یہی رائے ہے کہ ان کا زمانۂ جاہلیت میں "عبدِ شمس" نام تھا اور اسی کو امام بخاری، ترمذی اور حاکم نے

---

(۱) الاستیعاب: ۴/ ۲۰۰-۲۰۱۔

(۲) تفصیل کے لیے الاصابۃ: ۴/ ۲۰۶۔

(۳) الاصابۃ: ۴/ ۲۰۶، جامع ترمذی: ۱/ ۴۔

(۴) الاستیعاب: ۴/ ۲۰۳-۲۰۴۔

(۵) الاصابۃ: ۴/ ۲۰۳۔

(۶) جامع ترمذی: ۱/ ۴، صفۃ الصفوۃ: ۱/ ۶۸۵۔

(۷) المستدرک: ۳/ ۵۰۷، الاستیعاب: ۴/ ۲۰۴-۲۰۵۔

(۸) سیر اعلام النبلاء: ۲/ ۵۷۸۔

(۹) الاصابۃ: ۴/ ۲۰۰۔

(۱۰) طبقات خلیفۃ بن خیاط: / ۱۱۴۔

راجح قرار دیا ہے۔ (۳)

علامہ ابنِ عبدالبر کہتے ہیں کہ عبدِ شمس، عبدِ عمرو، عبدِ غنم اور عبدِ نہم ناموں میں سے کوئی ایک نام کا زمانۂ اسلام میں ہونا محال ہے؛ کیونکہ یہ نام عقیدۂ توحید کے خلاف ہے۔ ہاں زمانۂ جاہلیت میں ہوسکتا ہے؛ البتہ زمانۂ اسلام میں عبداللہ یا عبدالرحمن آپ کا نام ہے۔ (۴) امام ابنِ خزیمہ نے یہی فرمایا ہے (۵)؛ البتہ امام بخاری، امام ترمذی اور امام ابن الجوزی نے عبداللہ بن عمرو کو صحیح قرار دیا ہے۔ (۶) جب کہ امام المورخین محمد بن اسحاق، امام ابواحمد حاکم کبیر، ابنِ عبدالبر، حاکم، علامہ ذہبی اور ابنِ حجر نے ''عبدالرحمان بن صخر'' کو راجح فرمایا ہے۔ (۷) **قال فیه: علی هذه اعتمدت طائفة في الأسماء والکنی۔ (۸)**

آپ کا پورا نسب نامہ یہ ہے: ابو ہریرہ بن عامر (صخر) بن عبد ذی شری بن طریف بن عتاب بن ابی صعب بن منبۃ بن سعد بن ثعلبۃ بن سلیم بن فہم بن غنم بن دوس دوسی (۹) اور خلیفۃ بن خیاط نے والد کا نام عمیر بتایا اور نسب نامہ یوں بیان کیا ابو ہریرۃ بن عمیر بن عامر الخ۔ (۱۰)

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کا تعلق قبیلۂ دوس سے ہونے کی وجہ سے ''دوسی'' کہلاتے ہیں، یہ قبیلۂ دوس ''یمن'' کے مشہور قبیلۂ ''ازد'' کی ایک شاخ ہے۔ جیسا کہ مؤرخ خلیفہ بن خیاط نے اپنی کتاب تاریخ (طبقات خلیفہ بن خیاط میں: ۱۱۴) میں صراحت کی ہے۔

ابو ہریرہ کنیت ہونے کی وجہ

آپ کی کنیت ابو ہریرہ اس طرح پڑی کہ ''ہریرہ'' کے معنی بلّی کے ہوتے ہیں۔ خود اس کا پسِ منظر اپنے شاگرد عبداللہ بن رافع سے بیان کیا۔ ایک مرتبہ انہوں نے پوچھا۔ آپ کو لوگ ابو ہریرۃ سے کیوں یاد کرتے ہیں؟ تو فرمایا: کیا تم ابو ہریرۃ کنیت سن کر ڈر جاتے ہو؟ میں نے عرض کیا: ہاں، خدا کی قسم! ابو ہریرۃ سنتے ہی میرے اوپر ایک عجیب سی ہیبت طاری ہوجاتی ہے۔ پھر فرمایا: میں اپنے گھر کی بکریاں چرایا کرتا تھا اور میرے پاس ایک بلی کا بچہ تھا، جسے رات کے وقت ایک درخت میں چھپا دیا کرتا اور دن میں اس سے خوب کھیلتا تھا، لوگوں نے میری یہ کیفیت اور حرکت دیکھ کر مجھے ابو ہریرہ کہنا

---

(۱) جامع ترمذی: ۲/ ۲۲۳، طبقات ابن سعد: ۴/ ۳۲۹۔

(۲) الاستیعاب: ۴/ ۲۰۴۔

(۳) بحوالہ سیر اعلام النبلاء: ۲/ ۵۸۷۔

(۴) المستدرک: ۳/ ۵۰۶۔

شروع کر دیا۔ (۱)؛ لیکن علامہ ابن عبدالبر نے اس واقعہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب منسوب کر کے اس طرح بیان کیا ہے کہ حضرت ابو ہریرۃ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں بلی کو آستین میں لے کر آ رہا تھا، رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے یہ دیکھ کر مجھ سے فرمایا: یہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا: بلی ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا: اے ابو ہریرۃ۔

علامہ ابن عبدالبر نے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرمایا: میرے نزدیک یہ ہی زیادہ صحیح ہے کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کنیت دی ہے۔ (۲)

تاریخِ ابن عساکر میں ہے کہ آپ نے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا: تم لوگ مجھے ابو ہریرہ مت کہا کرو بلکہ ابو ہرّ؛ کیونکہ رسول اللہ صلی للہ علیہ وسلم نے میری کنیت ''ابو ہر'' رکھی ہے (۳) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم عام طور سے مجھے "یا اباھر" کہہ کر پکارتے تھے۔ (۴)

خاندانی عزت وشرافت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی خاندانی عزت وشرافت یہ ہے کہ آپ کے چچا سعد بن ابی ذباب نے اسلام قبول کرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ میری قوم پر کسی کو امیر بنا دیجئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ہی کو امیر مقرر کیا اور بعد میں حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے عہدِ خلافت میں ان کی امارت کو برقرار رکھا۔ (۱)

ڈاکٹر عبدالمنعم صاحبِ "**دفاع عن ابی هریرة**" فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قاعدہ اور ضابطہ تھا کہ آپ کسی قبیلہ کا امیر ایسے شخص کو متعین کرتے جو زمانۂ جاہلیت میں ان کا امیر رہ چکا ہو اور وہ اسلام کی دولت سے بھی سرفراز ہو۔ جیسے حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کو ان کی قوم پر اور حضرت عدی بن حاتم طائی کو بھی ان کی قوم پر امیر متعین فرمایا؛ کیونکہ یہ حضرات زمانۂ جاہلیت میں بھی اپنی اپنی قوم کے امیر رہ چکے تھے۔ دوسری بات! حضرت سعد بن ابی ذباب کا امیر بنانے کے متعلق درخواست کرنا یہ بھی اسی جانب مشیر ہے کہ یہ اپنے قبیلہ کے رئیس وغیرہ رہ چکے ہیں۔ (۲)

---

(۱) کتاب الأموال: /۴۹۶۔

(۲) دفاع عن ابی ہریرۃ: /۱۸۔

(۳) طبقات ابنِ سعد: ۴/ ۳۲۵۔

(۴) صحیح بخاری: ۲/ ۶۳۰ نمبر حدیث: (۴۳۹۳)

(۵) طبقات ابن سعد: ۴/ ۳۲۶۔

آپ کے ماموں حضرت سعد بن صُفیح رضی اللہ عنہ اپنے قبیلہ کے طاقتور اور بہادر رہ چکے ہیں۔ (۳) اور دلیر بہادر شخص اپنے قبیلہ کے چیدہ اور معزز لوگوں میں ہی ہوتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ خود ذاتی طور پر ایک غلام کے مالک تھے، جس سے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ آپ کی مالی حیثیت اچھی تھی۔ خود ان کا بیان ہے کہ میرا ایک غلام تھا، غزوۂ خیبر کے موقع سے جب میں رسول اللہ صلی علیہ وسلم کے پاس آیا تو راستہ میں اس غلام نے راہِ فرار اختیار کرلی، ایک دن نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلسِ مبارکہ میں بیٹھا ہوا تھا کہ اسی دوران وہ بھاگا ہوا غلام آیا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دیکھتے ہی فرمایا: اے ابو ہریرۃ! یہ تمہارا غلام ہے؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں! میں نے اسے اللہ تعالیٰ کی رضاء کی خاطر آزاد کیا۔ (۴)

آپ کے والد کی وفات بچپن میں ہی ہو چکی تھی؛ اس لیے آپ کی پرورش اور نشو ونما بحالتِ یتیمی ہوئی (۵) اور آپ کی والدۂ محترمہ میمونہ بنت صُفیح مشرف بہ اسلام ہو چکی تھیں۔ جن کا واقعہ آرہا ہے۔

دولتِ اسلام سے شرف یابی

عرب میں بت پرستی اور خداءِ وحدہ لاشریک لہ کے ساتھ دوسرے کو شریک ٹھہرانا عام تھا اور یہی اہلِ عرب کا مذہب وعقیدہ تھا، اسی کی اصلاح کے لیے رب العزت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا تھا۔ دیگر قبائلِ عرب کی طرح قبیلۂ دوس کے حضرات بھی بت پرست تھے اور ذوالخلصہ نامی بت اپنے لیے خاص کررکھے تھے۔ خود حضرت ابو ہریرۃ فرماتے ہیں: ذوالخلصہ نامی بت کو قبیلۂ دوس کے لوگ زمانۂ جاہلیت میں پوجا کرتے تھے۔ (۱)

سب سے پہلے قبیلۂ دوس میں دعوتِ اسلام کا پیغام حضرت طُفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ لے کر گئے حضرت طفیل اپنے قبیلۂ دوس کے معزز اور چیدہ لوگوں میں ہونے کے ساتھ ساتھ اچھے شاعر تھے۔ جب مکہ مکرمہ تشریف لائے تو کفارِ مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ان کے کان خوب

---

(۱) صحیح بخاری: ۲/ ۱۰۵۴، نمبر حدیث (۶۸۳۳)　(۲) طبقات ابن سعد: ۴/ ۲۳۷-۲۳۹، صفۃ الصفوۃ: ۱/ ۶۰۰-۶۰۳۔

بھرے کہ وہ جادوگر ہے اور اس کے کلام میں جادو سحر جیسی تاثیر ہے جو باپ بیٹے، بھائی بھائی اور میاں بیوی کے درمیان جدائی ڈالتا ہے آپ اس کا کلام ہرگز نہ سنیں، انہوں نے اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لی ؛ تاکہ اتفاقی طور پر بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام کانوں میں نہ پڑ جائے۔ صبح کے وقت کعبہ شریف میں آئے تو دیکھا ''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے ہیں اور کچھ بہ آواز بلند پڑھ رہے ہیں۔ حضرت طفیل کہتے ہیں کہ وہ کلام نہایت اچھا اور بھلا معلوم ہوا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گھر گئے، قرآن کریم کی آیتیں سنیں اور مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنے قبیلہ والوں کی جانب داعیٔ اسلام بنا کر بھیجا اور آپ نے دعاء فرمائی "اللّٰهم اجعله له آية" اے اللہ! اس کے لیے کوئی نشانی پیدا فرما۔ جب یہ اپنی بستی کے قریب پہونچے تو ایک نور مانند چراغ ان کی آنکھوں کے درمیان پیدا ہو گیا، لیکن اس نور کو ان کی قوم مُثلہ اور بدلی صورت نہ گمان کرے اس خوف سے انہوں نے دعا کی، تو وہ کوڑے میں منتقل ہو گیا۔ ان کی دعوت وتبلیغ سے ان کے والدِ محترم اور زوجۂ محترمہ (۲) اور قبیلہ والوں میں سے حضرت ابو ہریرہ مسلمان ہوئے۔ (۳)

دربارِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں باریابی

حضرت طفیل رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مکہ مکرمہ میں یہ شکایت لے کر آئے کہ یارسول اللہ! قبیلہ دوس ہلاک ہو گیا۔ اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور دینِ اسلام کو ٹھکرا دیا، چنانچہ آپ ان کے حق میں بددعاء فرما دیں۔ محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر دعاء کی **"اللهم اهد دوساً وأت بهم"** اے اللہ! قبیلۂ دوس کو ہدایت دے اور انہیں میرے یہاں لے آ۔ (۱) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سمجھایا کہ تم اپنی قوم میں جا کر دعوتِ اسلام دو اور ان کے ساتھ خوب نرمی کا برتاؤ کرو۔

یہ اسی وقت اپنی قوم میں واپس آ گئے اور دعوتِ اسلام کی تبلیغ میں کوشاں رہے، اللہ تعالیٰ نے ان کی کوشش اور سعیِ پیہم کی بنا پر ۷۰ ر یا ۸۰ ر سے زائد لوگوں کو اسلام کی توفیق دی، یہ غزوۂ خیبر کے سال

---

(۱) صحیح بخاری: ۲/ ۶۳۰، نمبر (۴۳۹۲)

☆ حضرت طفیل رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر کے عہدِ خلافت میں جنگ یمامہ ۱۲ھ میں شہید ہوئے (صفۃ الصفوۃ: ۱/ ۶۰۳)

(۲) طبقات ابن سعد: ۴/ ۲۳۹، صفۃ الصفوۃ: ۱/ ۶۰۲۔ (۳) صحیح بخاری: ۲/ ۶۳۰، نمبر (۴۳۹۳)

۷ھ میں اپنے قبیلہ کے مسلمانوں کو جن میں حضرت ابو ہریرہ بھی تھے۔ لے کر خدمتِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے ☆۔ (۲)

قبیلہ دوس سے چلتے وقت راستہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے دل میں عجیب قسم کی کرب و بے چینی تھی، رہ رہ کر آپ کے دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شوقِ دیدار انگڑائی لیتا اور آپ کے اندر ایک عجیب سماں پیدا کرتا، جس کا اندازہ آپ کے اس شعر سے ہوتا ہے!

یالیلۃ من طولھا وعنائھا علی أنھا من دارۃ الکفر نَجّتْ

کیسی ہے تکلیف کی لمبی یہ رات خیر اس نے کفر سے دی ہے نجات۔ (۳)

جب مدینہ منورہ پہونچے اس وقت پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ خیبر کے محاذ پر تھے اور مدینہ منورہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ اور جانشیں حضرت سباع بن عرفطہ رضی اللہ عنہ تھے، وہ صبح کی نماز پڑھا رہے تھے، ہم لوگوں نے ان کے پیچھے نماز پڑھی، انہوں نے پہلی رکعت میں سورہ ''مریم'' اور دوسری رکعت میں سورہ ''ویل للمطففین'' کی تلاوت کی۔ میں ''ویل للمطففین'' کی سورت سن کر نماز ہی میں اپنے دل میں کہا: ہائے میرے باپ کی تباہی! کہ ان کے پاس دو ناپ اور پیمانے تھے کہ ایک سے خود اپنے لیے سامان خریدتے اور دوسرے پیمانہ سے جو چھوٹا تھا دوسروں کو کم ناپ کر دیتے تھے۔ (۱)

نماز کے بعد حضرت سباع رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی اور سیدھے خیبر کے لیے روانہ ہو گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے اکثر علاقے فتح کر لیے تھے اور ''نسطاۃ'' کا تھوڑی فوج اور معمولی ٹکڑیوں نے محاصرہ کر رکھا تھا۔ (۲)

اس وقت آپ نے پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کر کے اپنے شوقِ دیدار کی پیاس بجھائی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی رضامندی سے مالِ غنیمت میں ان لوگوں کو بھی شریک فرمایا:۔ (۳)

---

(۱) طبقات ابنِ سعد: ۴/ ۳۲۸، المستدرک: ۲/ ۳۳، بسند صحیح واقرہ الذہبی، مجمع الزوائد: ۷/ ۱۳۵، وقال: رجالہ رجال الصحیح۔

(۲) المغازی: للواقدی: ۲/ ۶۳۶۔

(۳) طبقات ابنِ سعد: ۴/ ۳۲۸، فتح الباری: ۷/ ۴۸۹۔

علامہ ابنِ عبدالبر اور علامہ سمعانی نے یہ صراحت کی ہے کہ حضرت ابوہریرہ غزوۂ خیبر کے سال ۷ھ میں اسلام لائے ہیں (۴) اوپر کی صحیح روایتوں کی روشنی میں یہی بات معلوم ہوتی ہے کہ آپ غزوۂ خیبر سے بہت پہلے اسلام لائے ہیں۔ تو ان حضرات کا یہ فرمانا آپ کی ہجرت کرنے کو ملحوظ رکھ کر کہنا ہے کہ درحقیقت حضرت طفیل کی دعوت پر ہی مسلمان ہوئے، البتہ اپنے اسلام کو مدینہ منورہ ہجرت کرنے کی شکل میں ۷ھ میں ظاہر کیا ہے اور غزوۂ خیبر میں مالِ غنیمت تقسیم کے وقت حضرت ابوہریرہ کا رسول اللہ صلی اللہ سے یہ فرمانا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ابان بن سعید کا مالِ غنیمت میں حصہ نہ لگائیں؛ کیونکہ انہوں نے نعمان بن مقوقل کو غزوۂ احد میں شہید کیا ہے۔ (۵) تو آپ کا اس واقعہ کی جانب اشارہ کرنا یہ اس بات پر غماز ہے کہ حضرت طفیل کی دعوت پر شروع ہی میں اسلام قبول کیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے غیر معمولی قربت

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارتِ مبارکہ کے شوقِ دیدار کی پیاس تو بجھ گئی؛ لیکن آپ کے اندر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی آگ ایسی بھڑکی کہ آپ علیہ السلام سے تھوڑی دیر کی جدائیگی بھی برداشت نہیں۔

اس قدر مضبوطی سے آپ کا دامن تھاما کہ آپ کے وصال تک کبھی الگ نہ ہوئے۔ خود ان کی زبانی سنیے! فرماتے ہیں! میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس غزوۂ خیبر کے موقع سے آیا، اس وقت میری عمر ۳۰ ر سال سے کچھ اوپر تھی، میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال تک آپ کے ساتھ رہا، آپ سے میرا اس قدر گہرا ربط و تعلق ہوگیا کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ازواجِ مطہرات کے حجرے میں چلا جاتا اور آپ کی مسلسل خدمت کیا کرتا، آپ کے ساتھ میدانِ کارزار میں رہتا، غرضیکہ ہر جگہ آپ کے ساتھ رہا۔ حجۃ الوداع میں بھی آپ ہی کے ساتھ تھا۔ (۱)

ایک مرتبہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے خاص تعلق اور غیر معمولی لگاؤ کا اظہار اس طرح کیا: "یارسول اللہ!" "إذا رأيتک طابت نفسي وقرت عيني" اے اللہ کے رسول! جب میں

---

(۱) الإصابۃ: ۴/ ۲۰۶۔

(۲) مسندِ احمد: ۲/ ۳۲۳، المستدرک: ۴/ ۱۶۰، بسند صحیح۔

(۳) صحیح بخاری: ۲/ ۸۷۴، حدیث نمبر ۵۸۸۴۔

(۴) المستدرک: ۱/ ۳۴۵۔

(۵) مجمع الزوائد: ۱/ ۵۰

(۶) مجمع الزوائد: ۱/ ۲۵۱۔

(۷) المستدرک: ۳/ ۵۱۱۔ ۵۱۲۔ صححہ الحاکم ووافقہ الذھبی۔

آپ کے دیدار سے بہرہ ور ہوتا ہوں تو میرے دل کو بڑا سکون ملتا ہے اور میری آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتی ہیں۔ (۲)

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے بعد آپ ہی کے ہو کر رہ گئے اور اسی وقت سے اپنے علمی شوق کی پیاس بجھانی شروع کر دی، غزوۂ خیبر سے واپسی کے بعد اس غیر معمولی تعلق ولگاؤ کو بحال رکھنے کے لیے اور زیادہ محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب تر رہنے کے لیے صفہ کی زندگی اختیار کی، حضرت ابو ہریرہ صرف مسجد اور صفہ تک ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں رہتے، بلکہ ہر وقت ساتھ رہتے، اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بازار جاتے تو وہ آپ کے ساتھ رہتے۔ (۳) اگر آپ کسی مریض کی عیادت کو جاتے تو وہ آپ کے ساتھ رہتے۔ (۴) اگر آپ لوگوں کے باغوں میں تشریف لے جاتے تو وہ آپ کے ساتھ رہتے۔ (۵) اگر سفر میں جاتے تو آپ کے ساتھ خادم بن کر موجود ہوتے۔ (۶) جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اونٹنی پر سوار ہوتے تو وہ لگام تھامے کھڑے رہتے۔ (۷)

بلکہ بہت سی جگہیں ایسی ہوتیں جہاں حضرت ابو ہریرہ کے علاوہ کوئی ساتھ نہ ہوتا، خود ہی بیان فرماتے ہیں: میں نے ایک حدیث پاک آپ سے اس حجرۂ پاک میں سنی ہے، جہاں میرے اور آپ کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔ (۱) اس سے بڑھ کر قربت وتعلق اور کیا ہو سکتا ہے!!

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ عشرۂ مبشرہ میں ہیں اور بڑی فضیلت ومنقبت کے حامل ہیں ان ہی کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو زمین پر چلتا ہوا شہید کو دیکھنا چاہتا ہے، وہ طلحہ کو دیکھے۔ (۲) انہوں نے آپ کی رسول اللہ صلی اللہ سے ملازمت وقربت کو کس قدر مختصر اور جامع الفاظ میں بیان فرمایا: "**انما كانت يده مع يد رسول الله ﷺ و كان يدور معه حيث ما دار**" کہ آپ کا ہاتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک میں ہوتا، جہاں کہیں سید البشر صلی اللہ

---

(۱) الزہد لابن المبارک: ۱۵۹، جامع ترمذی: ۲/ ۶۳۔

(۲) سیر اعلام النبلاء: ۱/ ۲۳۔۴۰۔

(۳) جامع الترمذی: ۲/ ۲۲۳۔ الاستیعاب: ۴/ ۲۰۶

(۴) المغازی للواقدی: ۲/ ۷۳۳۔

(۵) سننِ ابوداؤد: ۱/ ۴۶۵، صحیح بخاری: ۲/ ۶۱۴۔

(۶) صحیح بخاری: ۲/ ۶۱۴ نمبر (۴۲۸۵)

(۷) المغازی: للواقدی: ۳/ ۹۳۶۔

(۸) دلائل النبوۃ: ۳۵۷۔

(۹) طبقات ابن سعد: ۴/ ۳۲۷، المعرفۃ والتاریخ: ۳/ ۱۶۱۔

(۱۰) مسند احمد ۲/ ۴۷۵، المعرفۃ والتاریخ: ۳/ ۱۶۱۔

علیہ وسلم تشریف لے جاتے آپ کو بھی ساتھ لے جاتے۔ (۳)

عمرۃ القضاء کے موقع پر اپنی قربانی کے جانور کو آپ ہی کے حوالہ کر کے مکہ مکرمہ کے لیے روانہ کیا۔ (۴) فتحِ مکہ میں آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ (۵) غزوۂ حنین (۶)، غزوۂ طائف (۷) اور غزوۂ تبوک (۸) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک رہے۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رفاقت کی مدت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ماہِ صفر ۷ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن سے وابستہ ہوئے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال ۱۱ھ تک سایہ کے مانند چمٹے رہے، اس طرح آپ کی کل مدتِ ملازمت و رفاقت چار سال سے کچھ زائد ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ آپ کے شاگردِ رشید حمید بن عبدالرحمن فرماتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ چار سال تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ کی صحبت سے مستفیض ہوتے رہے (۹)؛ لیکن آپ نے اپنے بارے میں بیان فرمایا کہ میں تین سال تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہا ہوں۔ (۱۰) اس سلسلہ میں یہی کہا جائے کہ آپ کا تین سال کی مدتِ صحبت و رفاقت قرار دینا اس اعتبار سے ہے کہ جس مدت میں پورے طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے ہیں، آپ نے ان اوقات کو شامل نہیں فرمایا جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی جنگ پہ تشریف لے گئے، یا حج کے لیے آپ نے سفر فرمایا، اگر چہ ان اوقات میں آپ بھی ساتھ رہے؛ لیکن وہ ملازمت وہ صحبت و رفاقت مکمل طور پر سفر وغیرہ میں نہیں حاصل ہوئی، جو مدینہ منورہ میں رہ کر حاصل ہوتی تھی، یا خاص طور سے اپنے "صفہ" کی زندگی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا بتانا مقصود ہو۔ (۱) اور ان اوقات کو شمار نہیں کیا ہو جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جدائیگی رہی، جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ کو "بحرین" کا امیر بنا کر بھیجا اور ان کے ساتھ آپ کو مؤذن کی ذمہ داری دے کر روانہ فرمایا۔ (۲)

دونوں روایتوں کو سامنے رکھتے ہوئے علامہ شمس الدین ذہبی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ

---

(۱) فتح الباری: ۷/ ۴۲۱۔

(۲) سیر اعلام النبلاء: ۲/ ۵۹۴، البدایۃ والنہایۃ: ۸/ ۱۱۳۔

(۳) سیر أعلام النبلاء: ۲/ ۵۹۰۔

(۴) صحیح بخاری: ۱/ ۲۷۴، نمبر (۲۰۴۷)

(۵) مسندِ حمیدی: ۲/ ۴۵۵، طبقات ابن سعد: ۴/ ۳۲۷۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ چار سال تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہے ہیں۔ یہی راجح اور صحیح ہے، کیونکہ فتحِ خیبر سے لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک کل چار سال کی مدت ہے۔ (۳)

صفہ کی تنگ اور سادہ زندگی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں: ”**كنت امرئا مسكينا من مساكين الصفة**“ میں صفہ کے مسکینوں میں تھا۔ (۴)

صفہ کی زندگی اختیار کرنے کا مقصد خود ہی بیان فرماتے ہیں: جتنا عرصہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں گذارا ہے، اس عرصہ میں میرا مقصد اور میری خواہش صرف یہی رہی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ فرماتے ہیں اسے ذہین نشیں کرلوں۔ (۵)

ایک مرتبہ پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم مالِ غنیمت تقسیم فرما رہے تھے، آپ نے ارشاد فرمایا: اے ابو ہریرۃ! **ألا تسألني من هذه الغنائم؟** کیا تم اس مالِ غنیمت میں سے کچھ نہ مانگو گے؟ حضرت ابو ہریرۃ نے عرض کیا: ”**وأسألك أن تعلمني مما علمك الله**“ مجھے مال وغیرہ کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں، بس آپ مجھے وہ علم سکھا دیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو سکھایا ہے۔ یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری پشت سے چادر کھینچ لی اور اسے ہم دونوں کے بیچ میں پھیلا دیا، پھر آپ نے حدیث پاک بیان کرنا شروع کی، میں غور سے سنتا رہا، پھر آپ نے فرمایا: اس چادر کو سمیٹ کر اپنے سینہ سے لگالے، اس کا اثر یہ ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانِ عالی کو حرف بحرف یاد رکھا، ایک حرف بھی نہ بھولا۔ (۱)

جب حضرت ابو ہریرہ نے اپنی ذات کو علم کے لیے وقف کر دیا تو آپ کو بڑی مشقتوں اور تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑا، آپ نے بڑی فقر و فاقہ کی زندگی گذاری، خود اپنی حالت بیان فرماتے ہیں! میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرۂ مبارکہ کے درمیان بھوک کی شدت سے چکرا کر اور بے ہوش ہو کر گر پڑتا، کبھی کوئی آنے والا آتا تو اپنا پاؤں میری گردن پر رکھ دیتا، وہ سمجھتا کہ میں دیوانہ اور مجنوں ہوں، جب تو راستہ میں اس طرح پڑا ہوں، حالانکہ میں مجنوں اور دیوانہ نہ تھا، بلکہ شدتِ بھوک کے مارے میرا یہ حال ہو چکا تھا۔ (۲)

---

(۱) حلیۃ الأولیاء:۱/۳۸۱، رجالہ ثقات۔ (۲) صحیح بخاری:۲/۱۰۸۹، نمبر:(۷۳۲۴)

کبھی آپ فرماتے: اس ذات کی قسم، جس کے سوا کوئی بھی سچا معبود نہیں! میں بعض مرتبہ زمین پر بھوک کی شدت سے اپنے جگر کو اور پیٹ کو چپکائے رکھتا تھا اور بھوک کی وجہ سے اپنے پیٹ پر پتھر باندھ لیتا تھا۔

ایک دن کا واقعہ ہے کہ میں لوگوں کی گذرگاہ میں بیٹھ گیا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ گذرے، میں نے ان سے قرآن مجید کی ایک آیت کے متعلق سوال کیا، میں نے صرف اس لیے سوال کیا تھا؛ تاکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سوال کا جواب دے کر مجھے گھر لے جا کر کھانا کھلائیں، حضرت ابوبکر صدیق نے سوال کا جواب دے دیا اور چلے گئے؛ لیکن وہ مجھے اپنے ساتھ کھانا کھلانے کے لیے گھر نہ لے گئے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا گذر ہوا میں نے ان سے بھی قرآن کریم کی ایک آیت کے متعلق معلوم کیا، تاکہ وہ مجھے اپنے ساتھ گھر لے جائیں اور کھانا کھلائیں وہ بھی گذر گئے اور مجھے اپنے ساتھ نہیں لے گئے۔ پھر حضرت ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسی راستہ سے گذر ہوا، آپ مجھ کو دیکھتے ہی مسکرا دیئے، میرے دل کی کیفیت پہچان گئے، میرے چہرہ کی حالت سے خوب بھانپ گئے کہ میں بھوکا ہوں۔ تو فرمایا: ابوہرؓ! میں نے عرض کیا: لبیک یارسول اللہ! آپ نے فرمایا: میرے ساتھ آؤ، یہ فرما کر آپ چلے، میں بھی آپ کے پیچھے پیچھے چلا، گھر پہونچے، اجازت لے کر اندر گئے، پھر مجھ کو بھی اجازت دی، میں بھی اندر گیا، وہاں ایک پیالہ دودھ بھرا رکھا تھا، آپ نے گھر والوں سے دریافت فرمایا: دودھ کہاں سے آیا؟ انہوں نے جواب دیا: فلاں نے آپ کو ہدیہ میں دودھ بھیجا ہے، آپ نے فرمایا: اے ابوہر: میں نے کہا: حاضر ہوں، یارسول اللہ! فرمایا: جاؤ، اصحابِ صفہ کو بلا لاؤ، مجھ کو یہ سن کر برا لگا، میں نے اپنے دل میں کہا، بھلا یہ اتنا سا دودھ اصحابِ صفہ کے کیا کام آئے گا، اس دودھ کا حق دار میں تھا، اس میں سے کچھ پیتا تو ذرا مجھ میں جان اور طاقت آجاتی، اگر یہ اصحابِ صفہ آئیں گے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ ہی کو حکم دیں گے کہ ان کو دودھ پلاؤ۔ جب وہ پینا شروع کر دیں گے تو اس کی امید نہیں کہ کچھ دودھ مجھ کو بھی ملے؛ مگر کرتا کیا، اللہ اور اس کے رسول کا حکم ماننا ضروری تھا؛ اس لیے بادلِ ناخواستہ سب کو بلا کر لایا اندر آنے کی اجازت چاہی، آپ نے اجازت دی، وہ سب اپنی جگہ آکر بیٹھ گئے، اس وقت آپ نے فرمایا: یہ دودھ لو اور سب کو پلاؤ۔ میں نے پیالہ اٹھا کر ایک ایک کو پلانا شروع کیا سب سیر ہو کر پیتے رہے۔ اخیر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پیالہ لے کر پہونچا اس وقت تمام اصحابِ صفہ دودھ

---

(۱) صحیح بخاری: ۲/ ۹۵۵، نمبر (۶۴۵۲)
(۲) حلیۃ الأولیاء: ۱/ ۳۷۶۔

پی کر سیر ہو چکے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیالہ لے کر اپنے ہاتھ پر رکھا اور میری طرف دیکھ کر مسکرائے اور فرمانے لگے: اے ابو ہر! میں نے کہا: حاضر ہوں، یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: اب ہم دونوں باقی رہ گئے ہیں، میں نے عرض کیا: جی ہاں! یا رسول اللہ! فرمایا: اب بیٹھ جاؤ اور دودھ پیو، میں بیٹھ گیا اور دودھ پینا شروع کیا، آپ نے فرمایا: اور پیو، میں نے اور پیا، پھر فرمایا اور پیو، آپ بار بار یہی فرماتے رہے، میں پیتا رہا؛ یہاں تک کہ میں نے عرض کیا: اس رب ذوالجلال کی قسم، جس نے آپ کو سچا دین دے کر بھیجا ہے! اب میرے پیٹ میں بالکل گنجائش ہی نہیں رہی، کہاں اتاروں؟ فرمایا: اچھا اب مجھ کو دو، پھر آپ نے اللہ تعالیٰ کا شکر بجالایا اور بسم اللہ پڑھ کر وہ بچا ہوا دودھ پی لیا۔ (۱)

اس واقعہ سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اصحابِ صفہ کے عریف و ترجمان تھے۔ (۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ زمانۂ صفہ کے اپنے فقر و فاقہ و تنگ دستی کا دوسرا واقعہ نقل کرتے ہیں: ایک دن مجھے سخت بھوک لگی تو میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ملا، میں نے ان سے کہا: قرآن کریم کی فلاں آیت مجھ کو پڑھ کر سنایئے! وہ اپنے گھر کے اندر تشریف لے گئے اور یہ آیت مجھے پڑھ کر سنائی اور سمجھائی پھر میں وہاں سے چلا، تھوڑی دور نہیں گیا تھا کہ بھوک کے مارے اوندھے منہ گر پڑا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم میرے سرہانے کھڑے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابو ہریرہ! میں نے عرض کیا: لبیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کی خدمت میں حاضر ہوں، آپ نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھ کو اٹھایا، تو دیکھتے ہی پہچان گئے کہ شدتِ بھوک کی وجہ سے میری یہ حالت ہوئی ہے، آپ مجھے اپنے گھر لے گئے اور میرے لیے دودھ کا پیالہ لانے کا حکم دیا، میں نے دودھ پیا، پھر فرمایا اور پیو! میں نے اور پیا، پھر فرمایا اور پیو، میں نے اس قدر پیا کہ میرا پیٹ تن کر تیر کی طرح برابر ہو گیا۔

حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں: اس کے بعد میں حضرت عمر سے ملا اور اپنا حال بیان کیا، میں نے ان سے یہ بھی کہا کہ اللہ تعالیٰ نے میری بھوک دور کرنے کے لیے ایک ایسے شخص کو بھیج دیا، جو آپ سے زیادہ اس کے لائق تھے۔ رب ذوالجلال کی قسم! میں نے جو آپ سے کہا یہ آیت مجھ کو پڑھ کر سنایئے! تو جان لیجیے! یہ آیت آپ سے زیادہ مجھ کو یاد ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ یہ سن کر کہنے

---

(۱) صحیح بخاری: /۸۰۹، نمبر: (۵۳۷۵) (۲) مستفاد از فتح الباری: ۹/ ۵۲۰۔

لگے ابو ہریرۃ! خدا کی قسم! اگر میں اس وقت تم کو اپنے گھر لے جا کر کھانا کھلاتا، تمہاری ضیافت کرتا تو سرخ لال عمدہ اونٹ ملنے سے بھی زیادہ مجھے خوشی ہوتی۔ (۱)

واضح رہے کہ اس وقت عربوں کے یہاں لال اونٹ سے زیادہ عمدہ کوئی مال نہیں تھا، اس لیے کسی چیز کی اہمیت شرافت وعظمت کو بتانی ہوتی ہے تو سرخ اونٹ سے ہی تشبیہ دیتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا آپ کی ضیافت نہ کرنا اس جملہ سے صاف واضح ہوتا ہے کہ ان کے گھر میں بھی فقر وفاقہ تھا یا وہ آپ کی شدتِ بھوک اور آپ کے پوچھنے کے مقصد کو بھانپ نہ پائے تھے۔ (۲)

حضرت ابو ہریرہ اصحابِ صفہ کی بے بسی کو اپنے شاگردوں کے سامنے بیان کرتے تھے، آپ کے شاگرد عبداللہ بن شقیق کا بیان ہے کہ میں حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک سال تک رہا، ایک دن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کے پاس آپ نے مجھ سے فرمایا: ہم اصحابِ صفہ کے پاس پھٹی پرانی چادر کے علاوہ کوئی کپڑا جسم کو ڈھانکنے کے لیے نہیں تھا اور ہم میں سے ہر ایک کو کمر اور پشت سیدھی رکھنے کے بقدر بھی کھانا ملے عرصہ گذر جاتا اپنی پشت اور کمر کو سیدھی رکھنے کے لیے ہر ایک اپنے خالی پیٹ پر پتھر باندھ لیتا، پھر اوپر سے اس پتھر کو کپڑے سے اس قدر زور سے باندھتا کہ وہ ظاہر ہونے اور گرنے سے محفوظ ہو جاتا۔ (۱)

آپ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ تین دن کا بھوکا تھا، زبان پہ کھانے کی کوئی چیز نہیں رکھی تھی، اسی شدتِ بھوک کی حالت میں "صفہ" جا رہا تھا کہ چلتے چلتے گر پڑا، چھوٹے چھوٹے بچے میرے پاس جمع ہو گئے اور کہنے لگے ابو ہریرۃ مجنوں و پاگل ہو گئے۔ کسی طرح شدتِ بھوک سے چکرا کر غش کھا کر گرتے پڑتے مدرسۂ صفہ تک پہونچا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے چہرہ سے بھوک کے آثار دیکھ کر گھر سے ثرید۔ گوشت روٹی چور کر پکایا گیا کھانا۔ منگوایا اور میرے ذریعہ اصحابِ صفہ کو بلوایا، وہ آ گئے اور کھانے لگے؛ مگر مجھے کھانے کے لیے نہیں کہا گیا، جس کی بنا پر میں بہت پریشان ہو رہا تھا، جب لوگ کھا کر جانے لگے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیالہ کے کنارہ میں لگے ہوئے کھانے کے بچے حصہ کو اپنی انگلی مبارک سے جمع فرمایا، جو مشکل سے ایک لقمہ ہوا، تو میری

---

(۱) مسندِ أحمد:۲/ ۳۲۴۔

(۲) صحیح ابن حبان بحوالہ فتح الباری:۱۱/ ۲۸۹۔

(۳) المستدرک:۳/ ۵۱۱-۵۱۲، بسند صحیح۔

(۴) حلیۃ الأولیاء:۱/ ۳۷۶۔

جانب مخاطب ہوکر فرمایا: ابوہریرہ! بسم اللہ پڑھ کر کھاؤ۔ فرماتے ہیں! اس ذات پاک کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، اسی ایک لقمہ میں اتنی برکت ہوئی کہ میں آسودہ ہوگیا۔ (۲)

حضرت طلحہ بن عبید اللہ صاحبِ عشرہ مبشرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوہریرۃ مسکین تھے، ان کے اہل وعیال نہیں تھے؛ اس لیے درِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے چمٹے رہتے اور ان پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اتنا مہربان تھے کہ انہیں ہر جگہ اپنے ساتھ رکھتے تھے (۳) اور آپ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال تک صفہ ہی میں رہے۔ (۴)

والدۂ محترمہ کا اسلام

حضرت ابوہریرہ کے والد بچپن ہی میں انتقال کر گئے تھے؛ البتہ آپ کی والدۂ محترمہ باحیات تھیں اور آپ کے ساتھ مدینہ منورہ آ گئی تھیں؛ لیکن یہ کچھ تاخیر سے مشرف بہ اسلام ہوئیں۔

حضرت ابوہریرہ خود فرماتے ہیں! میری والدہ مشرکہ تھیں، میں ان کو ہمیشہ اسلام کی دعوت دیا کرتا تھا، ایک دن میں نے انہیں کھل کر اور زور دے کر مسلمان ہونے کے لیے کہا، تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اطہر میں گستاخی کی، مجھے بہت ناگواری ہوئی، میں روتا ہوا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں اپنی ماں کو ہمیشہ اسلام کی طرف بلاتا رہا؛ لیکن انہوں نے میری دعوت قبول نہیں کی اور آج آپ کی شانِ اقدس میں سخت جملہ کہا، جس سے مجھے بڑی کبیدگی اور ناگواری ہوئی۔ آپ دعاء فرمایئے! اللہ تعالیٰ ابوہریرہ کی ماں کو ہدایت سے سرفراز فرمائے۔ آپ نے یہ سنتے ہی دعاء فرمائی! **"اَللّٰھم اھدام اَبی ھریرۃ"** "اے اللہ! ابوہریرہ کی ماں کو ہدایت دے، میں آپ کی زبانِ مبارک سے اس دعاء کو سن کر بہت خوش ہوا اور وہاں سے گھر کے لیے روانہ ہوگیا، گھر پہ آیا تو دروازہ بند پایا۔ میری ماں نے میرے قدموں کی آہٹ پہچان کر بولیں: ذرا ٹھہرو ابوہریرۃ! میں نے پانی گرنے کی آواز سنی، تو سمجھ گیا کہ غسل کر رہی ہیں، جب غسل سے فارغ ہوئیں، کرتا پہن کر جلدی سے سر پر اوڑھنی رکھتے ہوئے آئیں اور دروازہ کھولتے ہی کہا: اے ابوہریرۃ **"أشھد أن لا إلٰه الا اللّٰه و اشھد أن محمداً عبدہ و رسوله"** میں اسی جگہ سے الٹے

---

(۱) صحیح مسلم: ۲/۳۰۱، فضائلِ ابوہریرۃ۔ (۲) طبقات ابن سعد: ۴/۳۲۹۔

پاؤں لوٹا اور دربارِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں مارِ خوشی کے آنسو بہاتا ہوا حاضر ہوا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! خوش ہو جایئے اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول کر لی اور ابو ہریرۃ کی ماں کو ہدایت دے دی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالائے اور اس کی خوب حمد وثنا بیان فرمائی۔ (۱)

صفہ میں آپ کو کھانے کے لیے کھجوریں ملتی تھیں تو ان میں سے کچھ اپنی والدۂ محترمہ کے لیے بچا کر رکھ لیتے، آپ کا بیان ہے! ایک مرتبہ بھوک سے میری حالت خراب تھی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم اصحابِ صفہ کے لیے کھجور کی ایک طشت منگوائی اور فرمایا: ہر ایک دو دو کھجوریں لے لو اور پانی پی کر گذر بسر کر لو، ان شاء اللہ آج کے لیے یہ کافی ہو جائے گا۔ حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں میں نے دو کھجوریں لیں، ایک کھالی اور دوسری کو چھپا کر رکھ لیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری یہ حرکت دیکھ رہے تھے تو فرمایا: اے ابو ہریرہ! دوسری کھجور کیوں نہیں کھائی اور اسے چھپا کر رکھ لیا؟ میں نے عرض کیا: اپنی والدۂ محترمہ کے لیے چھپا کر رکھ لیا۔ آپ نے فرمایا: اسے کھالو، ابھی ہم تمہاری والدہ کے لیے بھی دو کھجوریں دیں گے، میں نے کھالی اور آپ صلی للہ علیہ وسلم نے میری والدۂ محترمہ کے لیے دو کھجوریں عنایت فرمائیں۔ (۲)

حصولِ علم

حضرت ابو ہریرہ نے صفہ کی زندگی اختیار کر کے غربت ومسکنت صرف اسی لیے مول لی کہ زیادہ سے زیادہ قرآن وحدیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم حاصل کریں اور خوب دین میں تفقہ پیدا کریں، خاص طور سے احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو سینہ میں محفوظ کر لیں، تو آپ احادیثِ رسول کے سننے پر ہی اکتفاء نہیں کرتے، بلکہ باضابطہ اسے یاد رکھنے کے لیے کوشاں رہتے تھے، آپ نے رات کو تین حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا، ایک حصہ میں قرآن کریم کی تلاوت کیا کرتے۔ دوسرے حصہ میں سویا کرتے۔ تیسرے حصہ میں احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم یاد کرتے۔ (۱)

اللہ تعالیٰ نے آپ کو غضب کا حافظہ دیا تھا، علامہ ذہبی یہ فرماتے تھے کہ حضرت ابو ہریرہ کا

---

(۱) سنن دارمی: ۱/ ۸۲۔ (۲) سیر اعلام النبلاء: ۲/ ۵۹۴۔

(۳) صحیح بخاری: ۱/ ۲۲، نمبر (۱۱۹)

بے نظیر حافظہ معجزاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ہے۔ (۲)

احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آپ کی محبت اور اس کے یاد رکھنے کے سلسلہ میں محنت اور جدوجہد کی وجہ سے قدرت نے آپ کے لیے ایسے اسباب مہیّا کر دیئے جو حفظِ احادیث میں ہمیشہ آپ کے لیے مددگار ثابت ہوئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاءِ مستجاب ہمیشہ آپ کے ساتھ رہیں اور جب کبھی حفظِ احادیث سے متعلق پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ سنا تو فوراً اسے عملی جامہ پہنانے کے لیے تیار رہے۔

بعض دفعہ باضابطہ اپنے حافظہ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت بھی کی، فرماتے ہیں ایک دن میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں آپ سے بہت سی حدیثیں سنتا ہوں؛ لیکن بھول جاتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اپنی چادر پھیلاؤ۔ میں نے چادر پھیلا دی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک کی چلو کی شکل بنائی اور فرمایا: اسے اپنے سینہ سے لگالو، میں نے چادر کو سمیٹ کر اپنے سینہ سے لگالیا، تو اس کے بعد کوئی حدیث نہ بھولا۔ (۳)

ایک مرتبہ بذاتِ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اپنا کپڑا پھیلائے اور وہ جو مجھ سے سنے، ہرگز نہ بھولے گا، میں نے جلدی سے اپنا کپڑا پھیلا دیا اور آپ جب حدیث بیان کر چکے تو میں نے اس کپڑے کو اپنے سینے سے لگالیا، اس کے بعد آپ سے سنی ہوئی کوئی حدیث نہ بھولا۔ (۱) جب کبھی آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں دعاء کرنے کا موقع ملا تو آپ نے علم ہی کے متعلق دعاء کی۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ابوہریرۃ اور میرے ایک ساتھی اور میں خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھا، آپ نے سب کو مخاطب کر کے فرمایا: دعاء کرو، حضرت زید فرماتے ہیں میں اور میرے ساتھی نے دعاء کی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آمین فرمایا پھر ابوہریرۃ نے دعاء کی، الٰہی! میں وہ سب کچھ مانگتا ہوں جو میرے دونوں ساتھیوں نے مانگا اور میں آپ سے مانگتا ہوں کہ مجھے ایسا علم عطاء کیجئے جو میں کبھی نہ بھولوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آمین کہا اور فرمایا: "**سبقكما الغلام الدوسي**" تم دونوں پر دوسی لڑکا۔ ابوہریرۃ۔ سبقت کر گیا۔ (۲)

---

(۱) صحیح مسلم:۲/۳۰۱۔ (۲) المستدرک:۳/۵۰۸۔ (۳) صحیح بخاری:۱/۲۰،نمبر(۹۹)

شوقِ علم

حضرت ابو ہریرہ علم کے رسیا تھے اور آپ کو اس قدر علم کا شوق تھا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی حدیث بیان کرتے تو آپ دریافت کرتے اور فرماتے: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کیسے ہے؟

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے موقع پر آپ کی تعریف فرمائی۔

ایک دن حضرت ابو ہریرۃ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! قیامت کے دن کون ایسا خوش بخت ہوگا جسے آپ کی شفاعت نصیب ہوگی؟ یہ سن کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "**لقد ظننت یا أباهریرة أن لا یسألني عن هذا الحدیث أحد أول منک**" اے ابو ہریرۃ! میرا خیال ہے کہ اس حدیث پاک کے سلسلہ میں تم سے پہلے کسی نے بھی مجھ سے سوال نہیں کیا۔ "**ولما رأیت من حرصک علی الحدیث**" یقیناً تمہارے اندر حدیث پاک کے سننے اور یاد رکھنے کا شوق و ولولہ دیکھ رہا ہوں اور اسی وجہ سے تمہارے سوال کا جواب دے رہا ہوں۔ سنو! قیامت کے دن میری شفاعت کا ہر وہ شخص مستحق ہوگا جس نے اخلاص کے ساتھ کلمۂ لا الہ الا اللہ پڑھا ہو۔ (۳)

علمی سوال

علم کے شوق و ولولہ نے اور ہر وقت نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنے نے آپ کو دربارِ رسالت میں بے باک اور جری بنا دیا تھا، آپ ایسی بات پوچھ لیتے جو کسی اور کو پوچھنے کی ہمت نہیں ہوتی۔ آپ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے سند یافتہ قاریٔ قرآن اور خود آپ کے استاذِ محترم ابی بن کعب رضی اللہ عنہ آپ کے بارے میں شہادت دیتے ہیں: "**وکان جریئا أن یساله عن الذي لا یسأله غیره**" ابو ہریرۃ دربارِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں بے باک اور جری تھے، آپ سے ایسی بات پوچھ لیتے کہ ان کے علاوہ کسی اور کو یہ سوال کرنے کی ہمت نہ ہوتی۔ (۱)

آپ دربارِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں ۷ھ میں تشریف لائے ہیں، جس کی وجہ سے

---

(۱) دلائل النبوۃ: /۱۷۵، سیر اعلام النبلاء: ۲/ ۶۲۹۔ (۲) دلائل النبوۃ: /۱۷۵۔

(۳) مسندِ أحمد: ۵/ ۴۷، بحوالہ "دفاع عن أبي ہریرۃ"

حدیث پاک کا بہت بڑا ذخیرہ اپنے کانوں سے نہیں سن سکے تھے، اس کو حاصل کرنے کے لیے بسا اوقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کر لیتے۔ حضرت ابی بن کعب فرماتے ہیں! ابوہریرۃ نے ایک مرتبہ سوال کیا: اے اللہ کے رسول! آپ پر نبوت کی ابتداء کیسے ہوئی؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے پیار اور شفقت بھرے لہجہ میں اس کا جواب دیا۔ (۲)

ایک مرتبہ آپ نے عرض کیا: ”**فانبئني عن كل شيء**“ اے اللہ کے رسول! آپ مجھے ہر چیز کی اصل بتا دیجئے، ارشاد فرمایا: ”**كل شيء خلق من ماء**“ ہر چیز پانی سے پیدا کی گئی ہے۔ پھر عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے وہ کام بتا دیجئے جس پر عمل کر کے جنت میں داخل ہو جاؤں؟ فرمایا: سلام کو خوب رواج دو، کھانا کھلاؤ، صلہ رحمی کرو، رات میں اس وقت عبادت کے لیے کھڑے ہو، جس وقت سارے لوگ سو رہے ہوں تم ان پر عمل کر لو گے تو امن وسلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ (۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد کوئی ایسی حدیث آپ کے سامنے آتی، جو براہِ راست آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کرنے سے رہ گئی ہو تو اس پر آپ کو بہت رنج وملال ہوتا، کہ یہ براہِ راست آپ سے سن نہ سکا۔

ایک مرتبہ آپ کا گذر ایک ایسے صحابی کے پاس سے ہوا جو حدیثِ رسول بیان کر رہے تھے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”جس شخص کے دو بچوں کا انتقال ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل فرمائیں گے یہ حدیث شریف سنی تو ٹھٹھک کر کھڑے ہو گئے اور تعجب سے فرمایا: آپ ہی وہ صاحب ہیں جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیث پاک بیان فرمائی ہے؟ انہوں نے جواب دیا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: خدا کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیث مجھ سے بیان کی ہوتی تو میرے نزدیک یہ اس سرزمین۔ یعنی حمص اور فلسطین۔ سے بہتر ہوتی، جہاں میری پیدائش ہوئی ہے۔ (۱)

یکسو ہونا

حصولِ علم کے لیے ضروری ہے کہ طالب علم بالکل فارغ البال اور مکمل یکسو ہو، آپ نے نبی

---

(۱) الکنیٰ والاسماء للدولابی ۱/ ۲۱۔ (۲) صحیح بخاری: ۱/ ۴۷۲، نمبر (۲۰۴۷)

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک اپنی پوری زندگی صفہ میں گذار دی، نہ آپ کا گھر، نہ بیوی، نہ بچے کچھ بھی نہیں بالکل آزاد تھے، صرف اپنے پیٹ بھرنے کا مسئلہ تھا، اس کے لیے درِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پکڑے رہتے جس کی بنا پر ہر طرف سے آزاد تھے اور آپ کو حصولِ علم کے لیے مکمل یکسوئی حاصل تھی جس کے بارے میں خود لوگوں کو مخاطب کرکے فرمایا ہے! تم لوگ یہ کہا کرتے ہو کہ انصار ومہاجرین میری طرح احادیث کیوں نہیں بیان کرتے؟ سنو! اس کی وجہ یہ ہے کہ میرے مہاجرین بھائی بازار میں تجارت کرنے میں مشغول رہتے اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتا اور کسی طرح پیٹ بھر لیتا، چنانچہ اس وقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر رہتا، جس وقت عام لوگ موجود نہ ہوتے ایسے ہی ان حدیثوں کو یاد رکھتا جسے عام لوگ بھول جاتے اور میرے انصار بھائی اپنے مالوں کے جمع کرنے میں مصروف رہتے اور میں صفہ کے مسکینوں کے ساتھ پڑا رہتا، صفہ سے باہر کہیں نہیں جاتا حدیثوں کے سننے اور یاد کرنے میں مشغول رہتا، جس کی وجہ سے ساری حدیثیں مجھے یاد ہوتیں؛ لیکن وہ کاموں میں مشغول رہنے کی بنا پر محفوظ نہیں رکھ پاتے۔ (۲)

توجہ سے سبق سننا

حصولِ علم کے لیے استاد کی ہر ہر بات بغور سننا ضروری ہے، حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ہر بات بہت غور اور توجہ سے سنتے تھے؛ کیونکہ ہر وقت آپ کو یہ فکر دامن گیر رہتی کہ ہمیں ہر ہر ارشادِ عالی کو ذہن میں محفوظ رکھنا ہے۔ ایک مرتبہ آپ نے ایک شخص سے پوچھا کہ رات عشاء کی نماز میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کس سورۃ کی قراءت فرمائی تھی؟ اس نے لاعلمی ظاہر کی، تو آپ نے فرمایا کیا تم نماز میں موجود نہیں تھے؟ اس نے اقرار کرتے ہوئے کہا کہ موجود تھا۔ پھر بھی یاد نہیں، آپ نے فرمایا: مجھے یاد ہے کہ سول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں فلاں سورتیں پڑھی تھیں۔ (۱)

حضرت ابو ہریرۃ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ دیگر کبارِ صحابۂ کرام سے بھی علم

---

(۱) صحیح بخاری: ۲/ ۱۸، بحوالہ دقاع عن أبی ہریرۃ ص ۷۸

(۲) سیر أعلام النبلاء: ۲/ ۶۲۸، غایۃ النہایۃ فی طبقات القرآن لابن الجزری: ۱/ ۳۷۰۔

(۳) سیر اعلام النبلاء: ۲/ ۵۷۹۔

(۴) صحیح بخاری: ۱/ ۲۳، نمبر (۱۲۰)

حاصل کیا ہے، قاریٔ قرآن حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے سامنے قرآن کریم کو پڑھا اور ان کی قرأت میں پورے قرآن پاک کی تلاوت کی۔ (۲)

آپ ۷ھ میں دربارِ رسالت میں حاضر ہوئے ہیں، جس کی وجہ سے حدیثِ پاک کا بہت بڑا ذخیرہ حاصل کرنے سے رہ گیا، اس میں سے اکثر تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کیا اور بقیہ دیگر جلیل القدر صحابۂ کرام سے جن میں حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عائشہ، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہم وغیرہ ہیں۔ (۳)

علمی کمال

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں مختصر تین سالہ یا چار سالہ مدت گذار کر بہت ساری حدیثیں یاد کیں، گویا کہ مرکزِ نبوت سے نکلے ہوئے سارے فرامینِ عالیہ کو اپنے سینۂ گنجینہ میں محفوظ کرلیا تھا، خود آپ کا دعویٰ تھا:

"حفظتُ من رسول اللہ ﷺ وعائین احدھما فبثثته واما اخر فلو بثثته قطع ھذا البلعوم" (۴) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دو طرح کے علم محفوظ کئے ان میں سے ایک علم کو تو میں نے تم میں پھیلا دیا ہے اور دوسرے علوم کو اگر بیان کروں اور پھیلاؤں تو میری گردن کاٹ دی جائے گی۔ یہ وہ مخصوص علم ہے کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رازدارانہ طور پر آپ کو بتایا تھا کہ میرے بعد ایک جماعت کی طرف سے میری امت میں ایک بڑا فتنہ کھڑا ہوگا اس جماعت کے لوگ فلاں قبیلہ وخاندان کے ہوں گے اور اس جماعت وخاندان کے نام وغیرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بتا چکے تھے۔ (۱)

آپ کا یہ دعویٰ بھی تھا کہ پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام میں مجھ سے زیادہ کسی کو حدیث یاد نہیں تھی؛ البتہ عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما مجھ سے آگے ہیں؛ کیونکہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیثیں سن کر لکھ لیتے تھے اور میں نہیں لکھتا تھا۔ (۲) یہ بھی فرماتے! کہ میرے سینہ میں جتنی حدیثیں محفوظ ہیں اگر میں ان سب کو تمہارے سامنے بیان کرنے لگوں تو تم لوگ مجھے مینگنیوں سے

---

(۱) فتح الباری: ۱/ ۳۱۶، البدایۃ والنہایۃ: ۸/ ۱۰۶۔ (۲) صحیح بخاری: ۱/ ۲۲، نمبر (۱۱۳)

(۳) طبقات ابنِ سعد: ۴/ ۳۳۱۔ (۴) المستدرک: ۳/ ۵۱۰۔

مارو گے اور یہ کہو گے کہ ابو ہریرۃ پاگل ہو گیا۔ یہ سن کر حضرت حسن بصری نے فرمایا: اللہ کی قسم! ابو ہریرہ نے سچ فرمایا۔ (۳)

حضرت ابو ہریرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''أبو هريرة وعاء من العلم'' ابو ہریرۃ علم کا برتن ہے۔ (۴)

حضرت ابو ہریرہ کی والدۂ محترمہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء کی بدولت ہی ہدایت کی توفیق ہوئی۔

ایک مرتبہ حضرت ابو ہریرہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اللہ عزوجل سے دعاء کیجئے کہ اللہ تعالیٰ میری اور میری ماں کی محبت مسلمانوں کے دلوں میں ڈال دے اور مسلمانوں کی محبت ہمارے دلوں میں ڈال دے، چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعاء فرمائی:

اللّٰهم حبب عبيدك هذا- يعني أباهريرة- وأمه إلى عبادك المومنين، وحبب اليهم المؤمنين۔

ترجمہ: الٰہی! تو اپنے اس بندہ۔ ابو ہریرہ- اور اس کی ماں کی محبت اپنے مؤمن بندوں کے دلوں میں ڈال دے اور مؤمنوں کی محبت ان کے دلوں میں ڈال دے۔

حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں: اس دعاء کی قبولیت کا اثر اس طرح ظاہر ہوا کہ کوئی مومن بندہ بھی میرا نام سن لیتا یا مجھ کو دیکھ لیتا تو مجھ سے محبت کیے بغیر نہیں رہتا۔ (۱)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی دعاء پر آمین کہا اور آپ کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا: ''سبقكما الغلام الدوسي'' تم دونوں پر دوسی غلام- ابو ہریرہ- سبقت لے گیا۔ (۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کس قدر قربت حاصل تھی وہ آ چکا ہے اسی قربت و تعلق اور ہر وقت حضرت ابو ہریرہ کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنے میں

---

(۱) صحیح مسلم: ۲/۳۰۱۔
(۲) المستدرک: ۳/۵۰۸۔
(۳) البدایۃ والنہایۃ: ۸/۱۰۵۔
(۴) صحیح بخاری: ۲/۹۴۱ نمبر (۲۳۲۱)
(۵) البدایۃ والنہایۃ: ۸/۱۰۵۔

بشری فطرت کے مطابق کوئی سخت بات یا کسی قسم کی کوئی چیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے پیش آنے کا اندیشہ تھا تو اس کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بارے میں فرمایا: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی ایک انسان ہی ہے، جس طرح انسان غصہ ہوتا ہے، میں بھی غصہ ہوتا ہوں، میں تم سے ایک عہد و پیمان لے رہا ہوں۔ ہرگز تم اس کے خلاف نہ کرنا۔ سنو جس مسلمان کو میری جانب سے کوئی تکلیف پہونچ جائے، یا کسی مسلمان کو سخت سست کہہ دوں یا اسے مار دوں تو اے اللہ! اس کے لیے قیامت کے دن میرے سخت کلمہ کہنے، یا اذیت و تکلیف پہونچانے کی وجہ سے اپنی نزدیکی کا سبب بنا دے۔ (۳)

صحیح بخاری شریف میں اس مضمون کی ایک روایت آئی ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "**اللّٰھم فایما مومن سببته فاجعل ذلک له قربة إلیک یوم القیامة**" یا اللہ! میں جس مسلمان کو برا کہوں تو اس کے لیے قیامت کے دن میرا برا کہنا اپنی نزدیکی و قربت کا سبب بنا دے۔ (۴)

آپ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ مجھے مارنے کے لیے دُرہ اٹھالیا تھا؛ لیکن نہ مارا، خدا کی قسم! اس درہ سے میری پٹائی کرتے تو یہ میرے نزدیک سرخ لال اونٹ۔ جو عربوں کے یہاں پہلے سب سے عمدہ مال سمجھا جاتا تھا۔ سے بہتر ہوتا۔ یہ میری خواہش اس وجہ سے تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے مارتے تو اس نتیجے میں میں مؤمن قرار پاتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعاءِ مستجاب میں شریک ہوتا۔ (۵)

حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں: ایک دن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ کھجوریں لے کر آیا اور عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس میں برکت کی دعا فرما دیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جمع کر کے برکت کی دعا فرمائی اور مجھ سے ارشاد فرمایا: اس کو اپنے توشہ دان میں رکھنا اور جب اس میں سے لینے کا ارادہ کرنا تو ہاتھ ڈال کر نکالنا، اس کو ہرگز مت جھاڑنا۔ تو میں نے اس میں سے کتنے ہی ٹوکرے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیے، اس میں سے ہم کھاتے اور لوگوں کو کھلاتے تھے اور وہ تھیلی ہر وقت میری کمر سے بندھی رہتی تھی، کبھی بھی کمر سے علیحدہ نہ ہوتی، یہاں تک جس دن حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ شہید ہوئے، اسی دن وہ تھیلی کمر سے گری اور غائب ہوگئی۔ (۱)

پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم مرض الوفات میں مبتلا تھے، حضرت ابو ہریرہ آپ صلی اللہ علیہ

---

(۱) جامع ترمذی: ۲۲۳، وحسنہ۔ (۲) مسندِ ابویعلی بحوالہ الاصابۃ: ۴/ ۲۰۵۔

وسلم کی عیادت کرنے کے لیے تشریف لائے، سلام عرض کیا اور اندر آنے کی اجازت چاہی، اجازت مل گئی، اندر تشریف لائے، کھڑے ہو گئے، سلام عرض کیا، اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سینہ سے ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے تھے، دستِ مبارک بھی ان کے سینہ پر تھا اور پاؤں مبارک پھیلا رکھے تھے، تو ارشاد فرمایا: ابو ہریرہ! قریب ہو جاؤ، وہ قریب ہو گئے، پھر فرمایا اور قریب ہو جاؤ۔ اور قریب ہو گئے، پھر فرمایا: اور قریب ہو جاؤ۔ اس مرتبہ اس قدر قریب ہو گئے کہ ان کی انگلیاں نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں سے جا ملیں۔ پھر فرمایا: بیٹھ جاؤ! یہ بیٹھ گئے، پھر فرمایا: اپنے جسم کے کنارے کے کپڑے کو میرے قریب لے آؤ، انہوں نے اپنے کپڑے کو قریب کر دیا۔ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے کپڑے کے حصہ کو پکڑا اور قریب کیا، پھر فرمایا: اے ابو ہریرۃ! میں تمہیں کچھ چیزوں کی وصیت کرتا ہوں۔ جیتے جی اس وصیت و نصیحت پر عمل کرنا۔ یہ سن کر انہوں نے عرض کیا: ضرور آپ جو چاہیں مجھے نصیحت فرمائیں، اس پر ضرور عمل کروں گا۔ ارشاد فرمایا:

۱۔ جمعہ کے دن ضرور غسل کرنا اور صبح سویرے مسجد آنا اور کسی قسم کا لغو کام مت کرنا اور کسی طرح سے بھی غفلت مت برتنا۔

۲۔ ہر مہینہ میں تین روزہ رکھنا؛ کیونکہ ہر مہینہ میں تین دن کا روزہ رکھنا، یہ پوری زندگی روزہ رکھنے کے برابر ہے۔

۳۔ فجر کی دو رکعت سنت کا خوب اہتمام کرنا، ہرگز اسے مت چھوڑنا، اگرچہ پوری رات نماز پڑھتے ہوئے گذار دو؛ کیونکہ فجر کی سنت اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب عمل ہے۔ (۲)

صحابۂ کرام اور دیگر مستند کبارِ علماء کی نظر میں

۱۔ صاحبِ عشرۂ مبشرہ حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص آیا اور کہا: اے ابو محمد! (حضرت طلحہ کی کنیت ہے) ذرا یہ بتائیے کہ ابو ہریرۃ یمانی آپ سے زیادہ احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم جانتے ہیں؟ آپ ان سے حدیثیں سنا کرتے ہیں، وہ آپ سے حدیثیں نہیں سنتے ہیں، ایسا کیوں؟ کیا وہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب جھوٹی حدیث منسوب کر کے بیان نہیں کرتے؟

---

(۱) جامع ترمذی: ۲/ ۲۲۳، حسن، وصححہ الحاکم ووافقہ الذہبی: ۳/ ۵۱۱۔۵۱۲۔

(۲) المستدرک: ۳/ ۵۰۹، صححہ الحاکم ووافقہ الذہبی (۳) المعرفۃ والتاریخ: ۱/ ۴۸۶۔

یہ سن کر حضرت طلحہ نے جواب میں فرمایا: سنو! یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے انھوں نے بہت سی ایسی حدیثیں سن رکھی ہیں کہ جنہیں ہم نے نہیں سنا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ وہ اصحابِ صفہ کے مسکینوں میں ایک تھے، ان کے پاس گذر بسر کے لیے کچھ نہیں تھا اور نہ ان کے پاس اہل وعیال تھے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمان تھے اور ان کا ہاتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک میں رہتا وہ ہر وقت آپ کے ساتھ رہتے تھے اور ہم گھر بار والے مشغول اور صاحبِ مال تھے اور ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں صبح وشام حاضر ہوتے تھے، اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت سی ایسی حدیثیں سنیں کہ جنہیں ہم نے نہیں سنا اور تم کسی نیک صالح شخص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب جھوٹی حدیث منسوب کرتے نہیں پاؤ گے۔ (۱)

۲۔ ایک مرتبہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو بلایا اور فرمایا: اے ابوہریرۃ! تم نے احادیثِ رسول اصلی اللہ علیہ وسلم بیان کرنے میں حد کردی ہے، تم بہت زیادہ احادیث بیان کرتے ہو، جب کہ تو نے جو حدیثیں سنیں وہی ہم نے سنیں، تو نے جو دیکھا وہی ہم نے دیکھا۔ آپ نے یہ سن کر فرمایا: امی جان! ایسی بات نہیں ہے بلکہ آپ کچھ حدیثیں سننے سے رہ گئی ہیں؛ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر بناؤ سنگار کرنے نے آپ کو کسی حد تک مشغول کردیا اور خدا کی قسم! یہ چیزیں مجھے کبھی حدیثِ پاک سننے سے مشغول نہیں رکھ سکیں۔ (۲) حضرت عائشہ نے جواب میں فرمایا: "لعله" ایسا ہوسکتا ہے۔ (۳)

۳۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرۂ مبارکہ کے پاس حضرت ابوہریرہ انہیں حدیث سنا سنا کر جلدی جلدی بیان کرتے تھے اور وہ اس وقت تسبیح میں مشغول رہا کرتی تھیں۔ جب وہ تسبیح سے فارغ ہوتیں تو آپ جا چکے ہوتے، تو فرماتیں: اگر میں ان کو پاجاتی تو اس طرح سرعت وتیزی سے حدیث پاک بیان کرنے سے روک دیتی۔ (۱)

۴۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حدیث غور سے سنتی رہتیں؛ لیکن کبھی کسی حدیث پاک کے متعلق یہ نہیں فرماتیں کہ اس حدیث کا انتساب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب صحیح نہیں ہے؛ البتہ

---

(۱) صحیح مسلم:۲/۳۰۱۔

(۲) فتح الباری:۷/۳۸۹-۳۹۰۔

(۳) جامع ترمذی:۲/۲۲۳، وحسنہ، مسندِ احمد:۲/۳۔

(۴) الاصابۃ:۴/۲۰۵۔

(۵) المستدرک:۳/۵۱۰، بسند صحیح۔

آپ کی سرعت وتیزی کے ساتھ حدیثِ پاک بیان کرنے کے سلسلہ میں تبصرہ کرتیں اس سے معلوم ہوا کہ حدیثِ رسول جلدی جلدی تیزی کے ساتھ نہیں پڑھنا چاہیے، بلکہ ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا یہ اولیٰ وافضل ہے۔ (۲)

۵۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے حضرت ابوہریرہ کو مخاطب کرکے فرمایا: آپ ہم لوگوں سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر رہے ہیں اور ہم سے زیادہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں سے واقف ہیں۔ (۳)

۶۔ حضرت عبداللہ بن عمر یہ بھی فرمایا کرتے تھے: **"أبو هريرة خير مني، وأعلم بما يحدث"** ابوہریرہ مجھ سے بہتر ہیں اور احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے بڑے عالم وحافظ ہیں۔ (۴)

۷۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک شخص نے کہا کہ حضرت ابو ہریرہ کثرت سے احادیثِ رسول بیان کرتے ہیں، تو آپ نے فرمایا: **"اعيذك بالله أن تكون في شك مما يجيء به، ولكنه اجترأ وجبنّا"** ابوہریرہ کی بیان کردہ روایتوں کے بارے میں شک کرنے کے سلسلہ میں میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی پناہ دیتا ہوں، کہ تم اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو ان کی روایتوں میں شک کرنے سے۔ ان سے کثرتِ روایت کا سبب صرف یہ ہے کہ انہوں نے جرأت وہمت سے کام لیا اور ہم میں کثرت سے روایت بیان کرنے کی سکت نہیں رہی بلکہ ہم ہمت ہار گئے۔ (۵)

۸۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ آپ کی مجلس میں بیٹھ کر آپ سے احادیث سنتے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت ابوسعید آپ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، آپ ایک لمبی حدیث بیان کر رہے تھے، جب حدیث ختم فرمائی تو حضرت ابوسعید نے فرمایا: اے ابوہریرہ! ابھی اسی حدیث کا ٹکڑا کچھ باقی ہے، آپ نے فرمایا: مجھے اتنا ہی یاد ہے، تو حضرت ابوسعید خدری نے اگلا ٹکڑا سنایا اور آپ پر کچھ بھی نکیر نہیں کی۔ (۱)

---

(۱) صحیح بخاری: ۲/ ۱۱۰۷ نمبر (۷۴۳۸) (۲) المستدرک: ۳/ ۵۱۲۔

(۳) تاریخ کبیر: ۱/ ۱۸۶-۱۸۷، سیر اعلام النبلاء: ۲/ ۶۱۷۔

۹۔میز بانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جلیل القدر صحابی حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ حدیث پاک بیان کرنے کے سلسلہ میں اپنے اوپر اعتماد کرنے سے زیادہ آپ پر اعتماد کرتے تھے سُلیم راوی کا بیان ہے کہ میں مدینہ منورہ آیا تو حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے حدیث بیان کرتا ہوا دیکھ کر مجھے تعجب ہوا، میں نے کہا: آپ صحابیٔ رسول ہیں، آپ براہِ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث بیان کریں۔

یہ سن کر حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس حدیث کو ابوہریرہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن رکھا ہے اور میں نے بھی اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن رکھا ہے، پھر بھی براہِ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرنے سے زیادہ ابوہریرۃ کے واسطہ سے بیان کرنا پسند کرتا ہوں۔ (۲)

۱۰۔محمد بن عمارہ بن عمرو بن حزم کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایسی مجلس میں بیٹھا کہ جس میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور دس سے زائد مشائخ صحابۂ کرام تشریف فرما تھے۔ حضرت ابوہریرہ ان لوگوں کے بیچ احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم بیان کر رہے تھے، آپ کی بیان کردہ احادیث میں سے کوئی حدیث اگر کسی کو معلوم نہ ہوتی تو آپس میں ایک دوسرے صحابہ سے دریافت کرتے، تو دوسرے اس بیان کردہ حدیث کی تصدیق کر دیتے، پھر آپ حدیث بیان کرنے میں لگ جاتے، پھر اگر کسی صحابی کو معلوم نہ ہوتا تو آپس میں پوچھ لیتے اور آپ کی تصدیق وتوثیق کر دیتے۔

محمد بن عمارہ کہتے ہیں! اس دن مجھے معلوم ہوا کہ آپ احادیثِ رسول کے سب سے بڑے عالم وحافظ ہیں۔ (۳)

۱۱۔ایک بار آپ کی حضرت کعب احبار۔ یہ بڑے یہودی عالم ہیں۔ سے ملاقات ہوئی، تو آپ نے حدیث بیان کرنا شروع کر دی، وہ دریافت کرتے، آپ حدیث بیان کرتے چلے جاتے۔ یہ منظر دیکھ کر حضرت کعب نے فرمایا: میں نے آج تک کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا کہ جس نے توریت نہ پڑھی ہو اور وہ حضرت ابوہریرہ سے بڑھ کر توریت کا عالم ہو۔ (۱)

---

(۱) سیر اعلام النبلاء: ۲/ ۶۰۰۔ (۲) تاریخ دمشق: ۱۹/ ۱۱۷، بحوالہ سیر اعلام النبلاء: ۲/ ۵۹۹۔

۱۲۔ امام مکحول شامی کہتے ہیں: ایک رات بہت سارے لوگ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خیمہ میں جمع ہو گئے، آپ کھڑے ہوئے اور احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم صبح تک بیان کرتے رہے۔ (۲)

۱۳۔ آپ کے شاگردِ رشید امام ابوصالح سمان فرماتے ہیں: "**كان ابو هريرة من أحفظ الصحابة**" حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ صحابۂ کرام میں سب سے زیادہ احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم یاد رکھنے والے تھے۔ (۳)

آپ کے حافظہ کی تاریخی توثیق

۱۴۔ دمشق کی مروانی حکومت کا سب سے پہلا حکمراں اور بادشاہ مروان بن حکم نے اپنے سکریٹری ابوالزعیزعہ کو حکم دیا کہ پردہ کے پیچھے قلم دوات اور کاغذ لے کر بیٹھ جاؤ، میں ابوہریرہ سے حدیثیں پوچھوں گا جو حدیثیں وہ بیان کریں تم لکھتے چلے جانا، پھر آپ کو بلوایا، آپ تشریف لائے، مروان چھیڑ چھیڑ کر آپ سے حدیثیں پوچھنے لگا، اِدھر آپ بیان کرتے جاتے اور اُدھر پسِ پردہ ابوالزعیزعہ لکھتا چلا جاتا اس طرح بہت سی حدیثیں لکھ ڈالیں، آپ کو قطعاً اس کی خبر نہیں کہ جو بیان کر رہا ہوں وہ حدیثیں قلم بند کی جا رہی ہیں۔ آپ واپس لوٹ آئے اور مروان نے اس مجموعہ کو بحفاظت رکھوا دیا، سال بھر کے بعد مروان نے پھر آپ کو طلب کیا، آپ تشریف لائے، پہلے ہی سے ابوالزعیزعۃ کو حکم دے چکا تھا کہ اسی مجموعۂ احادیث کو لے کر پردہ کے پیچھے بیٹھ جاؤ، میں ان سے ان ہی احادیث کو پھر پوچھوں گا، دیکھو اس دفعہ وہ کیا بیان کرتے ہیں، تم ان مکتوبہ حدیثوں سے ان کو ملاتے جانا۔

حکومت کی طرف سے گویا کہ آپ کا امتحان تھا، امتحان لیا گیا، نتیجہ کیا نکلا؟

ابوالزعیزعۃ کی زبانی سنیے! "**فجعل يسأله عن ذلک الكتاب فمازاد، ولانقص**

---

(۱) کتاب الکنی للبخاری: ۳۳/ المستدرک: ۳/ ۵۱۰، صحّحہ الحاکم واقرّہ الذہبی۔

(۲) تاریخ دمشق: ۱۹/ ۲۱۷، بحوالہ سیر أعلام النبلاء: ۲/ ۵۹۹

(۳) البدایۃ والنہایۃ: ۸/ ۱۰۳۔

(۴) الاستیعاب: ۴/ ۲۰۴۔

(۵) الاصابۃ: ۴/ ۲۰۳، تہذیب التہذیب: ۱۲/ ۲۶۶۔

(۶) اصول السرخسی: ۱/ ۳۴۲۔

(۷) سیر اعلام النبلاء: ۲/ ۶۱۹، ۶۲۱۔

(۸) البدایۃ والنہایۃ: ۸/ ۱۱۰۔

(۹) تہذیب التہذیب: ۱۲/ ۲۶۶۔

ولا قدم ولا أخر" کہ مروان آپ سے وہ پچھلی لکھی ہوئی حدیثیں پوچھنے لگا، آپ بیان کرتے چلے گئے، نہ آپ نے کسی لفظ کا اضافہ کیا اور نہ کم اور نہ کسی لفظ کو آگے پیچھے کیا، بلکہ من وعن پچھلی دفعہ جیسی ساری حدیثیں سنا دیں۔ (۱)

۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸۔ امام شافعی (۲) امام بخاری (۳) علامہ ابنِ عبدالبر (۴) علامہ ابنِ حجر عسقلانی (۵) فرماتے ہیں: کہ حضرت ابو ہریرۃ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے حافظِ حدیث تھے۔

۱۹۔ شمس الائمہ سرخسی حنفی (المتوفی ۴۹۰ھ) کا بیان ہے "**ھو مقدم في العدالة والحفظ والضبط**" کہ حضرت ابو ہریرۃ عدالت، حفظ اور حدیثوں کو ضبط کرنے اور محفوظ رکھنے میں پیش پیش ہیں۔ (۶)

۲۰۔ علامہ شمس الدین ذہبی نے آپ کے بے نظیر حافظہ کو معجزاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں قرار دیتے ہوئے فرمایا: "**ابو هريرة اليه المنتهى في حفظ ما سمعه من الرسول عليه الصلاة والسلام وأداه بحروفه**" رسول اللہ کی حدیثوں کو حرف بحرف یاد کرنے اور پھر اسے حرف بحرف بیان کرنے کی حذاقت ومہارت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پر منتہی اور ختم ہوجاتی ہے اور آپ قوتِ حافظہ اور یادداشت کے سلسلہ میں سند کا درجہ رکھتے ہیں، ہمیں معلوم نہیں کہ ان سے حدیث پاک کے بیان کرنے میں کبھی غلطی ہوئی ہے۔ (۷)

۲۱۔ حافظ ابو الفداء ابنِ کثیر فرماتے ہیں: حضرت ابو ہریرہ دیانت، صداقت، حفظ، عدالت، زہد وتقویٰ اور عملِ صالح میں ایک عظیم الشان مقام پر فائز ہیں۔ (۸)

۲۲۔ خاتم المحققین علامہ ابنِ حجر عسقلانی رقم طراز ہیں: حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ نے جس قدر حدیثیں بیان کی ہیں اتنی کسی صحابی نے نہیں بیان کی۔ (۹)

فقہ میں مقام ومرتبہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فقہ میں بھی ممتاز مقام پر فائز نظر آتے ہیں خلیفۃ المسلمین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد مدینہ منورہ میں حضرت ابو ہریرہ، حضرت عبداللہ بن

---

(۱) سیر اعلام النبلاء: ۲/ ۶۰۷۔ (۲) طبقات ابنِ سعد: ۲/ ۳۷۲۔

(۳) ال إحکام في أصول ال أحکام: ۵/ ۹۲، اعلام الموقعین: ۱/ ۱۱-۱۲۔ (۴) فتوح البلدان: / ۹۲

عباس، حضرت عبداللہ بن عمر حضرت ابوسعید خدری، حضرت جابر رضی اللہ عنہم وغیرہ حدیث اور افتاء کے مسند پر جلوہ افروز تھے (۱) اور یہی حضرات اپنے دور میں مدینہ منورہ کے مفتی کہے جاتے تھے۔ (۲)

علامہ ابنِ حزم ظاہری نے فتویٰ دینے والے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے تین طبقے بیان کئے ہیں۔ پہلے طبقہ میں کثرت سے فتویٰ دینے والے حضرات کو شمار کیا ہے وہ سات حضرات ہیں:

۱۔ حضرت عمر بن خطاب، ۲۔ حضرت علی بن ابی طالب ۳۔ حضرت عبداللہ بن مسعود ۴۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ ۵۔ حضرت زید بن ثابت ۶۔ حضرت عبداللہ بن عباس ۷۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم۔

دوسرا طبقہ ان صحابۂ کرام کا ہے جو فتویٰ دینے میں درمیانہ ہے، نہ کم اور نہ زیادہ۔ اس طبقہ میں علامہ ابن حزم نے ۱۳ ر صحابۂ کرام شمار کیے ہیں، جن میں حضرت ابوبکر صدیق، اُم المؤمنین حضرت ام سلمہ، سعد بن ابی وقاص، معاذ بن جبل اور ابو ہریرۃ جیسے جلیل القدر صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں۔

تیسرا طبقہ ان صحابۂ کرام کا ہے، جن سے بہت کم فتوے منقول ہیں۔ (۳)

آپ کا فقہی مقام صرف عام لوگوں کی نظروں میں ہی نہیں تھا، بلکہ اکابرینِ صحابۂ کرام کی نظروں میں بھی تھا، چنانچہ ایک روایت کے مطابق حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت میں بحرین میں آپ کو نماز پڑھانے کے ساتھ قضاء کی ذمہ داری بھی سونپ دی تھی (۴) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں عام لوگوں کو اس اندیشہ سے فتویٰ دینے سے منع کر دیا، تاکہ غلط مسائل کی اشاعت نہ ہونے پائے اور اس کام کے لیے چند کامیاب افراد کو نامزد فرمایا، تو اس میں حضرت ابو ہریرہ کو بھی شامل فرمایا۔

بعض فتویٰ دینے والے صحابۂ کرام مسئلہ دریافت کرنے کے لیے سائل اور مستفتی کو آپ کے پاس بھیج دیا کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے ایک شخص مسئلہ دریافت کرنے آیا، تو انہوں نے فرمایا: حضرت عائشہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کے یہاں جاؤ، وہاں حضرت ابو ہریرۃ اور حضرت عبداللہ بن عباس کو اسی کام کے لیے چھوڑ رکھا ہے کہ وہ لوگوں کو مسئلے بتایا کریں۔ (۱)

---

(۱) تاریخ کبیر: ۱/ ۲۱۔
(۲) موطا مالک: / ۲۰۸۔
(۳) ال أموال ل أبي عبيدة: / ۴۹۵۔
(۴) المستدرک: ۳/ ۵۰۸۔ بسند صحیح۔

''موطا مالک'' میں معاویہ بن ابی عیاش انصاری کا بیان ہے کہ وہ ایک بار عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، اس دوران محمد بن ایاس وہاں آئے اور یہ مسئلہ دریافت کیا کہ ایک دیہاتی شخص نے اپنی بیوی کو صحبت سے پہلے تین طلاق دے دی ہے، اس کا کیا حکم ہے؟ انہوں نے یہ کہہ کر حضرت ابو ہریرہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کے پاس بھیج دیا کہ اس سلسلہ میں ہماری کوئی رائے نہیں ہے اس کام کے لیے وہی دونوں حضرات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بیٹھے رہتے ہیں۔ چنانچہ اس نے ان دونوں سے مسئلہ دریافت کیا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت ابوہریرۃ سے فرمایا: ''افتہ یا أبا هريرة، اے ابوہریرۃ! آپ فتویٰ دیجئے تو آپ نے یہ فتویٰ دیا کہ ایک طلاق بائن ہوگی اور تین سے وہ حرام ہو جائے گی حضرت عبداللہ بن عباس نے اس جواب کی تصدیق وتصویب فرمائی۔ (۲)

اگر قریب ہی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہوتے تو عام طور سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما مسئلہ دریافت کرنے والے کو آپ ہی کے پاس بھیج دیتے تھے۔ ایک شخص حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس آیا اور کہا: میں نے اونٹ اللہ تعالیٰ کے راستہ کے لیے مخصوص کر رکھا ہے تو کیا اس پر زکوٰۃ واجب ہے؟ حضرت ابنِ عباس نے حضرت ابوہریرۃ سے اس کا جواب دینے کے لیے فرمایا، تو آپ نے یہ فتویٰ دیا کہ اس پر کوئی زکوٰۃ نہ ہوگی۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی تصویب فرماتے ہوئے مسئلہ کی کچھ تفصیل کی۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ان دونوں کے فتوے پر الجواب صحیح کی مہر ثبت کی۔ (۳)

ایک شخص نے جامعِ قرآن حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے کوئی مسئلہ معلوم کیا تو انہوں نے فرمایا: ''عليك بأبي هريرة'' ابوہریرہ کے پاس جاؤ۔ (۴)

حاکمِ وقت مروان بن حکم بھی آپ ہی سے مسئلہ دریافت کرتا تھا اور اگر کوئی ایسا مسئلہ درپیش ہوتا کہ جس کا جواب مروان سے طلب کیا جاتا تو وہ آپ کے پاس قاصد کو مسئلہ پوچھنے کے لیے روانہ کرتا تھا۔ (۱)

الغرض حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو فتویٰ دینے کا اہل اور قضاء کے منصب کا ماہر سمجھا

---

(۱) تفصیل کے لیے سنن بیہقی: ۶/ ۹۰

(۲) سیر اعلام النبلاء: ۲/ ۶۲۷۔

(۳) سننِ دارمی: ۱/ ۵۷۔

(۴) تاریخ کبیر: ۱/ ۱۸۵۔

تب ہی تو بحرین کے قضاء کی ذمہ داری آپ کو سونپی اور آپ اہلِ مدینہ کے مفتی بنے رہے، خاص طور سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد سے فتویٰ دینے کی ذمہ داری صرف پانچ حضرات ہی کو ملی، جن میں ایک آپ بھی رہے۔

ان ہی سارے وجوہات کی بنا پر علامہ شمس الدین ذہبی نے آپ کے سلسلہ میں فرمایا: "**هو راس في القرآن، وفي السنة، وفي الفقه**" آپ تو قرآن، حدیث اور فقہ کے امام اور سرخیل ہیں۔ (۲)

آپ فتویٰ دینے میں بہت محتاط تھے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانِ عالی ہروقت مستحضر رہتا تھا: "**من افتی بفتیا من غیر ثبت فإنما إثمه من أفتاه**" جو بغیر وثوق اور کامل اعتماد کے فتویٰ دے، تو اس کا وبال اسی فتویٰ دینے والے پر ہے۔ (۳)

ایک بار اہلِ بحرین نے آپ سے مسئلہ دریافت کیا، آپ نے اس کا جواب دے دیا، پھر اپنی تشفی اور تسکینِ قلبی کی خاطر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی جانب رجوع کیا۔ حضرت عمر نے آپ کے فتویٰ کی تصویب وتصدیق کی۔ (۴)

حضرت ابراہیم نخعی کا حضرت ابو ہریرہ کو غیر فقیہ سمجھنا اور اس کا تفصیلی جائزہ

امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کے استاذ محترم حضرت حماد بن ابی سلیمان اور حضرت حماد کے استاذ محترم حضرت ابراہیم نخعی ہیں، گویا کہ فقہ حنفی کے دارومدار حضرت ابرہیم نخعی ہیں، البتہ امام ابوحنیفہ کا ان سے کچھ مسائل میں اختلاف ہے لیکن اکثر مسائل میں اتفاق ہے۔

حضرت ابراہیم نخعی فن "فقہ" کے ساتھ ساتھ فن حدیث میں بھی اعلیٰ اور ممتاز مقام پہ فائز ہیں۔

امام اعمش اپنے شاگردوں کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں! "**كان ابراهيم صير فيافي الحديث**" کہ حضرت ابراہیم حدیث پاک کو خوب پرکھنے والے اور سمجھنے والے ہیں، ان کے اندر حدیث کو غیر حدیث سے امتیاز کرنے کی اعلیٰ صلاحیت ہے۔ "**وأجيؤه بالحديث**" چنانچہ تم لوگ ان

---

(۱) کتاب العلل ومعرفۃ الرجال/۱۴۰۔

(۲) سیر اعلام النبلاء: ۲/ ۶۰۸۔۶۰۹

(۳) ۸: /۱۰۹۔

(۴) میزان الاعتدال: ۱/ ۳۵۔

(۵) سیرِ أعلام النبلاء: ۲/ ۶۰۹، البدایۃ والنہایۃ: ۸/ ۱۰۹۔۱۰۱۔

(۶) اصول السرخسی: ۱/ ۳۳۹۔۳۴۱۔

کے پاس حدیثوں کو لے کر خوب جایا کرو، تا کہ وہ تمہیں بتادیں کون سی حدیث صحیح اور کون سی غیر صحیح ہے۔(۱)

حضرت ابراہیم نخعی آپ کے سلسلہ میں فرماتے ہیں: ”**کان أصحابنا یدعون من حدیث أبي هریرة**“ کہ ہمارے اصحاب حضرت ابوہریرہ کی حدیثوں کو چھوڑ دیتے تھے اور صرف جنت، جہنم اور فضائلِ اعمال سے متعلق جو حضرت ابوہریرہ کی حدیثیں ہیں؛ انہیں بیان کرتے اور بقیہ احکام کی روایتیں ان سے نہ لیتے اور نہ بیان کرتے تھے(۲) ”البدایۃ والنہایۃ“ میں ہے کہ احکام سے متعلق کچھ روایتیں لیتے اور کچھ چھوڑ دیتے تھے۔(۳)

حضرت ابراہیم نخعی نے اپنے اصحاب کے حوالہ سے حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کی حدیثوں کے درمیان تفریق کرتے ہوئے خود اپنی مذکورہ عبارت کو اس طرح واضح کیا ”**اَن أباهریرلم یکن فقیها**“ کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فقیہ نہیں تھے۔(۴)

علامہ ذہبی اور حافظ ابنِ کثیر نے حضرت ابراہیم نخعی کی سخت انداز میں تردید کرتے ہوئے کہا: سارے مسلمانوں نے آپ کے حفظ واتقان اور فقہ پر خوب اعتماد کیا ہے اور آپ کو حجت بنایا ہے(۵)۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حفظ واتقان کے سلسلہ میں یہ بات گذر چکی ہے کہ امت کے چیدہ چیدہ لوگوں کا اتفاق ہے کہ حضرت ابوہریرۃ حافظِ حدیث ہیں اور جو بیان کرتے ہیں، صحیح بیان کرتے ہیں فقہِ حنفی کے جلیل القدر عالم، شمس الأئمہ سرخسی آپ کے بارے میں کہتے ہیں: ”**هو مقدم في العدالة والحفظ والضبط**“ کہ حضرت ابوہریرۃ عدالت اور احادیثِ مبارکہ کو یاد رکھنے اور پورے طور پر ضبط کرنے میں پیش پیش ہیں(۶) خود حضرت ابراہیم نخعی نے آپ کی روایتوں کو لکھ کر اپنے شاگردوں کو آپ سے روایت نقل کرنے پر ابھارا ہے۔ امام اعمش فرماتے ہیں: ”**فکتب مما أخذته عن أبي صالح عن أبي هریرة**“ کہ ”ابوصالح عن أبی ہریرۃ“ کی سند سے میرے پاس جو روایتیں لکھی ہوئی تھیں اسے حضرت ابراہیم نخعی نے لکھا ہے۔(۱)

تو پھر حضرت ابراہیم نخعی کا آپ کو غیر فقیہ قرار دینے اور آپ کے احکام کی کچھ روایتوں کے چھوڑنے کی کیا وجہ ہے؟

---

(۱) کتاب العلل ومعرفۃ الرجال: ۱۴۰۔ (۲) معانی ال آثار: ۲/ ۳۷۳، بحوالہ دفاع عن أبی ہریرۃ: /۲۲۶، فتح الباری: ۵/

پہلی وجہ:

حضرت ابراہیم نخعی اور ان کے اصحاب آپ کی حدیثوں کو اس لیے نہیں چھوڑتے کہ انہیں آپ کی عدالت یا حفظ وضبط میں شک ہے، بلکہ حضرت ابراہیم بالواسطہ حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے شاگرد ہیں، تو احکام کی جتنی روایتیں ان دونوں بزرگوں سے مروی ہیں، اسے لیتے ہیں، جیسے: مالکی مکتبِ فکر کے حضرات حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور اہلِ مدینہ کی روایتوں کو مقدم کرتے ہیں، اور اہلِ کوفہ حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی روایتوں اور فتاویٰ کو دیگر صحابۂ کرام کی روایتوں اور ان کے فتاوے پر ترجیح دیتے ہیں، اسی طرح حضرت ابراہیم نخعی حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت علی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم کی روایتوں کو مقدم کرتے ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کو مقدم کرنے کی خاص وجہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم نخعی کے بعض فقیہ ماموں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے شاگرد ہیں، یہی وجہ ہے کہ حضرت عائشہ کی روایتوں پر ان کی گہری توجہ ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابوہریرہ کی کچھ روایتوں کو رد کیا ہے۔ مثال کے طور پر:

۱۔ حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "**لأن يمتلي جوف أحد كم قيحًا خير له من أن يمتلي شعرًا**" تم میں سے کوئی اپنا پیٹ پیپ سے بھر لے تو یہ اپنے پیٹ میں اشعار بھرنے سے بہتر ہوگا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو جب معلوم ہوا کہ حضرت ابوہریرہ نے یہ روایت نقل کی ہے تو فرمایا: "**يرحم الله ابا هريرة، حفظ أول الحديث، ولم يحفظ آخره**" اللہ تعالیٰ ابوہریرہ پر رحم فرمائے، حدیث کا پہلا حصہ یاد رکھا اور دوسرا حصہ بھول گئے۔ پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دوسرے حصہ کو بیان کیا (۲) جب کہ حضرت ابوہریرہ کی طرح روایت کرنے والے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما (۱) حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہما (۲) ہیں، ان میں سے کسی نے حضرت ابوہریرہ پر کلام نہیں کیا ہے، بلکہ حضرت ابوہریرہ کی متابعت کی ہے۔

---

(۱) صحیح بخاری:۲/۹۰۹،نمبر(۶۱۵۴) (۲) صحیح مسلم:۲/۲۴۰۔ (۳) المستدرک:۲/۲۱۵۔
(۴) صحیح بخاری:۱/۱۷۲،نمبر:(۱۲۸۷) (۵) صحیح بخاری:۱/۱۷۱،نمبر:(۱۲۸۷)
(۶) صحیح بخاری:۱/۱۷۲،نمبر:(۱۲۸۸) (۷) جامع ترمذی:۱/۱۹۵۔

دوسری مثال

حضرت ابوہریرہ کی حدیث: "**إن المیت لیعذب ببکاء الحی**" میت کے زندہ رشتہ داروں کے رونے کی وجہ سے میت کو عذاب ہوتا ہے۔ اس روایت کو حضرت عائشہ نے سننے کے بعد فرمایا: "**رحم اللہ أبا ھریرۃ أساء سمعا فأساء إصابۃ لم یکن الحدیث علی ھذا لکن ـــــ**" اللہ تعالیٰ ابوہریرہ پر رحم کرے، سننے اور سمجھنے میں ان سے غلطی ہوگئی، یہ حدیث اس طرح نہیں ہے بلکہ اس طرح ہے ـــــ (۳)

یہ روایت حضرت ابوہریرہ کے علاوہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ (۴)، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما (۵) وغیرہ سے مروی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس روایت سے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی یہی فرماتی ہیں: "**رحم اللہ عمر، و اللہ ما حدث رسول اللہ ﷺ إن اللہ لیعذب المؤمن ببکاء أھله و لکن**" اللہ تعالیٰ عمر پر رحم کرے، خدا کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ روایت اس طرح سے بیان نہیں فرمائی ہے۔ بلکہ اس طرح ـــــ (۶) اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر کے بارے میں فرماتی ہیں "**غفر اللہ لأبي عبدالرحمن أما أنه لم یکذب و لکنه نسي أو اخطأ**" اللہ تعالیٰ ابوعبدالرحمن بن عمر کی مغفرت فرمائے وہ جھوٹ نہیں بولتے؛ لیکن ان سے بھول چوک یا غلط فہمی ہورہی ہے۔ (۷) اس طرح اور بھی حضرت ابوہریرہ کی حدیثیں ہیں کہ جن پر ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کلام اور ریمارک کیا ہے۔

آپ کی روایتوں پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے کلام کرنے اور رد کرنے کی وجہ سے ابراہیم نخعی نے احکامات کی روایتوں کو نقل کرنے میں تامل کیا ہے۔

دوسری وجہ:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ عام طور سے ظاہرِ حدیث پر فتویٰ دیا کرتے تھے، جس کی بنا پر کچھ صحابۂ کرام نے آپ پر کلام کیا ہے۔

مثال کے طور پر: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور آپ دونوں ایک ساتھ بیٹھ کر تنور

---

(۱) مصنف ابن أبي شیبۃ: ۱/ ۹۔

(۲) جامع ترمذی: ۱/ ۲۴۔

(۳) سننِ ابوداؤد: ۲/ ۴۵۰۔

(۴) المغنی فی اصول الفقہ: ۱/ ۲۰۷۔

سے پکی ہوئی روٹی کھا رہے تھے کہ اسی دوران نماز کا وقت ہوگیا۔ آپ وضوء کرنے لگے، تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کیا کوئی گندی چیز کھائی؟۔ (۱)

ایک مرتبہ حضرت ابوہریرہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''آگ پہ پکی ہوئی چیز کے استعمال کرنے کے بعد وضو کیا کرو'' تو حضرت ابن عباس نے فرمایا: کیا گرم پانی سے وضو کریں گے تو پھر بھی وضو کرنا ہوگا، اور تیل کے بعد استعمال کے بعد بھی وضو کرنا ہوگا؟ یہ سن کر آپ نے فرمایا: اے میرے بھتیجے! جب تم حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سنو تو اس کی موجودگی میں کوئی مثال، قیاس وغیرہ پیش مت کرو۔ (۲)

ایک مرتبہ آپ نے یہ روایت بیان کی ''**من غسل میتاً فلیغتسل و من حملہ فلیتوضأ**'' جو میت کو غسل دے، اسے غسل کر لینا چاہیے اور جو میت کا تابوت اور کھاٹ اٹھائے وہ وضو کرلیا کرے (۳)۔

حضرت عبداللہ بن عباس نے فرمایا: ''**أیلزمنا الوضوء بحمل عیدان یابسة**'' خشک لکڑی کے اٹھانے کی وجہ سے ہم پر وضو کا کرنا ضروری ہوجائے گا؟ (۴)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے ظاہرِ حدیث پر فتویٰ دینے اور کچھ صحابۂ کرام کا آپ کے ظاہرِ حدیث پر کلام کرنے کی وجہ سے بھی حضرت ابراہیم نخعی نے دوسرے صحابہ کی روایت کی موجودگی میں آپ کی روایتوں سے گریز کیا ہے۔

حنفیہ کا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کی مخالفت کرنا

حنفیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی بعض حدیثوں کی مخالفت کی ہے تو ان کی کوئی خصوصیت نہیں ہے، بلکہ اور بھی دیگر صحابۂ کرام کی روایتوں کو ترک کیا ہے، حنفیہ نے حضرت ابوہریرہ کو فقیہ تسلیم کیا ہے، اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ حنفیہ نے ایک مختلف فیہ مسئلہ میں تمام روایتوں کو چھوڑ کر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت اور فتویٰ پر عمل کیا ہے، وہ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کتا برتن مین منہ ڈال دے تو اسے کتنی دفعہ دھویا جائے گا؟ اس سلسلہ میں روایتیں مختلف ہیں۔ بعض میں سات مرتبہ

---

(۱) شرح معانی الآثار: ۱ / ، ولوغ الکلب۔ (۲) حسامی: / ۷۴-۷۵۔

(۳) اصول سرخسی: ۱ / ۳۴۱۔

اور بعض میں آٹھ مرتبہ دھونے کا ذکر ہے۔ سارے أئمہ مجتہدین نے سات کی عدد والی روایت کو ترجیح دی ہے جبکہ احناف نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت جس میں سات مرتبہ دھونے کا ذکر ہے، مگر آپ کا فتویٰ اور عمل اس روایت کے برعکس تین مرتبہ دھونے کا ہے اسی پر عمل کیا ہے اور اسی پر آج احناف کا فتویٰ اور عمل ہے کہ تین مرتبہ کتے کے جھوٹے برتن کو دھویا جائے گا۔ (۱)

بعض احناف کا حضرت ابو ہریرہ کو غیر فقیہ قرار دینا

فقیہِ وقت حسام الدین محمد بن محمد (المتوفی ۶۴۴ھ) اپنی کتاب ''حسامي في اصول الفقه'' میں فرماتے ہیں کہ راوی کی عدالت اور حفظ و اتقان خوب معروف و مشہور ہو؛ لیکن فقہ میں معروف و مشہور نہ ہو۔ جیسے حضرت ابو ہریرہ اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہما ہیں ان کی روایت قیاس کے موافق ہوگی وہ قابلِ عمل ہے اور اگر قیاس کے مخالف ہے تو ضرورت کی بنا پر اور قیاس و رائے کے دروازے پر بند لگنے کی وجہ سے ان کی روایت چھوڑ دی جائے گی۔ جیسے حضرت ابو ہریرہ کی ''حدیثِ مصراۃ'' ہے۔ (۲)

اصول کی کتابوں میں ان جیسی عبارتوں کے آجانے کی وجہ سے حنفیہ پر یہ الزام لگا دیا گیا کہ یہ حضرت ابو ہریرۃ کو فقیہ تسلیم نہیں کرتے اور اصولِ سرخسی میں ہے کہ بعض احناف حدیثِ مصراۃ پر بحث کرتے ہوئے یہاں تک کہہ گئے ''أبو هريرة غير فقيه'' کہ حضرت ابو ہریرہ فقیہ نہیں ہیں۔ (۳)

تفصیلی جائزہ

بعض احناف کا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو غیر فقیہ قرار دینا یہ سراسر غلط ہے اور بے بنیاد ہے، آپ کے اجتہاد و فقاہت میں کسی کو شک نہیں ہے؛ کیونکہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مقدسہ میں اور آپ کے بعد بھی فتویٰ دیتے رہے ہیں؛ بلکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد آپ مدینہ منورہ میں مفتی ہی کی حیثیت سے رہے۔ جیسا کہ تفصیل آچکی ہے۔

فقہ حنفی کے بیرسٹر علامہ ابن الہمام حنفی نے ''تحرير الأصول'' میں حضرت ابو ہریرہ کو فقیہ کے لقب سے ملقب کیا ہے، چنانچہ یوں رقم طراز ہیں: ''أبو هريرة فقيه''۔

---

(۱) شرح تحریر الأصول: ۲/ ۲۵۱۔

(۲) رسم المفتی: / ۵۱۔

(۳) حاشیۂ حسامی: / ۷۵، حاشیہ نمبر ۳۔

(۴) صحیح بخاری: ۱/ ۲۵۹، نمبر: (۱۹۳۳)

تحریر الاُصول کے شارح علامہ ابن امیر الحاج فرماتے ہیں کہ اجتہاد وفقاہت کی ساری چیزیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ میں موجود تھیں۔ آپ صحابۂ کرام کے دور میں فتویٰ دیا کرتے تھے اور صحابۂ کرام کے زمانہ میں مجتہد اور فقیہ کے علاوہ کوئی فتویٰ نہیں دیتا تھا۔(۱)

صحیح روایت کی موجودگی میں قیاس کو ترجیح دینا یہ بھی سرے سے غلط اور بے بنیاد ہے۔ فقہِ حنفی کے مجتہد امام ابوالحسن عبداللہ بن حسین کرخی (م ۲۶۰-۳۴۰ھ)(۲) علیہ الرحمہ نے اس قاعدۃ کا سختی سے انکار کرتے ہوئے فرمایا: قیاس پر فقیہ راوی ہی کی روایت کا مقدم کرنا اور غیر فقیہ عادل وضابط راوی کی روایت کا مقدم نہ کرنا، بلکہ آخر الذکر راوی کی روایت پر قیاس کو ترجیح دینا اور روایت کو چھوڑ دینا، یہ کوئی شرط اور قاعدہ نہیں ہے، بلکہ ہر عادل راوی کی روایت کو قیاس پر ترجیح دی جائے گی، جب کہ وہ روایت قرآنِ کریم اور حدیثِ مشہور کے خلاف نہ ہو؛ کیونکہ وہ راوی جب متدین اور نیک صالح ہے اور اس کی یادداشت بھی مضبوط ہے اور حافظِ حدیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہے تو یقیناً جو روایت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب منسوب کرکے نقل کر رہا ہے اس روایت کے سننے اور بیان کرنے میں سچا ہے، یہی وجہ ہے کہ اسے اکثر علماء نے قبول کیا ہے بلکہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے قیاس کے خلاف آنے والی حضرت انس کی روایت قبول کرکے اسے عملی جامہ پہنایا ہے اور قیاس کو چھوڑ دیا ہے۔(۳)

امام ابوحنیفہ کے نزدیک روایت کی موجودگی میں قیاس کے چھوڑنے کا اہتمام

امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ نے بہت سارے مسائل میں قیاس کے مقابلہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو ترجیح دی ہے، مثال کے طور پر: حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے! جو شخص بھول کر روزہ کی حالت میں کچھ کھالے یا پی لے، اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا ہے۔(۴)

قیاس کا تقاضہ یہ تھا کہ روزہ ٹوٹ جائے، مگر امام اعظم نے اس روایت کی موجودگی میں قیاس کو چھوڑ دیا، جبکہ امام مالک نے قیاس کے تقاضہ پر عمل کرتے ہوئے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی صحیح روایت کو چھوڑ دیا ہے اور یہ فرمایا ہے: "جب خبرِ واحد ضابطہ اور اصول کے خلاف آئے تو اس پر عمل نہیں

---

(۱) فتح الباری: ۴/ ۱۸۵-۱۸۶۔ (۲) سیر أعلام النبلاء: ۲/ ۶۲۰-۶۲۱۔

(۳) مصنف عبدالرزاق: نمبر حدیث: (۷۳۶۰-۷۳۶۱) إسنادہ علی إرسالہ صحیح۔ (۴) شرح وقایہ: ۱/ ۷۳۔

کیا جائے گا"۔ تو قیاس کو صحیح حدیث پر مقدم کرنے کا الزام دینا درحقیقت امام مالک پر ہونا چاہیے اور انہیں یہ کہنا چاہیے کہ حضرت ابوہریرۃ کی صحیح روایت کی موجودگی میں انہوں نے قیاس پر عمل کیا ہے۔

علامہ ابنِ حجر عسقلانی نے امام مالک کے اصول پر رد کرتے ہوئے فرمایا: **"ولو فتح باب ردا لأحاديث الصحيحة بمثل هذا- قاعدة مستقلة- لما بقي من الحديث إلاالقليل"** اگر قیاس اور مقرر کردہ ضابطہ واصول کو صحیح حدیث پر مقدم کرنے اور اس کی وجہ سے روایاتِ صحیحہ کو رد کرنے اور چھوڑنے کا دروازہ کھول دیا جائے تو بہت کم حدیثیں قیاس اور مقرر کردہ ضابطہ کے موافق رہ جائیں گی جس کے نتیجہ میں صحیح حدیثوں کا ایک بڑا ذخیرہ چھوٹ جائے گا۔(۱)

علامہ شمس الدین ذہبی فرماتے ہیں: امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کے یہاں قیاس کے مقابلہ میں روایتوں پر عمل کرنے کا اتنا اہتمام ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے انتہائی کم درجہ کے راوی کی روایت اور مرسل روایت کی موجودگی میں قیاس کو ترک کر دیا ہے۔(۲)

(عن أبي العالية الرباحي) حضرت ابوالعالیہ رباحی تابعی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابۂ کرام کو نماز پڑھا رہے تھے کہ ایک نابینا شخص کنوئیں میں گر گیا، نماز کی حالت میں بعض صحابۂ کرام اس منظر کو دیکھ کر بے ساختہ اور بے محابا ہنس پڑے۔ نماز کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے اندر ہنسنے والے صحابۂ کرام کو ازسرِ نو وضو کرنے اور دوبارہ نماز لوٹانے کا حکم دیا۔(۳)

اس روایت پر عمل کرتے ہوئے حنفیہ نے قہقہہ کے ساتھ ہنسنے کی بنا پر دوبارہ وضو کرنے اور نماز کے لوٹانے کا حکم دیا ہے۔(۴)

حضرت ابوہریرہ کی روایت کے سلسلہ میں فقہِ حنفی کے مجتہد، (۵) شمس الأئمہ سرخسی کا قول

شمس الأئمہ محمد بن سہل سرخسی (م ۴۸۳ھ) فرماتے ہیں کہ اکابرین احناف حضرت ابوہریرہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہما جیسے راویوں کی روایت پر خوب اعتماد کرتے اور قبول کرتے ہیں۔

امام محمد بن الحسن شیبانی (المتوفی ۱۸۹ھ) علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ امام اعظم ابوحنیفہ علیہ

---

(۱) ۴۵۰/۲ (۲) اصول سرخسی: ۱/ ۳۴۰-۳۴۳۔

الرحمۃ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے قول کو حیض کی مقدار متعین کرنے اور اس کے علاوہ دیگر مسائل میں لیا ہے اور حضرت ابوہریرہ کا درجہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بہت بڑھا ہوا ہے۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ ان لوگوں کی روایتوں کو جملہ احناف نے قبول کیا ہے؛ البتہ بہت سخت ضرورت کی بنا پر ان جیسے حضرات کی روایت کو چھوڑ کر قیاس کا سہارا لیا ہے۔ خود آپ کے معاصر صحابۂ کرام نے قیاس کے مقتضیٰ پر عمل کرتے ہوئے آپ کی روایتوں کو چھوڑ دیا ہے۔ مثال کے طور پر:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”**من حمل جنازۃ فلیتوضا**“ رواہ أبو داؤد في سننہ، (۱) جو جنازہ اٹھائے تو وہ وضو کرے“ اس روایت کو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے سن کر یہ فرمایا: کیا خشک لکڑی کے اٹھانے کی وجہ سے آپ ہمارے اوپر وضو کرنے کو لازم قرار دے رہے ہیں؟ یہ فرما کر آپ کی روایت رد کر دی۔

اسی طرح ایک مرتبہ حضرت ابوہریرہ نے فرمایا: ”**توضؤ وا مما مستہ النار**“ تم آگ پہ پکی ہوئی چیز کے استعمال سے وضو کیا کرو یہ سن کر حضرت ابنِ عباس نے فرمایا: آپ گرم پانی سے وضو کریں گے تو کیا پھر وضو کا اعادہ کریں گے؟ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے اس طرح آپ کی روایت کو رد کیا ہے، اگر چہ اس کے مقابلہ میں روایت ہے؛ مگر وہ روایت ان کے ذہن میں مستحضر ہوتی تو ہرگز ہرگز قیاس پر اکتفاء نہیں کرتے، بلکہ ضرور اس کے بالمقابل روایت پیش کرتے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی فقہی ذکاوت وذہانت صحابۂ کرام کے مابین معروف ومشہور ہے اور یہ فقہ میں حضرت ابوہریرہ سے بڑھے ہوئے ہیں اور یہ بات آچکی ہے کہ علامہ ابنِ حزم نے حضرت ابنِ عباس کو مفتیانِ صحابۂ کرام کے پہلے طبقہ میں شمار کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اس روایت کے سلسلہ میں قیاس ورائے کا استعمال کیا اور اس کے اندر خوب غور وخوض کر کے اسے خلافِ قیاس پایا تو اسے رد کر دیا۔ (۲)

حلقۂ درسِ حدیث

---

(۱) صحیح بخاری: ۱/ ۴۹۱، (رقم: ۱۶۴۴۳)
(۲) صحیح بخاری: ۱/ ۲۳۵، نمبر: (۱۷۴۱)
(۳) سننِ ابن ماجہ: / ۲۳۔
(۴) صحیح مسلم: ۱/ ۳۰۱۔
(۵) مسندِ أحمد: ۲/ ۴۳۴۔
(۶) مسندِ أحمد: ۲/ ۱۴۳۔
(۷) المستدرک: ۳/ ۵۱۲، صححہ الحاکم ووافقہ الذہبی۔

پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے مندرجہ ذیل فرمانِ عالی نے زندگی بھر چین وسکون کی سانس لینے نہیں دی۔

۱۔ "بلّغوا عني ولو آية" تم لوگ مجھ سے جو سیکھو دوسروں تک پہونچادو اگر چہ ایک آیت ہی سہی۔ (۱)

۲۔ "فليبلّغ الشاهد الغائب" حاضرین نے جو مجھ سے علمِ دین وغیرہ حاصل کیا ہے وہ اسے ضرور میری مجلس سے محروم رہنے والوں تک پہونچادیں۔ (۲)

۳۔ "من سئل عن علم فكتمه الجم يوم القيامة بلجام من نار" جس سے کوئی علم کی بات پوچھی گئی، مگر اس نے جواب نہیں دیا بلکہ اس علم کو چھپالیا تو اس کو قیامت کے دن آگ کی لگام پہنائی جائے گی۔ (۳)

اسی ارشادِ نبوی کی وجہ سے آپ نے کثرت سے احادیث بیان کیں اور منبعِ نبوت سے حاصل کیے ہوئے علوم کو امت تک پہونچانے میں اپنی پوری زندگی گذار دی۔

آپ کا حلقۂ درس مختلف مقامات پر قائم ہوتا تھا۔ زیادہ تر مسجدِ نبوی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرۂ مبارکہ کے قریب مجلسِ درس منعقد ہوا کرتی تھی۔ (۴) اور اس کے علاوہ مدینہ منورہ کی دیگر مساجد میں بھی تشریف لے جاتے اور وہاں درسِ حدیث دیا کرتے مثلاً: "مسجدِ بنی زریق" میں تشریف لے جاتے اور حدیث پاک بیان فرماتے تھے (۵) اور آپ کو جہاں بھی حدیث پاک بیان کرنے کا موقع ملا تو آپ نے موقع سے بھرپور فائدہ اٹھایا اور حدیث پاک بیان کرنے سے گریز نہیں کیا امام المحدثین سفیان بن عیینہ بیان فرماتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جب کوفہ تشریف لائے لوگوں نے آپ سے حدیث سننے کی خواہش ظاہر کی، آپ نے فوراً ان کی تکمیلِ خواہش کی خاطر حدیث بیان کرنا شروع کردی۔ (۶)

عاصم بن محمد اپنے والدِ محترم سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے دیکھا: حضرت ابو ہریرہ جمعہ کے دن منبر کے پاس کھڑے ہوکر امام کے آنے تک احادیثِ مبارکہ بیان کرتے رہے۔ (۷)

---

(۱) طبقات ابنِ سعد: ۵/ ۳۰۹۔
(۲) سیر اعلام النبلاء: ۲/ ۶۱۱۔
(۳) الجامع لاَ خلاق آداب الراوی والسامع: /۱۱۷۔
(۴) سیر اعلام النبلاء: ۲/ ۵۹۹۔
(۵) مجمع الزوائد: ۱/ ۱۲۳، عن الطبرانی بسند حسنه الهيثمی

آپ کا جمعہ کے دن نمازِ جمعہ سے پہلے امام کے آنے تک احادیث طیبہ بیان کرنے کا معمول تھا۔ حضرت ثابت الأعرج بیان کرتے ہیں کہ میرے آقا جمعہ کے دن مسجدِ نبوی میں جگہ محفوظ کرنے کے لیے مجھے بھیج دیا کرتے تھے اور میں وہاں بیٹھ کر حضرت ابو ہریرۃ سے حدیثیں سنتا تھا۔ (۱)

عبدالوہاب مدنی کا بیان ہے کہ ایک شخص حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہنے لگا، میں مدینہ منورہ سے گذر رہا تھا، تو دیکھا کہ حضرت ابو ہریرۃ مسجد میں بیٹھے ہیں اور ان کے چاروں طرف لوگوں کا ایک ہجوم ہے اور وہ احادیث شریف بیان فرمارہے ہیں۔ (۲)

امام محمد بن سیرین فرماتے ہیں کہ حضرت ابوہریرۃ ہر جمعرات کو حدیثیں بیان کرتے تھے۔ (۳) بسا اوقات پوری پوری رات آپ کی مجلس قائم رہتی اور آپ اس قدر منہمک ہوتے کہ صبح تک حدیثیں بیان کرتے رہتے۔ (۴) آپ باضابطہ لوگوں کو علومِ نبوت حاصل کرنے کے لیے ابھارتے تھے۔

ایک مرتبہ آپ بازار تشریف لے گئے اور فرمایا: اے بازار والو! تم لوگ کیوں محروم ہو رہے ہو؟ لوگوں نے پوچھا: کیا بات ہے؟ ہم کس چیز سے محروم ہیں؟ فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث تقسیم ہو رہی ہے اور تم یہاں بیٹھے ہو؟ لوگوں نے شوق سے پوچھا: کہاں؟ تو فرمایا: مسجد میں! یہ سن کر لوگ دوڑتے ہوئے مسجد آئے، اور واپس آ کر کہا کہ ہم نے وہاں کچھ نہیں دیکھا، جو تقسیم ہو رہا ہو۔ البتہ کچھ لوگوں کو نماز پڑھتے، قرآن کریم کی تلاوت کرتے اور آپس میں حلال وحرام سے متعلق بحث ومباحثہ کرتے ہوئے دیکھا۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا: ”**ویحکم، فذاک میراث محمد** ﷺ“ تمہاری عقلوں پر افسوس ہے! یہی تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث ہے۔ (۵)

آپ کی مجلس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ اجلۂ صحابہ آپ کی مجلس میں شریک ہوتے اور آپ کی قوتِ حافظہ اور روایتِ حدیث کی تصدیق وتوثیق کرتے تھے۔

حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کے پوتے محمد بن عمارۃ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ابوہریرہ کی مجلس میں بیٹھا کرتا تھا، اس میں دس سے زائد مشائخِ صحابۂ کرام رہا کرتے تھے۔ حضرت

---

(۱) تاریخ کبیر: ۱/ ۱۸۶۔

(۲) کتاب الجرح والتعدیل: ۴/ ۲۹۴۔

(۳) الأدب المفرد: / ۲۹۵، کیف یستاذن علی الفرس۔

(۴) مسندِ أحمد: ۲/ ۴۱۳، اسنادہ قوی۔

(۵) المستدرک: ۳/ ۵۱۲، صححہ الحاکم ووافقہ الذہبی۔

(۶) مسندِ أحمد: ۱۵/ ۱۸۲، بتحقیق أحمد محمد شاکر۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کوئی حدیث بیان کرتے اور ان مشائخ صحابۂ کرام میں سے کسی کو اس کے بارے میں شک وشبہ ہوتا تو سب حضرات آپس میں مراجعہ ومباحثہ کر کے اس کو مطمئن کر دیتے تھے۔ اس طرح سے کئی بار حضرت ابوہریرہ نے حدیث بیان کی اور ان حضرات نے تصدیق وتائید کی۔(۱)

آپ کی مجلس میں عجمی طلبہ بھی شریک ہوتے تھے، جن کی زبان فارسی تھی۔ آپ بھی فارسی زبان سے اچھی طرح واقف تھے اور افہام وتفہیم کے وقت اس سے کام لیتے تھے۔ فنِ رجال کے امام ابن ابی حاتم لکھتے ہیں: **وكان ابن هرمز من أبناء الفارس الذين كانوا بالمدينة، وجالسوا أباهريرة، مثل السائب مولى هشام بن زهرة**" حضرت ابوہریرہ کے شاگرد ہرمز کی اولاد فارس میں سے تھی، جو مدینہ منورہ میں رہتی اور حضرت ابوہریرہ کے حلقۂ درس میں شریک ہوتی تھی۔ جیسے سائب مولی ہشام بن زہرۃ۔(۲)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی پڑپوتی ام مسکین کے غلام ابوعبدالملک کہتے ہیں کہ ام مسکین نے مجھے حضرت ابوہریرہ کو بلانے کے لیے بھیجا وہ میرے ساتھ آئے اور دروازہ پر کھڑے ہو کر کہا: "اندر آئیم" تو ام مسکین نے کہا: اندرون۔(۳)

طریقۂ درس

آپ نہایت والہانہ انداز میں درسِ حدیث کی ابتداء اس جملہ سے کرتے "**قال رسول الله ﷺ الصادق المصدوق أبو القاسم ﷺ من كذب علي متعمدا فليتبوأ مقعده من النار**" رسول اللہ صادق، مصدوق، ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو میری جانب جھوٹی بات منسوب کرے تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔(۴)

بعض دفعہ فرماتے: "قال ابو القاسم الصادق المصدوق ﷺ" کہ ابوالقاسم صادق مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا(۵) بعض دفعہ فرماتے، **سمعت حبی أبا القاسم ﷺ يقول:** میں نے اپنے محبوب ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے ہوئے سنا(۶) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی محبت اور تعلق کا اظہار کرتے ہوئے عام طور سے فرماتے "**حدثني خليلي رسول الله ﷺ**"

---

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ: ۲/ ۴۰۸۔

(۲) المحدث الفاصل: / ۴۴۰۔

(۳) مسندِ احمد: ۱۳/ ۲۹۱۔

(۴) سیرِ اعلام النبلاء: ۲/ ۶۰۷۔

مجھ سے میرے خلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ (۱)

عام طور سے مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حجرۂ شریفہ کے قریب درسِ حدیث دیا کرتے اور حدیث بیان کرتے وقت حجرۂ مبارکہ کی طرف اشارہ کرکے فرماتے تھے **"سمعت رسول اللہ ﷺ صاحب ھذہ الحجرۃ الصادق المصدوق"** میں نے اس صاحبِ حجرہ مبارکہ، صادق مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا۔ (۲)

بعض دفعہ اپنے حافظہ پر مکمل اعتماد ظاہر کرتے ہوئے حدیث بیان کرتے وقت فرماتے **"یشھد علی ذلک لحم أبي ھریرۃ و دمه"** اس حدیث پر ابو ہریرۃ کا گوشت پوست اور خون سب گواہ ہے۔ (۳)

عام طور سے احادیثِ مبارکہ بیان کرنے کے بعد ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو مخاطب کرکے فرماتے: **یا صاحبة الحجرۃ أتنکرین مما أقول شیئاً؟** اے صاحبۂ حجرۃ! ان حدیثوں میں سے کسی سے آپ کو انکار تو نہیں ہے؟ یہ کسی حدیث کا انکار نہیں کرتیں۔ (۴)

آپ حدیث پاک بیان کرتے وقت بعض دفعہ بے قابو ہو جاتے اور اس قدر چیخیں مار مار کر روتے کہ بے ہوش ہو جاتے، **شُفَی بن ماتع أصبحی** کا بیان ہے کہ مسجدِ نبوی میں حضرت ابو ہریرہ کا درسِ حدیث جاری تھا، میں ایک کنارہ میں بیٹھ گیا، جب مجلسِ حدیث ختم ہوئی، لوگ واپس چلے گئے، تو میں آپ کے قریب ہوا اور عرض کیا آپ مجھے ایک ایسی حدیث سنائیں جسے آپ کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی اور نے نہ سنا ہو یہ سن کر آپ نے فرمایا: ہاں! میں تمہیں ایسی ہی حدیث سناؤں گا۔ اتنا فرما کر اتنی سسکیاں لیں کہ بے ہوش ہونے لگے، کچھ دیر بعد اپنے اوپر کنٹرول کیا۔ پھر یہی جملہ فرمایا کہ میں تمہیں ایسی حدیث سناؤں گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس حدیث پاک کے سننے کے وقت آپ کے پاس میرے علاوہ کوئی نہیں تھا پھر وہی حالت ہوگئی، اس قدر روئے کہ بے ہوش ہوگئے۔ ہوش میں آنے کے بعد وہی جملہ دہرایا، اس طرح آپ کی حالت تین یا چار مرتبہ ہوئی۔ پھر آپ نے اپنے اوپر بہت کنٹرول کرکے ریاکار قاریٔ قرآن، عالم، ریاکار مجاہد اور ریاکار سخی سے متعلق وعید والی ایک لمبی روایت سنائی۔

---

(۱) الزہد لابن المبارک: ۱۹۵-۱۶۰، جامع ترمذی: ۲/ ۶۳۔

(۲) سورۃ البقرۃ: آیت ۱۵۹۔

(۳) سورۃ البقرۃ: آیت ۱۷۴-۱۷۵۔

(۴) صحیح بخاری: ۱/ ۲۲، حدیث نمبر (۱۱۸)

راوی شُفَی نے یہ روایت سن کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو سنائی، یہ بھی روتے روتے بے ہوش ہو گئے۔ ہوش میں آنے کے بعد فرمایا: صدق اللہ ورسولہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ۔ (۱)

کثرتِ روایت کی وجوہات

پہلی وجہ:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کتمانِ علم کو ناجائز سمجھا، جس کی بنا پر جتنی روایتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن رکھی تھیں ان کا امت تک پہونچانا فرض گردانا۔ حدیث پاک کے بیان کرنے میں اپنے حافظہ پر خوب اعتماد کر کے کثرت وزیادتی سے کام لیا۔ کچھ لوگوں نے اس کثرتِ روایت پر اشکال کیا تو اس کا اس طرح جواب دیا۔ لوگ کہتے ہیں کہ ابو ہریرۃ خوب کثرت سے حدیثیں بیان کیا کرتا ہے، سن لو! اگر قرآن کریم کی میرے سامنے دو آیتیں نہ ہوتیں، تو میں ایک حدیث بھی بیان نہ کرتا، پھر اس آیتِ کریمہ کی تلاوت فرمائی: ''إن الذین یکتمون ما أنزلنا من البینات والهدی من **بعد ما بینّه للناس في الکتاب، أولئک یلعنهم اللہ ویلعنهم اللاعنون**'' (۲) جو لوگ ہماری اتاری ہوئی دلیلوں اور ہدایت کو چھپاتے ہیں، باوجودیکہ ہم اسے اپنی کتاب میں لوگوں کے لیے بیان کر چکے ہیں، ان لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی اور تمام لعنت کرنے والوں کی لعنت ہے۔

دوسری آیت: **ان الذین یکتمون ما أنزل اللہ من الکتاب ویشترون به ثمنا قلیلاً** الخ۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی کتاب کے مضامین کو چھپاتے ہیں اور اسے معمولی قیمت پر بیچتے ہیں، یقین مانو کہ یہ اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان سے بات بھی نہ کرے گا، نہ انہیں پاک کرے گا۔ (۳)

دوسری وجہ:

میرے انصاری بھائی اپنی کھیتی باڑی میں مصروف رہا کرتے اور مہاجرین بھائی بازار میں کاروبار میں لگے رہتے، جب کہ میں اپنے گذارہ کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتا تھا، اسی طرح میں اس وقت موجود ہوتا کہ دوسرے لوگ موجود نہ ہوتے۔ اسی طرح میں احادیثِ رسول کو یاد

---

(۱) صحیح بخاری: ۱/۴۱، نمبر: (۱۰۷)

(۲) سیر اعلام النبلاء: ۳/۴۰۶۔

(۳) صحیح بخاری: ۱/۴۱، نمبر (۱۰۸)

(۴) جامع بیان العلم: ۲/۱۲۲۔

رکھتا تھا، جب کہ دوسرے لوگ بھول جاتے تھے۔ (۴) اکابرین صحابۂ کرام کثرتِ روایت سے گریز کرتے تھے، بہت کم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب منسوب کرکے حدیثیں بیان کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن زبیر بن عوام رضی اللہ عنہما نے اپنے والد محترم حضرت زبیر سے دریافت کیا: ابوجان! میں آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں فلاں، فلاں کی طرح بیان کرتا نہیں دیکھتا ہوں، آخر کیا وجہ ہے؟ جواب دیا: بیٹے! میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی جدا نہیں ہوا، ہمیشہ آپ کے ساتھ سایہ کی طرح چمٹا رہا؛ لیکن میں نے آپ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے جان بوجھ کر میری جانب جھوٹی باتیں منسوب کرکے بیان کیں تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔ (۱)

خادمِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ۲۲۸۶ روایتیں مروی ہیں۔ (۲) اس کے باوجود کثرتِ روایت سے گریز کرتے ہوئے یہی سبب بیان فرماتے تھے کہ میں بہت حدیثیں بیان کرتا؛ لیکن فرمانِ نبوی "من تعمد علي كذبا فليتبوّ أمقعده من النار" نے زیادہ حدیثیں بیان کرنے سے روک رکھا ہے۔ (۳) یہ خوف حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے اندر بھی تھا، لیکن اپنے حافظہ پر کامل اعتماد تھا جس کی بنا پر اجلّۂ صحابۂ کرام کو مخاطب کرکے حدیثیں بیان کرتے اور یہ بھی فرماتے کہ اگر اس حدیث سے کسی کو انکار ہے تو بتائے۔ تفصیل آچکی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا آپ کو زیادہ روایت بیان کرنے سے روکنا، پھر امتحان لینے کے بعد اجازت دے دینا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت میں صحابۂ کرام کو کثرت سے روایتیں بیان کرنے سے اسی فرمانِ نبوی کی بنا پر منع کر رکھا تھا۔ علامہ ابن عبدالبر تحریر فرماتے ہیں: کثرتِ روایت سے ممانعت اور قلتِ روایت کا حکم حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس لیے دیا تاکہ کثرت کی صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف غلط بات منسوب ہوجانے کا زیادہ اندیشہ تھا۔ نیز اس کا بھی خوف تھا کہ جو حدیثیں لوگوں کو اچھی طرح محفوظ نہ ہوں اور اپنی یادداشت پر پورا بھروسہ نہ ہو، اس قسم کی حدیثوں کے بیان پر لوگ جری ہوجائیں گے۔ (۴)

---

(۱) سیر اعلام النبلاء: ۳/۴۰۰-۴۰۱، البدایہ والنہایہ: ۸/۱۰۶۔ (۲) صحیح بخاری: ۲/۱۰۰۹، نمبر: (۶۸۳۰)

اسی علت کے پیش نظر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو بھی منع فرمایا اور دھمکایا **"لتتركن الحديث عن رسول الله ﷺ أو لألحقنك بأرض دوس"** تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کے بیان کرنے سے باز آجاؤ ورنہ میں تمہیں سرزمینِ دوس بھیج دوں گا۔ (۱)

واضح رہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا مقصد یہ قطعا نہ تھا کہ کلیۃً لوگوں کو احادیث بیان کرنے سے روک دیا جائے، بلکہ وہ یہ چاہتے تھے کہ ان ہی حدیثوں کی حد تک لوگ اپنے بیان کو محدود رکھیں، جن کے متعلق پورا اطمینان ہو کہ جو کچھ انہوں نے دیکھا یا سنا ہے وہی وہ بیان کرر ہے ہیں۔ انہوں نے خود ہی ایک لمبی روایت کو بیان کرنے سے پہلے لوگوں کو بیان کیا۔

من عقلها ووعاها فليحدث بها حيث انتهت به راحلته، ومن خشي أن لا يعقلها فلا أحل لأحد أن يكذب علي۔ (۲)

ترجمہ: جو اس حدیث کو اچھی طرح سمجھ لے اور یاد کر لے تو وہ اس حدیث کو ان مقامات تک بیان کرتا چلا جائے جہاں تک پہنچ کر اس کا اونٹ رک جائے؛ مگر جسے اندیشہ ہے کہ حدیث کو پورے طور پر یاد نہیں کر سکا ہے، میں اس کے لیے کبھی بھی اس کو جائز قرار نہیں دوں گا کہ وہ میری طرف جھوٹ کو منسوب کر کے بیان کرے۔

حضرت عمر فاروق کے آخری جملہ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ جن لوگوں کو اپنی یاد اور قوتِ حافظہ پر اطمینان اور اعتماد نہ ہو صرف ان ہی کو روکنا ہے نہ کہ تمام حضرات کو احادیثِ رسول بیان کرنے سے کلیۃً روکنا ہے، یہی وجہ ہے کہ جب آپ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حفظ و اتقان کا امتحان لیا اور آپ کو اُن کی للّٰہیت، تقویٰ و طہارت اور ان کی یادداشت پر پورا اعتماد ہو گیا تو انہیں روایت بیان کرنے کی باضابطہ اجازت دے دی۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تک میری روایت پہونچی، تو مجھے طلب کیا اور فرمایا: اے ابو ہریرہ! کیا تم اس دن ہمارے ساتھ تھے، جس دن ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ فلاں شخص کے گھر میں تھے؟ میں نے عرض کیا:

---

(۱) سیر اعلام النبلاء: ۲/ ۶۰۳۔ (۲) تاریخ ابن عساکر: ۴۷/ ۳۸۸۔

(۳) سیر اعلام النبلاء: ۲/ ۵۸۶، تہذیب التہذیب: ۲/ ۲۶۵۔ (۴) سیر اعلام النبلاء: ۲/ ۵۷۹-۵۸۵۔

(۵) دفاع عن أبي هريرة: / ۳۱۵۔

ہاں! اور میں خوب جانتا ہوں کہ آپ یہ کیوں دریافت کرر ہے ہیں؟ انہوں نے پوچھا: بتاؤ! کیوں معلوم کرر ہا ہوں؟ میں نے کہا: اس دن نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: ”من كذب علي متعمداً فليتبوا مقعده من النار“ جو شخص میری جانب جھوٹی بات منسوب کرے تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔

انہوں نے یہ سن کر فرمایا: ”أما لا، فاذهب فحدث“ اب تم جاؤ اور حدیث بیان کرو میں تمہیں حدیث بیان کرنے سے کبھی نہیں روکوں گا۔(۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ذہن میں ہمیشہ یہ فرمانِ نبوی ”من كذب علي متعمداً فليتبوا مقعده من النار“ مستحضر رہتا تھا، اور اس فرمانِ نبوی کو عام طور سے لوگوں کے سامنے پیش بھی کرتے رہتے تھے، تاکہ لوگ جان لیں کہ آپ کو اپنے حافظہ پر کامل و مکمل اعتماد ہے۔ جس کے نتیجہ میں بالکل صحیح صحیح ارشادِ نبوی لوگوں کے سامنے پیش کرر ہے ہیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ بازار سے گذرتے ہوئے فرمایا: اے لوگو! تم میں سے جو مجھے نہیں جانتا وہ جان لے کہ میں ابو ہریرۃ ہوں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو جان بوجھ کر میری جانب جھوٹی بات کی نسبت کرے گا تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔(۲)

شاگردانِ کرام

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک جمِ غفیر نے استفادہ کیا ہے، امام بخاری علیہ الرحمہ نے فرمایا: ”روى عنه ثمان مئة أو اكثر“ آپ سے روایت کرنے والوں کی تعداد آٹھ سو یا اس سے زائد ہے۔(۳)

علامہ شمس الدین ذہبی نے ۳۲۸، شاگردوں کے ناموں کی فہرست پیش کی ہے۔(۴)

صاحبِ ”دفاع عن أبي هريرة“ شیخ عبدالمنعم صالح نے امام بخاری کی آٹھ سو تعداد کو سامنے رکھتے ہوئے صحاحِ ستہ اور دیگر کتبِ حدیث، کتبِ رجال اور کتبِ تاریخ کی ورق گردانی کی اور

---

(۱) العلل ومعرفۃ الرجال: ۱/ ۲۰۴، الجرح والتعدیل: ۳/ ۲۸۰۔ (۲) اعلام الموقعین: ۱/ ۲۳۔

(۳) تہذیب التہذیب: ۹/ ۲۱۵۔ (۴) تہذیب التہذیب: ۳/ ۲۲۰۔

(۵) جامع بیان العلم: ۱/ ۲۲۔ (۶) طبقات ابن سعد: ۲/ ۳۶۴۔

آپ کے شاگردوں کو خوب تلاش کیا تو (۷۶۶) کی تعداد تک پہونچے۔ (۵) اس سے پتہ چلا کہ امام بخاری کی نگاہ کتنی تیز ہے انہوں نے آٹھ سو یا اس سے زائد کی تعداد جو بیان کی ہے وہ تخمینہ اور اندازہ کے طور پر نہیں بلکہ حقیقت ہے۔

امام المحدثین احمد بن حنبل رحمہ اللہ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کے شاگردوں میں سب سے زیادہ مضبوط اور ثقہ شاگرد ۲/ دو کو شمار کرتے ہیں۔ پہلے نمبر پر محمد بن سیرین۔ دوسرے نمبر پر سعید بن مسیب رحمہما اللہ ہیں۔ (۱) گویا کہ یہ دونوں حضرات آپ کی حدیثوں کے ترجمان و ناشر ہیں۔

حضرت سعید بن مسیب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے داماد ہیں۔ آپ نے اپنی صاحبزادی ان کی زوجیت میں دے رکھی تھی، جب بھی آپ کی نظر ان پر پڑتی تو یہ فرماتے: "**أسأل الله أن يجمع بيني وبينک في سوق الجنة**" اے اللہ! میں آپ سے جنت کے بازار میں سعید بن مسیب کی رفاقت کا سوال کرتا ہوں۔

علامہ ابن قیم رحمہٗ اللہ اسے نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں! یہی وجہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ کی زیادہ تر روایتیں ان ہی سے مروی ہیں۔ (۲)

فنِ رجال کے امام، امیر المؤمنین فی الحدیث علی بن عبداللہ مدینی نے آپ کی روایتوں کے ترجمان و ناشر ۶/ چھ حضرات کو قرار دیا ہے: سعید بن مسیب، ابو مسلمہ، اعرج عبدالرحمن بن ہرمز، ابو صالح سمان، محمد ابن سیرین اور طاؤس رحمہم اللہ۔ (۳)

امام یحیٰ بن معین نے بھی آپ کے شاگردوں میں سب سے زیادہ ثقہ اور صحیح روایتوں کے ناشر ان ہی چھ حضرات کو قرار دیا ہے؛ البتہ ابو سلمہ کی جگہ سعید مقبری کو اور طاؤس کی جگہ ابو رافع کو گردانا ہے۔ (۴)

حضرت ابو ہریرہ کی حدیثوں کے نسخے اور صحیفے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حدیث کے لکھنے کو ناپسند کرتے تھے، خود فرماتے ہیں: "**نحن نكتب و لا نُكتِبُ**" ہم نہ لکھتے ہیں اور نہ لکھاتے ہیں۔ (۵) ایک روایت میں ہے "**إن أبا هريرة لا يكتم و لا يكتب**" کہ ابو ہریرۃ نہ چھپاتا ہے اور نہ لکھتا ہے (۶)؛ مگر جب بعد میں حدیث

---

(۱) جامع بیان العلم: ۱/ ۴۷۔ (۲) تفصیل کے لیے "تعلیق توجیہ النظر للشیخ عبدالفتاح ابو غدۃ" دیکھیے۔

پاک کے لکھنے اور کاپیوں میں محفوظ کرنے کا رواج ہوگیا تو حضرت ابو ہریرہ نے بھی اپنا نقطۂ نظر بدل دیا اور ان کے پاس بھی کتابوں کا اچھا خاصا ذخیرہ ہوگیا۔ حسن بن عمرو بن امیہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ کے سامنے ایک حدیث بیان کی جس سے انہوں نے لاعلمی ظاہر کی، میں نے عرض کیا، یہ حدیث میں نے آپ سے سنی ہے، اس پر فرمایا: اگر تم نے اس کو مجھ سے سنا ہوگا تو میرے پاس ضرور ہوگی اور میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے مکان کے اندر لے گئے اور حدیثوں کی بہت سی کتابیں دکھائیں اور اس کو پا کر کہا: میں نے تم سے کہا تھا کہ اگر یہ حدیث میں نے بیان کی ہوگی تو میرے پاس لکھی ہوگی۔ (۱)

آپ کے مختلف شاگردوں نے آپ کی حدیثوں کے صحیفے اور نسخے لکھ رکھے تھے اور ان سے روایت بیان کیا کرتے تھے۔ ان میں سے تین شاگردوں کے نسخے زیادہ مشہور ہوئے اور تابعین، تبع تابعین اور ان کے بعد تک ان نسخوں سے روایتیں نقل ہوتی رہیں اور جب تدوینِ حدیث کا دور آیا تو ان صحیفوں اور نسخوں کی حدیثیں کتابوں میں آگئیں، وہ تین شاگردوں کے نام یہ ہیں:

(۱) نسخۂ عبدالرحمن بن ہرمز اعرج (۲) نسخۂ عبدالرحمن بن یعقوب جہنی (۳) نسخۂ ہمام بن منبہ صنعانی (۴) آخر الذکر نسخۂ ہمام بن منبہ بحمداللہ چھپ چکی ہے۔ ڈاکٹر حمیداللہ رحمہٗ اللہ نے ایڈٹ کر کے حیدرآباد سے چھپوایا ہے۔ اس میں کل ۱۳۸/ حدیثیں ہیں۔

امام بخاری علیہ الرحمۃ نے اپنی صحیح بخاری میں اس نسخہ سے ۱۹/ روایتیں لی ہیں۔ امام مسلم نے صحیح مسلم میں ۵۸/ روایتیں لی ہیں، وہ روایتیں جن کی تخریج پر دونوں کا اتفاق ہے وہ کل ۲۳/ ہیں اور بقیہ روایتوں کو دونوں حضرات نے چھوڑ دیا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم ہی میں صرف صحیح حدیثیں نہیں ہیں، بلکہ بقیہ کتبِ احادیث میں بھی صحیح حدیثیں ہیں۔ ورنہ ان بزرگوں نے ایک ہی سند سے آئی ہوئی روایتوں میں سے کچھ لیا، کچھ چھوڑ دیا، آخر ایسا کیوں؟ جب کہ ساری روایتوں کی ایک ہی سند ہے وہ اس طرح ہے۔

حدثنا عبدالرزاق بن همام بن نافع الحميری، عن همام بن منبه، قال: هذا ما

---

(۱) سیر اعلام النبلاء: ۲/ ۶۳۲، الإصابۃ: ۴/ ۲۰۲۔

(۲) ھدی الساری: ۱/ ۴۷۶۔

(۳) سیر اعلام النبلاء: ۲/ ۶۳۲۔

(۴) مقدمۂ مسندِ أحمد لمحمد أحمد شاکر: ۱/ ۸۲۔

(۵) سننِ دارمی: ۱/ ۸۲۔

(۶) صحیح بخاری: ۲/ ۸۱۸، نمبر: ۵۴۴۱۔

(۷) البدایۃ والنہایۃ: ۸/ ۱۱۰۔

(۸) حلیۃ الأولیاء: ۱/ ۳۸۳۔

(۹) صفۃ الصفوۃ: ۱/ ۶۹۱، البدایۃ والنہایۃ: ۸/ ۱۱۲۔

(۱۰) حلیۃ الأولیاء: ۱/ ۳۸۳۔

حدثنا أبو هريرة عن محمد رسول الله ﷺ قال: نحن الآخرون السابقون يوم القيامة بيد أنهم أوتوا الكتاب من قبلنا الخ۔ (۲)

اس کے بعد تمام حدیثیں قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ کر بیان کی گئی ہیں۔

تعدادِ احادیث

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کی حدیثوں کی تعداد علامہ شمس الدین ذہبی اور علامہ ابنِ حجر عسقلانی نے پانچ ہزار تین سو چوہتر بتائی ہے۔ (۱) جن میں سے صرف صحیح بخاری میں مکررات کو حذف کرکے ۴۴۶؍ احادیث (۲) اور صرف صحیح مسلم میں ۴۲۴؍ احادیث (۳) اور ''مسندِ احمد'' مین مکررات کو لے کر ۳۸۴۸؍ حدیثیں ہیں (۴) اور بقیہ دیگر کتبِ احادیث میں ہیں۔

عبادت کا اہتمام

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے رات کو تین حصے میں تقسیم کررکھا تھا، ایک حصہ میں سوتے، دوسرے حصہ میں عبادت کرتے اور تیسرے حصہ میں احادیثِ رسول یاد کرتے۔ (۵)

آپ نے اپنے گھر والوں کا بھی یہی معمول بنا رکھا تھا کہ انہیں بھی راتوں میں عبادت کے لیے جگایا کرتے تھے، ابوعثمان نہدی کا بیان ہے کہ میں سات رات تک حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا مہمان بنا رہا، ہر رات میں نے یہی دیکھا کہ وہ، ان کی اہلیۂ محترمہ اور ان کے خادم نے آپس میں رات کو تین حصے میں تقسیم کررکھا تھا، خود رات کا ایک ثلث (تہائی) گذارتے، پھر اپنی اہلیۂ محترمہ کو جگاتے، وہ بھی ایک تہائی رات عبادت میں گذارتیں، پھر خادم کو جگا دیتیں۔ (۶)

علامہ ابنِ کثیر فرماتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مسجد کوٹھری، کمرہ، گھر اور گھر کے دروازہ پر تھی۔ جب بھی باہر جاتے یا اندر آتے تو پہلے اپنی متعین کردہ ان چاروں مسجدوں میں نماز پڑھتے۔ (۷) آپ خود فرماتے ہیں کہ میں روزانہ بارہ ہزار مرتبہ توبہ واستغفار کرتا ہوں۔ (۸)

---

(۱) حلیۃ الأولیاء: ۱/ ۳۸۲۔
(۲) الإصابۃ: ۴/ ۲۰۵۔
(۳) سیر اعلام النبلاء: ۲/ ۶۱۰۔
(۴) حلیۃ الأولیاء: ۱/ ۳۸۲۔
(۵) طبقات ابنِ سعد: ۴/ ۳۲۹۔
(۶) الإصابۃ: ۴/ ۲۰۶۔
(۷) سیر اعلام النبلاء: ۲/ ۶۱۱، البدایۃ والنہایۃ: ۸/ ۱۰۰۔
(۸) کتاب الخراج لأبي یوسف: / ۱۱۴۔

آپ کے پاس ایک دھاگہ تھا جس میں بارہ ہزار گرہیں تھیں، جب تک اس پر بارہ ہزار مرتبہ تسبیح پڑھ نہ لیتے، سوتے نہیں تھے۔ (۹) اور ایک روایت میں ہے کہ اس میں دو ہزار گرہیں تھیں۔ اس پر دو ہزار مرتبہ تسبیح پڑھ کر کے سوتے تھے۔ (۱۰)

آپ نفلی روزہ رکھنے کا بہت اہتمام کرتے تھے، ہر مہینہ کے شروع میں تین روزہ رکھا کرتے تھے (۱)؛ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو ہر ماہ میں تین روزے رکھنے کی خاص وصیت فرمائی تھی۔ (۲) پیر اور جمعرات کے دن بھی روزہ رکھنے کا معمول تھا۔ (۳) بلکہ جب بھی گھر میں تشریف لاتے، کھانے کے بارے میں دریافت کرتے۔ اگر کھانا مل جاتا نوش فرما لیتے۔ ورنہ یہ فرماتے "إني صائم" میں آج روزہ سے ہوں۔ (۴)

والدۂ محترمہ کی خدمت کرنے اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے کی وجہ سے جب تک وہ باحیات رہیں آپ حج بیت اللہ کے لیے نہیں گئے۔ (۵) ممکن ہے کہ راوی حجۃ الوداع کے علاوہ حج بیت اللہ کرنے سے متعلق یہ کہہ رہا ہو کہ والدہ کی حیات تک حج بیت اللہ کے لیے نہیں گئے؛ کیونکہ حجۃ الوداع میں آپ شریک تھے۔ (۶)

آپ روزانہ صبح وشام بلند آواز سے لوگوں کو جہنم کی آگ سے ڈراتے تھے، اس کا طریقہ یہ ہوتا کہ صبح کے وقت یہ آواز لگاتے: "**ذهب الليل وجاء النهار وعرض آلُ فرعون على النار**" رات چلی گئی، دن نمودار ہو گیا اور فرعون والوں کو آگ پر پیش کر دیا گیا۔ ایسے ہی شام کے وقت نداء لگاتے تھے۔ آپ کی آواز جو بھی سنتا وہ دوزخ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنے میں لگ جاتا۔ (۷)

حضرت ابو ہریرہ کی خوش گوار زندگی اور والہانہ شکر

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آپ کو اپنے عہدِ خلافت میں "بحرین" کا گورنر بنا دیا تھا۔ (۸) اس موقع پر آپ کے پاس دس ہزار رقم جمع ہو گئی، جس کو لے کر آپ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے درمیان کچھ تکرار اور بحث ومباحثہ بھی ہوا۔ واقعہ یہ ہوا کہ جب آپ "بحرین" سے دس ہزار خطیر رقم لے کر آئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "**يا عدو الله وعدو كتابه؟**" اے اللہ اور اس

---

(۱) سیر اعلام النبلاء: ۲/ ۶۱۲، البدایۃ والنہایۃ: ۸/ ۱۱۳، الإصابۃ: ۴/ ۲۱۰۔ (۲) العقد الفرید: ۱/ ۵۵۔

(۳) تفصیل کے لیے تاریخ طبری: ۴/ ۸۲، طبقات ابنِ سعد: ۴/ ۳۲۶، حلیۃ الأولیاء: ۱/ ۲۸۰ دیکھیے۔

کی کتاب کے دشمن! تم نے یہ مال غلط طریقہ پر جمع کیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ! میں اللہ اور اس کی کتاب کا دشمن نہیں ہوں، بلکہ اس کا دشمن ہوں جو ان دونوں کا دشمن ہے۔

حضرت عمر: پھر یہ مال کہاں سے آیا؟

حضرت ابو ہریرہ: گھوڑے کی افزائشِ نسل اور غلام کی آمدنی سے بڑھے اور ہدایا و تحائف بھی کچھ ملے۔

حضرت عمر نے یہ سن کر اس معاملہ کی تحقیق کرائی، تو سچ اور صحیح پایا۔(۱) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دوبارہ آپ کو بحرین کا گورنر بنا کر بھیجنا چاہا؛ مگر آپ نے سختی سے انکار کر دیا۔ تو حضرت عمر نے فرمایا: اس روئے زمین پر تم سے بہتر حضرت یوسف علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام تھے، انہوں نے امارت وحکومت کو خود ہی طلب کرتے ہوئے فرمایا تھا **"اجعلني علی خزائن الأرض"** اے بادشاہِ مصر! آپ مجھے ملکوں کے خزانے کا حاکم بنا دو (سورۃ یوسف آیت: ۵۵) یہ سن کر آپ نے فرمایا: کہاں یوسف علیہ السلام؟ اور کہاں میں امیمۃ کا بیٹا؟ ان دونوں میں کیا جوڑ ہے! حقیقت یہ ہے کہ اس گورنری کے قبول کرنے کی وجہ سے مجھے اپنی عزت و آبرو کے داغ دار ہونے اور ذاتی مال کو حکومت کا مال سمجھ کر چھین لیے جانے کا خوف ہے(۲) اس کے بعد آپ کے حالات اللہ تعالیٰ نے اور بدلے اور خوب وسعت وفراخی دی کہ آپ جس عورت کے اجیر و مزدور تھے، اسی کو اللہ تعالیٰ نے آپ کے نکاح میں دے دیا آپ کافی عرصہ سے بسرہ بنت غزوان۔ جو جلیل القدر صحابی حضرت عتبہ بن غزوان کی بہن تھیں۔ کے یہاں مزدور تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی ان سے شادی کرادی۔ تاریخِ طبری سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اہلیہ محترمہ فاختہ بنت غزوان کی بہن تھیں، اس طرح آپس میں یہ دونوں ہم زلف ہو گئے۔(۳)

ان ساری نعمتِ غیر مترقبہ پر اللہ تعالیٰ کا بے انتہا والہانہ شکر بجالاتے تھے۔ بعض دفعہ شکر بجالانے میں بے قابو ہو جاتے۔ ایک بار آپ نے لوگوں کو نماز پڑھائی، سلام پھیرنے کے بعد بے ساختہ بہ آواز بلند آپ کی زبان سے یہ جملہ نکلا **"الحمدلله الذي جعل الدين قواماً، وجعل**

---

(۱) حلیۃ ا ل أولیاء: ۱/ ۳۷۹–۳۸۰۔ (۲) صحیح بخاری: ۲/ ۱۰۸۹، نمبر: (۷۳۲۴)

اباھریرۃ إماماأبعدأن کان اجیر ألابنۃ غزوان علی شبع بطنہ" تمام تعریفیں اللہ تبارک وتعالیٰ کے لیے ہے جس نے دین کو مستحکم کر دیا اور ابو ہریرہ کو امام بنایا، جب کہ پہلے وہ معمولی گذر بسر پر غزوان کی بیٹی کا مزدور تھا۔

مضارب بن حزن کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں رات میں سفر کر رہا تھا کہ اچانک "اللہ اکبر" کی آواز کانوں میں گونجی، میں نے اپنا اونٹ اس کے پیچھے لگا دیا اور قریب پہونچ کر میں نے پوچھا کس بات پر بہ آواز بلند تکبیر کہی؟ تو فرمایا: اس بات پر میں نے شکریہ ادا کیا ہے کہ میں بُسرہ بنت غزوان کے یہاں مزدور تھا، جب اس کے گھر والے مقیم ہوتے تو ان کی خدمت کرتا اور جب سفر میں ہوتے تو ان کے اونٹ لے کر چلتا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو میری زوجیت میں دے دیا آج وہ میری بیوی ہے۔(۱)

امام محمد بن سیرین کہتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک بار سوتی کے دو کپڑے گیرد رنگ کے رنگے ہوئے پہنے۔ اس زمانہ کا یہ اعلیٰ قسم کا کپڑا سمجھا جاتا تھا۔ اور اسی کپڑے میں ناک صاف کی، کہنے لگے واہ واہ ابو ہریرہ! آج تو اتنا مالدار ہو گیا کہ سوتی کے کپڑے میں ناک سنکتا ہے، جب کہ ایک زمانہ تھا کہ شدتِ بھوک سے چکرا کر منبرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرۂ مبارکہ کے درمیان بے ہوش پڑا رہتا تھا، آنے جانے والے گردن پہ پاؤں رکھ دیا کرتے تھے اور یہی سمجھتے تھے کہ ابو ہریرہ پاگل ہو گیا ہے۔(۲)

مہمان نوازی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بڑے ہی اچھے مہمان نواز تھے۔ طفاوی کا بیان ہے کہ میں آپ کے پاس چھ ماہ تک مدینہ منورہ میں مہمان رہا؛ لیکن آپ جیسا مہمان نواز اور خاطر تواضع کرنے والا کسی کو نہیں دیکھا۔

ایک بار آپ کے پاس کچھ مہمان آ گئے، آپ نے فوراً حمید بن مالک کو اپنے گھر والدہ محترمہ کے پاس کھانا لانے کے لیے بھیجا اور یہ کہا کہ سب سے پہلے میری جانب سے سلام عرض کرنا، پھر کھانا مانگ کر لانا، یہ گئے آپ کی ہدایت پر عمل کیا، والدہ محترمہ نے پلیٹ میں تین چپاتی اور کچھ زیتون کا تیل

---

(۱) ال أدب المفرد حدیث نمبر: (۵۷۲) (۲) صحیح مسلم: ۲/ ۵۔

(۳) العقد الفرید: ۱/ ۶۲۔ (۴) صحیح بخاری: ۲/ ۸۸۰، نمبر: (۵۹۵۲) صحیح مسلم:

اور نمک رکھ کر میرے سر پر رکھ دیا، میں اسے لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا، اپ نے یہ کھانا دیکھ کر بہ آواز بلند اللہ اکبر کہا اور اللہ کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا: تمام تعریف اللہ رب العزت کی ہے کہ جس نے ہمیں روٹی سے آسودہ کیا، ایک وقت وہ تھا کہ ہمارا کھانا پانی اور کھجور کے علاوہ کچھ نہ ہوتا تھا۔ جب لوگ جا چکے تو حمید کو مخاطب کر کے فرمایا: اے میرے بھتیجے! تم بکری کے ساتھ اچھائی کا معاملہ کیا کرو۔ اس کی ناک صاف کر دیا کرو اور اس کی صفائی کا خوب خیال رکھا کرو **''فإنها من دواب الجنة''** کیونکہ یہ جنت کے جانوروں میں سے ہے۔(۱)

گورنرِ مدینہ منورہ مروان بن حکم کے سامنے بے باکی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ کے گورنر مروان بن حکم سے فرمایا: تم نے سود کو حلال کر دیا ہے۔ مروان نے پوچھا: کیسے؟ تو آپ نے حدیث شریف سنائی۔ مروان کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور لوگوں کو جمع کر کے خطبہ دیا اور اس طرح کی خرید و فروخت سے منع کر دیا۔(۲)

مروان بن حکم نے ایک مرتبہ جمعہ کے خطبہ میں تاخیر کر دی، تو آپ نے فرمایا: اے مروان! تم تو اپنے اہل و عیال کے ساتھ ٹھنڈی ہوا، میٹھے اور ٹھنڈے پانی کا مزہ لو اور مہاجرین اور انصار صحابۂ کرام کی آل و اولاد گرمی سے پریشان رہے۔(۳)

ابو زرعہ کا بیان ہے کہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مروان کے گھر میں داخل ہوا۔ آپ نے مکان کی چھت پر ایک مصور اور تصویر کش کو تصویر بناتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے! اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو میری طرح پیدا کرنا چاہے؟ ذرا یہ ایک دانہ یا ایک چیونٹی ہی بنا دیں!(۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ مروان کے پاس سے گذرے تو آپ نے دیکھا کہ وہ وسطِ مدینہ میں گھر کی تعمیر کرا رہا ہے، تو آپ معمار اور مزدوروں سے کہنے لگے مضبوط اور پختہ عمارت بناؤ عمارت کی درازیٔ عمر کی تمنا رکھو؛ لیکن موت کو قریب سمجھو۔

---

(۱) المستدرک: ۴/ ۳۶۳، بسند صحیح ووافقہ الذہبی۔

(۲) طبقات ابن سعد: ۴/ ۳۳۹، کتاب الزہد لابن حنبل: / ۱۵۳۔

(۳) المستدرک: ۱/ ۳۸۲۔

(۴) طبقات ابن سعد: ۴/ ۳۳۸۔

(۵) کتاب الزہد لاحمد بن حنبل: / ۱۷۸۔

(۶) طبقات ابن سعد: ۴/ ۳۳۹، بسند صحیح۔

مروان وغیرہ کو مخاطب کر کے فرمایا: اے قریش کی جماعتو! تم اپنی پہلی اور موجودہ حالت کو ملاؤ کہ تم اپنے ماتحت فارس اور روم کے نقشِ قدم پر تو نہیں چل رہے ہو۔

تم میدے کی روٹیاں اور موٹے فربے جانور کے گوشت خوب کھاؤ؛ مگر آپس میں ایک دوسرے سے جھگڑا مت کرو اور تم گھوڑوں کی طرح آپس میں ایک دوسرے پر ظلم مت کرو، تم لوگ آج چھوٹے بن جاؤ کل بڑے بن جاؤ گے۔ اللہ کی قسم! جو بھی بڑا بنے گا اللہ تعالیٰ اسے بروزِ قیامت ذلیل درسوا کریں گے۔(۱)

آخری وقت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ آخری وقت میں بسترِ مرگ پر رو رہے تھے رونے کی وجہ دریافت کرنے پر فرمایا: دنیا کے چھوٹنے اور موت کے خوف سے نہیں رو رہا ہوں، بلکہ اس بنا پر رو رہا ہوں کہ سامنے ایک لمبا سفر ہے؛ لیکن اس کے لیے توشۂ سفر بہت تھوڑا اور مختصر ہے، معلوم نہیں، میرا ٹھکانہ جنت یا جہنم ہے۔(۲) پھر گھر والوں کو بلا کر آخری وصیت فرمائی!

میری موت پر نوحہ اور ماتم مت کرنا؛ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔(۳) نہ میری جنازہ پر خیمہ گاڑنا، نہ میرے جنازہ کے پیچھے کسی قسم کی آگ لے کر چلنا، بلکہ میرے جنازہ کو جلد لے کر چلنا، کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے: جب نیک صالح میت کو تخت پر رکھ دیا جاتا ہے تو وہ میت کہتی ہے! جلد مجھے لے کر چلو، جلد مجھے لے کر چلو اور جب بد دین اور بری میت کو تخت پر رکھ دیا جاتا ہے تو وہ کہتی ہے! ہائے میری بربادی! تم لوگ مجھے کہاں لے کر جا رہے ہو۔(۴) اتنا فرما کر زار وقطار رونے لگے، وجہ دریافت کیے جانے پر وہی جملہ دہرایا۔ سامنے ایک لمبا سفر ہے، پر اس کے لیے زادِ راہ مختصر ہے۔(۵)

آپ کی وفات سے کچھ ہی لمحہ پہلے گورنرِ مدینہ مروان بن حکم عیادت کے لیے آئے اور آپ کی شفایابی کی دعاء کرتے ہوئے کہا: "شفاک اللہ یا أبا ھریرۃ" اے ابوہریرہ! اللہ تعالیٰ آپ کو شفا

---

(۱) ا ل اصابۃ: ۴/ ۲۰۶، تہذیب التہذیب (۲) صفۃ الصفوۃ: ۱/ ۲۹۴۔

(۳) الثقات لابن حبان: /۱۹۱، بحوالہ دفاع عن أبی ہریرۃ: /۱۶۷۔ (۴) طبقات ابن سعد: ۴/ ۳۴۰۔

(۵) دفاع عن أبی ہریرۃ: /۱۶۱۔۱۶۲۔ (۶) طبقات ابن سعد: ۴/ ۳۳۳۔۳۳۵۔

دے؛ لیکن آپ نے مروان کی جانب ذرہ برابر توجہ نہیں دی بلکہ اپنے ربّ ذوالجلال سے مناجات کرنے میں لگے رہے اور باربار یہی دعاء کرتے رہے" **اللّٰھم إني احب لقائک فأحبّ لقائي**" الٰہی! مجھے تیری ملاقات محبوب وپسندیدہ ہے تو بھی میری ملاقات کو پسند فرما۔ سعید مقبری کہتے ہیں کہ مروان بن حکم کو گئے ہوئے کچھ ہی وقفہ ہوا تھا کہ آپ اپنے محبوبِ حقیقی رب العزت سے جاملے۔ (۶)

وفات

آپ کی تاریخِ وفات کے سلسلہ میں اختلاف ہے؛ لیکن صحیح قول یہی ہے کہ آپ کی وفات ۵۷ھ میں ہوئی۔ (۱)

علامہ ابن الجوزی کے قول کے مطابق اس وقت آپ کی عمر ۷۸ رسال تھی۔ (۲) ان دنوں مدینہ کے گورنر ولید بن عتبۃ بن ابی سفیان تھے، انہوں نے آپ کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔ (۳) حضرت ابوسعید خدری، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم اور مروان بن حکم بھی آپ کے جنازہ میں شریک تھے۔ آپ کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔ (۴)

آپ نے اپنے پسماندگان میں چار لڑکے: محرّر، محرّز، عبدالرحمن اور بلال اور ایک لڑکی چھوڑی۔ (۵)

حلیۂ مبارکہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا رنگ گندمی، دونوں مونڈھوں کے درمیان کافی فاصلہ سامنے کے دو دانتوں کے درمیان شگاف اور سر کے بالوں کی دو چوٹیاں بٹی ہوئی تھیں، مہندی کا خضاب استعمال کرنے کی بنا پر ڈاڑھی کا رنگ سرخ تھا، سر پر کالا عمامہ رہتا تھا اور گیرو رنگ کے کپڑے زیب تن کیے رہتے تھے۔ (۶)

---

(۱) الاستیعاب: ۳/ ۵۶۸، ال اِصابہ: ۳/ ۵۷۸۔ (۲) حلیۃ ال أولیاء: ۱/ ۳۴۸، المستدرک للحاکم۔

(۳) حلیۃ ال أولیاء: ۱/ ۳۴۸-۳۴۹، الاستیعاب: ۱/ ۸۱-۸۲، ال اِصابۃ: ۱/ ۵۴-۵۵۔

مسندِ احمد کی روایت میں بھی حضرت اسماء بن حارثہ کے نام کی صراحت ہے۔ بحوالہ البدایۃ والنہایۃ: ۵/ ۳۳۲-۳۳۳۔

(۱۱) حضرت اسماء بن حارثہ اسلمی رضی اللہ عنہ

حافظ ابنِ عبدالبر، علامہ ابونعیم اصبہانی اور علامہ ابنِ حجر عسقلانی نے حضرت اسماء بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو اصحابِ صفہ میں شمار کیا ہے۔

(حلیۃ الأولیا:۱/ ۳۴۸، الاستیعاب:۱/ ۸۱، الإصابۃ:۱/ ۵۴)

اسماء نام، کنیت ابوہند، والد کا نام حارثہ، قبیلۂ ''اسلم'' سے تعلق رکھتے ہیں۔ حضرت ہند بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے حقیقی بھائی ہیں۔ حضرت ہند اپنے سات بھائی: اسماء، خراش، ذویب، سلمۃ، حمران، مالک اور فضالۃ کے ساتھ بیعتِ رضوان میں شریک رہے۔ یہ خصوصیت ان کے خاندان کے علاوہ کسی کو بھی حاصل نہیں کہ حقیقی بھائیوں کی اتنی کثیر تعداد بیک وقت کسی بھی غزوۃ وغیرہ میں شریک رہی ہو۔(۱)

حضرت اسماء نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے درِ اقدس ہی پہ پڑے رہتے اور آپ کی خدمت کے لیے ہر وقت اپنے کو تیار رکھتے اور ساتھ رہ کر خوب علومِ نبوت سے مستفیض ہوتے رہتے تھے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں حارثہ کے لڑکے ہند اور اسماء کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خادم ہی سمجھتا ہوں؛ کیونکہ یہ دونوں درِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے چمٹے رہتے اور آپ کی خدمت کے لیے ہر وقت کوشاں رہتے تھے۔(۲)

---

(۱) صحیح بخاری:۱/ ۲۶۸، نمبر:۲۰۰۷۔

(۲) الاستیعاب:۱/ ۸۲، الإصابۃ:۱/ ۵۵۔

حضرت اسماء ہی ہیں جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی قوم ''اسلم'' میں یومِ عاشوراء کا روزہ رکھنے کے سلسلہ میں اعلان کرنے کے لیے بھیجا تھا۔ (۳)

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ ''اسلم'' کے ایک شخص ۔حضرت اسماء۔ کو لوگوں میں یہ اعلان کرنے کے لیے بھیجا کہ جاؤ جا کر یہ اعلان کر دو، جس نے آج کے دن کھالیا تو وہ بقیہ دن کھانے پینے سے رک جائے اور روزہ دار سی شکل اختیار کر لے اور جس نے آج کے دن نہ کھایا اور نہ پیا تو وہ روزہ رکھ لے؛ کیونکہ آج عاشورہ کا دن ہے۔ (۱)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت ۶۶ھ میں بمقامِ بصرہ، ۸۰ رسال کی عمر میں انہوں نے وفات پائی۔ (۲)

---

(۱) الثقات: / ۱۴۴، صفۃ الصفوۃ: ۱ / ۲۲۴، الإصابۃ: ۱ / ۲۴۸۔ (۲) المستدرک: ۳ / ۲۹۱، حلیۃ الأولیاء:

(۱۲) حضرت براء بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ

امام المغازی محمد ابن اسحاق اور علامہ ابونعیم اصبہانی نے حضرت براء بن مالک کو اصحابِ صفہ میں شمار کیا ہے۔ (حلیۃ ال اَولیاء:۱/ ۳۵)

حضرت براء رضی اللہ عنہ کے والد محترم کا نام مالک بن نضر، خادمِ رسول حضرت انس رضی اللہ عنہ کے حقیقی بھائی، والدہ محترمہ کا نام ام سلیم بنت ملحان اور انصار کے ایک قبیلہ بنونجار سے تعلق رکھتے ہیں۔(۱)

---

(۱) صفۃ الصفوۃ:۱/ ۶۲۴، ال إصابۃ:۱/ ۱۴۸۔

☆ جنگِ یمامہ: مسیلمہ کذاب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نبوت کے دعویٰ کرنے سے پہلے آیا اور کہا میں اس شرط پر اسلام لاؤں گا کہ آپ مجھے اپنے بعد خلیفہ بنادیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک میں ایک کھجور کی چھڑی تھی آپ نے فرمایا اگر تو اسلام کے عوض اس چھڑی کو بھی مانگے گا تو میں تمہیں نہیں دوں گا اور تو ہرگز اللہ تعالیٰ کے اس فیصلہ سے تجاوز نہیں کرے گا جو تیرے سلسلہ میں لکھ دیا ہے۔ اگر تو نے میری اطاعت سے روگردانی کی تو اللہ تعالیٰ تجھے ہلاک کردیں گے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تو وہی کاذب ہے جس کے متعلق مجھے خواب میں پہلے خبر دی جاچکی ہے (صحیح بخاری:۲/ ۶۲۸ نمبر ۴۳۷۳) مسیلمہ کذاب بن ثمامۃ بن کبیر نے واپسی کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخیر زمانۂ مبارکہ بروایتِ ابن اسحاق ۱۰ھ میں نبوت کا دعویٰ کیا (فتح الباری:۷/ ۶۹۱) سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے عہدِ خلافت میں واقعہ کی نزاکت دیکھتے ہوئے مسیلمہ کی سرکوبی کے لیے ۱۲ھ کے اوائل میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اسلامی لشکر دے کر روانہ کیا مسیلمہ کذاب چالیس ہزار تجربہ کار جنگجوں کے ساتھ نبرد آزما ہوا، سخت معرکہ ہوا، حضرت خالد نے مسیلمہ کو مبارزت کے لیے للکارا وہ مقابلہ کی تاب نہ لا کر بھاگا اور اس کی فوج کے قدم اکھڑ گئے مسیلمہ اپنے ساتھیوں سمیت خود ساختہ "حدیقۃ الرحمان" نامی باغ میں گھس کر دروازہ بند کرلیا حضرت براء کے اہم کردار کے نتیجے میں دروازہ کھلا اور مسلمانوں کا ریلا اندر گھسا اور مسلمانوں نے کشتوں کے پشتے لگادیئے (الکامل:۲/ ۲۴۷) حضرت وحشی (جن کے ہاتھ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے ہیں) نے مسیلمہ پر نیزہ سے ایسا وار کیا کہ نیزہ دونوں شانوں کے درمیان پار کرگیا اور اس طرح انہوں نے حضرت حمزہ کے قتل کا کفارہ ادا کیا (صحیح بخاری:۲/ ۵۸۳، نمبر ۴۰۷۲) حافظ ابنِ حجر نے شہداءِ یمامہ کی مجموعی تعداد سات سو یا اس سے زیادہ بتائی ہے، جبکہ شہداء میں حفاظِ قرآن اور قراءِ صحابہ کی ایک بڑی تعداد تھی۔ (فتح الباری:۹/ ۱۲) تفصیل کے لیے الکامل فی التاریخ:۲/ ۲۴۷، دیکھیے۔

حضرت براء بہادر، میدانِ جنگ کے سورما اور اچھے شہ سوار تھے اور اپنی دل کش اور ترنم ریز آواز کی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حُدی خواں تھے۔

خوش الحانی

حضرت براء رضی اللہ عنہ بڑے خوش آواز تھے۔ عن أنس قال: **كان البراء بن مالك حسن الصوت، فكان يرجز برسول الله ﷺ** حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ براء بن مالک رضی اللہ عنہ بڑے خوش آواز اور خوش الحان تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رجزیہ اشعار پڑھ کر سنایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ سفر کے دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رجزیہ اشعار پڑھ کر سنا رہے تھے اور ازواجِ مطہرات بھی پاس ہی میں تھیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **"إياك والقوارير وإياك والقوارير"** شیشوں کو توڑنے سے بچو۔ (۲)

اس ارشادِ نبوی کے دو مطلب ہو سکتے ہیں، پہلا مطلب یہ ہے کہ اتنی دل کش اور دل ریز آواز میں جو پڑھ رہے ہو تو ڈر ہے کہ یہ عورتیں تمہارے تئیں فتنہ میں نہ مبتلا ہو جائیں۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ اس ترنم اور خوش آواز کے ساتھ پڑھنے کی بنا پر کہیں جانور تیز چلنے لگے اور ان ازواجِ مطہرات کو جسمانی کوئی تکلیف پہونچے۔

شجاعت و بہادری

حضرت براء رضی اللہ عنہ بہت دلیر اور بہادر صفت انسان تھے، غزوۂ احد اور بقیہ تمام غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک رہے ہیں۔ (۱)

یہ بڑے نڈر، جفاکش، فنِ سپہ گیری کے ماہر، بے جگری سے لڑنے والے مجاہد انسان تھے، ابنِ حبان کی روایت میں ہے کہ حضرت براء کے بارے میں کہا جاتا ہے۔

إذا حضر الباس أخذه انتفاض حتى يقعد عليه الرجال، ثم يبول في سراويله، فإذا بال صار مثل السبع۔

---

(۱) الثقات: ۹۷۔

(۲) صفۃ الصفوۃ: ۱/ ۶۲۵۔

(۳) الثقات: ۹۷-۹۸، صفۃ الصفوۃ: ۱/ ۲۵

(۴) الاصابۃ: ۱/ ۱۴۸۔

(۵) صفۃ الصفوۃ: ۱/ ۲۲۵۔

(۶) البدایۃ والنھایۃ: ۷/ ۸۵، صفۃ الصفوۃ: ۱/ ۲۲۴۔

ترجمہ: جب گھمسان کی جنگ کا وقت ہوتا تو ان کے اوپر اتنی کپکپی طاری ہوتی کہ بہت سارے لوگ انہیں پکڑتے اوران کے جسم پر بیٹھ جاتے، پھر یہ اپنے پائجامہ میں پیشاب کرتے، جب پیشاب کر لیتے تو شیر کی مانند اچھلتے کودتے اور اپنے مدِ مقابل پر حملہ کرتے۔

جنگِ یمامہ☆ میں ان کا اہم کردار رہا ہے، جب انہوں نے مسلمانوں کو پسپا ہوتے اور کافروں کو باغ میں قلعہ بند ہوتے دیکھا تو ان پر وہی کیفیت طاری ہوگئی، لوگوں نے انہیں پکڑا اور کپکپی ختم ہوئی تو پیشاب کیا اور شیر کے مانند اہلِ یمامہ پر ہلہ بولتے ہوئے یہ کہا۔ اے مسلمانو! تم کہاں بھاگ رہے ہو، میں براء بن مالک ہوں، تم لوگ میرے پاس آؤ۔(۱) تم میں سے کوئی بھی اب مدینہ واپس جانے کی نہ سوچے، یوں سمجھو کہ آج سے تمہارے لیے مدینہ ختم ہے، بس اب تمہارے لیے جنت ہے،(۲) سارے مسلمان ان کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے جمع ہوگئے اور سخت قتل وقتال کا معرکہ ہوا، وہ لوگ ایک باغ میں محصور ہوگئے اور دروازہ بند کرلیا، تو حضرت براء نے یہ پیش کش کی کہ مجھے باغ میں پھینک دو، میں دروازہ کھول دوں گا، لوگوں نے ہر چند منع کیا؛ لیکن نہ مانے اور قسم کھا کر کہا ضرور میں ایسا ہی کروں گا، لوگوں نے انہیں نیزوں اور تلواروں کے سہارے باغ کی دیوار پر چڑھا دیا، یہ اندر کودتے ہی بھوکے شیر کی طرح حملہ آور ہوئے اور دروازہ تک تلوار سے راستہ صاف کرتے چلے گئے اور دروازہ

---

(۱) المستدرک: ۳/ ۲۹۱، الحلیۃ: ۱/ ۳۵۰، صفۃ الصفوۃ: ۱/ ۶۲۵۔ (۲) جامع ترمذی: ۲/ ۲۲۵، مناقب البراء۔

☆ جنگ تُستر ۱۷ھ میں شاہِ فارس یزدجرد نے اپنے سپہ سالار ''ہُرمزان'' کی قیادت میں ٹھاٹھیں مارتے سمندر کی طرح ایک بہت بڑی فوج اسلامی مقابلہ کے لیے روانہ کی، یہ ٹڈی دل فوج مقام ''تُستر'' میں پہونچ کر خیمہ زن ہوئی، ادھر بحکمِ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ اپنی قیادت میں بڑے بڑے تجربہ کار جنگجوؤں (مثلاً براء بن مالک، عبداللہ بجلی وغیرہ) کو لے کر روانہ ہوئے اور مقام تُستر میں پہونچ کر اس کا محاصرہ کرلیا۔ فریقین سے فرداً فرداً مقابلہ ومبارزہ ہوتا رہا، اسی دن حضرت براء نے ایک سو کافروں کو تنہا موت کے گھاٹ اتار دیا تھا، ایسے ہی اور بھی دیگر صحابہ نے تنہا مقابلہ میں کافی جوہر دکھلائے، یہ محاصرہ کافی طول پکڑا، جس کی بنا پر مسلمانوں کو پسپائی اختیار کرنی پڑی تھی، اسی وقت حضرت براء کی قسم کھانے کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح نصیب عطا فرمائی۔ فتح کی شکل یہ ہوئی کہ کافروں کا ایک شخص امن وامان لے کر اسلامی فوج میں آیا اور اس نے شہر میں نہر کے نالہ سے گھسنے کا راستہ بتایا، رات کی تاریکی میں حضرت عبداللہ بن مغفل کے ساتھ کچھ حضرات اس راستہ سے اندر گھس گئے اور دربانوں کو قتل کرکے دروازہ کھول دیا، ٹھیک فجر کے وقت پوری اسلامی فوج اندر آگئی اور شہر بہ آسانی فتح ہوگیا۔ سپہ سالارِ فارس ہرمزان کو پابہ زنجیر کرکے اس کی خواہش کے مطابق امیر المؤمنین حضرت عمر کے پاس بھیج دیا گیا وہ وہاں جاکر مشرف بہ اسلام ہوگیا۔

حافظ ابن کثیر نے زور دے کر کہا ہے کہ ہرمزان اخیر وقت تک سچے پکے مسلمان رہے اور حکومت کی طرف سے انہیں دو ہزار سالانہ وظیفہ ملتا رہا۔ (البدایہ والنہایہ: ۷/ ۸۲-۸۸، ملخص از تاریخ طبری: ۴/ ۸۳-۸۶)

کھول دیا، سارے مسلمان اندر آ گئے اور بآسانی فتح حاصل ہوگئی۔ (۳) حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ان کے جسم پر ۸۰ /اسی سے زائد زخم آئے تھے، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ صرف ان ہی کے علاج و معالجہ کی وجہ سے ایک ماہ تک ٹھہرے رہے۔ (۴)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت براء بن مالک کی جفاکشی اور بے جگری سے لڑنے کی وجہ سے اپنے تمام گورنروں کو یہ لکھ بھیجا تھا کہ براء بن مالک کو کسی لشکرِ اسلام کا سپہ سالار نہ بنانا؛ مبادا کہیں جذبات میں آ کر کوئی ایسا جارحانہ اقدام کر بیٹھیں جس سے لشکرِ اسلام کو کوئی نقصان اٹھانا پڑے۔ (۵)

حضرت براء اس قدر بہادر تھے کہ جنگ "تُستر" میں تنہا مقابلہ و مبارزہ میں سو مشرکوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ (۶)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ میں اپنے بھائی براء بن مالک کے پاس گیا تو دیکھا وہ چت لیٹے ترنم ریز آواز سے کچھ پڑھ رہے ہیں، میں نے کہا! اے بھائی! کیا گا رہے ہو؟ یہ سن کر وہ فوراً سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور کہنے لگے میں ڈر رہا ہوں کہ میری موت بستر پر نہ آ جائے جب کہ میں تنہا مقابلہ کرتے ہوئے ۹۹ /مشرکوں کو مار چکا ہوں۔ حلیہ کی روایت میں پورے سو کی تعداد مذکور ہے اور ان مقتول کافروں کی تعداد کی شمار ہی نہیں جسے میدانِ کارزار میں مجاہدین اسلام کے ساتھ مل کر تہہ تیغ کیا ہے۔ تو کیوں کر شہادت کی موت سے ناامید رہوں؟ ان شاء اللہ بستر پر میری موت نہیں آئے گی۔ (۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت براء کی شان میں ارشاد فرمایا:

كم من أشعث أغبر ذي طمرين لا يؤبه له لو أقسم على اللّٰه لأبرّهٗ، منهم البراء بن مالك۔

ترجمہ: بہت سے پراگندہ حال، پراگندہ بال، کمزور ناتواں اور صرف دو پرانے چادروں کے مالک غیر معروف حضرات ایسے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ پر قسم کھالیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم پوری کر دے اور ان پر کفارہ واجب نہ ہونے دے۔ ان ہی مبارک لوگوں میں براء بن مالک بھی۔ (۲)

جنگ تُستر☆ میں مسلمانوں کی پسپائی کے وقت حضرت براء بن مالک سے یہ درخواست کی

---

(۱) صفۃ الصفوۃ: ۱/ ۶۱۶، المستدرک: ۳/ ۳۹۲، صححہ الحاکم ووافقہ الذہبی۔

گئی اے براء! رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے کہ اگر آپ کسی چیز کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی قسم کھالیں تو اللہ تعالیٰ آپ کی قسم پوری کردے گا؛ لہٰذا یہ قسم کھانے کا بہت اچھا موقع ہے، آپ اپنے رب کی قسم کھا کر کہیے کہ مسلمانوں کو فتح ہوگی۔ تو انہوں نے اس موقع سے فرمایا: "**أقسمت علیک یارب لما منحتنا أکتافهم**" اے ربِ ذوالجلال! میں آپ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ان کافروں کے جسموں کو ہمارے حوالہ کردے" اس کے بعد مسلمان آگے بڑھے، مگر کافی نقصان ہوا، پھر ان لوگوں نے قسم کھانے کی درخواست کی، دوبارہ بھی قسم اسی طرح کھائی، مزید یہ اضافہ کیا "**الحقتني بالنبي صلی اللہ علیه وسلم**" کہ آپ مجھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا دیجئے ایسا ہی ہوا کہ اِدھر کافروں کے جسم مسلمانوں کے حوالہ کر دیئے گئے مسلمانوں نے خوب مشرکوں کو موت کے گھاٹ اتارا اور اُدھر حضرت براء نے جامِ شہادت نوش کیا۔ (۱)

---

(۱) الثقات:/۵ ۱۴۵، نمبر:(۱۰۸) الاستیعاب:۱/ ۱۵۷۔ (۲) تہذیب التہذیب:۱/ ۴۶۸۔

(۳) الثقات:(۱۰۸) تہذیب التہذیب:۱/ ۴۶۸۔

(۱۴۳) حضرت بشیر بن خصاصیّہ سدوسی رضی اللہ عنہ

حضرت بشیر رضی اللہ عنہ نے خود اپنے سلسلہ میں اصحابِ صفہ میں ہونے کی صراحت کی ہے (حلیۃ ال اُولیاء: ۲/ ۲۶)

نام بشیر، والد کا نام معبد بن شراحیل، والدہ کا نام خصاصیہ، قبیلۂ سدوس سے تعلق رکھنے کی بنا پر سدوسی کہے جاتے ہیں، یہ ابن الخصاصیۃ سے مشہور ہیں۔ علامہ ابنِ حبان اور ابنِ عبدالبر وغیرہ نے ''خصاصیہ'' ان کے والدہ کا نام بتایا ہے۔ (۱) جب کہ علامہ ابن حجر عسقلانی نے اس کو صحیح قرار نہیں دیا ہے، بلکہ کہا ہے صحیح یہ ہے کہ خصاصیہ ان کے جداعلی کی ماں کا نام ہے۔ (۲)

حضرت بشیر رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب ہجرت کر کے تشریف لائے تو آپ علیہ السلام نے ان کا نام ''نذیر یا زحم'' سے بدل کر بشیر کر دیا، علامہ ابن حبان اور ابن حجر عسقلانی نے وثوق کے ساتھ کہا ہے کہ ان کا پہلا نام ''زحم'' تھا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''بشیر'' سے بدل دیا (۳) اور انہیں اصحابِ صفہ کے ساتھ ٹھہرایا۔ خود حضرت بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو آپ نے مجھے اسلام کی دعوت دی، میں نے بسر وچشم اسلام قبول کر لیا۔ آپ علیہ السلام نے میرا نام دریافت فرمایا: میں نے نذیر بتایا، تو آپ نے فرمایا: نہیں، بلکہ تو بشیر ہے، پھر آپ نے مجھے صفہ میں ٹھہرایا۔

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہدیہ کا سامان آتا تو آپ اصحابِ صفہ کو بھی اس میں شریک فرماتے اور جب آپ کے پاس صدقہ کی کوئی چیز آتی تو اسے ہم لوگوں کی جانب بھیج دیتے تھے

☆ ''ربیعہ'' کے باپ ''نزار بن معد'' کے پاس گھوڑا، چمڑے کا خیمہ اور ایک گدھا تھا، نزار نے اپنے بڑے لڑکے ربیعہ کو گھوڑا دیا، دوسرے لڑکے ''معنر'' کو چمڑے کا قبہ دیا اور تیسرے لڑکے ''ایاذ'' کو گدھا دیا، ربیعہ کو فرس (گھوڑے) کی جانب اضافت کر کے ربیعۃ الفرس، معنر کو حمراء (قبہ) کی جانب اضافت کر کے معنر الحمراء اور ''ایاذ'' کو حمار (گدھے) کی جانب اضافت کر کے ایاد الحمار، کہا جانے لگا۔ (حلیۃ ال اُولیاء: ۲/ ۲۶)

(۱) حلیۃ ال اُولیاء: ۲/ ۲۶۔ (۲) الاستیعاب: ۱/ ۱۵۷۔ (۳) تہذیب التہذیب: ۱/ ۴۶۸۔

اور خود ذرہ برابر بھی اس میں سے استعمال نہیں فرماتے تھے۔

ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر کے باہر تشریف لائے، میں بھی آپ کے پیچھے ہولیا، آپ سیدھے جنت البقیع ۔ مدینہ منورہ میں یہ ایک قبرستان ہے۔ میں تشریف لائے اور مُردوں پر ان الفاظ سے سلام پڑھا! **والسلام علیکم دار قوم مؤمنین، وإنا بکم لاحقون، وإنا للہ وإنا إلیہ راجعون، لقد أصبتم خیر أبجیلاً وسبقتم شرًا طویلاً**”۔

پھر میری جانب متوجہ ہوکر ارشاد فرمایا: تم کون ہو؟ میں نے عرض کیا: بشیر۔

آپ نے یہ سن کر فرمایا: کیا تم اس بات سے راضی نہیں ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے دل، نگاہ اور کان کو ربیعۃ الفرس ☆ کفرستان سے دارالاسلام کی طرف پھیر دیا۔

”ربیعہ الفرس“ کے کفار کا یہ عقیدہ تھا ” **لولاھم۔ بنو ربیعۃ۔ لانفکت الأرض بأھلھا**“ کہ اگر قبیلۂ بنو ربیعہ کے لوگ نہ ہوتے تو زمین سرک جاتی اور جتنے لوگ زمین پر ہیں سب اس زمین تلے دھنس جاتے۔

غرضیکہ حضرت بشیر نے جواب میں عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں اپنے دل، نگاہ اور کان کو اسلام کے تابع بنانے میں خوب خوب راضی ہوں۔ بس یہی میرا متاعِ کارواں اور یہی سرمایۂ دوجہاں ہے پھر آپ نے دریافت کیا: تم میرے پیچھے پیچھے کیوں آگئے؟

میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مجھے خوف ہے کہ کہیں آپ علیہ السلام کی ذاتِ اقدس کو سانپ، بچھو، یا کسی قسم کا کوئی موذی جانور تکلیف نہ پہونچادے، بس اسی وجہ سے میں آپ کے پیچھے پیچھے آگیا۔(۱)

قتادۃ کا بیان ہے کہ بکر بن وائل کے چار حضرات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب ہجرت کرکے آئے ہیں۔ دو شخص قبیلۂ سدوس سے آئے یمامہ کے رہنے والے اسود بن عبداللہ اور بشیر بن خصاصیۃ، عمرو بن تغلب قبیلۂ نمر سے اور فرات بن حیان قبیلۂ عجل سے ہجرت کرکے آئے ہیں۔(۲)

شاگردانِ کرام

حضرت بشیر رضی اللہ عنہ کے شاگردوں میں خود ان کی زوجۂ محترمہ حضرت لیلیٰ جہدمۃ رضی

---

(۱) الاستیعاب:۱/ ۱۴۵، حلیۃ الأولیاء:۱/ ۱۴۷، (۲) صحیح بخاری:۲/ ۵٦٦، نمبر:۳۹۷۱۔

(۳) سنن ابوداؤد ۲/ ۱۴۳۳ الخراج (۴) کتاب الثقات:۱/ ۱۴۴۔ (۵) المستدرک:۳/ ۲۸۳۔

اللہ عنہا۔ صحابیہ ہیں۔، بشیر بن نہیک، جری بن کلیب اور قبیلۂ سدوس کا ایک دلیم نامی شخص ہے ان کی روایتیں صحاحِ ستہ میں سے سننِ ابوداؤد، سننِ نسائی اور سننِ ابن ماجہ میں ہیں۔ (۳)

(۱۴) حضرت بلال حبشی مؤذنِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

امام ابونعیم اصبہانی نے حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کو اصحابِ صفہ میں شمار کیا ہے۔ (حلیۃ ال أولیاء: ۱/ ۳۴۹)

مؤذنوں کے سرخیل، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام اور ان کے جگری دوست حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ ابتدائے اسلام میں مشرف بہ اسلام ہو کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال تک آپ کے حضر و سفر کے خادم، مؤذن اور آپ کے خزانچی اور مالِ خانہ کے منتظم رہے۔ غزوۂ بدر، احد اور دیگر تمام غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک رہے۔ (۱) بلکہ غزوۂ بدر میں حضرت بلال ہی نے کفار کے سرغنہ، مغرور و متکبر امیہ بن خلف کو موت کے گھاٹ اتارا۔ (۲) حضرت بلال کی سب سے بڑی خصوصیت یہ رہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانے کا انتظام آپ ہی کرتے رہے ہیں۔ عبداللہ ہوزنی کہتے ہیں کہ مقامِ "حلب" میں حضرت بلال سے میری ملاقات ہوئی میں نے پوچھا اے بلال! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زندگی کے گزارہ کے لئے خرچ کہاں سے لاتے تھے؟ حضرت بلال نے جواب دیا۔ "**ما کان له شيء کنت أنا الذي ألي ذلک منه منذ بعثه الله تعالیٰ حتی توفي صلی الله علیه وسلم۔**" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ بھی نہیں تھا آپ کی بعثت سے لے کر آپ کی وفات تک میں ہی آپ کے کھانے کا

---

(۱) طبقات: ۷/ ۳۸۶، المستدرک: ۳/ ۲۸۳۔ (۲) المستدرک: ۳/ ۲۸۳۔

(۳) صحیح مسلم: ۱/ ۲۷۶۔

بندوبست کرتا رہا۔ (۳)

بلال نام، ابوعبداللہ، یا ابوعمر، یا عبدالکریم کنیت، والد کا نام رباح، والدہ کا نام حمامہ ہے۔ (۴) حضرت بلال پیدائشی کالے کلوٹے تھے۔ (۵) بعد میں گندمی رنگ کے ہو گئے تھے، جیسا کہ طبقات ابن سعد اور "المستدرک علی الصحیحین" کے حوالے سے آگے آ رہا ہے (۱) حضرت بلال اور ان کی والدۂ محترمہ حضرت حمامہ دونوں شرفِ اسلام سے بہرور ہیں۔ (۲)

اسلام اور مصائب

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بعد اور غلاموں میں سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والے حضرت بلال رضی اللہ عنہ ہیں۔ ابتداءِ اسلام میں حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے آ کر چند سوالات کیے تھے ایک سوال یہ بھی تھا "**قلت له ممن معک علی هذا" قال: حر و عبد**" حضرت عمرو بن عبسہ فرماتے ہیں: میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اس دین کے ماننے والوں میں آپ کے ساتھ اور کون ہے؟ جواب میں فرمایا: آزاد اور غلام' قال: "**معه یومئذ أبوبکر و بلال رضی اللّٰہ عنهما فمن أمن به**" راوی کا بیان ہے کہ ان ہی دنوں میں حضرت ابوبکر اور حضرت بلال رضی اللہ عنہما آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے تھے۔ (۳)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ سب سے پہلے اپنے اسلام کا کھلم کھلا اعلان کرنے والے سات مقدس حضرات ہیں: ۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۲۔ حضرت ابوبکر ۳۔ حضرت عمار ۴۔ ان کی والدۂ محترمہ حضرت سمیہ ۵۔ حضرت بلال ۶۔ حضرت صہیب ۷۔ حضرت مقداد رضی اللہ عنہم۔ یہ حضرات کفارِ مکہ کے وحشیانہ خونی منظر اور زہرہ گداز اذیتوں سے دوچار تھے مگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کو اللہ تعالیٰ نے آپ کے چچا ابوطالب کی وجہ سے محفوظ رکھا، ایسے ہی سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ان کے خاندان اور قریش سے خاندانی اور قومی رشتہ

---

(۱) حلیۃ ال أولیاء:۱/۱۴۹۔ المستدرک:۳/۲۸۴۔

(۲) حلیۃ ال أولیاء:۱/۱۴۸، ال إصابۃ:۱۶۹۔

☆ ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے۔

(۳) طبقات ابنِ سعد:۷/۳۸۵، الاستیعاب:۱/۱۴۸، الحلیۃ:۱/۱۵۰۔

(۴) :۱/۳۱۸۔

(۵) صحیح بخاری:۱/۵۳۱، نمبر:۳۷۵۴۔

(۶) ال إصابۃ:۱/۱۶۹۔

داری ہونے کی وجہ سے ان جفا کاروں کے ظلم وستم سے بچائے رکھا، لیکن بقیہ پانچوں حضرات ان مشرکوں کے زہرہ گداز آلام ومصائب سے محفوظ نہ رہ سکے۔ ان لوگوں کو کفارِ مکہ پکڑتے اور انہیں لوہے کی زرہیں پہنا کر بطحاء کی چلچلاتی دھوپ میں بھوکے پیاسے کھڑے رکھ کر تڑپاتے اور ظلم وستم کا نشانہ بناتے تھے۔ خاص طور سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اس دینِ اسلام کی خاطر بہت زدوکوب کیا گیا، کفارِ مکہ انہیں اوباش لڑکوں کے حوالہ کر دیتے، یہ انہیں مکہ کی گھاٹیوں میں گھسیٹتے پھرتے مگر وہ اس حالت میں بھی ''احد احد'' کہتے تھے۔ (۱)

ابنِ اسحاق کی روایت ہے کہ حضرت بلال قبیلۂ ''**بنو جمح**'' کے ایک شخص کے غلام تھے۔ ممکن ہے کہ امیہ بن خلف جمحی کے غلام ہوں۔ امیہ بن خلف مسلمانوں کا سخت دشمن تھا ان کو سخت گرمی دوپہر کے وقت تپتی ہوئی ریت اور مکۃ المکرمہ کے سنگریزوں پر سیدھا لٹا کر ان کے سینہ پر پتھر کی بڑی بڑی چٹان رکھنے کا حکم دیتا تھا تاکہ وہ حرکت نہ کر سکیں اور کہتا تھا کہ اس حال میں مر جائیں یا زندگی چاہیں تو اسلام سے پھر جائیں، محمد کا انکار کریں اور لات وعزیٰ کو اپنا معبود بنائیں مگر وہ اس حالت میں بھی ''اَحد احد'' کہتے تھے۔ یعنی معبود و پرستش کے لائق صرف ایک خدا کی ذات ہے۔ (۲) کبھی ابوجہل اور کبھی اوباش بچے انہیں اس قسم کی ہوش رُبا تکلیف دینے میں زور ختم کر دیتے تھے۔ اس خونچکاں حالت کو دیکھ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رحم اور صبر کا پیمانہ چھلک گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر سے ملے اور فرمایا: کاش! میرے پاس اتنا مال ہوتا کہ میں بلال کو خرید لیتا، یہ سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ (اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے) کے واسطہ سے حضرت بلال کو پانچ اوقیہ☆ سونے میں خرید کر آزاد فرمایا۔ (۳) سیرت ابن ہشام میں ہے کہ حضرت ابوبکر نے ایک مشرک غلام کے بدلہ امیہ بن خلف سے خریدا۔ (۴)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ "**ابو بکر سیدنا، أعتق سیدنا بلال**" حضرت ابوبکر ہمارے سردار ہیں اور انہوں نے ہمارے سردار حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو آزاد فرمایا ہے۔ (۵)

---

(۱) تفصیل کے لیے سننِ ابوداؤد: ۱/ ۷۲،۔

(۲) طبقات ابنِ سعد: ۳/ ۱۲۲۔

(۳) فتح الباری: ۳/ ۱۲۲۔

(۴) سننِ ابوداؤد: ۱/ ۷۷۔

(۵) صحیح بخاری: ۱/ ۸۷، نمبر: ۲۲۱-۲۲۳۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال اور حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہما کے درمیان مواخات کرا کے رشتۂ اخوت قائم کیا تھا۔ (۶)

اذانِ بلالی اور اس کی تاثیر

پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہونچے یہاں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کے سلسلہ میں کسی قسم کی رکاوٹ نہ تھی، کھلم کھلا معبودِ واحد کی عبادت کر سکتے تھے، جس کی وجہ سے تمام صحابۂ کرام نے ایک ساتھ باجماعت پنج گانہ نماز پڑھنے کی خواہش ظاہر کی، کوئی ایسی شکل نہیں بن رہی تھی کہ جس کے ذریعہ تمام صحابۂ کرام کو بیک وقت جمع کیا جا سکے۔ ہر ایک کی مختلف رائے تھی۔ حضرت عبداللہ بن زید بن عبد ربہ کو اس سلسلہ میں بہت فکر تھی، گھر آئے، رات میں سو گئے، خواب میں ایک اجنبی شخص سے کلماتِ اذان سیکھے، صبح سویرے بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو کر رات کا سارا خواب کہہ سنایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خواب کی تصدیق کی اور فرمایا: بلال کو اذان کے کلمات سکھاؤ اور اسے اذان دینے کے لیے کہو؛ کیونکہ اس کی آواز تم سے بہت بلند ہے۔ (۱) یہی وجہ ہے کہ اسلام میں سب سے پہلے حضرت بلال نے ہی اذان دی ہے۔ (۲)

علامہ ابن حبان نے زور دے کر یہ کہا ہے کہ اذان کے ابتدائی زمانہ میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ ہی پنج وقتہ نمازوں کے لیے اذان دیا کرتے تھے۔ (۳) بنو نجّار کی ایک صحابیہ عورت کا بیان ہے کہ میرا گھر مسجد نبوی کے پاس ہی تھا اور اس گھر کی عمارت اونچی تھی۔ رات کے آخری حصہ میں حضرت بلال فجر کی اذان دینے کے لیے تشریف لاتے اور میرے گھر کی چھت پر بیٹھ کر افق کی جانب ٹکٹکی باندھ کر دیکھتے رہتے تھے، جب صبحِ صادق کی پو پھٹ جاتی تو انگڑائی لیتے اور یہ دعاء پڑھتے **"اللّٰهم إني أحمدک أستعينک علی قريش أن يقيموا دينک"** پھر اذان دینا شروع کرتے تھے۔ (۴) کچھ عرصہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو طلوعِ فجر سے قبل رات کے آخری حصہ میں اذان دینے کے لیے متعین کرتے ہوئے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا: **لا يمنعن أحدکم**

---

(۱) سنن أبوداؤد: ۱/ ۷۹۔

(۲) جامع ترمذی: ۱/ ۴۱، صحیح بخاری: ۱/ ۷۷، نمبر: ۵۳۹۔

(۳) سنن أبوداؤد: ۱/ ۶۲-۶۳۔

(۴) سیر اعلام النبلاء: ۱/ ۳۵۶۔

(۵) طبقات ابن سعد: ۳/ ۱۶۹۔

أذان بلال من سحور " تم لوگ اذانِ بلال سن کر کھانے سے ہاتھ مت کھینچو، بلکہ خوب کھاتے پیتے رہو تا آنکہ عبداللہ بن ام مکتوم فجر کی اذان دینے لگے، کیونکہ اذانِ بلال سونے والے کو خوابِ غفلت سے بیدار کرنے اور عبادتوں میں مگن رہنے والے حضرات کو اپنے اپنے گھروں کی جانب لوٹ جانے کے سلسلہ میں متنبہ کرنے کے لیے دی جاتی ہے تا کہ یہ لوگ جلد سحری سے فارغ ہو جائیں۔ (۵)

عام نمازوں میں حضرت بلال کا یہ معمول تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتظار میں رہتے، جہاں آپ کو مسجد کی جانب آتا ہوا دیکھتے تو فوراً تکبیر و اقامت شروع کر دیتے۔ (۱)

سفر میں بھی حضرت بلال ہی مؤذنِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب پر فائز تھے۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ ایک سفر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے تو حضرت بلال نے ظہر کی اذان دینے کی تیاری کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابھی ٹھہر جاؤ! ذرا موسم ٹھنڈا ہو جائے تو اذان دینا۔ (۲)

پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ خیبر سے واپسی میں رات کے حصہ میں سفر کر رہے تھے کہ صحابۂ کرام کو نیند آنے لگی تو آپ علیہ السلام نے ایک جگہ پڑاؤ ڈالنے کا حکم دیا اور حضرت بلال سے فرمایا: تم آج کی رات ہم لوگوں کی چوکیداری کرنا اور فجر کی نماز کے لیے ہمیں بیدار کرنا۔ اتفاق ایسا ہوا کہ یہ اپنی سواری سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے کہ آنکھ لگ گئی اور گہری نیند میں سو گئے۔ جب سورج طلوع ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رخِ انور پر ضیاء پاشی کرنے لگا تو آپ گھبرا کر بیدار ہوئے اور حضرت بلال کی تلاشی کرائی، حضرت بلال خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور معذرت کرتے ہوئے فرمایا: اے اللہ کے رسول ! آپ پر میرے ماں باپ قربان! جس ذاتِ اقدس نے آپ کو نیند کے آغوش میں لیا اسی نے مجھے بھی تھپکی دے دے کر سلا دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معذرت قبول کرتے ہوئے اسلامی فوج کو اس مقام سے کوچ کر جانے کا حکم دیا اور کچھ دور چل کر قیام فرمایا اور حضرت بلال کو اذان و اقامت کہنے کا حکم فرمایا۔ (۳)

فتحِ مکہ کے دن حضرتِ بلال ہی کو کعبہ شریف کی چھت پر صدائے توحید و رسالت بلند کرنے

---

(۱) سیر اعلام النبلاء: ۱/ ۳۵۷۔ (۲) سیر اعلام النبلاء: ۱/ ۳۵۸، قال الذهبي فيه: إسناده لين۔

(۳) صحیح بخاری: ۱/ ۱۵۴، نمبر: ۱۱۴۹، صحیح مسلم: ۲/ ۲۹۲۔

کا شرف حاصل ہوا۔(۴)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کبھی بھی کسی کی فرمائش پر اذان نہیں دی۔(۵)

حضرت بلال ملکِ شام میں قیام پذیر تھے کہ خلیفۃ المسلمین حضرت عمر رضی اللہ عنہ ”جابیہ“ (ملک شام میں ایک جگہ ہے) میں تشریف لائے، حضرت بلال سے ملاقات ہوئی۔ مسلمانوں نے امیر المؤمنین سے درخواست کی کہ اذانِ بلال سننے کی ہم لوگوں کی دیرینہ خواہش ہے، اسے براہِ کرم آپ پورا فرمادیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فرمائش پر ایک دن انہوں نے اذان دی، جس سے سارے لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانۂ مبارکہ اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کو یاد کر کے بلک بلک کر اور دھاڑیں مار کر اتنا روئے کہ اس سے پہلے اہلِ شام اتنا کبھی نہیں روئے تھے۔(۱)

حضرت بلال نے ایک مرتبہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ماھذہ الجفوۃ یابلال! أما أن لک أن تزورني“ یہ کیا ظلم اور جفاکشی ہے کہ ہمارے پاس کبھی نہیں آتے؟ آنکھ کھلتے ہی مدینہ منورہ کے لیے رختِ سفر باندھ لیا اور سیدھے روضۂ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضر ہوئے اور بلک بلک کر رونے لگے، حضرت حسن حسین رضی اللہ عنہما کو دیکھتے ہی سینے سے لگایا اور بوسہ دیا۔ ان دونوں حضرات نے اذان کی فرمائش کی، لاڈلوں کی

---

(۱) جامع الترمذی:۲/۹۰۲،مسندِ احمد:۵/۳۵۴۔ (۲) المستدرک:۳/۲۸۵،الحلیۃ:۱/۱۸۵۔

(۳) المستدرک:۳/۲۸۵،الحلیۃ:۱/۱۴۷۔

☆ حضرت لقمان: حضرت لقمان سوڈان کے باشی، کالے کلوٹے، حبشی غلام اور پستہ قد تھے، آپ کی ناک چپٹی تھی اور ہونٹ موٹے تھے، حضرت داؤد علیٰ نبینا وعلیہ السلام کے زمانہ میں بنی اسرائیل کے قاضی تھے۔ جمہور کی رائے کے مطابق آپ نبی نہیں تھے، بلکہ اللہ تعالیٰ کے نیک، مقرب اور حکیم بندے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکمت اور نبوت کے درمیان اختیار دیا تو آپ نے حکمت کو پسند کیا اور نبوت کے بوجھ اور ذمہ داری کو برداشت کرنے سے معذرت کر دی۔ تو اللہ تعالیٰ نے جبرئیل کے واسطے سے آپ کے قلب پر حکمت کا القاء کیا، چنانچہ آپ اتنے بڑے حکیم ودانا بنے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی حکمت کی باتیں قرآن کریم میں مکمل ایک رکوع میں نقل فرمائیں۔ نہ آپ کو مال، نہ اہل دعیال اور نہ خاندانی عزت وشرافت حاصل تھی، بلکہ ایک خاموش مزاج حکیم دانا شخص تھے، ہر وقت خلقتِ خداوندی میں غور وفکر کرتے رہتے، دن میں کبھی نہیں سوئے آپ کو نہ کسی نے تھوکتے، نہ ناک سِنکتے، نہ بشری قضاء حاجت کرتے، نہ غسل کرتے، نہ لغو وبیکار کام کرتے اور نہ ہنستے دیکھا۔ صرف حکمت کے کلام کو ہی دو مرتبہ تلفظ کرتے۔ آپ کی شادی ہوئی، اولاد ہوئی اور آپ کی زندگی ہی میں سب کی وفات ہوئی۔(تفسیر ابن کثیر:۳/۷۰۵-۷۰۷، سورۃ لقمان)

☆ نجاشی: ان کا اسم گرامی ”أصحمۃ“ ہے یہ حبشہ کے بادشاہ ہیں۔ انہوں نے اسلام قبول کیا اور تادمِ حیات اسلام پر قائم رہے

درخواست ایسی نہیں تھی کہ انکار کی گنجائش ہوتی۔ بلندی پر چڑھ گئے، اذان کہنا شروع کی اور مدینہ منورہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارکہ کی اذان کانوں میں پڑ کر کہرام مچ گیا، پردہ نشیں عورتیں تک روتی ہوئیں گھروں سے باہر نکل پڑیں اور سارے لوگ یہ کہنے لگے "بُعِث رسول اللہ ﷺ" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ اس دنیاءِ فانی میں بھیج دیئے گئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد مدینہ منورہ میں اس دن سے زیادہ کوئی مرد اور عورت روتے نہیں دیکھے گئے۔ (۲)

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی نماز کے بعد ارشاد فرمایا: اے بلال تو مجھے وہ عمل بتا جو تو نے بحالتِ اسلام کیا ہے اور جس کے فائدے کی تجھے زیادہ امید ہے؛ کیونکہ میں نے آج کی رات تیری جوتیوں کی آواز اپنے سامنے جنت میں سنی ہے۔ حضرت بلال نے عرض کیا: میں نے کوئی عمل اسلام میں اس سے زیادہ نہیں کیا جس کے نفع کی امید ہو کہ جب میں رات، دن میں کسی بھی وقت وضو کرتا ہوں تو اس وضوء سے نماز پڑھتا ہوں جتنی اللہ عزوجل نے میری قسمت میں لکھی ہے۔ (۳)

ایک روایت میں اس طرح ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال سے صبح کے وقت ارشاد

= کے ظلم وستم کی تاب نہ لا سکے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو سرزمینِ حبشہ ہجرت کر جانے کا حکم فرما دیا۔ ابن حبان کی روایت کے مطابق ۸۹ مسلمان سرزمینِ حبشہ ہجرت کر گئے، نجاشی بادشاہ نے ان لوگوں کو امن وامان دیا اور یہ بھی کہا کہ تم لوگوں کو اس سرزمین میں کوئی کسی قسم کی گزند نہیں پہونچا سکتا۔ اسی موقع پر وہ مشرف بہ اسلام ہوئے ہیں۔ (کتاب الثقات: /۱۵-۱۶) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مقدس ہی میں ان کا انتقال ہوا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہ کرام کو جمع فرما کر ان کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی ہے (صحیح بخاری: ۱/۱۷۸ نمبر: ۱۳۳۴) ابنِ اسحاق کی روایت میں ہے کہ ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نجاشی کے انتقال کے بعد ہم لوگ آپس میں یہ گفتگو کرتے تھے "انه لایزال یری علی قبره نورا" کہ نجاشی کی قبر سے نور پھوٹتا ہوا دکھائی دیتا رہتا ہے۔ (سیرت ابن ہشام: ۱/ ۳۳۹-۳۴۰) ان کی سیرت کے لیے مسندِ احمد بن حنبل: ۱/۲۰۱، ۵/۲۹۰، الثقات لابن حبان: /۱۵-۱۷، سیرت ابن ہشام: ۱/ ۳۳۴، البدایہ والنہایۃ ۳/ ۷۲-۷۵، اور سیر اعلام النبلاء: ۱/ ۴۲۸-۴۴۳، کا مطالعہ کریں۔

☆ "مجمع" یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ ایک روایت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "خیر السودان ثلاثة" لقمان وبلال ومهجع مولی رسول الله صلی الله علیه وسلم" سوڈانیوں میں تین بہترین شخص ہیں: لقمان، بلال اور مجمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام (المستدرک: ۳/ ۲۸۴، الاصابۃ: ۳/۴۴۶)

(۱) المستدرک: ۳/ ۲۸۴۔ سیرِ اعلام النبلاء: ۱/ ۲۵۵۔ (۲) صحیح بخاری: ۲/۶۳۱ نمبر: ۴۴۰۰۔

(۳) طبقات ابن سعد: ۷/ ۳۸۶، سیرِ اعلام النبلاء: ۱/ ۳۵۶۔

فرمایا: **بم سبقتني إلى الجنة؟** کس عمل کی بنا پر تو مجھ سے جنت میں آگے بڑھ گیا؟ **ما دخلت الجنة قط الا سمعت خشخشتک أمامي**" جب کبھی میں جنت میں داخل ہوا تو اپنے سامنے تیری جوتیوں کی آواز سنی، گذشتہ رات جنت میں داخل ہوا تو تیری جوتیوں کی آواز سنی حضرت بلال نے اپنا وہی محبوب ترین عمل بیان کیا۔ (۱)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "**السباق أربعة**" (اسلام قبول کرنے میں) سب سے آگے بڑھنے والے اور پیش پیش رہنے والے چار حضرات ہیں: "**أنا سابق العرب**" میں عربوں میں (اسلام لانے میں) پیش پیش ہوں "**سلمان سابق الفرس**" سلمان اہلِ فارس میں (اسلام قبول کرنے میں) پیش پیش ہیں، **وبلال سابق الجنة** بلال اہلِ حبشہ میں (اسلام لانے میں) پیش پیش ہیں "**وصهيب سابق الروم**" اور صہیب اہلِ روم میں پیش رو ہیں۔ (۲)

پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "**نعم المرء بلال**" **سيد المؤذنين يوم القيامة**" بلال بہترین آدمی ہے، قیامت کے دن مؤذنوں کا سرخیل ہوگا اور قیامت کے دن لوگوں میں دراز گردنیں مؤذنوں کی ہوں گی۔ (۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "**سادة السودان: لقمان والنجاشي وبلال ومِهْجَعْ**" سوڈانیوں کے سردار حضرت لقمان ☆ حضرت نجاشی ☆ حضرت بلال اور حضرت مجع ☆ ہیں۔ (۱)

فتحِ مکہ کے دن محسنِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بلال، حضرت اسامہ اور کلید بردارِ خانہ کعبہ حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہم کو اپنے ساتھ لے کر کعبۂ شریف کے اندر گئے اور دروازہ اندر سے بند کر لیا اور کافی دیر تک اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہے۔ جب باہر تشریف لائے تو صحابہ کرام اندر داخل ہونے کے لیے جلدی سے ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی پوری کوشش کرنے لگے۔ (۲)

حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تین چھڑی بھیجیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چھڑی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو، ایک چھڑی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اور ایک چھڑی حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو مرحمت فرمائی اسی چھڑی کو حضرت بلال عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن لے کر

---

(۱) جامع ترمذی: ۲/ الحلیۃ: ۱/ ۱۵۰۔ (۲) طبقات ابنِ سعد: ۷/ ۳۸۶۔

(۳) طبقات: ۷/ ۳۸۶، سیر اعلام النبلاء: ۱/ ۳۵۰۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے چلتے تھے اور عیدگاہ پہونچ کر اسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے گاڑ دیتے، آپ اسی کو سترہ بنا کر نماز پڑھاتے تھے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلیفۃ المسلمین حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بھی اسی طرح لے کر چلتے تھے، پھر اس چھڑی کو حضرت سعد قرظی کو دے دیا، یہ حضرت عمر و حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے آگے لے کر چلا کرتے تھے۔ (۳)

حضرت بلال رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضر و سفر میں خادم رہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سایہ کی طرح چپٹے رہے، بلکہ دونوں ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک رہے خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں! تیس دن اور تیس رات گذر جاتے مجھے اور بلال کو کوئی کھانا میسر نہ ہوتا؛ البتہ جس کھانے کو بلال اپنے بغل میں چھپائے رکھے ہوں بس اتنا ہی کھانا میسر ہوتا۔ (۱)

سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما کی نظر میں

حضرت بلال سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے جہاں آزاد کردہ غلام تھے وہیں ان کے جگری اور گہرے دوست بھی تھے۔ (۲)

حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دنیا سے پردہ فرما جانے کے بعد حضرت بلال نے جہاد کے لیے ملکِ شام جانے کا ارادہ کیا، حضرت ابوبکر نے ان کی رفاقت چھوڑنا گوارہ نہیں کیا اور انہیں جہاد پہ جانے سے منع کیا، تو حضرت بلال نے فرمایا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے "**أفضل عمل المؤمن الجهاد في سبيل الله**" کہ مؤمن کا بہترین اور افضل ترین عمل اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد کرنا ہے۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر نے فرمایا: اے بلال! آپ کیا چاہتے ہیں؟ جواب میں فرمایا: میں اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد کرتا کرتا شہید ہوجاؤں، بس یہی میری تمنا ہے۔ حضرت ابوبکر نے فرمایا: اے بلال! میں آپ کو اللہ تعالیٰ کا واسطہ دیتا ہوں، میری حرمت کی قسم! اور میرے حق

---

(۱) الحلیۃ:۱/۱۵۰-۱۵۱، کتاب الثقات:۳/۱۴۴۔ (۲) صحیح بخاری:۱/۵۳۱-۳۷۵۴۔

(۳) سیر اعلام النبلاء:۱/۳۵۹۔ (۴) إعلام الموقعین۔

(۵) سیر اعلام النبلاء:۱/۳۶۰۔ (۶) الاستیعاب:۱/۱۴۷۔

کی قسم! میں بوڑھا اور کمزور ہو چکا ہوں اور میری موت کا وقت بھی قریب ہے، آپ براہ کرم میرے پاس ٹھہر جائیں۔ یہ سن کر حضرت بلال مدینہ منورہ میں ٹھہر گئے۔ (۳) لیکن حلیۃ الأولیا اور ابن حبان کی روایت میں ہے کہ حضرت بلال نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یہ جواب دیا: اگر آپ نے مجھے کافروں سے خرید کر اللہ تعالیٰ کے لیے آزاد کیا تھا تو آپ مجھے چھوڑ دیں، مجھے اپنے معاملہ میں اختیار ہے اور اگر آپ نے اپنا خادم ونوکر بنانے کے لیے مجھے آزاد کیا تھا تو آپ روک لیں، پھر مجھے اپنے معاملہ میں کوئی اختیار نہیں ہے۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر آبدیدہ ہوگئے اور فرمایا آپ جائیے! آپ کو اختیار ہے، میں نے آپ کو اللہ تعالیٰ کی رضاء کے لیے آزاد کیا تھا، یہ سنتے ہی حضرت بلال شام کے لیے روانہ ہوگئے اور وہیں ان کی وفات ہوئی۔ (۱)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت بلال کو اپنا سردار گردانتے ہوئے فرماتے تھے **"ابوبکر سیدنا، وأعتق سیدنا یعنی بلالا"** حضرت ابوبکر ہمارے سردار ہیں اور انہوں نے ہمارے سردار بلال کو آزاد کیا ہے۔ (۲)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مناقب وفضائل بیان کرتے وقت خاص طور سے ان کی اس فضیلت کا تذکرہ فرماتے تھے **"هذا سیدنا بلال حسنة من حسناته"** یہ ہمارے سردار حضرت بلال ان کے نیکیوں میں سے ایک عظیم نیکی ہیں۔ حضرت بلال کو معلوم ہوا کہ لوگ انہیں حضرت ابوبکر پہ فضیلت دے رہے ہیں تو فرمانے لگے یہ لوگ کیسے مجھے حضرت ابوبکر پہ فضیلت دیتے ہیں جب کہ میں ان ہی کی بھلائیوں کا ایک بھلائی ہوں۔ (۳) وہ اس طرح کہ حضرت ابوبکر نے حضرت بلال کو کافروں کے پنجے سے خرید کر آزاد کیا تھا۔

حضرت بلال کی احادیث کی تعداد اور ان کے فیض یافتگان

حضرت بلال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ابتداءِ اسلام ہی سے ہمیشہ حضر وسفر میں ساتھ رہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانِ عالی سے ہمیشہ مستفیض ہوتے رہے، اس کے باوجود احادیث کے بیان میں اس قدر شدتِ احتیاط سے انھوں نے کام لیا کہ اپنے ہمدرد دوست حضرت ابوبکر

---

(۱) طبقات: ۷/ ۳۸٦، ال إصابۃ: ۱/ ۲٦۹، سیر اعلام النبلاء: ۱/ ۳۵۹۔

(۲) طبقات ابن سعد: ۷/ ۳۸٦، الاستیعاب: ۱/ ۲۴۷، سیر اعلام النبلاء: ۱/ ۳۵۹۔ المستدرک ۳/ ۲۸۳

صدیق رضی اللہ عنہ (جن کی احادیث کی تعداد ۱۴۲ ہے (۴)) سے بھی شدتِ احتیاط میں آگے بڑھ گئے کہ ان کی احادیث کی تعداد کل ۴۴، علماء کرام نے بتائی ہے۔ صحیح بخاری وصحیح مسلم میں چار صرف صحیح بخاری میں دو اور صحیح مسلم میں ایک حدیث ہے، بقیہ دیگر کتبِ احادیث میں ہیں۔ (۵)

حضرت بلال کے فیض یافتگان میں بارہ حضرات ہیں۔ جن میں سیدنا ابوبکر، سیدنا عمر، اسامہ بن زید اور براء بن عازب رضی اللہ عنہم جیسے اجلۂ صحابہ کرام ہیں۔ (۶)

وفات

حضرت بلال نے اپنی وفات سے ایک دن پہلے فرمایا: **"غداً نلقى الأحبة محمداً وحزبه"** کل ہم اپنے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابۂ کرام سے ملاقات کریں گے۔ یہ سن کر اہلیہ محترمہ نے کہا وَاوَیْلَاہ! ہائے افسوس! ہائے میری تباہی وبربادی! تو حضرت بلال نے فرمایا: وَافَرْحَاہ! یہ کیا ہی خوشی کی بات ہے! واہ میری خوشی ومسرت کہ کل اپنے محبوب کی زیارت نصیب ہوگی۔

اکثر محدثین کی رائے یہی ہے کہ حضرت بلال کی وفات امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت ۲۰ھ میں دمشق میں ہوئی اور اس وقت ان کی عمر ساٹھ سال سے متجاوز تھی۔

ان کے مدفن کے بارے میں بڑا اختلاف ہے۔ "باب الصغیر" یا "باب کیسان" یا "دمشق"، یا "حلب"، میں ان کو دفن کیا گیا، ابن مندۃ کی روایت ہے کہ "حلب" میں دفن کیا گیا۔ جب کہ واقدی کی روایت ہے کہ "باب الصغیر" میں دفن کیا گیا واللہ اعلم۔ (۱)

حلیۃ

شام کے امام المحدثین حضرت مکحول شامی کہتے ہیں کہ جس شخص نے حضرت بلال کی زیارت کی ہے اس نے مجھے ان کا حلیہ بتایا:

قال مکحول: حدثني من رأى بلالاً رجلاً آدم شديد الأدمة مخيفاً طوالاً، أحنا، له

---

(۱) الاصابۃ: ۱/ ۲۰۴، استیعاب: ۱/ ۲۰۱۔

(۲) حلیۃ الأولیاء: ۱/ ۳۵۲۔

(۳) الاصابۃ: ۱/ ۲۰۴۔

(۴) الاستیعاب: ۱/ ۲۰۱۔

شعر تین خفیف العارضین بہ شمط کثیر لا یغیرہ۔

ترجمہ: حضرت بلال کا کھلتا ہوا گندمی رنگ، چھریرا بدن، لمبا قد اور ذرا جھکے ہوئے تھے۔ ان کے بال زیادہ تھے، ہلکی ڈاڑھی اور سیاہی سفیدی مائل تھی۔ (۲)

(۱۵) حضرت ثقیف بن عمرو اسدی رضی اللہ عنہ

امام خلیفہ بن خیاط اور علامہ ابونعیم اصبہانی نے حضرت ثقیف رضی اللہ عنہ کو صفہ کے طالب علموں میں شمار کیا ہے۔

(حلیۃ الأولیاء: ۱/ ۳۵۲)

نام ثقیف، کنیت ابو مالک، والد کا نام عمرو بن شمیط، قبیلہ ''بنو اسد'' سے تعلق رکھنے کی بنا پر اسدی کہے جاتے ہیں علامہ واقدی نے ان کا نام ''ثقاف'' ذکر کیا ہے جب کہ حافظ ابن عبد البر، علامہ ابونعیم و علامہ ابن حجر عسقلانی نے ''ثقیف'' بتایا ہے۔ (۱) بنو امیہ کے حلیف و معاہد تھے۔ (۲)

حضرت ثقیف اپنے دو بھائی مدلاج اور مالک کے ساتھ غزوۂ بدر میں شریک رہے۔

غزوۂ خیبر کے موقع سے انہیں اسیر بن رزام یہودی نے شہید کر دیا۔ (۳) حافظ ابن عبد البر نے کہا ہے کہ یہ غزوۂ احد میں شہید کئے گیے ہیں۔ (۴)

---

(۱) طبقات ابن سعد: ۷/ ۴۰۰، سیر أعلام النبلاء: ۳/ ۱۵۔ (۲) تہذیب التہذیب: ۲/ ۳۱۔

(۳) الاستیعاب: ۱/ ۲۱۰، طبقات: ۷/ ۴۰۰، سیر أعلام النبلاء: ۳/ ۱۵۔

(۱۶)حضرت ثوبان بن بجدود مولیٰ رسول اللہ ﷺ

امامِ جرح وتعدیل عمرو بن علی فلاس اور علامہ ابونعیم اصبہانی نے حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کو اصحابِ صفہ میں شمار کیا ہے۔

(حلیۃ ال أولیاء: ۱/ ۳۵۰)

پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت ثوبان کی کنیت ابوعبداللہ، والد کا نام ''بجدوذ'' ہے۔

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سرزمین ''سَراۃ''۔جو مکہ مکرمہ اور یمن کے درمیان ایک جگہ ہے۔

---

(۱) حلیۃ ال أولیاء: ۱/ ۱۸۰-۱۸۱۔ (۲) سننِ ابوداؤد: ۱/ ۲۳۲، الزکوۃ باب کراہیۃ المسألۃ۔

(۳) طبقات ابنِ سعد: ۷/ ۴۰۰، ال استیعاب: ۱/ ۲۱۱۔ (۴) سیر اعلام النبلاء: ۳/ ۱۷۔

☆ فتح مصر: مشہور قول کے مطابق فتح مصر ۲۰ھ میں پیش آیا ہے (الثقات: / ۱۰۹، البدایۃ والنہایۃ: ۷/ ۹۷) امیر المومنین حضرت عمر فاروق کے حکم کے مطابق حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ ۳۵۰۰ افراد پر مشتمل اسلامی فوج لے کر مصر کی جانب بڑھے اور پیچھے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت زبیر بن عوام کو بطورِ کمک کے بھیجا (طبقات ابنِ سعد: ۷/ ۴۹۳) مصر کے بادشاہ مقوقس نے مصر کے کالاٹ پادری ابومریم کو پادریوں کے ساتھ حضرت عمرو سے گفتگو کے لیے روانہ کیا۔ حضرت حضرت عمرو نے فرمایا: اسلام قبول کرو، یا جزیہ دو اور یاد رکھو! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اہلِ مصر کے ساتھ اچھائی وحسن سلوک کرنے کی وصیت فرماگئے ہیں؛ کیونکہ حضرت اسماعیل کی والدۂ محترمہ حضرت ہاجرہ مصر ہی کی تھیں۔ ان لوگوں نے کہا: یہ دور کی رشتہ داری ہے ایسی رشتہ داری کا پاس ولحاظ انبیاء ہی کرتے ہیں۔ یہ سن کر حضرت عمرو نے فرمایا: سن لو! میرے

سے قیدی بنا کر لائے گئے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں خرید کر آزاد کیا (۱) اور فرمایا: اے ثوبان! تم اپنے گھر والوں کے پاس جانا چاہو تو چلے جاؤ اور اگر میرے پاس رہنا چاہتے ہو تو میرے ساتھ رہو۔ (۲) انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت و معیت اختیار کی اور سفر و حضر میں ہر جگہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خادم بن کر رہے اور آپ کی خدمت کرتے رہے (۳) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشافہۃً ساری احادیث کو سن کر سینہ میں محفوظ کیا، گویا کہ حضرت ثوبان کا صرف یہی مشغلہ تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کریں اور آپ سے حدیثیں سن سن کر سینہ میں محفوظ کریں۔

اہلِ بیت میں شامل ہونے کا شرف

حضرت ثوبان کا بیان ہے: ایک دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اہلِ بیت کو طلب فرمایا اور آپ نے اہلِ بیت میں حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما کا نام لیا۔ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی: **أمِن أهل البيت أنا؟** کیا میں اہل بیت میں نہیں ہوں؟ آپ نے فرمایا: ”**نعم مالم تقم علی باب سدة أو تاتي أمیر أتسأله**“ ہاں! بشرطیکہ تم کسی امیر و گورنر کے پاس اپنی ضرورت لے کر نہ جاؤ۔ (۱)

جنت کی ضمانت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا:

من تكفل لي أن لا يسأل الناس شيأ فاتكفل له بالجنة، فقال ثوبان أنا فكان لا يسأل

= آدمی دھوکا نہیں دے سکتا، جاؤ! میں تین دن کی مہلت دیتا ہوں غور و فکر کرلو۔ رومی سردار ارطبون نے ان باتوں کو ماننے سے انکار کر دیا اور اچانک حملہ کر دیا، سخت معرکہ ہوا، ارطبون اور اس کے ساتھی مارے گئے اور بقیہ شکست کھا کر بھاگ گئے، اسلامی فوج نے آگے بڑھ کر ”عین شمس“ کا محاصرہ کرلیا اور ایک چھوٹے دستے نے اسکندریہ کا بھی محاصرہ کرلیا۔ محاصرہ کے دوران اسلامی جرنیل حضرت عمرو نے فرمایا: اے مصریو! تم ایسی قوم سے کیا جنگ کر سکتے ہو، جس نے قیصر و کسریٰ کو شکست دی اور ان کے ملکوں میں اسلامی پرچم گاڑ دیا؛ لیکن یہ لوگ نہ مانے کسی طرح مسلمان اندر گھس گئے سخت قتل و قتال کے بعد کچھ شرائط پر صلح و مصالحت ہوگئی، تین مہینے کے محاصرہ کے بعد اسکندریہ فتح ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ مقوقس نے بارہ ہزار دینار پر صلح کی اور مزید یہ بھی شرط لگائی کہ جو اسکندریہ میں رہنا چاہے اسے رہنے دیا جائے اور جو یہاں سے جانا چاہے اسے جانے دیا جائے۔ (الکامل فی التاریخ لابن الأثیر: ۲/ ۳۹۴-۳۹۷، البدایہ والنہایۃ: ۷/ ۹۷-۹۹) واضح رہے کہ دیارِ مصر کو حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے خیموں کی جانب نسبت کر کے ”فسطاط“ بھی کہا جاتا ہے۔ فسطاط عربی زبان میں خیمہ کو کہتے ہیں (البدایہ والنہایہ: ۷/ ۱۰۰)

(۱) مسند أحمد: ۵/ ۲۸۰-۲۸۱، معجم طبرانی: / ۱۴۱۳۔

احداً شیئاً۔ (۲)

ترجمہ: جو شخص مجھے اس بات کی ضمانت دے کہ وہ لوگوں کے سامنے دستِ سوال دراز نہیں کرے گا تو میں اس کے لیے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔ یہ سن کر حضرت ثوبان نے کہا: میں! راوی کا بیان ہے کہ وہ کسی سے کچھ بھی نہیں مانگتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت ثوبان کی حالت

پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد آپ کی جگہ خالی دیکھ کر ان کے لیے مدینہ منورہ میں رہنا مشکل ہو گیا، جس کی بنا پر شام چلے گئے اور ''رملہ'' میں اپنا گھر بنایا، پھر ''حمص'' منتقل ہو گئے، وہاں بھی ان کا ایک گھر تھا۔ (۳) ابن مندۃ کی روایت میں ہے کہ ان کا ''حمص''، ''رملہ'' اور ''مصر'' تینوں جگہوں میں گھر تھا۔

''**شھد فتح مصر و اختط بھا**'' حضرت ثوبان نے فتحِ مصر☆ میں شرکت کی اور مصر کی ترقی کے لیے انہوں نے ہی لائحہ عمل تیار کیا۔ (۴)

گورنر کا حضرت ثوبان کی عیادت کے لیے آنا

ایک مرتبہ حضرت ثوبان ''حمص'' میں بیمار پڑ گئے، اس وقت حمص کے گورنر عبداللہ بن قرط تھے، وہ ان کی عیادت کرنے نہیں آئے۔ ایک شخص حضرت ثوبان کی عیادت کے لیے آیا، انہوں نے اس سے فرمایا: کیا تو لکھنا جانتا ہے؟ اس نے کہا: ہاں! انہوں نے عبداللہ بن قرط کے نام خط لکھوانا شروع کیا، جس کا مضمون یہ تھا۔

ثوبان مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے امیر عبداللہ بن قرط کے نام۔ امابعد! اگر حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہما الصلاۃ والسلام کے مولیٰ تمہارے یہاں ہوتے تو تو ان کی عیادت کے لیے ضرور جاتا۔ فقط

---

(۱) تہذیب التہذیب: ۲/ ۳۱۔

(۲) سیرِ أعلام النبلاء: ۳/ ۱۶۔

(۳) طبقات: ۷/ ۴۰۰، الإصابۃ: ۱/ ۲۰۵۔

یہ خط گورنر عبداللہ کو ملا، پڑھتے ہی گھبرا کر کھڑے ہو گئے، لوگوں نے دریافت کیا، عالی جناب! خیریت تو؟ کچھ جواب دیئے بغیر حضرت ثوبان کی خدمت میں حاضر ہو گئے، ان کی عیادت کی اور تھوڑی دیر بیٹھ کر کھڑے ہونے لگے، تو حضرت ثوبان نے چادر پکڑ لی اور فرمایا: ابھی تھوڑی دیر اور بیٹھیے، پھر فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے: **لیدخلن الجنة من أمتي سبعون ألفا لا حساب عليهم ولا عذاب، مع كل ألف سبعون ألفا۔** میری امت میں سے ستر ہزار جنت میں جائیں گے، جن سے نہ حساب لیا جائے گا اور نہ ان کو عذاب ہوگا (بے حساب و کتاب جنت میں جائیں گے) ہر ایک ہزار کے ساتھ ستر ہزار ہوں گے۔ (۱)

شاگردانِ کرام

حضرت ثوبان کے شاگردوں میں ابو اسماء رحبی، راشد بن سعد، شداد بن اوس وغیرہ ہیں۔ (۱)

علامہ ذہبی نے ان کے دس شاگردوں کے اسماء شمار کرائے ہیں۔ (۲)

ان کا انتقال حضرت امیر معاویہ کے عہدِ خلافت ۵۴ھ میں ''حمص'' میں ہوا۔ (۳)

---

(۱) حلیۃ الأولیاء: ۱/ ۳۵۴، الإصابۃ: ۱/ ۲۱۹۔

(۲) الإصابۃ: ۱/ ۲۱۹۔

(۱۷) حضرت جاریہ بن جمیل اشجعی رضی اللہ عنہ

امام دارقطنی اور علامہ ابونعیم اصبہانی نے حضرت جاریہ رضی اللہ عنہ کو صفہ کے طالب علموں میں شمار کیا ہے۔ (حلیۃ الأولیاء: ۱/ ۳۵۴)

جاریہ نام، والد کا نام جمیل بن شبۃ، قبیلہ ''اشجع'' سے تعلق رکھتے ہیں۔

امام طبری کی روایت ہے کہ یہ اسلام قبول کرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سایہ کی طرح چمٹ گئے۔ (۱) غزوۂ بدر میں شریک رہے اور غزوۂ احد میں جامِ شہادت نوش کیا۔ (۲)

---

(۱) الاستیعاب: ۱/ ۲۵۸، الاصابۃ: ۱/ ۲۳۳۔ (۲) سنن أبوداود: ۲/ ۵۵۷۔

(۳) معجم طبرانی بحوالہ الاصابۃ: ۱/ ۲۳۳۔ (۴) الثقات: ۱۵۰/ نمبر (۱۹۷) الاستیعاب: ۱/ ۲۵۸، الاصابۃ:

(۱۸) حضرت جَرہد بن خویلد اسلمی رضی اللہ عنہ

حضرت جرہد رضی اللہ عنہ کے صاحبزادہ عبدالرحمن بن جرہد اپنے والد محترم کے بارے میں کہتے ہیں "كان جرهد هذا من أصحاب الصفة" کہ حضرت جرہد اصحابِ صفہ میں تھے۔ (سننِ ابوداؤد: ۲/ ۵۵۷ الحمام)

نام جرہد، والد کا نام خویلد بن بحرۃ، قبیلہ "اسلم" سے تعلق رکھتے ہیں۔

صفہ کی زندگی: حضرت جرہد رضی اللہ عنہ کو علم حاصل کرنے کا بہت شوق تھا، جس کی بنا پر صفہ میں اصحابِ صفہ کے ساتھ پڑے رہتے تھے، جب کہ ان کا اپنا گھر مدینہ منورہ کے "زقاق ابن حنین" نامی محلہ میں تھا جس کی بنا پر انہیں اہلِ مدینہ میں شمار کیا جاتا ہے۔(۱)

حضرت جرہد رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اصحابِ صفہ کے پاس تشریف فرماتھے اور میری ران کھل رہی تھی، ران پر نظر پڑتے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد

---

(۱) المغازی للواقدی: ۱/ ۲۳۲۔

(۲) طبقات ابن سعد: ۴/ ۲۴۵-۲۴۶۔

(۳) المغازی للواقدی: ۳/ ۱۰۳۶۔

فرمایا: "اماعلمت أن الفخذعورۃ ، کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ ران شرمگاہ میں داخل ہے۔ (۲)

حضرت جرہد رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ بائیں ہاتھ سے کھانا کھا رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "کل بالیمین" داہنے ہاتھ سے کھاؤ۔ انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! "انھا مصابۃ" یہ مصیبت زدہ ہے، اس میں سخت تکلیف ہے۔ آپ نے کچھ پڑھ کر دم فرمایا، جس سے ساری تکلیفیں جاتی رہیں اور موت تک کبھی بھی کسی قسم کی اس ہاتھ میں تکلیف نہیں ہوئی۔ (۳)

حضرت جرہد رضی اللہ عنہ صلح حدیبیہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک رہے۔ ان سے کافی حدیثیں مروی ہیں۔ جن میں مشہور حدیث "الفخذعورۃ" ہے۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد اپنی پوری زندگی مدینہ منورہ ہی میں گذار دی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت ۶۱ھ میں اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ (۴)

(۱۹) حضرت جُعَیل بن سُراقہ ضمری

امام ابونعیم اصبہانی نے حضرت جعیل بن سراقہ رضی اللہ عنہ کو اصحابِ صفہ میں شمار کرتے ہوئے کہا کہ انہوں نے صفہ میں سکونت اختیار کی تھی اور یہ ان ہی لوگوں کے ساتھ رہ کر حصولِ علم میں لگے رہتے تھے۔

(حلیۃ الأولیاء: ۱/ ۳۵۳)

نام جعیل، والد کا نام سراقہ، قبیلہ "ضمرۃ" سے تعلق رکھنے کی بنا پر ضمری کہلاتے ہیں۔ علامہ واقدی نے ان کا نام بغیر تصغیر کے "جُعَال" ذکر کیا ہے۔ (۱)

حضرت جعیل رضی اللہ عنہ فقراءِ مہاجرین صحابۂ کرام میں ایک بدشکل، نیک صالح آدمی تھے،

---

(۱) طبقات ابن سعد: ۴/ ۲۴۵-۲۴۶۔ (۲) المغازی للواقدی: ۱/ ۳۳۲۔

(۳) طبقات ابن سعد: ۴/ ۲۴۶۔

ابتداءِ اسلام میں مسلمان ہو گئے (۲) اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے درِ اقدس سے سایہ کی طرح چمٹ گئے۔ حضرت عرباض رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم اور جعیل بن سراقہ اور عبداللہ بن مغفل تینوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درِ اقدس پر پڑے رہتے اور وہیں رہ کر گذر بسر کرتے۔ (۳)

غزوۂ احد کے دن شیطان کا حضرت جعیل کی شکل اختیار کر لینا

حضرت جعیل رضی اللہ عنہ غزوۂ احد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک تھے، غزوۂ احد کے دن انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مجھے اطلاع ملی ہے کہ کل آپ کو شہید کر دیا جائے گا، جس کی وجہ سے میں بہت زیادہ بے چین و پریشان ہوں۔ آپ نے یہ سن کر اپنا دستِ مبارک ان کے سینہ پر مارتے ہوئے فرمایا: کیا پورا زمانہ کل نہیں ہے؟ ''کل'' کا اطلاق آنے والے دوسرے دن پر ہوتا ہے۔ اسی طرح ''کل'' کا اطلاق قیامت تک آنے والے ہر دن پر بھی ہوتا ہے۔ (۱)

غزوۂ احد میں جب تیر اندازوں کی جگہ خالی دیکھ کر خالد بن ولید اور عکرمۃ بن ابی جہل کی فوج نے عقب سے مسلمانوں پر زوردار حملہ کر دیا، تو مسلمان گھر گئے اور منتشر ہونے لگے، کتنے ہی صحابۂ کرام شہید اور زخمی ہوئے اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی زخمی ہوئے، عین اسی وقت شیطان نے جعیل بن سراقہ رضی اللہ عنہ کی شکل وصورت اختیار کر کے یہ آواز تین مرتبہ لگائی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم قتل کر دیئے گئے۔ اس کی وجہ سے اس دن حضرت جعیل کو بڑی مشکل گھڑی اور سخت آزمائش کا سامنا کرنا پڑا جب کہ حضرت جعیل اس وقت حضرت خوات بن جبیر اور بردہ بن نیار رضی اللہ عنہما کے ساتھ مل کر کفار سے سخت قتل وقتال کرنے میں مصروف تھے۔ مسلمانوں نے شیطان کو حضرت جعیل کی شکل وصورت میں دیکھ کر یہ گمان کیا کہ واقعی جعیل ہی ہیں، انہوں نے ہی جھوٹی آواز لگائی ہے اور غلط پروپیگنڈہ کیا ہے، جس کی وجہ سے انہیں قتل کرنے کے لیے آگے بڑھے۔ حضرت جعیل انکار کرتے رہے کہ میں نے آواز نہیں لگائی ہے؛ مگر مسلمان ان کی بات ماننے سے انکار کرتے رہے تو حضرت خوات اور بردہ بن نیار رضی اللہ عنہما نے آگے بڑھ کر مسلمانوں کو یہ کہہ کر روکا یہ تو ہم دونوں کے ساتھ مل کر کفار سے لڑنے میں

---

(۱) حلیۃ الأولیاء: ۱/ ۳۵۳۔ الاستیعاب: ۱/ ۲۳۹-۲۴۰

(۲) الإصابۃ: ۱/ ۲۴۱۔

مشغول تھے جھوٹی آواز لگانے والے یہ نہیں ہیں، بلکہ کوئی اور ہے، حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ نے بھی اسی طرح ان کے متعلق گواہی دی، تو مسلمان ان کے قتل سے رک گئے۔ (۲)

جُعیل سے بدل کر عمرو

غزوۂ خندق کے موقع پر پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام ''جعیل'' سے تبدیل کر کے ''عمرو'' رکھ دیا تھا۔ (۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی حضرت جعیل کی تعریف

محمد بن ابراہیم تیمی کا بیان ہے کہ کسی صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ عیینہ بن حصین اور اقرع بن حابس کو سو سو اونٹ مرحمت فرما رہے ہیں اور جعیل بن سراقہ ضمری کو محروم رکھ رہے ہیں یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سنو! اس ذات پاک کی قسم! جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، عیینہ اور اقرع جیسے لوگ زمین بھر کر ہوں، پھر بھی جعیل ان سے بہتر ہے۔ میں نے ان دونوں کو صرف اسلام سے قریب کرنے کے لیے مال دیا ہے تاکہ سچے پکے مسلمان ہو جائیں اور جعیل کو اس کے ایمان و اسلام کے حوالہ کر دیا ہے۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے مخاطب کر کے ارشاد فرمایا: تم جعیل کو کیسا پاتے ہو؟ میں نے عرض کیا: وہ مسکین ہیں اور لوگوں میں مسکین جیسے معلوم بھی ہوتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: فلاں شخص کو کیسا سمجھتے ہو؟ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! وہ سرداروں میں سے ہے اور لوگ بھی اسے سردار سمجھتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: زمین بھر کر اس جیسے لوگوں میں جعیل بہتر ہے۔ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! جعیل جب اس صفت کے حامل ہیں، تو آپ نے ان کی موجودگی میں فلاں سردار کے ساتھ امتیازی معاملہ کیوں فرمایا، سردار کو تو خوب دیا مگر انہیں محروم رکھا۔

---

(۱) صفۃ الصفوۃ:۱/۴۷۰-۴۷۲۔ (۲) سیر اعلام النبلاء:۲/۳۷۸۔

(۳) مسند احمد:۶/۱۵۱، المستدرک:۳/۲۰۸، صححہ الحاکم ووافقہ الذہبی۔ (۴) حلیۃ الأولیاء:۱/۳۵۶، الاصابۃ:

آپ نے فرمایا: وہ اپنی قوم کا سردار ہے، اسے مالوں سے نواز کر اس کی قوم کو میں ایمان کے قریب کر رہا ہوں، تاکہ وہ لوگ اپنے سردار کے ساتھ اس امتیازی معاملہ کو دیکھ کر دینِ اسلام میں صحیح طریقہ سے داخل ہو جائیں۔(۱)

علامہ ابنِ حجر عسقلانی نے اس روایت کو ذکر کر کے کہا: "**اسناده صحيح**" اس کی سند صحیح ہے۔(۲)

(۲۰) حضرت حارثہ بن نعمان انصاری رضی اللہ عنہ

امام ابو عبد الرحمن نسائی اور علامہ ابو نعیم اصبہانی نے حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ کو اصحابِ صفہ میں شمار کیا ہے۔ (حلیۃ الأولیاء: ۱/ ۳۵۶)

نام حارثہ، کنیت ابو عبد اللہ، والد کا نام نعمان بن نفیع، انصارِ مدینہ سے تعلق رکھتے ہیں۔(۱)

امام ذہبی علیہ الرحمۃ حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ کا تعارف کراتے ہوئے رقم طراز ہیں!

شهد بدراً و المشاهد، و لا نعلم له رواية و كان ديّنا خيراً، بزاً بأمه (۲)

ترجمہ: حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر اور دیگر تمام غزوات میں شریک رہے ہیں

---

(۱) طبقات ابنِ سعد: ۳/ ۴۸۸، معجم طبرانی: رقم ۳۲۲۵، الإصابۃ: ۱/ ۲۸۹۔

(۲) مسندِ أحمد: ۵/ ۴۳۳، معجم طبرانی: ۳۲۲۶۔ (۳) الإصابۃ: ۱/ ۲۹۸۔

ہمارے علم میں ان سے کوئی روایت مروی نہیں ہے، یہ بہت دیندار، پارسا اور اپنی ماں کی فرماں بردار اولاد ہیں۔

جنت کی بشارت

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں نے ایک مرتبہ خواب میں دیکھا کہ میں جنت میں داخل ہوا اور قرآن کریم پڑھنے کی آواز سنی، تو میں نے دریافت کیا یہ کون ہے؟ جواب ملا: یہ خوش بخت حارثہ بن نعمان ہے! یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "کذلک البر، کذلک البر، وکان ابر الناس بأمه" واقعی نیکی ایسی ہی ہوتی ہے، نیکی ایسی ہی ہوتی ہے یعنی نیکی کا پھل ایسا ہی ہوتا ہے، حارثہ بن نعمان اپنی والدہ کے ساتھ بہت ہی اچھا سلوک کرنے والا ہے۔ (۳)

حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ ان ۸۰ صحابہ کرام میں ہیں جو غزوۂ حنین میں جمے رہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ (۴)

حضرت جبرئیل علیہ السلام کی دو مرتبہ زیارت

حضرت حارثہ کا بیان ہے کہ میں نے جبرئیل علیہ السلام کی دو مرتبہ زیارت کی ہے۔

پہلی مرتبہ صورین۔ یہ مدینہ منورہ میں جنت البقیع کے پاس ایک جگہ ہے۔ کے مقام پر جس دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بنو قریظہ کے محاصرے کے لیے تشریف لے جا رہے تھے، تو ہمارے پاس سے دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی شکل وصورت میں گذرے اور ہتھیار سے لیس ہونے کا حکم دے گئے۔

دوسری مرتبہ غزوۂ حنین کے شہداء کو دفن کرنے کے مقام میں زیارت کی کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گذرا تو دیکھا کہ وہ آپ سے محوِ گفتگو ہیں۔ میں نے سلام نہیں کیا، آگے بڑھ گیا، تو جبرئیل علیہ السلام نے میرے بارے میں دریافت کیا کہ اے محمد! یہ کون ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: یہ حارثہ بن نعمان ہے!

---

(۱) طبقات ابن سعد: ۳/ ۴۸۸۔

(۲) معجم طبرانی: ۳/ ۲۵۸۔ طبقات ابن سعد: ۳/ ۴۸۸۔

(۳) الاستیعاب: ۱/ ۲۸۳۔

یہ سن کر جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا: یہ ان ۸۰ / خوش بختوں میں ہیں کہ جو غزوۂ حنین میں اپنی جگہ پر جمے رہے، اللہ تعالیٰ نے ان کے اور ان کی اولاد کے رزق وروزی کی ذمہ داری جنت میں لے رکھی ہے۔ (۱)

مسندِ احمد اور معجمِ طبرانی کی دوسری روایت میں ہے کہ حضرت حارثہ فرماتے ہیں! میں ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گذر رہا تھا، آپ جبرئیل سے محو گفتگو تھے، میں نے سلام عرض کیا اور آگے بڑھ گیا۔ کچھ ہی دیر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی واپس ہونے لگے، مجھے دیکھ کر آواز دی، میں حاضرِ خدمت ہوا تو آپ نے فرمایا: کیا تم نے میرے ساتھ اس شخص کو دیکھا؟ میں نے عرض کیا: ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ جبرئیل تھے۔ انہوں نے تمہارے سلام کا جواب دیا ہے۔ (۲) علامہ ابنِ حجر عسقلانی نے ''اسنادہ صحیح'' اس روایت کی سند صحیح قرار دی ہے۔ (۳)

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی قربت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے گہرے تعلقات وروابط تھے، یہی وجہ ہے کہ آپ علیہ السلام سفر میں ان کے خیمے اپنے خیمے کے قریب لگواتے تھے۔ جب کبھی نبی علیہ السلام ازواجِ مطہرات کے پاس تشریف لے جانا چاہتے تو حضرت حارثہ اپنے خیمہ سے نکل جاتے، یہ دیکھ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ''اِستَحْيَيْتُ حارثة مما يتحول لنا عن منازله'' کہ ہماری وجہ سے حارثہ اپنے خیمہ سے نکل جاتے ہیں اس پر مجھے شرم آتی ہے۔ (۱)

اللہ کے راستہ میں خرچ کرنا

حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ مسکینوں کی بہت زیادہ خبر گیری کرتے تھے اور ان پر بہت خرچ کرتے تھے، آخری عمر میں بینائی ختم ہوگئی تھی، اس کے باوجود مسکینوں کی خبر گیری میں کمی نہیں کرتے تھے۔ اپنے کمرہ کے دروازہ سے لے کر نماز پڑھنے کی جگہ تک ایک دھاگہ باندھ رکھے تھے اور اپنے

---

(۱) الثقات:/۱۵۶، نمبر: (۳۰۹)

(۲) تہذیب التہذیب: ۲/۱۶۷۔

(۳) الاستیعاب: ۱/۳۵۱، ال إصابۃ: ۱/۲۹۹۔

(۴) سنن ابن ماجہ:/۲۷۱، حلیۃ ال أولیاء: ۱/۲۵۷۔

پاس ٹوکرے میں کھجور وغیرہ رکھتے تھے۔ جب بھی کوئی مسکین گذرتا انہیں سلام کرتا تو یہ اسے روک کر اپنے ٹوکرے سے کھجور وغیرہ لے کر دھاگہ کے سہارے کمرہ کے دروازہ تک آتے اور مسکین کو دیتے۔

ان کے گھر والے ان کی اس پریشانی کو دیکھ کر کہا کرتے "نحن نکفیک" صدقہ وخیرات کرنے میں آپ کو اتنی پریشانی اٹھانے کی ضرورت نہیں ہے، ہم آپ کی جانب سے دے دیں گے۔ اس کے جواب میں فرماتے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے "مناولة المسکین تقی میتة السوء" مسکین پر صدقہ وخیرات کرنا انسان کو بُری موت سے بچاتا ہے۔ (۲)

وفات

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں ان کا انتقال ہوا۔ (۳)

(۲۱) حضرت حازم بنِ حرملہ غِفاری رضی اللہ عنہ

علامہ ابونعیم اصبہانی کہتے ہیں کہ میرے شیخ الشیخ حسن بن سفیان نے حضرت حازم بن حرملۃ کو اصحابِ صفہ میں شمار کیا ہے۔

(حلیۃ ال أولیاء:۱/۳۵۶)

---

(۱) ال إصابۃ:۱/۳۱۶۔ (۲) صحیح مسلم:۲/۳۹۳ (الفتن) (۳) الثقات:/ ۱۵۳، نمبر(۲۵۸)

(۴) تہذیب التہذیب:۲/۲۱۹۔ (۵) الثقات: نمبر(۲۵۸) (۶) ال إصابۃ:۱/۳۱۶۔

نام حازم، والد کا نام حرملہ، قبیلہ غفار سے تعلق رکھتے ہیں۔

امام ابن حبان نے حضرت حازم کو اہلِ مدینہ میں شمار کیا ہے۔ (۱)

حضرت حازم کے شاگرد صرف ایک ان کے آزاد کردہ غلام ابوزینب ملتے ہیں۔ (۲) اور پورے ذخیرۂ احادیث میں ان سے روایت کردہ صرف ایک حدیث شریف ملتی ہے۔ (۳) جسے امام ابن ماجہ اور طبرانی وغیرہ نے نقل کیا ہے۔ وہ حدیث شریف یہ ہے۔

حضرت حازم کا بیان ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گذرا تو آپ نے مجھے آواز دی میں رک گیا، آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: **یاحازم: أكثر من قول لاحول ولاقوة إلا بالله العلي العظيم، فإنها كنز من كنوز الجنة** ' اے حازم! لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم کا کثرت سے ورد کیا کرو، کیونکہ یہ جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔ (۴)

(۲۲) حضرت حذیفہ بن اَسید رضی اللہ عنہ

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد رشید صحابیِ رسول حضرت ابوالطفیل عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "حذيفة بن أسيد الغفاري من أهلِ الصفة" کہ حضرت حذیفہ بن اسید غفاری رضی اللہ عنہ اصحابِ صفہ میں ہیں۔ (حلیۃ ال اَولیاء:۱/ ۳۵۵)

نام حذیفہ، کنیت ابوسریحہ، والد کا نام اَسید، قبیلہ غفار سے تعلق رکھتے ہیں۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ صلحِ حدیبیہ اور بیعتِ رضوان میں شریک رہے ہیں۔ (۱)

حضرت حذیفہ بن اسید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بالاخانہ میں تشریف فرما تھے اور ہم نیچے بیٹھے تھے، آپ نے اوپر سے جھانکا اور فرمایا: تم لوگ آپس میں

---

(۱) المستدرک:۳/ ۳۸۰، ال إستیعاب:۱/ ۳۶۴، ال إصابۃ:۱/ ۳۳۰۔ (۲) الثقات:/ ۱۵۳۔

(۳) تہذیب التہذیب:۲/ ۲۱۹-۲۲۰۔

کس چیز کا تذکرہ کر رہے ہو؟

ہم نے عرض کیا: قیامت کا تذکرہ کر رہے ہیں آپ نے فرمایا: قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوسکتی جب تک کہ قیامت کی دس نشانیاں ظاہر نہ ہوجائیں۔ (۲)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کوفہ منتقل ہوگئے اور وہیں سکونت اختیار کرلی اسی لیے ان کے فیض یافتگان میں اکثر کوفی حضرات ہی ہیں۔ (۳)

انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے علومِ نبوت حاصل کیا پھر حضرت ابوبکر، حضرت علی اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہم سے فیض یاب ہوئے۔

ان کے شاگردوں میں حضرت ابوالطفیل عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ اور تابعین میں عامر شعبی وغیرہ ہیں، صحیح بخاری کے علاوہ تمام کتبِ صحاحِ ستہ میں ان کی روایتیں موجود ہیں۔ (۴)

وفات: ۴۲ھ مقامِ ارمینیہ میں ان کا انتقال ہوا۔ (۵) حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔ (۶)

(۲۳) حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ

علامہ ابونعیم اصبہانی کہتے ہیں: ''حذيفة بن اليمان خالط أهل الصفة مدّة'' کہ ایک مدت تک حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ اہلِ صفہ کے ساتھ رہے ہیں۔ خود حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے ''كنا مع رسول الله ﷺ في الصفة'' ہم لوگ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صفہ میں تھے۔ (حلیۃ الأولیاء: ۱/ ۳۵۵)

---

(۱) صحیح مسلم: ۲/ ۱۰۶، الجہاد: الوفاء بالعہد۔ (۲) صحیح بخاری: ۲/ ۹۸۶-۱۰۱۷، حدیث نمبر: ۲۴۶۸-۶۸۸۳۔

رازدارِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حذیفہ کے نام سے مشہور ہیں، کنیت ابوعبداللہ یا ابو سریحہ، والدِ محترم کا نام ''حُسَیل'' ہے، یہ زمانۂ کفر میں اپنی قوم کے ایک فرد کو قتل کر کے مدینہ منورہ بھاگ آئے اور انصار کے ایک قبیلہ بنو عبد الاشہل کے حلیف ومعاہد بن کر ان کی امن وامان میں آ گئے، انصارِ مدینہ ملکِ یمن سے تعلق رکھنے کی بنا پر ''یمانیہ'' کہے جاتے ہیں، حضرت حسیل کی قوم انہیں یمانیہ کے حلیف بن جانے کی وجہ سے ''یمان'' کہہ کر پکارنے لگی (۱) اور یہ اسی طرح یمان سے مشہور ہو گئے اور والدہ کا نام ''رباب بنت کعب بن عدی بن کعب بن عبد الاشہل'' ہے۔ (۲) حضرت حذیفہ خاندانی اعتبار سے مکی اور پیدائشی اعتبار سے مدنی ہیں۔

ہجرت سے قبل ہی باپ اور بیٹے مسلمان ہوئے ہیں۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا: چاہو مہاجر کہلاؤ، یا انصاری، تمہیں مکمل اختیار ہے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں انصاری بننا پسند کروں گا۔ (۳)

غزوات

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ اور ان کے والدِ محترم غزوۂ بدر میں شریک نہیں ہو سکے۔ خود اس کا سبب حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی زبانی سنیے: میں اپنے والدِ محترم حُسَیل کے ساتھ کہیں جا رہا تھا، قریش کے کافروں نے ہم لوگوں کو پکڑ لیا اور کہا تم دونوں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ملنا چاہتے ہو؟ ہم نے جواب دیا کہ مدینہ منورہ جانے کا ارادہ ہے۔ کہنے لگے کہ ہم دونوں کو جانے نہیں دیں گے، ہاں اگر تم

---

(۱) عمدۃ القاری: ۲۴/ ۴۵۔ (۲) سیرت ابن ہشام: ۲/ ۸۷-۸۸۔

☆ غزوۂ خندق ماہِ شوال ۵ھ میں پیش آیا، اسی غزوہ کو غزوۂ احزاب بھی کہتے ہیں، قریشِ مکہ کا لشکر چار ہزار آدمیوں اور تین سو گھوڑوں اور ایک ہزار اونٹوں کے ساتھ ابوسفیان کی قیادت میں مکہ مکرمہ سے نکلا، جب یہ لشکر مرالظہران پہونچا تو قبیلۂ غطفان اور قبیلۂ اشجع وفزارہ کے قبائل آ کر شامل ہو گئے، جس کی مجموعی تعداد دس ہزار تھی۔ (فتح الباری: ۷/ ۳۰۱) اس لشکرِ جرار سے حفاظت کے لیے حضرت سلمان فارسی کے مشورہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے چھ دن میں خندقیں کھودی گئیں۔ (طبقات ابنِ سعد: ۲/ ۴۸) یا پندرہ دن، بیس دن، چوبیس دن یا ایک ماہ میں کھودی گئیں (فتح الباری: ۷/ ۳۰۲) اور مسلمانوں کی کل تعداد تین ہزار تھی، ۲۷ روز کفار کا محاصرہ رہا اور ہر چند کوششوں کے باوجود کفار خندق کے پار نہ آ سکے، لطائفِ غیبی سے یہ امداد ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے لشکر بھیجے اور رات کے وقت سخت طوفان آیا، قریش کے تمام خیمے ڈیرے اکھڑ گئے، ہانڈیاں منتشر ہو گئیں، چولھے بجھ گئے اور سارے لوگ حواس باختہ ہو گئے۔ اسی موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حذیفہ کو کفار کے احوال دیکھنے کے لیے روانہ فرمایا تھا۔ (صحیح بخاری: ۲/ ۵۷۹، عمدۃ القاری: ۷/ ۱۷۷)

(۳) حلیۃ الاولیاء: ۲/ ۳۵۴۔ (۴) الاصابۃ: ۱/ ۳۳۰۔

دونوں یہ وعدہ کرو کہ جنگِ بدر میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ساتھ نہیں دو گے، اس صورت میں تمہیں جانے کی اجازت دی جاسکتی ہے، ورنہ ہم تمہیں قطعاً نہیں چھوڑیں گے ہم نے با دلِ نخواستہ دشمن سے چھٹکارے کی خاطر ایسا وعدہ کرلیا کہ ہم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ نہیں دیں گے۔ انہوں نے راستہ چھوڑ دیا۔ جب مدینہ منورہ پہونچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قریش کے معاہدہ کی اطلاع دی اور عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! اب ہم کیا کریں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم دونوں مدینہ چلے جاؤ! ہم قریش سے کئے گئے معاہدے کو پورا کریں گے اور ان کے خلاف اللہ تعالیٰ سے مدد چاہیں گے۔(۱)

غزوۂ احد میں حضرت حذیفہ اپنے والد محترم کے ساتھ رہے ہیں۔ حضرت عائشہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ جنگِ احد میں۔ اولِ وہلہ۔ میں کافروں کو نمایاں شکست ہوئی، اسی وقت ابلیس ملعون نے یہ آواز دی، اللہ کے بندو! پیچھے جو لوگ آرہے ہیں ان سے بچو، یہ سنتے ہی آگے والے مسلمان پیچھے والوں پر پلٹ پڑے اور آپس ہی میں جنگ ہونے لگی۔ حذیفہ بن یمان نے دیکھا کہ لوگ ان کے والد کو۔ کافر سمجھ کر۔ قتل کرنے کے درپے ہیں تو مسلسل یہ پکارنے لگے یہ میرے باپ ہیں! یہ میرے والد محترم ہیں! ان کو نہ مارو؛ لیکن چیخ وپکار میں کون سن رہا تھا! مسلمانوں نے ان کو نہ چھوڑا اور وہیں ان کا کام تمام کردیا۔ حضرت حذیفہ یہ کہنے لگے! مسلمانو! اللہ تعالیٰ تم کو بخش دے۔

راوی حضرت عروہ کا بیان ہے کہ حضرت حذیفہ جب تک باحیات رہے ان کے دل میں اپنے والد محترم کے مارے جانے کا گہرا رنج وافسوس رہا۔(۲)

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ حضرت حذیفہ کا **"غفر اللہ لکم اللہ تمہیں بخشے"** کہنا اس جانب غماز ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کو معاف کردیا اور دیت وغیرہ نہیں لی؛ کیونکہ مسلمانوں نے غلطی سے قتل کیا تھا۔ جیسا کہ امام بخاری علیہ الرحمۃ نے صحیح بخاری: ۲/ ۱۰۱۷، حدیث نمبر ۶۸۸۳؍ میں اسی کی جانب اشارہ کیا ہے(۱) اور ابنِ اسحاق کی روایت میں صراحت ہے کہ محمود بن لبید کہتے ہیں **"فتصدق حذیفة بدیته علی المسلمین"** کہ حضرت حذیفہ نے دیت معاف کردی۔(۲)

غزوۂ خندق ☆ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کے احوال دیکھنے کے لیے

---

(۱) حلیۃ الاولیاء: ۱/ ۳۵۵۔ (۲) صحیح بخاری: ۲/ ۱۰۴۹، نمبر ۷۰۸۴۔

(۳) صحیح مسلم: ۲/ ۳۹۰، الفتن۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو ہی بھیجا تھا۔ واقعہ یہ ہوا کہ غزوۂ خندق کی ایک رات سخت سرد ہوا چلی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کوئی دیکھ کر آئے کفار کا کیا حال ہے اور ان کا اگلا کیا ارادہ ہے؟ حلیہ کی روایت میں یہ ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا: کوئی ہے جو کافروں کی خبر مجھ تک لے کر آئے اور قیامت کے دن کی میری معیت حاصل کرے؟ سخت سردی کی وجہ سے کوئی نہ اٹھا، تین مرتبہ یہ جملہ ارشاد فرمانے کے بعد حضرت حذیفہ کا نام لے کر فرمایا: اے حذیفہ! تم جاؤ اور قوم کی خبر لے کر آؤ، میں اٹھا اور سخت سردی سے کانپتے ہوئے کفار کی خبر واپس لے کر آیا کہ سارے کفار بھاگنے کی تیاری کر رہے ہیں۔ یہ حالت دیکھ کر نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جسمِ اطہر پر پڑی ہوئی چادر کا کچھ حصہ میرے اوپر ڈال دیا، میں گہری نیند میں صبح تک سو گیا۔ (۳)

ان غزوات کے علاوہ اور جتنے غزوات ہیں تمام میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک رہے ہیں۔ (۴)

صفہ کی زندگی اور تحصیل علم

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ ایک مدت تک اصحابِ صفہ کے ساتھ رہے۔ خود ان کا بیان ہے کہ ایک روز ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صفہ میں تھے، حضرت بلال نے اذان دینی چاہی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اے بلال! ابھی رک جاؤ اور تھوڑا انتظار کر لو، پھر ہم لوگوں کی جانب متوجہ ہو کر ارشاد فرمایا: تم لوگ کھاؤ اور کھلاؤ، ہم لوگوں نے کھایا اور کھلایا، پھر آپ نے فرمایا: تم لوگ پیو اور پلاؤ، ہم لوگوں نے پیا اور پلایا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے تشریف لے گئے۔ علامہ جریر نے کہا ہے کہ یہاں کھانے اور کھلانے سے سحری کا کھانا اور کھلانا مراد ہے۔ (۱)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ اصحابِ صفہ کے ممتاز اور نمایاں طالب علموں میں ہیں، ان کی خصوصیت میں ان کا کوئی سہیم و شریک نہیں ہے، ان کے حصولِ علم کا طریقہ ہر ایک سے جداگانہ ہے، خود فرماتے ہیں!

---

(۱) حوالہ مذکورہ۔

(۲) صحیح مسلم: ۱/۳۹۱۔

(۳) صحیح بخاری: ۱/۵۲۹، نمبر حدیث: ۳۷۴۲، ۳۷۴۳۔

(۴) فتح الباری: ۷/ ۱۱۴۔

كان الناس يسألون رسول الله ﷺ عن الخير، وكنت أسأله عن الشر مخافة أن يدركني۔

ترجمہ: لوگ -طلبۂ کرام- نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے خیر وبھلائی کی باتیں پوچھا کرتے اور میں برائی، فتنہ وفساد کی باتیں پوچھا کرتا، اس ڈر سے کہ کہیں اس میں گرفتار نہ ہوجاؤں۔ (۲)

قیامت تک فتنہ وفساد سے متعلق جتنی باتیں درپیش ہونے والی تھیں، ہرایک کو تفصیل کے ساتھ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا اور اسے اپنے سینۂ گنجینہ میں محفوظ رکھا۔ خود ان کا بیان ہے: **أخبرني رسول الله ﷺ بما هو كائن إلى أن تقوم الساعة فما منه شئ إلا قد سألته إلا أني لم أسئله مايخرج أهل المدينة من المدينة۔**

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے قیامت تک پیش آنے والی ہرایک بات بتادی اور کوئی بات ایسی نہ رہی جس کو میں نے آپ سے نہ پوچھا ہو البتہ میں یہ نہ پوچھ سکا کہ اہلِ مدینہ کو مدینہ منورہ سے کون سی چیز نکالے گی۔ (۳)

رازدارِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

۱۔ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو قیامت تک پیش آنے والے بہت سارے فتنے رازدارانہ طور پر بتائے ہیں جس خصوصیت میں ان کا کوئی شریک نہیں ہے۔ (۱) امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اس کا خوب اعتراف تھا کہ اس علم کو یہ اتم واکمل طریقے پر حاصل کئے ہوئے ہیں۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے تھے۔ انہوں نے فرمایا: تم میں سے کس کو فتنہ کے باب سے متعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث یاد ہے؟ میں نے عرض کیا! مجھ کو یاد ہے۔ یہ سن کر حضرت عمر نے فرمایا: **"إنک لجريئ"** ہاں واقعی تم بڑے بہادر ہو اور اس میدان کے تم ہی ماہر ہو۔ (۲) صرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی کو اس کا اعتراف نہیں تھا، بلکہ تمام صحابۂ کرام آپ کو رازدارِ رسول للہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جانتے پہچانتے تھے۔

---

(۱) سیرِ أعلام النبلاء: ۲/ ۳۶۴۔

(۲) الاستیعاب: ۱/ ۲۷۷۔

(۳) جامع الترمذی: ۲/ ۲۲۱۔

(۴) تہذیب التہذیب: ۲/ ۲۲۰۔

(۵) سیرِ اعلام النبلاء: ۲/ ۳۶۱۔

حضرت علقمہ کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ ''شام'' آیا، میں نے دو رکعت نماز پڑھی اور یہ دعاء کی اے اللہ! مجھے ایک نیک صالح رفیق عطا فرما، اس کے بعد میں ایک مجلس میں آکر بیٹھ گیا تو دیکھا کہ ایک شیخ تشریف لائے اور میرے پاس آکر بیٹھ گئے، دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ آنے والے بزرگ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ ہیں، میں نے ان سے عرض کیا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے ایک نیک صالح شخص کو ہم مجلس اور ہم نشیں بنانے کی دعاء کی تھی، وہ دعاء کی مقبولیت آپ کی شکل میں ظاہر ہوئی ہے۔ انہوں نے دریافت کیا! تم کہاں سے آئے ہو؟ میں نے عرض کیا: کوفہ سے! انہوں نے یہ سنتے ہی فرمایا: **''أليس فيكم صاحب السر الذي لايعلمه غيره يعني حذيفة''** کیا تم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راز دار نہیں ہیں۔ جو ایسے سربستہ رازداروں سے واقف ہیں، جن کو ان کے سوا کوئی نہیں جانتا ہے یعنی حذیفہ رضی اللہ عنہ۔ (۳)

علامہ ابن حجر عسقلانی نے ''راز'' کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ یہاں ''سر'' راز سے مراد یہ ہے کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کو تمام منافقوں کے نام اور ان کے احوال وکوائف بتادیئے تھے۔ (۴) یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ان سے منافقوں کے بارے میں دریافت کرتے رہتے تھے۔ خود اپنے بارے میں بھی ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر پوچھا کہ میں منافقوں میں تو نہیں ہوں؟ انہوں نے جواب دیا نہیں، البتہ آپ کے بعد کسی کا تزکیہ نہیں کرتا۔ (۱) اگر کسی مسلمان کی موت ہوجاتی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت حذیفہ کی تاک میں لگے رہتے کہ یہ اس جنازہ میں شریک ہوتے ہیں یا نہیں؟ اگر یہ اس جنازہ میں شریک نہ ہوتے، تو حضرت عمر فاروق بھی اس کے جنازہ سے کنارہ کش ہوجاتے اور شریک نہیں ہوتے۔ (۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق

قیامت تک رونما ہونے والے فتنے اور منافقوں کے احوال کے بارے میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو صحابۂ کرام میں سب سے زیادہ علم تھا، اس کی تصدیق کرتے اور اس پر مہر ثبت لگاتے ہوئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **''ما حدثكم حذيفة فصدقوه''** حذیفہ جو کچھ تمہیں بتائے سچ مانو۔ (۳)

---

(۱) صفۃ الصفوۃ: ۱/ ۶۱۲-۶۱۳۔ (۲) سیر اعلام النبلاء: ۲/ ۳۶۶، الاصابۃ: ۱/ ۳۱۶۔

شاگردانِ کرام اور تعدادِ احادیث

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے شاگردان کرام میں صحابۂ کرام کی ایک جماعت ہے مثلاً: حضرت جابر بن عبداللہ، جندب بن عبداللہ بجلی، عبداللہ بن یزید، ابوالطفیل رضوان اللہ علیہم اور تابعین کی ایک کثیر جماعت ہے۔(۴)

علامہ شمس الدین ذہبی نے آپ کی صحیحین میں ذکر کردہ احادیث کی تعداد ۱۲/ اور صرف صحیح بخاری میں ۸/ اور صحیح مسلم میں ۱۷/ احادیث کی تعداد نقل کی ہے۔(۵)

مدائن کے گورنر

خلیفۃ المسلمین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا معمول تھا کہ جب بھی کسی صوبہ یا کسی شہر میں گورنر بھیجنا چاہتے، تو پہلے صوبہ، یا شہر والوں کے نام ایک خط بھیجتے، جس کا مضمون یہ ہوتا کہ میں تمہارے پاس فلاں شخص کو امیر و گورنر بنا کر بھیج رہا ہوں اور اسے مختلف امور کے سلسلہ میں ہدایت دے رکھی ہے لہٰذا تم اسے بسر و چشم قبول کرنا اور ہر معاملہ میں ان کی اطاعت کرنا (فقط والسلام)

جب حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو مدائن کا گورنر بنا کر بھیجنا چاہا تو حسبِ معمول اہلِ مدائن کے نام خط لکھا، جس میں ان کا تعارف کراتے ہوئے لکھا کہ ایک بڑی قابل اور اونچی ہستی کو تمہارے یہاں بھیج رہا ہوں، ان کی ہر بات ماننا۔ یہ خط روانہ کرنے کے بعد آپ کو مدائن کا گورنر بنا کر بھیجا، اہلِ مدائن آپ کے استقبال میں راستہ پر کھڑے ہو گئے، تو ان لوگوں نے دیکھا کہ ایک شخص گدھے یا خچر پر ایک جانب دونوں پاؤں کیے ہوئے بیٹھا ہے اور اس کے نیچے پالان ہے اور اس کے ہاتھ میں روٹی اور گوشت کی ہڈی ہے، جسے کھاتا چلا آ رہا ہے۔ یہ حضرت حذیفہ تھے؛ مگر اہلِ مدائن آپ کو نہ پہچان سکے اور آپ ان کے سامنے سے گذر گئے، کافی دیر ہو گئی تو کچھ لوگ آئے اور کہنے لگے تم لوگ کیوں کھڑے ہو؟ بولے امیر کے استقبال میں! جواب ملا! امیر تو تمہارے سامنے سے بھی گذر گئے، یہ سنتے ہی ان لوگوں نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور سرپٹ دوڑا دیا، تو دیکھتے ہیں کہ ایک آدمی ہاتھ میں روٹی اور گوشت کی ہڈی لیے کھا رہا ہے۔ لوگوں نے سلام عرض کیا، تو آپ نے ان کے سردار کی جانب روٹی اور

---

(۱) صفۃ الصفوۃ:۱/ ۶۱۴-۶۱۵۔

(۲) حلیۃ الأولیاء:۱/ ۲۸۲، صفۃ الصفوۃ:۱/ ۶۱۵۔

(۳) صفۃ الصفوۃ:۱/ ۶۱۵۔

(۴) سیر اعلام النبلاء:۲/ ۳۶۶، الإصابۃ:۱/ ۳۱۶۔

گوشت کی ہڈی پیش کرتے ہوئے کہا: یہ لیجے اور کھائیے، سردار نے آپ کی جانب سے غفلت پاتے ہی اس کھانے کو پھینک دیا، یا اپنے خادم کو دے دیا، پھر لوگوں نے بیک زبان ہو کر عرض کیا، حضرت! جو ضرورت ہو ہم سے مطالبہ کیجئے! آپ نے فرمایا: جب تک میں مدائن میں رہوں تو تم لوگ میرے کھانے اور میرے گدھے کے چارے کا انتظام کرنا۔

ایک روز حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خط موصول ہوا، جس کا مضمون یہ تھا کہ خط ملتے ہی میری ملاقات کے لیے روانہ ہو جایئے۔ تعمیلِ حکم میں خط ملتے ہی مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہو گئے، خلیفۃ المسلمین حضرت عمر کو ان کی آمد کے بارے میں علم ہوا تو مدینہ کے کسی راستہ میں چھپ گئے، جہاں سے خود حضرت عمر آپ کو دیکھ لیں؛ مگر آپ انہیں نہ دیکھ سکیں تا کہ ان کی گورنری کی اور گورنری سے پہلے کی زندگی کو دیکھ لیں۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس سے گذرے، انہوں نے وہی پرانی حالت دیکھی، دیکھتے ہی فوراً آپ سے چمٹ گئے اور فرمایا: ''أنت أخي وأنا اخوک'' آپ میرے بھائی اور میں آپ کا بھائی ہوں۔(۱) مدینہ منورہ میں کچھ دنوں تک رہے، پھر مدائن کے لیے روانہ ہو گئے اور اپنی عمر کے آخری لمحہ تک اس عہدہ پر فائز رہے۔(۲)

آخری وقت: جب حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو قبیلۂ بنو عبس کے کچھ لوگ آپ کی تیمارداری کے لیے رات کے آخری حصہ میں تشریف لائے۔ آپ نے پوچھا کیا وقت ہے؟

یہ لوگ بولے صبح ہونے والی ہے یہ سن کر فوراً پکار اٹھے **''اعوذ باللہ من صباح إلی النار''** میں اس صبح سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔ جو جہنم رسید کرنے والی ہو۔

پھر پوچھا کیا تم نے میرا کفن تیار کیا ہے؟ جواب میں بولے ہاں۔

فرمایا: زیادہ قیمتی کفن نہ پہنانا، اگر اللہ تعالیٰ کے یہاں میرے لیے خیر و بھلائی کا فیصلہ ہوا تو اس کفن کو بہترین پوشاک میں بدل دیا جائے گا اور اگر میرے حق میں خیر و بھلائی کا فیصلہ نہ ہوا تو یہ کفن بھی اتار لیا جائے گا اور گل سڑ کے ختم ہو جائے گا۔ پھر آپ نے صلۃ بن زفر اور ابو مسعود کو کفن کا کپڑا خریدنے کے لیے بھیجا، دونوں کفن کے لیے تین سو درہم کا ایک عمدہ جوڑا خرید کر لائے۔ آپ نے اسے دیکھ کر فرمایا: میرے لیے یہ ہرگز مناسب نہیں ہے تم جاؤ اور دو سفید باریک چادر لے کر آؤ جو کفن ہی میں استعمال ہوتا ہے۔ وہ لے کر آئے۔ پھر زبان پر یہ دعائیہ کلمات جاری ہو گئے۔

---

(۱) حلیۃ الأولیاء:۱/۳۵۹۔ الاستیعاب:۱/۱۹۱۔ (۲) الإصابۃ:۱/۳۲۰۔ (۳) الثقات (۲۹۶) الاصابۃ ۱/۲۱۹)

"اللّٰهم تعلم أني كنت أحبّ الفقر على الغني، وأحب الذلة على العزّ، وأحب الموت على الحياة"۔

ترجمہ: اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میں نے زندگی بھر فقیری کو تونگری پر، عاجزی وانکساری کو سربلندی وسرفرازی پر اور موت کو زندگی پر ترجیح دی ہے۔ (۱)

"حبيب جاء على فاقة، ولا أفلح من ندم، أليس بعدي ما أعلم"۔

ترجمہ: دیکھو! فقر وفاقہ کے وقت میرا حبیب (موت) آیا جو شرمندہ ہوا وہ کامیاب نہیں ہوا، جس علم کو میں جانتا ہوں، کیا میرے بعد کسی کے پاس نہیں ہے۔ (۲) پھر آپ کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کرگئی۔ (۳)

یہ سانحۂ ارتحال پیرانہ سالی میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے چالیس دن کے بعد ۳۶ھ میں مدائن میں پیش آیا۔ (۴)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی قیمتی نصیحتوں کو حافظ ابونعیم اصبہانی نے حلیۃ الأولیاء: ۱ / ۲۷۳، تا ۲۸۳) میں اور علامہ ابن الجوزی نے صفۃ الصفوۃ: ۱ / ۶۱۰) میں ذکر کیا ہے۔

(۲۴) حضرت حَرملہ بن عبداللہ بن ایاس رضی اللہ عنہ

امام خلیفہ بن خیاط اور علامہ ابونعیم اصبہانی نے حضرت حرملہ رضی اللہ عنہ کو اصحابِ صفہ میں شمار کیا ہے۔ (حلیۃ الأولیاء: ۱ / ۳۵۸)

---

(۱) ال إستیعاب: ۱ / ۳۱۸۔

☆ حافظ ابن عبدالبر نے ان کا ترجمہ "حکم بن عمرو، حکم بن عمیر" کے تحت لکھا ہے۔ اور دونوں راویوں کو الگ الگ گردانا ہے، حالانکہ یہ دونوں ایک ہی ہیں، البتہ "حکم" کے والد میں اختلاف ہے "عمرو یا عمیر" علامہ ابن حجر عسقلانی نے ان پر یہ استدراک کیا ہے۔ تفصیل کے لیے "ال إصابۃ: ۱ / ۳۴۶) دیکھیں۔

(۲) الجرح والتعدیل بحوالہ الاستیعاب: ۱ / ۳۱۲۔

(۳) طبقات ابن سعد: ۷ / ۴۱۵، ال إصابۃ: ۱ / ۳۴۶۔

نام حرملہ، والد کا نام عبداللہ بن ایاس ہے۔

حضرت حرملہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے تشریف لائے اور آپ کے درِ اقدس سے کچھ دنوں تک چمٹ کر علومِ نبوت سے مستفیض ہوتے رہے۔

خود حرملہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، ایک عرصہ تک آپ کے پاس قیام کیا، جب گھر واپسی کا ارادہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نصیحت کی درخواست کی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: اے حرملہ! تم اللہ تعالیٰ سے ڈرنا، نیکی اور بھلائی کے کام خوب کرنا اور منکرات ومنہیات سے بچنا۔

اس نصیحتِ عالیہ کو سن کر میرا دل بھر آیا، میں نے چاہا کہ جب گھر سے واپسی ہوگی تو مزید نصیحت کی درخواست کروں گا، مگر میرا دل نہ مانا، میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مجھے اور نصیحت فرمائیے!

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی نصیحت کو دہراتے ہوئے فرمایا: تم نیکی کے کام خوب کرنا اور بُری باتوں سے گریز کرنا۔ جب لوگوں کے ساتھ مجلس میں بیٹھنا تو ان کی ہر اچھی باتیں لے لینا اور بری باتوں سے اجتناب کرنا۔ (۱)

حضرت حرملہ رضی اللہ عنہ کی نماز کے خشوع وخضوع کا یہ عالم تھا کہ نماز میں کافی دیر تک کھڑے رہنے کی وجہ سے ان کے دونوں پاؤں میں ورم آجاتا تھا۔ (۲)

حضرت حرملہ رضی اللہ عنہ نے ''بصرہ'' میں سکونت اختیار کرلی تھی، جس کی وجہ سے انہیں اہلِ بصرہ میں بھی شمار کیا جاتا ہے۔ (۳)

(۲۵) حضرت حَکَم بن عُمیر ثُمالی رضی اللہ عنہ

علامہ ابونعیم اصبہانی نے حضرت حکم رضی اللہ عنہ کو اصحابِ صفہ میں شمار کیا ہے۔ (حلیۃ الاَولیاء: ۱/۳۵۸)

---

(۱) الاستیعاب: ۱/۲۸۱، الاصابۃ: ۱/۳۶۰۔

(۲) اسنادہ حسن کما قالہ ابن حجر فی الاصابۃ: ۱/۳۶۰۔

حکم نام، عمیر والد کا نام، قبیلۂ ''ازد'' کی ایک شاخ ''ثمالہ'' سے تعلق رکھنے کی وجہ سے ''ثمالی'' کہلاتے ہیں۔

حضرت حکم رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر میں شریک رہے ہیں۔(۱)

امام الجرح والتعدیل أبو حاتم اور حافظ ابن عبد البر☆ فرماتے ہیں کہ حضرت حکم بن عمیر ثمالی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعدد احادیث روایت کی ہیں، مگر ان کی تمام احادیث ان کے شاگرد موسیٰ ابن ابی حبیب نے اور عیسیٰ بن ابراہیم نے ان سے روایت کی ہیں، جب کہ یہ دونوں ضعیف راوی ہیں، جس کی بنا پر ان کی تمام روایتیں ''احادیث منکرۃ'' منکر اور ضعیف ہیں۔(۲)

حضرت حکم رضی اللہ عنہ ملک شام کے شہر ''حمص'' میں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔(۳)

(۲۶) حضرت حنظلہ بن ابی عامر انصاری رضی اللہ عنہ

حافظ ابو موسی محمد بن المثنیٰ اور علامہ ابو نعیم اصبہانی نے حضرت حنظلہ بن ابی عامر کو صفہ کے طالب علموں میں سے شمار کیا ہے۔

(حلیۃ الأولیاء:۱/ ۳۵۷)

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی ہیں، غسیل الملائکہ لقب ہے۔ ان کا باپ ابو عامر

---

(۱) کتاب المغازی للواقدی:۱/ ۲۷۳-۲۷۴۔ صفۃ الصفوۃ:۱/ ۶۰۸-۶۰۹۔

عمرو بن صیفی ہے یہ زمانۂ جاہلیت میں راہب سے مشہور تھا۔ مدینہ منورہ میں ظہورِ اسلام کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بڑا دشمن ہوگیا، مکۃ المکرمۃ چلا گیا، قریش کو جنگ کی ترغیب دی اور ان کے ساتھ جنگِ احد میں شریک ہوا پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دیکھ کر ابو عامر فاسق فرمایا اور اسی لقب سے یہ مشہور ہوگیا۔ جنگِ احد میں خوب دادِ شجاعت حاصل کی اور جنگ کے خاتمہ کے بعد قریش کے ساتھ مکہ مکرمہ لوٹ گیا۔ فتحِ مکہ کے بعد روم کے بادشاہ ''ہرقل'' سے جا ملا اور وہیں ۹ھ میں اس کا انتقال ہوا۔ (۱)

ابن شاہین کی روایت میں ہے کہ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ اور عبد اللہ بن عبد اللہ بن اُبی بن سلول رضی اللہ عنہ دونوں میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے کافر، منافق باپ کے قتل کرنے کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی۔ آپ نے دونوں کو اس سے منع فرما دیا۔ (۲)

شادی کی پہلی رات اور واقعۂ شہادت

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کی رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی بن سلول کی بیٹی ''جمیلہ'' سے شادی ہوئی، ان کی رخصتی اس رات ہوئی جس کی صبح مسلمانوں کو غزوۂ احد کے لیے نکلنا تھا۔ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی نئی نویلی دلہن کے پاس پہلی رات گذارنے کی اجازت چاہی، بارگاہِ رسالت سے اجازت مل گئی، صبح کی نماز پڑھنے کے بعد دربارِ رسالت میں حاضر ہونے کا ارادہ کر رہے تھے کہ نئی نویلی دلہن نے روک لیا، وظیفۂ زوجیت ادا کرنے کی وجہ سے جنبی ہوگئے اور غسل کی ضرورت پیش آ گئی۔

اسی وقت آپ کی اہلیہ محترمہ اٹھیں اور اپنی قوم کے چار آدمیوں کو بلوا بھیجا، وہ آ گئے تو بولیں! تم لوگ گواہ رہو کہ حنظلہ نے میرے ساتھ صحبت کی ہے۔ ان سے اس سلسلہ میں گواہ بنانے کی وجہ دریافت کی گئی، تو کہنے لگیں! آج مجھے ایسا محسوس ہوا کہ آسمان پھٹا اور اس میں حنظلہ داخل ہوگئے، پھر آسمان پہلے کی طرح برابر ہوگیا۔ میں سمجھ گئی کہ اس جنگ میں حنظلہ جامِ شہادت نوش کر لیں گے۔

تم لوگوں کو اس صحبت پر گواہ اس وجہ سے بنائی ہے کہ اس سے بچہ ''عبد اللہ بن حنظلہ'' کا علوق

---

(۱) المغازی: ۱/ ۲۷۴۔

(۲) المغازی: ۱/ ۲۷۴، صفۃ الصفوۃ: ۱/ ۶۰۹-۶۱۰، میں تفصیل ہے۔ مختصر کے لیے حلیۃ الأولیاء: ۱/ ۳۵۷، الإصابۃ: ۱/ ۳۶۰۔

ہو چکا ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ اس ہونے والے بچہ کو ناجائز نطفہ سمجھ بیٹھو۔

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ جلدی سے ہتھیار سے لیس ہو کر اسی حالت میں تیزی کے ساتھ میدانِ جنگ کی طرف بڑھے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جنگ کی صف بندی فرمارہے ہیں، جب گھمسان کی جنگ شروع ہوئی تو آپ کا ابوسفیان سے سامنا ہو گیا، آپ نے اس کے گھوڑے کی پچھلی ٹانگ کے گھٹنے پر زوردار وار کیا جس سے ابوسفیان نیچے آگرا اور چیخنے چلانے لگا، اے قریش کی جماعت! میں ابوسفیان ہوں! میری مدد کو دوڑو، دیکھو! حنظلہ بن ابی عامر مجھے قتل کر دے گا۔ ہر ایک کو اپنی فکر تھی، کسی نے بھی اس کی آواز پر کان نہ دھرا، البتہ اسود بن شعوب یا شداد بن اسود اس کی مدد کے لیے دوڑا اور پیچھے سے آپ پر نیزہ سے وار کیا، اسی وقت شہید ہو گئے۔ (۱)

آپ سید الشہداء حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کے درمیان شہید پڑے تھے کہ آپ کے باپ ابوعامر فاسق کا گذر آپ کی نعشِ مبارک کے پاس سے ہوا تو دیکھ کر کھڑا ہو گیا اور یہ کہنے لگا! میں اس جنگ سے پہلے ہمیشہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اس کے دین سے ڈراتا رہا اور اس کا ساتھ چھوڑنے کو کہتا رہا مگر تم نہ مانے۔ خدا کی قسم! اگر تم اپنے باپ کی بات مان لیتے تو کتنی اچھی باعزت زندگی گذارتے اور تمہاری موت اپنے خاندان کے مشرف ومعزز لوگوں میں ہوتی۔ **وإن جزى الله هذا القتيل أي حمزة خيراً أو احداً من أصحاب محمد فجزاک الله خيراً**" اگر اللہ تعالیٰ اس مقتول حمزہ یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے کسی مقتول ساتھی کو اچھا بدلہ دے گا تو تمہیں بھی اچھا بدلہ دے گا۔ پھر ابوعامر فاسق نے قریش کی جانب متوجہ ہو کر کہا، اے قریش کی جماعت! تم میں سے کوئی بھی میرے بیٹے حنظلہ کا مثلہ (ناک، کان وغیرہ کاٹ کر جسم کو بگاڑ دینا) نہ کرے۔ راوی کا بیان ہے کہ احد کے تمام شہداء کا کافروں نے مثلہ کیا مگر حضرت حنظلہ کو چھوڑ دیا۔ (۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا: تمہارے ساتھی حنظلہ کو فرشتے آسمان اور زمین کے درمیان چاندی کی طشت میں رکھ کر بادل کے پانی سے غسل دے رہے ہیں۔

حضرت ابواسید ساعدی فرماتے ہیں! ہم لوگ ان کی نعشِ مبارک کے پاس گئے تو دیکھا کہ واقعی ان کے سر سے پانی ٹپک رہا ہے۔

---

(۱) الاستیعاب: ۱/ ۴۲۳۔

(۲) حلیۃ الأولیاء: ۱/ ۱۴۳۔

(۳) الإصابۃ: ۱/ ۴۱۶۔

(۴) الاستیعاب: ۱/ ۴۲۴، حلیۃ الأولیاء: ۱/ ۱۴۴۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ان کے گھر تحقیق کرو کہ یہ خاص معاملہ ان کے ساتھ کیوں ہوا؟ ان کی بیوی محترمہ نے جواب دیا کہ جس وقت جہاد کا اعلان ہوا، وہ جنبی اور ناپاکی کی حالت میں تھے اور اسی حالت میں میدانِ جہاد کے لیے نکل پڑے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر اشاد فرمایا: ہاں! اسی وجہ سے فرشتوں کی جماعت انہیں غسل دے رہی ہے۔ (۲)

(۲۷) حضرت خبّاب بن اَرَتّ رضی اللہ عنہ

امام ابونعیم اصبہانی نے حضرت خباب رضی اللہ عنہ کو صفہ کے طالب علموں میں سے شمار کیا ہے۔ (حلیۃ الأولیاء: ۱/ ۳۵۹)

حضرت خباب کی کنیت ابویحیٰ یا ابوعبداللہ، والد کا نام ارتّ بن جندلہ ہے۔ حضرت خباب رضی اللہ عنہ زمانۂ جاہلیت میں قیدی بنا کر مکۃ المکرمۃ لائے گئے اور انہیں مکہ مکرمہ کے بازار میں بیچا گیا

☆ صنعاء: یہ ایک مقام یمن کے اندر ہے۔ اگر یہ مراد ہو تو ''صنعاء'' اور ''حضر موت'' کے درمیان پانچ دن کی مسافت ہے اور اگر صنعاء شام مراد ہو تو اس کے اور حضر موت کے درمیان بہت لمبی مسافت ہے۔ بعض نے کہا: گیارہ دن کی مسافت ہے۔ (فتح الباری)

(۱) صحیح بخاری: ۲/ ۱۰۲۷، حدیث نمبر: ۲۹۴۳، سنن أبی داؤد: ۲/ ۳۵۸۔ (۲) صحیح بخاری: ۲/ ۹۵۲، حدیث نمبر: ۱۲۴۳۔

(۳) سورۂ مریم آیت: ۷۸-۷۷۔

توام انمار خزاعیہ نامی عورت نے انہیں خرید کر آزاد کیا۔ (۱)

اسلام اور مصائب: جب اسلام کا ظہور ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی تبلیغ شروع کی تو ابتداء ہی میں پانچ آدمیوں کے بعد یہ مسلمان ہو گئے۔ (۲) یہ پہلی مبارک ہستی ہے کہ جس نے اپنے اسلام کا کھلم کھلا اعلان کیا، جس کی وجہ سے سخت سے سخت انہیں تکلیفیں دی گئیں۔ (۳) ان مظالم و مصائب کی داستان خود ان کی زبانی سنیے! ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت خباب سے ان پر ہونے والے مظالم و مصائب کی خونچکاں تفصیل پوچھی۔ عرض کیا اے امیر المؤمنین! میری کمر دیکھیے! حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کمر دیکھ کر فرمایا کہ ایسی کمر تو آج تک کسی کی دیکھی ہی نہیں۔ حضرت خباب نے عرض کیا! میرے لیے آگ دہکائی جاتی پھر مجھے آگ کے انگاروں پر ڈال کر گھسیٹا جاتا اور میری چربی سے وہ آگ بجھتی۔ (۴)

جب کفار مکہ کی جانب سے تکالیف و شدائد کی انتہا ہو گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درِ اقدس پر حاضر ہوئے اور ان تکالیف کا شکوہ کیا۔ خود حضرت خباب فرماتے ہیں! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کعبۂ شریف کے سایہ میں ایک چادر پر تکیہ لگائے بیٹھے تھے اس وقت ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کافروں کی ایذا دہی کا شکوہ کیا اور کہا آپ ہمارے لیے اللہ تعالیٰ سے مدد نہیں چاہتے اور دعاء نہیں فرماتے یہ سن کر آپ کا چہرۂ انور سرخ ہو گیا اور آپ نے فرمایا: تم سے پہلے پچھلے زمانہ میں لوگوں کو اتنی تکلیف دی جاتی کہ زمین میں ایک گڑھا کھود کر اس میں گاڑ دیا جاتا اور اوپر سے سر پر آرہ چلا دیا جاتا جس سے دو ٹکڑے ہو جاتے اور لوہے کی کنگھیاں گوشت پر چلائی جاتیں جو ہڈیوں تک پہونچ جاتیں، جب بھی اللہ تعالیٰ کے دین سے باز نہیں آتے اور اپنے دین پر قائم رہتے، سن لو! خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ اس دین کو ضرور پورا کر کے اور پھیلا کر رہیں گے۔ اور اتنی امن و سلامتی پھیل جائے گی کہ ایک شخص ''صنعاء'' ☆ سے سوار ہو کر ''حضر موت'' تک سفر کرے گا اور اللہ تعالیٰ کے سوا اس کو کسی کافر کا ڈر نہ ہوگا۔ اپنی بکریوں پر بھی بھیڑیے کے سوا اور کسی کا اس کو ڈر نہ ہوگا مگر آج تم جلدی مچاتے ہو۔ (۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشن گوئی من و عن صادق ہوئی کہ اسلام چار دانگِ عالم میں

---

(۱) صحیح بخاری: ۲/۶۹۱، نمبر ۴۷۳۳۔ (۲) صحیح بخاری: ۲/۹۵۲، نمبر: ۶۳۳۰۔

(۳) ال استیعاب: ۱/۴۲۳۔۴۲۴، ال اصابۃ: ۱/۴۱۶۔ (۴) صفۃ الصفوۃ: ۱/۴۲۷۔۴۲۸۔

(۵) حلیۃ ال اولیاء: ۱/۱۴۷۔ ال اصابۃ: ۱/۴۱۶۔

پھیلا، فتوحات کے دروازے کھلے اور مسلمانوں کو خوب مال حاصل ہوئے۔ جس کا نقشہ خود حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے اس طرح کھینچا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے صحابۂ کرام دنیا سے گذر گئے اور دنیا ان کا کچھ نہ بگاڑ سکی، بلکہ انہوں نے دنیا کو آخرت کا توشہ بنایا اور ہم کو دنیا کی دولت اتنی ملی کہ ہم نے اس کو مٹی۔ یعنی عمارت وغیرہ بنانے۔ میں خرچ کرنے کے سوا اور کسی کام میں خرچ کرنے کی جگہ نہیں پایا۔ (۲)

حضرت خباب رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ میں لوہارگری کا پیشہ اختیار کیے ہوئے تھے خود ان کا بیان ہے کہ میں مکہ میں لوہار تھا، اور میں نے عاص بن وائل سہمی کی ایک تلوار بنائی تھی، میری اجرت اس کے یہاں باقی تھی، ایک روز تقاضا کرنے کے لے اس کے پاس گیا تو کہنے لگا کہ میں اس وقت تک تجھ کو نہیں دوں گا جب تک تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا انکار نہیں کروگے۔ میں نے کہا میں تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار نہیں کروں گا تا آنکہ اللہ تعالیٰ تجھے مار دے اور پھر زندہ کرے۔ وہ کہنے لگا جب اللہ تعالیٰ مجھے مار کر دوبارہ زندہ کرے گا تو اس وقت بھی میرے پاس مال و اولاد ہوگی، اسی وقت تم اپنی اجرت مجھ سے لے لینا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی، **"أفرأيت الذي كفر بآيٰتنا وقال لأوتين مالا وولدا، أطلع الغيب أم اتخذ عند الرحمن عهداً"**۔ (۳) بھلا آپ نے اس شخص کو بھی دیکھا جو ہماری آیتوں کا انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھے (آخرت میں) مال و اولاد مل کر رہیں گے، تو کیا یہ غیب پر مطلع ہو گیا یا اس نے اللہ تعالیٰ سے وعدہ لے لیا ہے۔ (۱)

حضرت خباب رضی اللہ عنہ بھی دیگر مہاجرین کی طرح مدینہ منورہ ہجرت کر کے آئے (۲) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے اور جبر بن عتیک کے درمیان مؤاخات کرائی اور آپ غزوۂ بدر اور بقیہ تمام غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک رہے۔ (۳)

حضرت شقیق بن سلمہ کا بیان ہے کہ ہم حضرت خباب رضی اللہ عنہ کے پاس اس وقت گئے جب آپ بیمار تھے۔ ہمیں دیکھ کر آپ نے ارشاد فرمایا: اس گھر میں میرے پاس اسی ہزار درہم ہیں، اللہ کی قسم میں نے کبھی ان کو کہیں چھپایا نہیں اور نہ کسی سائل کو میں نے محروم واپس لوٹایا، اتنا فرما کر

---

(۱) سیر أعلام النبلاء: ۲/ ۳۲۳-۳۲۴، الإصابۃ: ۱/ ۴۱۶۔

(۲) سیر اعلام النبلاء: ۲/ ۳۲۴-۳۲۵۔

زار و قطار رونے لگے۔ رونے کا سبب معلوم کیا تو فرمایا: میں اس لیے روتا ہوں کہ میرے بہت سے ساتھی اس دنیا سے اس حالت میں کوچ کر گئے کہ انہیں دنیادی مال و متاع سے کچھ نہ ملا لیکن یہ مال مجھے اتنا مل گیا کہ اندیشہ ہونے لگا کہ کہیں یہ مال میرے اعمالِ صالحہ کا بدلہ نہ ہو اور میں آخرت میں محروم رہ جاؤں۔ (۴)

وفات

حضرت خباب کا انتقال بعمرِ ۶۳ یا ۷۳ سال ۳۷ھ میں ہوا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جنگِ صفین سے واپسی میں آپ کی نمازِ جنازہ پڑھی اور ارشاد فرمایا:

رحم اللہ خبابا، لقد أسلم راغباً، وهاجر طائعاً، وعاش مجاهداً، وابتلي في جسمه أحوالاً، ولن يضيع الله أجر من أحسن عملاً، ثم قال: طوبىٰ لمن ذكر الميعاد، وعمل للحساب، وقنع بالكفاف ورضي عن الله عز وجلّ۔ (۵)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ خباب پر رحم فرمائے، دلی رغبت سے مسلمان ہوئے، خوشی سے ہجرت کی، جہاد میں زندگی گذار دی اور مصیبتیں برداشت کیں، ہرگز اللہ تعالیٰ نیک عمل کرنے والوں کے اجر و ثواب ضائع نہیں کرتے، مزید یہ فرمایا: مبارک ہے وہ شخص جو قیامت کو یاد رکھے، حساب کی تیاری کرے، گذارہ کے قابل مال پر قناعت کرے اور اپنے مولیٰ کو راضی کر لے۔

شاگردان

حضرت خباب کے شاگردان میں صحابیٔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ اور کبارِ تابعین میں مسروق، علقمہ بن قیس اور ابو وائل جیسے حضرات کی ایک کثیر تعداد ہے۔ (۱)

تعدادِ احادیث

علامہ ذہبی فرماتے ہیں: آپ کی احادیث کی تعداد ۳۲ ہے، جن میں سے تین صحیح بخاری و صحیح مسلم میں، صرف صحیح بخاری میں ۲ / اور صرف صحیح مسلم میں ایک حدیث ہے اور بقیہ دیگر کتبِ احادیث

---

(۱) الثقات: / ۱۵۸۔ الإصابۃ: ۱ / ۴۱۷۔ (۲) المغازي للواقدي: ۱ / ۷۴، میں تفصیل ہے اور مختصر حلیۃ الأولیاء: ۱ / ۳۶۴،

میں ہیں۔ (۲)

(۲۸) حضرت خُبیب بن یَساف رضی اللہ عنہ

حافظ ابوعبداللہ نیساپوری اور امام ابونعیم اصبہانی نے حضرت خبیب بن یساف رضی اللہ عنہ کو صفہ کے طالب علموں میں شمار کیا ہے۔

(حلیۃ الأولیاء: ۱ / ۳۶۴)

حضرت خبیب کے والد کا نام یساف یا اِساف بن عتبہ، انصارِ مدینہ کے قبیلۂ ''خزرج'' سے

---

(۱) الاستیعاب: ۱ / ۴۳۵۔

(۲) حلیۃ الأولیاء: ۱ / ۳۶۴، الإصابۃ: ۱ / ۴۱۷۔

(۳) المغازی للواقدی: ۱ / ۸۳، الاستیعاب: ۱ / ۴۳۵۔

(۴) المغازی: ۱ / ۸۳۔

(۵) المغازی: ۱ / ۸۳، الاستیعاب: ۱ / ۴۳۵۔

(۶) الاستیعاب: ۱ / ۴۳۵۔

تعلق رکھتے ہیں۔ (۱)

حضرت خبیب بن یساف رضی اللہ عنہ بڑے بہادر ہیں، لیکن انصارِ مدینہ میں سب سے اخیر میں اسلام قبول کیا ہے۔ (۲)

اسلام

اسلام قبول کرنے کا واقعہ اس طرح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ بدر کے لیے روانہ ہوئے تو حضرت خبیب اور ان کے ساتھی قیس بن محرّث بھی زرہ پہن کر ساتھ ہو لیے۔ ابھی یہ دونوں مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ جب وادیٔ ''عقیق'' میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آئے تو آپ نے حضرت سعد بن معاذ سے مخاطب ہو کر فرمایا: یہ خبیب بن یساف ہے نا؟ یہ بولے: ہاں! اتنے میں حضرت خبیب نے آگے بڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کی لگام پکڑ لی، تو آپ نے ان سے اور قیس بن محرث سے ساتھ جنگ میں شریک ہونے کی وجہ دریافت کی۔ دونوں نے جواب دیا: آپ ہمارے بھانجے اور پڑوسی ہیں اور ہماری قوم آپ کے ساتھ جنگ میں شریک ہو کر مالِ غنیمت حاصل کرنے کے لیے نکلی ہے تو اسی وجہ سے ہم بھی ساتھ ہو گئے۔ آپ نے فرمایا: ہمارے ساتھ صرف مسلمان ہی جنگ میں شریک ہوں گے، ہمیں غیر مسلموں اور کافروں کے تعاون کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں ہے۔

خبیب بولے: میری قوم میری بہادری اور میری جنگی مہارت سے خوب واقف ہے۔ میں اسلام تو ہرگز قبول نہیں کروں گا، البتہ آپ کے ساتھ مالِ غنیمت کے حصول کی خاطر ضرور جنگ کروں گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نہیں! پہلے اسلام قبول کرو، پھر ساتھ جنگ میں شریک ہو جاؤ ابھی مقامِ ''روحاء'' تک پہونچے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لیے ان کے دل کو کھول دیا۔ فوراً یہ کلمہ ''أسلمت للہ رب العالمین، شهدتُ أنک رسول اللہ'' (میں سارے جہاں کے

---

(۱) الثقات: /۱۵۸، الإصابۃ: ۱/ ۴۱۷۔

(۲) الثقات: /۱۵۸، الإستیعاب: ۱/ ۴۳۵۔

(۳) الإستیعاب: ۱/ ۴۳۵۔

پروردگار پر اسلام لایا اور میں نے یہ گواہی دی کہ آپ اللہ کے رسول ہیں) پکار اٹھے اور حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے۔

ان کے اسلام قبول کرنے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بے پناہ خوش ہوئے اور فرمایا: اب جنگ میں ساتھ رہو انہوں نے غزوۂ بدر میں بڑی جنگی مہارت دکھائی (۱) اور ایک کافر کو قتل کیا اور اس کی بیٹی سے شادی کر لی۔ (۲)

قاتلِ امیہ بن خلف

واقدی اور حافظ ابن عبدالبر کی روایت میں ہے کہ حضرت خبیب بن یساف نے ہی امیہ بن خلف کو قتل کیا ہے (۳) اور واقدی کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ انہوں نے امیہ بن خلف کی بیٹی سے شادی کی ہے۔ (۴)

یہ غزوۂ احد، غزوۂ خندق اور بقیہ تمام غزوات میں شریک رہے اور بڑے جنگی کرتب دکھائے۔ (۵)

خلیفۃ المسلمین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ان کی زوجۂ محترمہ حبیبہ بنت خارجہ بن زید کی شادی حضرت خبیب سے ہوئی۔ (۶)

عامل

امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے عہدِ خلافت میں آپ کو عامل بنا کر اور زکوۃ وغیرہ وصول کرنے کی ذمہ داری دے کر روانہ کرتے تھے۔ (۱)

وفات

امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں آپ کا انتقال ہوا۔ (۲)

شاگردانِ کرام

آپ کے صاحبزادہ عبدالرحمن بن خبیب اور عبیداللہ بن عمر اور مالک وغیرہ آپ کے

---

(۱) حلیۃ الأولیاء: ۱/ ۳۶۴، الاستیعاب: ۱/ ۴۲۷۔

شاگردوں میں ہیں۔

تعدادِ احادیث

حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی صرف ایک حدیثِ پاک ہے۔ علامہ ابن عبدالبرّ کہتے ہیں کہ ان سے صرف ایک حدیث شریف روایت کی گئی ہے۔ (۳)

(۲۹) حضرت خُریم بن اوس طائی رضی اللہ عنہ

امام ابوالحسن علی بن عمر دارقطنی اور علامہ ابونعیم اصبہانی نے حضرت خریم طائی رضی اللہ عنہ کو اصحابِ صفہ میں شمار کیا ہے۔

(حلیۃ ال أولیاء:۱ / ۳۶۴)

نام خُریم، والد کا نام اوس "قبیلہ طیّ" سے تعلق رکھتے ہیں۔

حضرت خریم مہاجرین صحابۂ کرام میں ہیں۔

☆ حیرۃ: عراق کے عرب حکمراں اور شہنشاہِ ایران کے باج گزار کا صدر مقام تھا۔ حضرت خالد نے اسلامی لشکر کے ساتھ "حیرۃ" کا محاصرہ کرلیا، حیرہ کے باشندوں نے مقابلہ کی طاقت نہ پائی اور ان کے سردار عمرو بن عبدالمسیح نے نوے ہزار درہم سالانہ جزیہ ادا کرنے پر صلح کا معاہدہ کیا۔ اہلِ فارس سے مسلمانوں کو حاصل ہونے والا سب سے پہلا یہ جزیہ تھا۔ (الکامل فی التاریخ: ۲ / ۲۶۱۔)

(۱) حلیۃ ال أولیاء: ۱ / ۳۶۴۔

قال خریم: هاجرت إلی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم، فقدمت علیہ منصرفہ من تبوک، فأسلمت، فقال لہ العباس: إنی ارید أن أمتدحک، فقال: قل: لا یفضیض اللّٰہ فاک۔

ترجمہ: خود فرماتے ہیں جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک سے واپس آئے، اس وقت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہجرت کر کے آیا اور دولتِ اسلام سے بہرہ ور ہوا۔ اس موقع پر حضرت عباس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: میں آپ کی شانِ اقدس میں نعتیہ کلام پڑھنا چاہتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دیتے ہوئے دعاء فرمائی: اللہ تعالیٰ تمہارے منہ کو صحیح وسالم رکھے کہ تو عمدہ اور صحیح کلام کرتا رہے۔(۱)

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''فتحِ حیرۃ'' کی خوش خبری صحابۂ کرام کو ان الفاظ میں سنائی! یہ ''حیرۃ'' میرے سامنے اٹھا کر لایا گیا اور میں نے شیماء بنت قیلۃ ازدی کو بھورے رنگ کے خچر پہ سوار اور کالے رنگ کے دوپٹہ میں دیکھا۔ یہ سن کر حضرت خریم طائی نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اگر ہم لوگوں نے ''حیرۃ'' کو فتح کر لیا اور آپ کے بیان کردہ صفات کے مطابق وہ عورت ہم لوگوں کو مل گئی تو کیا وہ عورت مجھے ملے گی؟ آپ نے ارشاد فرمایا ہاں! وہ عورت تمہیں دے دی جائے گی۔

پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں حضرت خریم طائی رضی اللہ عنہ اسلامی سپہ سالار حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسیلمہ کذاب کو قتل کرنے اور اس کی فوج کی سرکوبی کرنے کے بعد ''حیرۃ'' ☆ میں داخل ہوئے۔

حضرت خریم کا بیان ہے کہ سب سے پہلے میں نے ''شیماء بنت قیلہ'' کا سامنا کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کے مطابق اس کے اندر وہ ساری صفتیں مجھے مل گئیں، بس کیا تھا، میں نے اسے حاصل کیا اور یہ دعویٰ کیا کہ یہ عورت مجھے ملنی چاہیے۔ حضرت محمد بن مسلمہ اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم نے میرے حق میں گواہی دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو ''خریم طائی'' کے لیے ہی خاص کیا ہے۔ یہ سن کر سپہ سالارِ اسلام حضرت خالد بن ولید نے اسے میرے حوالہ کر دیا۔ شیماء کا بھائی عبدالمسیح میرے پاس آیا اور کہا: اس عورت کو مجھ سے بیچ دو۔ میں نے بلا ساختہ یہ کہہ دیا کہ اسے ایک ہزار درہم سے کم میں نہیں بیچ سکتا۔ فوراً اس نے ایک ہزار درہم نکال کر دیتے ہوئے کہا: اگر تم اس

---

(۱) حلیۃ الأولیاء: ۱/ ۳۶۳۔

(۲) الاستیعاب: ۱/ ۴۲۶، الإصابۃ: ۱/ ۴۲۳۔

کے بدلہ ایک لاکھ درہم بھی مانگتے، تو اس کے دینے میں کسی قسم کی تامل نہ کرتا۔ یہ سن کر میں نے کہا: میرے نزدیک سب سے زیادہ مال ایک ہزار درہم ہی ہے، اسی وجہ سے اس سے زائد تم سے نہیں مانگا۔(۱)

(۳۰)حضرت خُریم بن فاتک اسدی رضی اللہ عنہ

امام احمد بن سلیمان مروزی اور علامہ ابونعیم اصبہانی نے حضرت خریم رضی اللہ عنہ کو اصحابِ صفہ میں شمار کیا ہے۔(حلیۃ الأولیاء:۱/ ۳۶۳)

---

(۱) سنن ابوداؤد ۲/۵۶۵(اللباس)

(۲) الاصابۃ:۱/ ۴۲۳۔

(۳) الاستیعاب:۱/ ۴۲۷۔

(۴) تہذیب التہذیب:۳/۱۳۹۔

حضرت خُریم رضی اللہ عنہ کے والد کا نام ”فاتِک“ قبیلۂ بنو اسد سے تعلق رکھتے ہیں۔

حضرت خریم رضی اللہ عنہ اپنے اسلام لانے کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ”ابرق العراق“ میں ایک غیبی آواز سنی!

ویحک عُذ باللہ ذي الجلال　　والمجد والبقاء والأفضال

تیرا ستیاناس ہو! تو بزرگ و برتر، جلال و عظمت، ہمیشہ ہمیش رہنے والی اور فضل و انعام کرنے والی ذاتِ باری تعالیٰ کی پناہ لے لے۔

واقرء لایات من الأنفال　　ووحِّد اللہ، ولاتبال

تو سورۂ انفال کی آیتوں کی تلاوت کر، اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کر اور تو کسی چیز کی پرواہ مت کر۔ یہ غیبی آواز سن کر سیدھے مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہوگئے اور جس وقت مدینہ منورہ حاضر ہوئے اس وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر کھڑے ہو کر تقریر فرما رہے تھے۔ یہ اسی وقت مسلمان ہو گئے۔(۱)

حضرت خریم رضی اللہ عنہ اور ان کے بھائی سبرۃ بن فاتک دونوں غزوۂ بدر میں شریک رہے۔(۲)

حضرت سہل بن حنظلہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا: ”نعم الرجل خریم الأسدي لو لاطول جمته وإسبال إزاره“ خریم اسدی بہت بہترین آدمی ہوتے اگر ان کے بال حد سے زیادہ بڑے نہ ہوتے اور ٹخنہ کے نیچے ان کا تہ بند نہ ہوتا۔

یہ سن کر انہوں نے بال چھوٹے کروائے اور تہ بند ٹخنے سے اوپر کر لیا۔(۱)

یہ اخیر میں کوفہ چلے گئے اور وہیں قیام پذیر ہو گئے، جس کی وجہ سے انہیں کوفیین میں شمار کیا جاتا ہے۔ ان کا انتقال حضرت امیر معاویہ کے عہدِ خلافت میں ہوا۔(۲)

حضرت خریم رضی اللہ عنہ کے فیض یافتگان میں معرور بن سوید، شمر بن عطیۃ، ربیع بن عطیہ اور حبیب بن نعمان اسدی ہیں(۳) اور صحابۂ کرام میں حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت ابوہریرۃ اور وابصۃ بن معبد رضی اللہ عنہم ان کے شاگردوں میں ہیں اور خود ان کے صاحبزادہ ایمن بن خریم بھی ان

---

(۱) الاستیعاب:۱/۴۳۹، الاصابۃ:۱/۴۵۱۔

کے تلامذہ میں ہیں۔

سننِ اربعہ (سننِ ابوداؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ) میں ان کی روایت ہے۔ (۴)

(۳۱) حضرت خُنَیس بن حُذافہ قرشی سہمی رضی اللہ عنہ

حضرت خنیس بن حذافہ رضی اللہ عنہ کو حافظ ابوطالب، امام المؤرخین محمد ابن اسحاق اور علامہ ابونعیم اصبہانی نے اصحابِ صفہ میں شمار کیا ہے۔ (حلیۃ الأولیاء: ۱/ ۳۶۰-۳۶۱)

---

(۱) صحیح بخاری: ۲/ ۵۷۱، نمبر (۴۰۰۵)

خنیس نام، حذافہ والد کا نام، خاندانِ قریش سے تعلق رکھتے ہیں۔

یہ حضرت عبداللہ بن حذافہ کے بھائی اور قدیم الاسلام صحابی ہیں۔ انہوں نے سرزمینِ حبشہ کی ہجرت کی، وہاں سے واپس آئے اور مدینہ منورہ ہجرت کر کے تشریف لے گئے، غزوۂ بدر میں شریک رہے اور غزوۂ احد میں انہیں ایک گہرا زخم آگیا تھا، جس سے کچھ ہی دنوں میں مدینہ منورہ میں وفات پاگئے، ام المؤمنین حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہا ان کے نکاح میں تھیں۔ (۱) ان کے انتقال کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آگئیں، جس واقعۂ نکاح کو امام بخاری نے تفصیل کے ساتھ نقل فرمایا ہے!

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما حضرت عمر کے واسطہ سے بیان کرتے ہیں جب حفصہ بنت عمر اپنے خاوند خنیس بن حذافہ سہمی کے انتقال سے بیوہ ہوگئیں تو میں عثمان بن عفان سے ملا اور حفصہ بنت عمر کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا: اگر آپ چاہیں تو حفصہ کا نکاح آپ سے کر دوں؟

عثمان بولے! میں اپنے معاملہ میں غور وفکر کر کے بتاؤں گا کہ مجھے فی الحال شادی کرنی ہے یا نہیں؟ میں ان کے جواب کے انتظار میں چند دنوں تک ٹھہرا رہا۔ پھر عثمان نے جواب دیا کہ میں اس نتیجہ پر پہونچا ہوں کہ فی الحال نکاح نہ کروں۔

حضرت عمر کا بیان ہے کہ پھر میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ملا اور کہا: اگر آپ چاہیں تو میں اپنی بیٹی حفصہ سے آپ کا نکاح کر دوں؟ ابوبکر خاموش رہے اور کوئی جواب نہیں دیا۔ میں ابوبکر پر عثمان کی بہ نسبت کافی ناراض ہوگیا۔ پھر کچھ دنوں تک یونہی ٹھہرا رہا، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود حفصہ کا پیغام بھیجا، چنانچہ میں نے اس کا نکاح آپ سے کر دیا۔ پھر حضرت ابوبکر مجھ سے ملے اور کہا شاید آپ مجھ سے ناراض ہیں جس وقت آپ نے مجھ سے حفصہ کا ذکر کیا اور میں نے کوئی جواب نہیں دیا؟ میں نے کہا: ہاں! ناراضگی وخفگی ضرور ہوئی، حضرت ابوبکر نے فرمایا: آپ کی بات کا جواب نہ دینے کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ میرے علم میں یہ بات آچکی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا تذکرہ فرمایا ہے تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس راز کو کھولنا نہیں چاہتا تھا۔ اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو چھوڑ دیتے تو میں ضرور ان کو قبول کر لیتا۔ (۱)

(۳۲) حضرت ذُوالبِجادَین عبداللہ مزنی رضی اللہ عنہ

امام الجرح والتعدیل علی بن المدینی اور علامہ ابونعیم اصبہانی نے حضرت ذوالبجادین کو اصحابِ صفہ میں شمار کیا ہے۔

(حلیۃ ال أولیاء: ۱ / ۳۶۵)

---

(۱) تفصیل کے لیے المغازی للواقدی: ۳ / ۱۰۱۳۔ صفۃ الصفوۃ: ۱ / ۶۷۸۔ اور مختصر کے لئے الحلیۃ: ۱ / ۳۶۵ آال راصابۃ: ۱ / ۳۳۰۔

(۲) المغازی للواقدی: ۳ / ۱۰۱۴۔

عبداللہ نام، والد کا نام عبد نہم بن عفیف، لقب ذوالبجادین، قبیلہ مزینہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

واقعۂ اسلام

حضرت ذوالبجادین رضی اللہ عنہ یتیم تھے اور ان کے والد نے وراثت میں کچھ مال وغیرہ بھی نہیں چھوڑا تھا، ان کے چچا بہت مالدار تھے، جس کی وجہ سے اپنے چچا کی نگہداشت و پرورش میں تھے، ان کے چچا ان کے بڑے ہمدرد و خیر خواہ تھے اور ان سے بہت محبت کیا کرتے تھے، ان کو بکریوں کا ریوڑ، اونٹ اور غلام وغیرہ دے رکھے تھے، جب پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے تو حضرت ذوالبجادین کو اسلام قبول کرنے کی بڑی خواہش ہوئی؛ لیکن ان کے چچا آڑے بنے رہے اور یہ کہتے رہے کہ اگر تم اسلام قبول کرو گے تو جو کچھ مال دے رکھا ہے سب چھین لوں گا۔ اسی شش و پنج میں غزوۂ بدر اور دیگر تمام بڑے بڑے غزوات گذر گئے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتحِ مکہ سے واپس آئے تو ذوالبجادین نے اپنے چچا سے کہا: اے چچا جان! میں آپ کے اسلام قبول کرنے کے انتظار میں خود شرفِ اسلام سے محروم ہوں اور مجھے خوب یقین ہو چکا ہے کہ آپ محمد کے دین کو قبول نہیں کریں گے؛ لیکن مجھے اب اجازت دے دیجئے کہ میں دینِ اسلام قبول کرنے کا شرف حاصل کر لوں۔

یہ سن کر چچا نے جواب دیا: خدا کی قسم! اگر تو نے محمد کے دین کو اختیار کر لیا تو جو کچھ مال دے رکھا ہے سب واپس لے لوں گا اور ایک کپڑا بھی تمہارے جسم پر نہیں چھوڑوں گا۔

اس دھمکی کو سن کر ذرہ برابر بھی متاثر نہیں ہوئے بلکہ فرمایا: اللہ کی قسم! میں ضرور دینِ محمد کی اتباع کروں گا اور ضرور اسلام قبول کر کے اپنے دل کو نورِ ایمانی سے منور کروں گا۔ مٹی، پتھر کو ہرگز خدا نہیں بناؤں گا۔ لیجئے! بت پرستی پر لات مارتا ہوں اور جو کچھ آپ نے مجھے مال دیا ہے یہ سارا مال آپ کے حوالہ ہے، اپنے پاس رکھیے۔

اسی وقت ظالم چچا نے سارا مال لے لیا، ایک کپڑا تک جسم پر نہیں چھوڑا اور بالکل مادرزاد برہنہ کر دیا اسی حالت میں اپنی ماں کے پاس آئے، ماں نے یہ حالت دیکھ کر ایک دھاری دار چادر دی

---

(۱) الاصابۃ: ۱/ ۳۳۰۔ (۲) المغازی للواقدی: ۳/ ۱۰۱۴۔ صفۃ الصفوۃ: ۱/ ۶۷۸۔

جس کو پھاڑ کر دو حصے کیے۔ ایک حصہ کا تہہ بند بنا کر پہن لیا اور دوسرے حصہ کو چادر کی شکل دے کر جسم پر ڈال لیا اور سیدھے دربارِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نام دریافت کیا۔ انہوں نے ''عبد العزّیٰ'' بتایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نہیں! بلکہ آج سے تم عبد اللہ ذو البجادین (دو دھاری دار چادر والے) ہو۔(۱)

تحصیلِ علم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آج سے تم ہر وقت میرے حجرہ کے دروازہ پر ہی رہا کرو۔ یہ دربارِ نبوی سے فرمانِ عالی سن کر درِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے چمٹ گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کریم کی تعلیم حاصل کرنے لگے ''وقرأ أقرآنا كثيرا'' اس طرح قرآن کریم کا بہت سارا حصہ پڑھ لیا۔

ان کی آواز بہت بلند تھی، مسجد میں بآوازِ بلند قرآن کریم پڑھتے اور بلند آواز سے ذکر کرتے، ایک دن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کرتے ہوئے عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آپ سنتے نہیں ہیں؟ اس دیہاتی نے تو بلند آواز سے قرآن مجید پڑھ کر مسجد میں ہنگامہ مچا رکھا ہے اور لوگوں کو قرآن مجید پڑھنے سے روک رکھا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عمر! چھوڑ دو، یہ اللہ اور اس کے رسول کی جانب ہجرت کر کے آیا ہے۔(۲)

''الإصابۃ میں'' میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''أمرأء هو؟'' یا رسول اللہ! کیا یہ بلند آواز سے ذکر و تلاوت کرنا ریاکاری نہیں ہے؟ یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''بل هو أحد الأواهين'' بلکہ یہ خوفِ خدا، نرم دلی اور شفقت سے ذکر کرنے والوں میں ہے۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کے

---

(۱) حلیۃ الأولیاء: ۱/ ۱۲۲۔ المغازی: ۳/ ۱۰۱۴، الإصابۃ: ۱/ ۲۳۰۔

(۲) حلیۃ الأولیاء: ۱/ ۱۲۲، صفۃ الصفوۃ: ۱/ ۶۷۹۔

(۳) الإصابۃ: ۱/ ۳۳۱۔

بارے میں فرمایا۔ جسے ذوالبجادین کہا جاتا تھا۔ ”إنه أوّاه“ کہ واقعی یہ نرم دل ہے اور نرم دلی سے ذکر ودعاء کرنے والا ایک شخص ہے حضرت عقبہ کہتے ہیں ان کا معمول تھا کہ قرآن کریم کی تلاوت، ذکر ودعاء کثرت سے بہ آواز بلند کیا کرتے تھے۔ (۱)

ذوالبجادینؓ کی وفات اور رسول اللہ کا انہیں قبر میں اتارنا

غزوۂ تبوک کے لیے جب اسلامی لشکر روانہ ہونے لگا تو حضرت ذوالبجادین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا اے اللہ کے رسول! آپ میرے لیے شہادت کی دعاء فرمادیں۔

نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جاؤ! ببول کے درخت کا چھلکا لے کر آؤ۔ فوراً حکم کی تعمیل کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چھلکے کو ان کی کمر سے باندھ دیا اور فرمایا: اے اللہ! میں کافر پر اس کے خون کو حرام قرار دیتا ہوں۔ یہ سن کر عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میری مراد یہ نہیں ہے، بلکہ میں تو شہادت کا خواہاں ہوں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم اللہ تعالیٰ کے راستہ میں مجاہدین وغازی بن کر نکلو گے تو تمہیں سخت بخار لگے گا اور تم اپنی سواری پر سے گر کے مر جاؤ گے یہی تمہاری شہادت ہوگی اور یاد رکھو! تم کسی چیز کی پرواہ مت کرنا۔

جب اسلامی فوج مقامِ تبوک میں خیمہ زن ہوئی اور کچھ دنوں تک مقیم رہی تو اسی دوران حضرت ذوالبجادین کا انتقال اسی خیمہ میں رات کے وقت ہوا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ آگ کا ایک شعلہ لے کر ایک قبر کے پاس کھڑے ہوگئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبر میں اترے اور ساتھ میں سیدنا ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ (۲)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ تبوک میں شریک تھا۔ ایک مرتبہ آدھی رات کو میری آنکھ کھلی تو اسلامی لشکر کے ایک کنارے میں آگ کا ایک شعلہ دیکھا، بڑا تعجب ہوا کہ اس وقت یہ آگ کیسی ہے؟ میں اس آگ کے قریب آیا تو دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، سیدنا ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما اس جگہ پر ہیں اور عبداللہ ذوالبجادین کا انتقال ہوگیا ہے۔ یہ مقدس حضرات ان کے لیے قبر کھود رہے ہیں، جب قبر تیار ہوگئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

(۱) طبقات ابن سعد: ۴/ ۳۱۳، الاستیعاب: ۱/ ۴۹۴۔ (۲) صحیح مسلم: ۱/ ۱۹۳، الصلاة كثرة السجود، مسند أحمد:

قبر میں اترے اور فرمایا: اے ابوبکر وعمر! تم دونوں اپنے بھائی کو مجھے دو۔ انہیں قبر میں رکھنے اور دفن کرنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللّٰهم إني قد أمسيت عنه راضياً فارض عنه'' الٰہی! میں اس سے راضی ہوں اور تو بھی اس سے راضی ہو جا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ یہ اعزاز واکرام دیکھ کر تمنا کرنے لگے! کاش! میں صاحبِ قبر ہوتا۔ کاش! مجھے دفن کیا جاتا۔ کاش! ان کی جگہ میں ہوتا۔ (۱)

حلیۃ ال اَولیاء کی دوسری روایت میں یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حضرت ذوالبجادین کی یہ امتیازی خصوصیت اور ان کے ساتھ یہ غیر معمولی اعزاز واکرام دیکھ کر کہنے لگے! یہ کیسی خوش کن رات ہے! خدا کی قسم! ذوالبجادین کی جگہ میں ہوتا۔ ان قدسی صفات حضرات کے ہاتھوں میری تدفین ہوتی۔ جب کہ میں نے ذوالبجادین سے پندرہ سال پہلے اسلام قبول کیا ہے۔ (۲)

علامہ ابنِ حجر عسقلانی عبدالعزیز بن عمر کی طریق سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف پانچ شخص کی قبروں میں اترے ہیں۔ ان میں سے ایک ذوالبجادین ہیں۔ (۳)

(۳۳) ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ

امام المؤرخین محمد بن سعد، علامہ ابن عبدالبر، امام ابونعیم اصبہانی اور حافظ ابن حجر عسقلانی وغیرہ نے حضرت ربیعہ بن کعب کو اصحابِ صفہ میں شمار کرتے ہوئے کہا کہ مدینہ منورہ میں ان کا کوئی گھر اور نہ کوئی

---

(۱) مسندِ احمد: ۴/ ۵۹۔

(۲) مسند احمد: ۴/ ۵۹۔

(۳) حوالہ مذکورہ۔

(۴) صحیح مسلم: ۱/ ۱۹۳، فضل السجود۔

مخصوص ٹھکانہ تھا، بلکہ یہ غریب و مسکین تھے۔

(طبقات ابنِ سعد: ۲ / ۳۱، ال اِصابۃ: ۱ / ۴۹۸)

ربیعہ نام، والد کا نام کعب، قبیلہ اسلم سے تعلق رکھتے ہیں۔

حضرت ربیعہ بن کعب رضی اللہ عنہ ابتداءِ اسلام ہی میں مسلمان ہو گئے تھے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے انہیں بے پناہ محبت ہوگئی جس کی بنا پر اپنے آپ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے لیے وقف کر دیا اور آپ علیہ الصلاۃ والسلام سے سایہ کی طرح چمٹ گئے، گھر میں، سفر میں، ہر جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے اور ہر وقت آپ علیہ السلام کی خدمت کے لیے تیار رہتے۔(۱)

خود حضرت ربیعہ اپنے بارے میں بیان فرماتے ہیں: میں دن بھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لگا رہتا، جب آپ عشاء کی نماز پڑھ کر حجرۂ مبارکہ میں تشریف لے جاتے تو میں وضوء اور قضاءِ حاجت کا پانی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لا کر رکھ دیتا اور آپ کے دروازہ کی دہلیز پر بیٹھ جاتا کہ شاید رات کے وقت کوئی کام آپ کو یاد آجائے اور اس وقت میری ضرورت ہو۔(۲)

رات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی نماز پڑھتے تو آپ کے سورہ فاتحہ پڑھنے کی آواز میرے کانوں میں سنائی دیتی اور سمع اللہ لمن حمدہ کی بھی صاف آواز آتی اور سبحان اللہ وبحمدہ کی تسبیح سنتے سنتے نیند کا مجھ پر غلبہ ہو جاتا تو بسا اوقات اسی جگہ سو جاتا یا واپس آجاتا۔(۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ طیبہ تھی کہ جب بھی کوئی آپ کے ساتھ حسنِ سلوک کا معاملہ کرتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا بدلہ اس سے بھی بہتر انداز میں دیتے "**هل جزاء الاحسان إلا الإحسان**" یہی وجہ ہے کہ ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میری خدمت کا صلہ دینے کے لیے مجھ سے فرمایا! ربیعہ! مانگ کیا مانگتا ہے آج میں تجھے عطا کروں گا؟ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول اللہ! مجھے کچھ سوچنے کی مہلت دیجئے کہ میں آپ سے کیا مانگوں؟ آپ نے ارشاد فرمایا: "**فانظر في**

---

(۱) مسند أحمد: ۴/ ۵۹۔ (۲) صحیح مسلم: ۱/ ۱۹۳، فضل السجود۔

أمرک" خوب اچھی طرح سوچ لے۔ (۲)

حضرت ربیعہ اصحابِ صفہ میں تھے اور عام طور سے طلبۂ صفہ غرباء ومساکین تھے، ان کے کھانے، پینے وغیرہ کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ شاید یہی وجہ تھی کہ ان کے خیال میں کچھ مال ودولت کی خواہش ہوئی ہو۔ خود فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے جی میں کہا کہ دنیا جلد ختم ہوجانے والی ہے، جو اس میں میرا رزق مقدر ہوچکا ہے وہ ہر صورت میں مجھے مل کر رہے گا، اگر مانگنا ہی ہے تو آخرت کی خیر وبھلائی مانگو، یقینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رب ذوالجلال کے نزدیک ایک مقام ہے۔ میں یہ سوچ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا، آپ نے ارشاد فرمایا: ربیعہ! کیا تم نے سوچ لیا؟ میں نے عرض کیا جی ہاں! اے اللہ کے رسول! میری درخواست یہ ہے کہ آپ میرے لیے دعاء کریں کہ آپ کا رب مجھے جہنم سے خلاصی دے دے۔ (۳)

صحیح مسلم شریف میں حضرت ربیعہ کا مطالبہ یہ منقول ہے "أسالک مر افقتک في الجنة" اے اللہ کے رسول! جنت میں آپ کی رفاقت چاہتا ہوں۔ (۴)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مطالبہ سن کر ارشاد فرایا: اے ربیعہ! یہ مطالبہ کرنا تمہیں کس نے سکھلایا؟ میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس ذات پاک کی قسم! جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے کسی نے بھی مجھے نہیں سکھایا، بلکہ جب آپ نے مجھ سے کچھ مانگنے کے بارے میں فرمایا: تو پہلے دل میں یہ آیا کہ میں آپ سے دنیا کا مطالبہ کروں، پھر معاً بعد یہ خیال آیا کہ دنیا جلد ختم ہوجانے والی ہے، یہ ڈھلتی چھاؤں ہے، جو میرے مقدر میں لکھا جاچکا ہے وہ مجھے مل کر ہی رہے گا چنانچہ کیوں نہ باقی رہنے والی آخرت کے بارے میں آپ سے دعاء کراؤں یہی سوچ کر آپ سے یہ درخواست کی ہے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر کافی دیر تک خاموش رہے۔ (۱) پھر ارشاد فرمایا: کیا اس کے علاوہ اور کوئی مطالبہ نہیں ہے؟ میں نے عرض کیا: بس یہی!! جنت میں آپ کی رفاقت پر کسی اور چیز کو ترجیح نہیں دوں گا۔ آپ نے ارشاد فرمایا: "فأعني علی نفسک بکثرة السجود" اچھا، کثرتِ سجود سے میری مدد کرو۔ (۲) اور اپنے اوقات زیادہ سے زیادہ عبادت میں لگاؤ۔

شادی کا واقعہ

مسندِ احمد اور معجمِ طبرانی کی صحیح روایت میں حضرت ربیعہ کی شادی کا قصہ مذکور ہے۔

حضرت ربیعہ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مصروف تھا کہ آپ نے فرمایا: ربیعہ! کیا شادی نہیں کرو گے؟ میں نے عرض کیا! اے اللہ کے رسول! خدا کی قسم! میں یہ نہیں چاہتا کہ آپ کی خدمت میں کوئی چیز آڑے آئے اور اگر شادی کر بھی لوں تو بیوی کے اخراجات نہیں برداشت کرسکتا، یہ سن کر آپ نے رخِ انور پھیر لیا۔ میں اسی طرح آپ کی خدمت میں خوب لگا تھا کہ ایک دن پھر ارشاد فرمایا، ربیعہ! تو شادی نہیں کرے گا؟ میں نے دوبارہ وہی مِن وَعَن جواب دیا۔ بعد میں مجھے خیال آیا کہ مجھے یہ جواب نہیں دینا چاہیے تھا۔ خدا کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری ذات اور میری غربت وفقیری کے بارے میں مجھ سے زیادہ جانتے ہیں کہ دین ودنیا میں میرے لیے کیا بہتر ہے! اس مرتبہ میں نے فیصلہ کرلیا کہ اگر اب آپ نے مجھ سے شادی کے متعلق پوچھا تو میں انکار نہیں کروں گا، بلکہ یہ کہوں گا جو آپ کا حکم ہو اس کے آگے سرِ تسلیم خم ہے۔ اتفاق سے ایک دن پھر ارشاد فرمایا ربیعہ! شادی نہیں کرو گے؟ میں نے عرض کیا، کیوں نہیں؟ آپ کا حکم سر آنکھوں پر، جو آپ حکم دیں اسے کرنے کے لیے تیار ہوں۔ آپ نے یہ سن کر ارشاد فرمایا: انصار کے فلاں محلہ میں فلاں گھر چلے جاؤ اور کہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے اور یہ حکم دیا ہے کہ تم فلاں لڑکی سے میری شادی کرادو۔ میں نے کسی طرح پہونچ کر پیغامِ نکاح دیا، وہ بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے مرحبا مرحبا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد کا آنا مبارک ہو! خداء ذوالجلال کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد اپنے مقصد میں کامیاب ہو کر ہی یہاں سے واپس جائے گا۔ نہ مجھ سے اس پیغام پر گواہ طلب کیے، نہ کچھ اور۔۔۔۔ بس اسی وقت انہوں نے میرا نکاح کردیا۔

میں اس بات پر غمگین ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا کہ میرے پاس مہر میں دینے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے دریافت کیا، ربیعہ! کیا ہوا؟ میں نے عرض کیا! اے اللہ کے رسول! میں بہت اچھے اور مکرم اہلِ خانہ کے پاس سے لوٹ کر آیا ہوں۔ انہوں نے بغیر کسی جھجھک کے اپنی بیٹی سے میری شادی کردی اور میرا بہت اعزاز واکرام کیا۔ اے اللہ کے رسول! میرے پاس مہر میں دینے کے لیے کچھ نہیں، میں کیا کروں؟ رسول اللہ

---

(۱) مسندِ احمد: ۴/ ۵۸-۵۹، مجمع الزوائد: ۴/ ۲۵۶-۲۵۷۔ (۲) حوالہ مذکورہ۔

(۳) ۴/ ۳۱۳۔

صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر ارشاد فرمایا: اے بریدہ اسلمی؟ ربیعہ کے لیے ایک گٹھلی کے برابر سونے کا انتظام کردو، انہوں نے فوراً انتظام کر دیا، میں اسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے کر آیا، آپ نے مجھے حکم دیا، یہ سونا لے جاؤ اور ان سے یہ کہنا کہ یہ تمہاری بیٹی کا مہر ہے، میں ان کے پاس آیا اور سونا دے کر کہا یہ لیجئے، آپ کی بیٹی کا مہر ہے انہوں نے خوشی خوشی اسے قبول کر لیا اور تعریفی کلمات بھی کہے کہ یہ مہر بہت ہے اور بہت ہی بابرکت ہے۔ میں افسوس کرتا ہوا بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے چہرے کو دیکھ کر فرمایا: ربیعہ! کس چیز کا غم ہے؟ میں نے عرض کیا! اے اللہ کے رسول! میں نے ان سے اچھا گھرانہ دیکھا ہی نہیں، وہ بہت ہی بااخلاق لوگ ہیں، معمولی کھجور کی گٹھلی کے برابر سونے پر راضی ہو گئے اور اسی کو مالِ کثیر گردانا۔ اے اللہ کے رسول! میں دعوتِ ولیمہ کہاں سے کروں؟ میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ پھر آپ نے بریدہ اسلمی کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا: بریدة! تم ربیعہ کے لیے ایک بکری کا انتظام کرو۔ حضرت بریدہ نے ان کے ولیمہ کے لیے ایک فربہ مینڈھے کا انتظام کیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ربیعہ! عائشہ کے پاس جاؤ اور اس سے غلہ کا برتن مانگ لے آؤ، میں ان کے پاس گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانِ عالی انہیں سنا دیا، انہوں نے تعمیلِ حکم میں غلہ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا اس میں تقریباً ساڑھے اکتیس کیلو جو ہے اور بس یہی غلہ ہے، خدا کی قسم اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے اسے لے جاؤ، میں اسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے کر آیا، آپ نے مجھ سے فرمایا! اسے سسرال والوں کے پاس لے جاؤ اور کہو کہ اس کی روٹی بنالیں، میں انہیں دے کر آ گیا اور مینڈھے کو اپنے قبیلۂ اسلم والوں کے ساتھ مل کر ذبح کیا، کھال اتاری اور پکایا، روٹی تیار ہو گئی تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ولیمہ پر بلایا۔(۱)

خوش حالی

حضرت ربیعہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد گھر وغیرہ کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے

---

(۱) مسندِ أحمد: ۴/ ۵۸-۵۹، قال البیهقي في مجمع الزوائد: ۴/ ۲۵۶-۲۵۷، رواه احمد والطبرانی وفیه مبارک بن فضالة حدیثه حسن، وبقیة رجال أحمد رجال الصحیح۔

(۲) طبقات ابن سعد: ۴/ ۳۱۳-۳۱۴، الإصابة: ۲/ ۴۹۸۔

ایک زمین الاٹ کی اور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی مجھے ایک حصہ زمین دی۔ اس طرح مجھے کچھ دنیا حاصل ہوئی، ایک دن کی بات ہے، ایک کھجور کے درخت کی وجہ سے میرا حضرت ابوبکر صدیق سے جھگڑا ہوگیا۔ (۲)

طبقات ابن سعد کی روایت میں ہے کہ اس درخت کی جڑ حضرت ربیعہ کی زمین میں تھی اور اس کی شاخ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی زمین میں نکلتی تھی۔ حضرت ابوبکر نے فرمایا: یہ میرا درخت ہے، میں نے کہا: یہ میرا درخت ہے۔ (۳) مجھ میں اور سیدنا ابوبکر میں اس درخت کی وجہ سے زیادہ بات بڑھ گئی، انہوں نے مجھے سخت بات کہہ سنائی، جو مجھے ناگوار گذری۔ فوراً ان کو تنبہ ہوا، مجھ سے فرمایا، ربیعہ! تو بھی مجھے کہہ دے تاکہ بدلہ ہو جائے۔ میں نے کہا! اللہ کی قسم! میں ایسا نہیں کرسکتا ہوں۔ انہوں نے فرمایا! کہہ لو، ورنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کردوں گا۔ میں نے اس پر بھی جوابی لفظ کہنے سے انکار کیا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنی زمین وغیرہ چھوڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانے لگے، میں بھی ان کے پیچھے پیچھے چلنے لگا، بنواسلم کے کچھ لوگ میرے پاس آئے اور کہنے لگے، اللہ تعالیٰ ابوبکر پر رحم کرے، خود ہی تو زیادتی کی اور خود ہی الٹے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت بھی کریں۔ میں نے کہا! تم جانتے بھی ہو، یہ کون ہیں؟ یہ ابوبکر صدیق ہیں! یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے یارِ غار ہیں! یہ مسلمانوں کے محسن اور خیر خواہ ہیں! سن لو! کوئی ان کے خلاف کچھ نہ کہے، خبردار! کوئی ان کے خلاف کچھ نہ کہے۔ اگر یہ خفا ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی خفا ہو جائیں گے اور آپ کی ناراضگی کی وجہ سے اللہ جل شانہ ناراض ہو جائیں گے، تو ربیعہ کی ہلاکت میں کیا تردد ہے!!

بنواسلم کے لوگوں نے کہا! تو آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟ میں نے کہا! بس اسی جگہ سے واپس چلے جاؤ، حضرت ابوبکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے، میں بھی ان کے بعد حاضر ہوا، انہوں نے سارا قصہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہہ سنایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری طرف سر اٹھایا اور فرمایا: ربیعہ تمہارے اور صدیق کے درمیان کیا جھگڑا پیش آیا، میں نے عرض کیا! اے اللہ کے رسول! فلاں چیز پر جھگڑا ہوگیا، تو انہوں نے مجھے سخت کلمہ کہہ دیا، پھر مجھ سے بدلہ لینے کا مطالبہ

---

(۱) الثقات: (۱۰۶) ال اصابۃ: ۴/ ۵۰۴۔

(۲) الاستیعاب: ۴/ ۱۶۷، حلیۃ ال اولیاء: ۱/ ۳۶۶۔

(۳) استیعاب: ۴/ ۱۶۷، اصابۃ: ۴/ ۱۶۷۔

(۴) المغازی: للواقدی: ۱/ ۱۸۰، ال استیعاب: ۴/ ۱۶۷

کیا، میرے بدلہ نہ لینے پر یہ آپ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر ارشاد فرمایا: بہت اچھا، تمہیں ایسا ہی کرنا چاہیے، جواب میں اور بدلہ میں کچھ نہیں کہنا چاہیے، البتہ اس طرح کہو "غفر اللّٰہ لک أبا بکر" اے ابوبکر، اللہ آپ کو معاف فرمائے، میں نے ایسا ہی کہا یہ سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے آنسو چھلک گئے۔ (۱)

وفات

حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمام غزوات میں شریک رہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال تک آپ ہی کے ساتھ آپ کے خادم بن کر رہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد مدینہ منورہ چھوڑ کر اپنے قبیلہ "بنو اسلم" میں "یَیْمَن" نامی بستی میں چلے گئے، یہ مدینہ منورہ سے ایک برید پر ہے۔ واقعہ حرّہ پیش آنے تک اسی جگہ سکونت اختیار کئے رہے اور واقعہ حرّہ کے سال ماہِ ذی الحجہ میں ان کا انتقال ہوا۔ (۲)

(۳۴) حضرت رِفاعہ بن عبد المُنذِر ابو لُبابہ رضی اللہ عنہ

علامہ ابو عبد اللہ نیسا پوری اور امام ابو نعیم اصبہانی نے حضرت

---

(۱) الاستیعاب، الاصابۃ: ۴/ ۱۶۷۔ (۲) تفصیل کے لیے تفسیر طبری: ۱۱/ ۱۲، مختصر کے لیے تفسیر ابن کثیر: ۲/ ۵۹۹۔

رفاعہ رضی اللہ عنہ کو اصحابِ صفہ میں شمار کیا ہے۔

(حلیۃ الأولیاء: ۱/ ۳٦٦)

رفاعہ نام، کنیت ابولبابہ، والد کا نام عبدالمنذر، ماں کا نام نُسَیبۃ بنت زید، انصار کے قبیلۂ عمرو بن عون سے تعلق رکھتے ہیں۔

حضرت رفاعۃ رضی اللہ عنہ اپنی کنیت ابولبابہ سے مشہور ہیں۔ ان کے نام میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ بشیر نام اور رفاعہ ان کے بھائی کا نام ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے اسی کو راجح قرار دیا ہے(۱) جب کہ امام احمد بن حنبل، امام الجرح والتعدیل یحیی بن معین، علی بن المدینی اور امام المغازی محمد ابن اسحاق نے ابولبابہ کا نام رفاعہ بتایا ہے اور اسی کو علامہ ابن عبدالبرّ اور امام ابونعیم اصبہانی نے راجح قرار دیا ہے۔ (۲)

حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی ہیں۔ بیعتِ عقبۃ میں اپنے قبیلہ کے سردار کی حیثیت سے حاضر ہوئے، غزوۂ بدر میں شرکت کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقامِ ''بدر'' سے مدینہ منورہ کا خلیفہ وامیر بنا کر واپس لوٹا دیا اور غزوۂ بدر کے شرکاء حضرات میں ان کا نام شمار کر کے اجر وثواب اور مالِ غنیمت میں ان کا حصہ ٹھہرایا۔ (۳)

غزوۂ سویق کے موقع سے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مدینہ منورہ میں اپنا خلیفہ وجانشیں مقرر کیا۔ (۴) ان دو غزوے کے علاوہ تمام غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک رہے اور فتحِ مکہ کے وقت انہوں نے اپنے قبیلہ بنو عمرو بن عوف کا جھنڈا اپنے ہاتھ میں لے رکھا تھا۔ (۱)

---

(۱) الاستیعاب: ۴/ ۱٦۷-۱٦۸۔

(۲) تہذیب التہذیب: ۱۲/ ۲۱۴۔

(۳) الثقات: ۵: ۱۴۵ نمبر (۱۰٦)

واقعۂ قبولیتِ توبہ

حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کی قبولیتِ توبہ کا واقعہ مشہور ہے! یہودی قبیلہ بنوقریظہ نے جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح کی درخواست کرتے ہوئے یہ کہا کہ ان کے ساتھ وہی معاملہ کیا جائے جو بنو نضیر کے ساتھ ہوا ہے۔ تو آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: نہیں، میں تم کو اتنا حق دیتا ہوں کہ سعد بن معاذ کو حکم وفیصل بنالو۔ جو فیصلہ وہ تمہارے تئیں کریں وہ منظور ہونا چاہیے۔ انہوں نے ابولبابہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر اپنے یہاں بلایا اور دریافت کیا کہ اس معاملہ میں تمہاری کیا رائے ہے؟ ہم سعد بن معاذ کو اپنا فیصل مان لیں؟ حضرت ابولبابہ کے اموال اور اہل وعیال بنوقریظہ کے یہاں تھے؛ اس لیے وہ ان کی خیر خواہی کرتے تھے، انہوں نے اپنی گردن کی طرف اشارہ کیا، یعنی اگر سعد بن معاذ کی تحکیم قبول کی تو ذبح ہو جاگے۔

حضرت ابولبابہ اشارہ تو کر گذرے مگر معاً تنبہ ہوا کہ میں نے اللہ و رسول کی خیانت کی ہے، واپس آ کر اپنے آپ کو ایک ستون سے باندھ دیا اور عہد کیا کہ نہ کچھ کھاؤں گا، نہ پیوں گا حتیٰ کہ موت آجائے، یا اللہ تعالیٰ میری توبہ قبول فرمالے، سات دن یونہی بھوکے اور پیاسے بندھے رہے، فاقہ سے غشی طاری ہوگئی۔ آخر بشارت پہونچی کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول کی، یہ سن کر بولے: خدائے ذوالجلال کی قسم! میں اپنے کو نہ کھولوں گا، جب تک خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دستِ مبارک سے میری رسی نہ کھولیں۔

آپ تشریف لائے اور اپنے دستِ مباک سے اپنے قیدی کو آزاد کر دیا۔ یہ دیکھ کر حضرت ابولبابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں اس قبولیتِ توبہ کی خوشی میں اپنا سارا مال اللہ تعالیٰ کے راستہ میں صدقہ کرتا ہوں ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **"یجزیک یاأبا لبابة الثلث"** اے ابولبابہ: ایک تہائی مال تمہارے لیے کافی ہے۔ (۲)

علامہ ابن عبدالبر نے اس واقعہ کو ضعیف و کمزور قرار دیتے ہوئے کہا کہ صحیح اور بہتر بات یہ ہے کہ

---

(۱) الثقات:/ ۱۶۲(۴۵۸)

(۲) الاستیعاب: ۱/ ۵۲۳، سیر أعلام النبلاء: ۱/ ۲۹۸۔

(۳) صفۃ الصفوۃ: ۱/ ۴۴۷۔

(۴) الاستیعاب: ۱/ ۵۲۳، صفۃ الصفوۃ: ۱/ ۴۴۷۔

غزوۂ تبوک میں محض کسل اور تن آسانی کی وجہ سے حاضر نہ ہو سکے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی پر غایت ندامت سے اپنے آپ کو ستون سے باندھ دیا اور بقیہ ساری تفصیل وہی ہے۔(۱)

شاگردان

حضرت ابولبابہ کے فیض یافتگان میں خود ان کے لڑکے عبدالرحمن اور سائب، حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما صحابی رسول ان کے صاحبزادہ سالم اور ان کے مولیٰ نافع، عبداللہ بن کعب اور عبدالرحمن بن یزید وغیرہ ہیں۔(۲)

وفات

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں وفات پائی۔(۳)

---

(۱) صفۃ الصفوۃ:۱/ ۴۴۷-۴۴۸۔ (۲) الاستیعاب:۱/ ۵۲۳، ال اصابۃ:۱/ ۵۴۷۔

(۳) تہذیب:۱/ ۱۲ ۴۔ (۴) الاستیعاب:۱/ ۵۲۳، ال اصابۃ:۱/ ۵۴۷۔

☆ ابومریم نے بعد میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ حافظ ابن عبدالبرؒ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کے قاتل کی تعیین کے سلسلہ میں تفصیلی بحث کی ہے۔(الاستیعاب:۱/ ۵۲۴) امام ابن حبان نے ابومریم ہی کو حضرت زید کا قاتل گردانا ہے(الثقات نمبر:۴۵۸)

(۵) الثقات:/ ۱۶۲ نمبر:(۴۵۸) (۶) ال استیعاب:۱/ ۵۲۳۔

(۷) ال اصابۃ:۱/ ۵۴۸۔ (۸) سیر اعلام النبلاء:۱/ ۲۹۸۔

(۳۵) حضرت زید بن خطاب قرشی رضی اللہ عنہ

حافظ ابوعبداللہ نیساپوری اور علامہ ابونعیم اصبہانی نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو اصحابِ صفہ میں شمار کیا ہے۔ (حلیۃ الأولیاء: ۱/ ۳۶۷)

نام زید، کنیت ابوعبداللہ، والد کا نام خطاب، والدہ کا نام اسماء بنت وہب، حضرت عمر فاروقؓ کے علاتی (باپ شریک) بھائی ہیں، دونوں کے باپ ایک ہیں؛ لیکن ماں الگ الگ ہیں۔ (۱) رنگ گندمی، قد لمبا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بڑے اور ان سے پہلے اسلام قبول کرنے والے ہیں۔ (۲) غزوۂ بدر اور تمام غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک رہے ہیں۔ (۳)

غزوۂ احد کے موقع پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی زید سے فرمایا: زید! آپ میری زرہ پہن لیجیے۔ حضرت زید نے فرمایا: جس طرح شہادت کی چنگاری آپ کے دل میں جل رہی ہے اس سے کہیں زیادہ شہادت کی امنگیں میرے دل میں بھر رہی ہیں۔ آخر کار دونوں حضرات زرہ کو یونہی چھوڑ کر میدانِ جنگ میں کود پڑے۔ (۴)

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت ۱۲ھ میں مسیلمہ کذاب کی سرکوبی کے لیے یمامہ کی جانب اسلامی لشکر روانہ ہوا، حضرت زید بن خطاب رضی اللہ عنہ ہی اسلامی لشکر کے حاملِ لواء اور علم بردار نامزد ہوئے۔ (۵)

---

(۱) الإصابۃ: ۲/ ۵۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ان کے ہاتھ میں مسلمانوں کا جھنڈا دیا تھا، جب مسلمان پسپا ہونے لگے اور بنوحنیفہ کے کفار مسلمانوں کی رہائش گاہ پر غالب آ گئے تو حضرت زید رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کو للکارا اور بہ آواز بلند یہ کہنے لگے: اے مسلمانو! اب تمہاری کوئی رہائش گاہ نہیں ہے اور نہ تمہارے لیے اس جنگ سے کوئی فرار ہونے اور بھاگنے کا راستہ ہے۔ پھر زور زور سے یہ دعاء کرنے لگے: الٰہی! میں میدانِ جنگ سے اپنے بھاگنے والے ساتھیوں کی جانب سے معافی چاہتا ہوں اور میں مسیلمہ کذاب کی بے ہودہ بکواس باتوں اور باطل خرافات سے بری ہوں۔ یہ کہہ کر اسلامی جھنڈے کو مضبوطی سے تھام کر کافروں کو تہہ تیغ کرتے ہوئے ان کے بیچ میں جا گھسے۔(۱) ابومریم یا اس کے چچازاد بھائی مسلمۃ بن صُبیح نے ان کو شہید کر دیا۔(۲) حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ جمہور کا اس پر اتفاق ہے کہ "**رحال بن عنفوۃ**" نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو شہید کیا ہے۔(۳)

ان کی شہادت کو سن کر حضرت عمر فاردق رضی اللہ عنہ بہت زیادہ غمگین اور افسردہ خاطر ہوئے اور یہ کہتے رہے کہ زید بن خطاب مجھ سے دو نیکیوں میں آگے بڑھ گئے: مجھ سے پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے اور مجھ سے پہلے جامِ شہادت نوش کر گئے۔(۴)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جب بھی ابومریم حنفی ☆ کو دیکھتے تو فرماتے: اے ابومریم! تجھ پر افسوس ہے کہ تو نے میرے بھائی کو قتل کیا ہے۔ بادِ صباء کے چلتے وقت مجھے زید کی بہت یاد آتی ہے (۵)۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مجھ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے: **ماهبت الصبا إلا وأنا أجد منها ريح زيد**" جب بھی بادِ صبا چلتی ہے تو میں اس میں زید کی خوشبو محسوس کرتا ہوں۔(۶)

علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: حضرت زید بن خطاب رضی اللہ عنہ کی صحیح میں صرف ایک روایت ہے۔(۷)

علامہ شمس الدین ذہبی کا بیان ہے کہ ان کے صاحبزادہ عبدالرحمن بن زید ان سے دو روایتیں نقل

---

(۱) حلیۃ الأولیاء: ۱/ ۳۷۱۔

(۲) الاستیعاب: ۲/ ۷۰، الإصابۃ: ۱/ ۳۷۱۔

کرتے ہیں۔ (۸)

(۳۶) حضرت سالم بن عبید اشجعی رضی اللہ عنہ

حضرت سالم بن عبید رضی اللہ عنہ کے شاگرد نبیط بن شریط اور نعیم بن ابی ہند نے حضرت سالم رضی اللہ عنہ کو اصحابِ صفہ میں شمار کیا ہے۔ (حلیۃ الأولیاء: ۱/ ۳۷۱، معجم کبیر للطبرانی: ۷/ ۵۶، ۶۳۶۶)

امام ابن حبان، علامہ ابن عبد البر اور حافظ ابن حجر نے بھی ان کے اصحابِ صفہ میں ہونے کی صراحت کی ہے۔

(الاِستیعاب: ۲/ ۷۰، الثقات لابن حبان ۱۶۵ (۵۲۳) الاِصابۃ: ۲/ ۵۔)

سالم نام، والد کا نام عبید، قبیلۂ اشجع سے تعلق رکھتے ہیں، علامہ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ذخیرۂ احادیث میں ان کی صرف تین احادیث ہیں۔ جن میں سے دو روایتیں اصحاب السنن (سننِ ابوداؤد، سننِ نسائی، سننِ ترمذی اور سننِ ابن ماجہ) نے "باب العطاس" میں نقل کی ہیں اور ایک روایت میں انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض الوفات کے وقت کی کیفیت نقل کی ہے، جس کی امام یونس بن بکیر نے اپنی زیادات میں تخریج کی ہے(۱) جب کہ حافظ ابونعیم

---

(۱) سورۃ التوبۃ: آیت: ۹۲۔ (۲) حلیۃ الأولیاء: ۱/ ۳۷۳، المغازی للواقدی: ۳/ ۹۹۳-۱۰۱۴۔

اصبہانی نے اس آخر الذکر روایت کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے واسطہ کے بغیر نقل کیا ہے۔ راوی کا بیان ہے کہ حضرت سالم بن عبید اصحابِ صفہ میں ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا جس وقت مرض بڑھتا گیا اور آپ علیہ الصلاۃ والسلام پر بے ہوشی طاری ہوتی چلی گئی اس وقت آپ ہوش میں آئے تو فرمایا: تم لوگ بلال کو اذان دینے کا حکم دو اور ابوبکر کو لوگوں کی امامت کرنے کا حکم دو، یہ فرماتے ہی بے ہوش ہو گئے۔ جب افاقہ ہوا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: میرے والد محترم بڑے نرم دل ہیں، کاش! آپ ان کے علاوہ کسی اور کو امامت کرنے کا حکم دیتے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم لوگ یوسف علیہ السلام کی عورتوں کے مانند ہو۔ جاؤ! بلال کو اذان دینے کا حکم دو اور ابوبکر کو لوگوں کی امامت کا حکم دو۔ (۱)

حضرت سالم بن عبید رضی اللہ عنہ کے فیض یافتگان میں ہلال بن یساف اور خالد بن عرفطہ ہیں۔ (۲)

---

(۱) المغازی: ۳/ ۱۰۷۴-۱۰۷۵

(۲) الثقات: / ۱۶۵، نمبر (۵۲۲) الاصابۃ: ۲/ ۵، الاستیعاب: ۲/ ۶۸۔

(۳۷) حضرت سالم بن عمیر انصاری رضی اللہ عنہ

حافظ ابوعبید اللہ نیسا پوری اور امام ابونعیم اصبہانی نے حضرت سالم بن عمیر رضی اللہ عنہ کو اصحابِ صفہ میں شمار کیا ہے۔ (حلیۃ الأولیاء: ۱/ ۳۷۱)

نام سالم، والد کا نام عمیر، انصار کے قبیلۂ ''عمرو بن عوف'' سے تعلق رکھنے کی وجہ سے انصاری کہلاتے ہیں۔

صحابۂ کرام اور مؤرخین ومحدثین کے درمیان ۔"احد البکائین"۔ خوفِ خداء سے بہت

---

(۱) ال استیعاب: ۲/ ۶۸، الثقات: ۶۵ نمبر (۵۲۴)

☆ حضرت ابوحذیفہ بن عتبہ قرشی رضی اللہ عنہ قدیم الاسلام جلیل القدر صحابی ہیں۔ ابن اسحاق کی روایت کے مطابق ۴۳ر مسلمانوں کے بعد اسلام قبول کیا ہے۔ صاحبِ ہجرتین۔ ملکِ حبشہ کی دو مرتبہ ہجرت کر کے پھر مدینہ منورہ ہجرت کر جانے والے ۔ اور صاحبِ قبلتین ۔ بیت المقدس اور بیت اللہ شریف کی جانب رخ کر کے نماز پڑھنے کا شرف حاصل کرنے والے ۔ ہیں، غزوۂ بدر میں شریک رہے۔ ان کا قد لمبا اور کھلتا خوبصورت چہرہ تھا، یمامۃ میں بعمرِ ۵۶ رسال جامِ شہادت نوش کیا۔ (ال اصابۃ: ۴/ ۴۳)

(۲) الاستیعاب: ۲/ ۶۸، ال اصابۃ: ۲/ ۶۔ (۳) موطا مالک: / ۲۲۳۔

زیادہ آہ وبکا اور گریہ وزاری کرنے والوں میں ہیں۔

ان ہی جیسے لوگوں کے بارے میں قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوئی ہے! **"ولا علی الذین إذا ما أتوک لتحملهم قلت لا أجد ما احملکم علیه، تولوا و أعینهم تفیض من الدمع حزناً ألاّ یجدوا ما ینفقون"**۔ (۱) اور نہ ان لوگوں پر کوئی گناہ اور الزام ہے کہ جس وقت وہ آپ کے پاس اس واسطے آتے ہیں کہ آپ ان کو کوئی سواری دے دیں تو آپ اس وقت ان سے یہ کہہ دیتے ہیں کہ میرے پاس تو کوئی چیز نہیں، جس پر میں تم کو سوار کردوں تو وہ ناکام اس حالت میں واپس چلے جاتے ہیں کہ ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوتے ہیں اس غم میں کہ ان کو خرچ کرنے کو کچھ بھی میسر نہیں۔

اس آیت کی تفسیر میں رئیس المفسرین، حَبر الأمۃ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں **"هو سالم بن عمیر أحد بني عمر و بن ثعلبة في آخرین"** کہ اس آیت کے مصداق قبیلۂ بنو عمرو کے سالم بن عمیر اور ان کے رفقاء ہیں۔ (۲)

حضرت سالم بن عمیر رضی اللہ عنہ بیعتِ عقبہ، غزوۂ بدر اور دیگر تمام غزوات میں شریک رہے ہیں، حضرت سالم رضی اللہ عنہ کے قبیلہ ''عمرو بن عوف'' میں ایک سو بیس سال کا **"ابو عفک"** نامی ایک بوڑھا شخص تھا، اسے اسلام سے بے حد نفرت تھی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کرکے مدینہ منورہ تشریف لائے تو اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بغض وعداوت اور دشمنی مول لی اور لوگوں کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف خوب بھڑکانے لگا مگر ←

☆ بالغ ہونے کے بعد انہیں دودھ پلا کر دودھ شریک بیٹا بنا لینا اور خود دودھ شریک ماں بن کر ان کو محرم بنالینا یہ حضرت سالم رضی اللہ عنہ کے ساتھ خاص ہے۔ اس حدیث اور اس مسئلہ پر کسی کا عمل نہیں ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں! ہم تو یہی جانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سالم کے لیے خاص رخصت دی تھی، کیونکہ حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے سامنے اس طرح اس عمر میں دودھ پلا کر نہ کسی کو گھر میں لائے اور نہ ہم کو کسی کے سامنے کیا۔ (صحیح مسلم: ۱/ ۴۶۹ الرضاع)۔

(۱) صحیح مسلم: ۱/ ۴۶۹، (الرضاع)

☆ حضرت ابوبکر: اس روایت پر اشکال ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت کرکے ''قباء'' میں تشریف لائے ہیں، تو کیسے حضرت سالم کی اقتداء میں نماز پڑھی؟ امام بیہقی اس کی توجیہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں **"وو جهه البیهقی باحتمال أن یکون سالم استمر یؤمهم بعد أن تحول النبي صلی اللہ علیه و سلم إلی المدینة"** ممکن ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد بھی حضرت سالم ہی ''مسجدِ قباء'' کے امام ہوں۔ (فتح الباری: ۱۳/ ۱۷۹-۱۸۰، ۳/ ۲۱۸)

(۲) صحیح بخاری: ۲/ ۱۰۶۴، نمبر: (۷۱۷۵) ۱/ ۹۶، نمبر (۶۹۲)۔

اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے
جتنا ہی دباؤ گے اتنا ہی یہ ابھرے گا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غزوۂ بدر میں اللہ تعالیٰ نے فتح و کامرانی سے سرفراز فرمایا تو اسے دیکھ کر ابوعفک بہت زیادہ حسد کی بھٹی میں جل گیا اور اسلام دشمنی میں چند اشعار پڑھے۔

حضرت سالم بن عمیر کو اس سلسلہ میں معلوم ہوا تو انہوں نے یہ نذر مان لی کہ میں ابوعفک کو قتل کروں گا، یا خود اس سے پہلے مر جاؤں گا۔ اسی دن سے موقع کی تلاش میں رہے، گرمی کی رات تھی، ابوعفک صحن میں سو رہا تھا۔ حضرت سالم چپکے سے اس کے پاس پہونچے اور تلوار کی نوک اس کے جگر میں اتنی گہری اتار دی کہ جسم سے پار ہو کر بستر میں پیوست ہو گئی۔ یہ اللہ تعالیٰ کا دشمن اس طرح ماہِ شوال ۲ھ میں ان کے ہاتھوں مارا گیا۔ (۱)

حضرت سالم رضی اللہ عنہ کی وفات حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں ہوئی (۲)۔

(۳۸) حضرت سالم بن معقل مولیٰ ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ

علامہ ابونعیم اصبہانی نے حضرت سالم رضی اللہ عنہ کو اصحابِ صفہ

---

(۱) سیر اعلام النبلاء: ۱/۱۶۹۔ (۲) موطا مالک: ۲۲۳۔
(۳) صحیح بخاری: ۲/۷۴۸، نمبر (۴۹۹۹)

میں شمار کیا ہے۔ (حلیۃ الأولیاء: ۱/ ۳۷۰)

نام سالم، والد کا نام معقل، کنیت ابوعبداللہ، فارسی النسل ہیں۔(۱)

فارس کے علاقہ "اصطخر" کے باشی ہیں، جلیل القدر مہاجر صحابی حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ☆ کی بیوی محترمہ لیلیٰ، یا سلمیٰ، یا فاطمہ بنت یعار، یا ثبیتہ بنت یعار۔ علی اختلاف الأقوال۔ انصاری عورت کے غلام تھے، انہوں نے حضرت سالم رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی خاطر آزاد کر دیا۔ حضرت سالم نے ان کے شوہر حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کو اپنا والی وحلیف بنالیا، حضرت ابوحذیفہ ان کی حسنِ سیرت سے بہت متاثر ہوکر انہیں اپنا منہ بولا بیٹا بنالیا۔ حضرت سالم اپنے آزاد کرنے والی انصاری عورت کی جانب منسوب ہوکر انصاری کہے جاتے ہیں اور اپنے والی حضرت ابوحذیفہ کی جانب منسوب ہوکر مہاجرین میں شمار ہوتے ہیں (۲) اور ان ہی کی جانب منسوب ہوکر "سالم مولیٰ ابوحذیفہ" سے مشہور رہیں۔

حضرت سالم رضی اللہ عنہ کو یہ دونوں میاں بیوی بیٹے کی طرح چاہتے اور یہ بھی ان دونوں کو والدین کا مقام ورتبہ دیتے اور ان کے ساتھ گھر میں رہتے تھے۔ (۳) جب بلوغت کی عمر کو پہونچ گئے تو ایک دن حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کی بیوی، سہیل کی بیٹی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور عرض کرنے لگیں کہ سالم حدِّ بلوغ کو پہنچ چکا ہے اور مردوں کی باتیں خوب سمجھنے لگا ہے۔ وہ ہمارے گھر میں آتا جاتا رہتا ہے اور میں اپنے شوہر ابوحذیفہ کے چہرہ میں کچھ خفگی محسوس کرتی ہوں۔ یہ سن کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم سالم کو دودھ پلا دو تا کہ تم اس پر حرام ہوجاؤ☆ اور اس کے تئیں ابوحذیفہ کی خفگی بھی جاتی رہے۔

وہ بولیں! میں اسے دودھ کیسے پلاؤں، وہ تو جوان مرد ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے

---

(۱) مسندِ أحمد: ۶/ ۱۶۵، مستدرک حاکم: ۳/ ۲۲۶، وصححه الحاکم ووافقه الذهبي۔

(۲) صحیح بخاری: ۱/ ۹۶ نمبر (۶۹۲)

(۳) حلیۃ الاولیاء: ۱/ ۱۷۷، صفۃ الصفوۃ: ۱/ ۳۸۳-۳۸۴۔

اور فرمایا: میں خوب جانتا ہوں وہ نوجوان مرد ہے۔ یہ سن کر واپس آئیں اور انہیں دودھ پلا دیا، پھر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ میں حاضرِ خدمت ہوئیں اور عرض کیا کہ میں نے اس کو دودھ پلا دیا (اس طرح میں اس کی دودھ شریک ماں بن گئی اور آپس میں کوئی پردہ وغیرہ نہیں رہا) اور ابوحذیفہ کی ناپسندیدگی بھی دور ہوگئی۔(۱)

ہجرت اور امامت

حضرت سالم رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے، قباء میں قیام پذیر ہوگئے اور بھی تمام مہاجرین یہیں مقیم تھے، ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ ہجرت کر کے تشریف نہیں لائے تھے، اس دوران حضرت سالم ہی مہاجرین کی امامت کر رہے تھے اور ان کی اقتداء میں حضرت ابوبکر ☆ حضرت عمر، حضرت ابوسلمہ، حضرت زید بن حارثہ جیسے جلیل القدر صحابہ کرام نماز پڑھتے تھے۔(۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لائے تو ان کے اور حضرت ابوعبیدہ بن جراح کے درمیان مواخات کرا دی۔(۱)

حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بھتیجی فاطمہ بنت ولید بن عتبہ سے ان کا نکاح کر دیا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اس دن ہجرت کرنے والی عورتوں میں مقدم اور قریش کی بیوہ عورتوں میں سب سے افضل تھیں۔(۲)

قرآن کریم پڑھنے میں کمال حاصل کرنا

حضرت سالم نے صفہ کا طالبِ علم بن کر پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قدر قرآن کریم کے اندر مہارت حاصل کی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو خاص طور سے جن چار حضرات سے قرآن مجید پڑھنے اور اس کا علم حاصل کرنے کے لیے فرمایا ان میں سے ایک حضرت سالم رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

خذوا القرآن من أربعة: عبداللّٰہ بن مسعود، وسالم ومعاذ وأبي بن کعب۔

---

(۱) المغازی: ۱/۲۴۵۔ (۲) المغازی: ۱/۱۰۲۱۔

(۳) طبقات ابن سعد: ۳/۱/۶۱، سیر أعلام النبلاء: ۱/۱۷۹۔

ترجمہ: قرآن کریم ان چار آدمیوں: عبداللہ بن مسعود، سالم مولیٰ ابوحذیفہ، معاذ بن جبل اورابی بن کعب رضی اللہ عنہم سے سیکھو۔ (۳)

دن میں اصحابِ صفہ کے ساتھ رہ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کریم اوراس کے معانی وغیرہ حاصل کرتے اور رات کے وقت مسجد نبوی میں تہجد کی نماز میں پرسوز اور مسحور کن آواز میں قرآن مجید کی تلاوت کرتے تھے۔

حضرت عائشہ صدیقہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ایک رات مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہونچنے میں تاخیر ہوگئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تاخیر کی وجہ دریافت فرمائی۔ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں نے آج مسجد میں ایک شخص کی ایسی تلاوت سنی کہ اس جیسی مسحور کن اور پُرسوز آواز میں آج تک کسی کی تلاوت نہیں سنی، یہ سن کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے، میں بھی آپ کے ساتھ اٹھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آگے بڑھ کر تلاوت کرنے والے کو دیکھ کر فرمایا: تم جانتی ہو یہ کون ہے؟ میں نے عرض کیا: نہیں! آپ نے فرمایا: یہ سالم مولیٰ ابوحذیفہ ہے۔ پھر فرمایا: ''الحمد للہ الذي جعل في أمتي هذا'' تمام تعریف اس پروردگارِ عالم کی ہے جس نے اس شخص کو میرا امتی بنایا۔ (۱)

اور قباء میں خاص طور سے اکابر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں امامت کرنے کی وجہ یہ تھی ''کان اکثرهم قرآنا'' ان سارے صحابۂ کرام میں انہیں قرآن کریم زیادہ یاد تھا اور اچھی آواز میں پڑھتے تھے۔ (۲) یہی ساری وجہ ہے کہ ان کا شمار قراءِ صحابۂ کرام میں ہوتا ہے۔

اللہ رب العزت سے بے پناہ محبت

حضرت سالم رضی اللہ عنہ کو جہاں قرآن کریم کے اندر بے پناہ کمال اور مہارت حاصل تھی وہیں اللہ تعالیٰ سے بہت ہی زیادہ حقیقی اور سچی محبت تھی، جس کی گواہی صادق ومصدوق صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ سے دی ہے۔ ''إن سالماً شديد الحب لله عز وجل'' کہ واقعی سالم کو اللہ رب العزت سے بے پناہ محبت ہے۔

---

(۱) سورۃ آل عمران آیت ۱۴۴۔ (۲) حلیۃ الاولیاء: ۱/ ۳۷۰، صفۃ الصفوۃ: ۱/ ۳۸۴، الاصابۃ: ۲/۸۔

(۳) ۳/۲۲۵۔ (۴) سیر اعلام النبلاء: ۱/ ۱۶۹، الاصابۃ: ۲/ ۸۔

خلیفۃ المسلمین حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: اگر میں سالم مولیٰ ابو حذیفہ کو خلیفۂ وقت بناتا اور اللہ تعالیٰ مجھ سے دریافت کرتے کہ تم نے کیوں اسے خلیفۃ المسلمین بنایا؟ تو میں یہی جواب دیتا کہ تیرے پیغمبر آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے۔ **"إنه يحب اللّٰه تعالیٰ حقا من قلبه"** کہ واقعی سالم حق تعالیٰ سے حقیقی اور سچی محبت کرتا ہے (۳) لیکن حضرت سالم رضی اللہ عنہ خلافتِ صدیقی میں ہی اپنے محبوبِ حقیقی سے جا ملے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی تمنا شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکی۔

جنگی کارنامے

حضرت سالم رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر اور تمام غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک رہے (۴) اور مختلف خصوصی دستے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بھی روانہ فرمایا مثلاً: سریۂ حمزہ بن عبد المطلب اور سریۂ ابو سلمہ وغیرہ۔ (۵)

غزوۂ احد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ مبارک کافی زخمی ہو گیا تھا، رباعی دندانِ مبارک شہید ہو گئے اور خَود (لوہے کی ٹوپی) آپ کے سر مبارک پر ٹوٹ گئی جس سے اس کا حلقہ نیچے گڑ گیا، ڈاڑھی مبارک خون سے تربتر ہو گئی اس موقع پر حضرت سالم رضی اللہ عنہ بھی اس زخم کو پانی سے دھونے میں شریک تھے۔ (۱)

غزوۂ تبوک کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی تعریف فرمائی

حضرت عبد اللہ بن عمر یا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مقامِ تبوک میں ایک رات سارے لوگ خوف زدہ ہو گئے اور بہت گھبرا گئے، میں ہتھیار سے لیس ہو کر باہر آیا تو دیکھا کہ حضرت سالم مولیٰ ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ ہتھیار سے مسلح ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمہ کے قریب بیٹھے ہوئے ہیں۔

میں نے اپنے دل میں کہا: میں آج اس مردِ صالح بدری شخص کی اقتداء کروں گا۔ یہ کہہ کر ان کے بغل میں بیٹھ گیا۔ کچھ ہی دیر کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خیمہ سے باہر تشریف لائے اور غصہ کی حالت میں لوگوں کی جانب متوجہ ہو کر فرمایا: **ماهذه الخفة؟ ماهذا النزق؟** یہ کیسی عجلت اور انجام سے بے پروائی ہے؟ **ألا صنعتم ما صنع هذان الرجلان الصالحان؟ يعنيني وسالماً مولى**

---

(۱) الاصابۃ: ۲/ ۱۰، تہذیب التہذیب: ۳/ ۴۴۷-۴۴۸۔

ابی حذیفة" کیوں نہیں! تم نے ان دونوں نیک مرد صالح۔ حضرت سالم مولیٰ ابو حذیفہ اور حضرت عبد اللہ بن عمر، یا عمرو۔ کا سا عمل اختیار کیا؟۔ (۴)

سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت ۱۲ھ میں مسیلمہ کذاب کی سرکوبی کے لیے یمامہ کی جانب اسلامی لشکر روانہ ہوا۔ آپ مہاجروں کے علم بردار بنے۔ حضرت عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں! مہاجروں کا جھنڈا حضرت سالم کے ہاتھ میں تھا۔ کسی نے ان پر اشکال کیا تو جواب میں فرمایا: اگر میں راہِ فرار اختیار کروں "بئس حامل القرآن انا" تو بُرا عالم قرآن کہلاؤں گا۔

بعض روایتوں میں ہے کہ انہوں نے ایک گڑھا کھودلیا اور اسی میں جم کر کھڑے ہوگئے۔ (۳) لڑائی شروع ہوئی تو ابتداء میں جنگجو کافروں کے حملے کی تاب نہ لاکر مسلمان ادھر ادھر منتشر ہونے لگے، مگر یہ جھنڈا دائیں ہاتھ میں لے کر جمے کھڑے رہے، ان کا دایاں ہاتھ کاٹ دیا گیا؛ تاکہ جھنڈا گر جائے اور مسلمانوں کو گویا کھلی شکست ہو تو فوراً بائیں ہاتھ میں لیا، اسے بھی کاٹ دیا گیا تو انہوں نے دونوں بازوؤں کو جوڑ کر سینہ سے جھنڈا چمٹالیا کہ گرے نہیں اور اس آیت کریمہ کی تلاوت شروع کردی

ومامحمدا الا رسول قدخلت من قبله الرسل أفائن مات أو قتل انقلبتم علی أعقابکم الایة۔

اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) رسول ہی تو ہیں آپ سے پہلے اور بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔ تو اگر آپ کا انتقال ہوجائے یا آپ شہید ہی ہوجائیں تو کیا تم لوگ الٹے پھر جاؤ گے اور جو شخص الٹا پھر بھی جائے گا تو اللہ کا کوئی نقصان نہ کرے گا اور اللہ تعالیٰ جلد ہی حق شناسوں کو بدلہ دے گا۔ (۱)

یہ آیت مکمل کر کے اپنے ساتھیوں سے اپنے مولیٰ حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں دریافت کیا، لوگوں نے بتایا کہ وہ شہید کر دیئے گئے، انہوں نے کہا کہ مجھے ان ہی کے پہلو میں لٹا دینا، ابھی یہ جملہ مکمل ہی کر پائے تھے کہ شہید کر دیئے گئے اور اپنے محبوبِ حقیقی سے جا ملے۔ (۲)

مستدرک حاکم کی روایت میں ہے کہ حضرت سالم اور ان کے مولیٰ حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہما ایک ہی مقام میں شہید ہوئے اور دونوں کی نعش مبارک اس طرح پائی گئی کہ ان میں سے ہر ایک کا پاؤں دوسرے کے سر کے پاس تھا۔ (۳)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کی میراث کے تقریباً ۲۰۰ / درہم آپ کے آزاد کرنے والی حضرت ابو حذیفہ کی بیوی اور آپ کی ہونے والی رضائی ماں کو دینا چاہا، مگر انہوں نے یہ کہہ کر لینے سے انکار کر دیا کہ میں نے سالم کو حسبۃً للہ آزاد کیا تھا، جس کی بنا پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس مال کو بیت

المال میں جمع کروادیا۔ (۴)

تعدادِ حدیث

امام الجرح والتعدیل ابن ابی حاتم نے کہا ہے کہ میں حضرت سالم رضی اللہ عنہ کے ذخیرۂ احادیث میں ان کی ایک حدیث بھی نہیں جانتا ہوں۔

علامہ ابنِ حجر عسقلانی نے امام ابن ابی حاتم کا تعاقب کرتے ہوئے فرمایا: حضرت سالم رضی اللہ عنہ سے دو روایتیں مروی ہیں، وہ صحاحِ ستہ کے علاوہ دوسری کتاب علامہ بغوی اور ابن شاہین وغیرہ کی کتابوں میں ہیں۔ (۵)

(۳۹) حضرت سائب بن خلّاد انصاری رضی اللہ عنہ

حافظ ابوعبداللہ نیساپوری اور علامہ ابونعیم اصبہانی نے حضرت سائب رضی اللہ عنہ کو صفہ کے طالب علموں میں شمار کیا ہے۔

(حلیۃ ال اُولیاء:۱/ ۳۷۲)

نام سائب، کنیت ابوسہلۃ، والد کا نام خلّاد، انصارِ مدینہ کے قبیلۂ بنوخزرج سے تعلق رکھنے کی وجہ سے مدنی، خزرجی اور انصاری کہے جاتے ہیں۔

حضرت سائب رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر میں شریک رہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے

---

(۱) سیر اعلام النبلاء:۱/۹۲۔ (۲) ال استیعاب:۲/۱۸۔

(۳) صحیح بخاری:۱/۵۲۷،نمبر۳۷۲۶۔ (۴) صحیح مسلم:۲/۲۸۱،فضائل سعد۔

(۵) مسندِ أحمد:۱/۱۸۱-۱۸۲۔

اپنے عہدِ خلافت میں ان کو ''یمن'' کا گورنر بنایا تھا۔

حضرت سائب کے فیض یافتگان میں ان کے صاحبزادے خلاد اور صالح بن حیوان، عطاء بن یسار وغیرہ ہیں۔ ان کی چند احادیث ہیں، جن کی تعداد کا علم نہیں ہے۔ سننِ اربعہ (سنن ابوداؤد، سنن نسائی، جامع ترمذی اور سنن ابن ماجہ) میں ان کی روایت ملتی ہے۔

حضرت سائب کی وفات ۷۱ھ میں ہوئی ہے۔(۱)

(۴۰) حضرت سعد بن ابی وقّاص رضی اللہ عنہ

علامہ ابونعیم اصبہانی نے آیت ''ولاتطرد الذین یدعون ربهم بالغداوة والعشي یریدون وجهه'' (سورۃ الانعام آیت: ٥٢) سے استدلال کرتے ہوئے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو صفہ کے طالب علموں میں شمار کیا ہے (حلیۃ الأولیاء: ١/٣٦٨) اور استدلال اس طرح کیا ہے کہ خود حضرت سعد بن ابی وقاص نے بیان کیا کہ ہم چھ حضرات جن میں حضرت عبداللہ بن مسعود، بلال، قبیلۂ ہذیل کے ایک آدمی اور دو شخص تھے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہا کرتے تھے، ایک دن مشرکوں نے کہا: اے محمد! آپ ان لوگوں کو اپنے پاس سے دور رکھیئے،

---

(۱) سورۂ عنکبوت آیت: ۷۔

(۲) صحیح مسلم: ۲/۲۸۱، مسند احمد: ۱/۱۸۱–۱۸۲۔

(۳) الاصابۃ: ۲/۳۱۔

(۴) صحیح بخاری: ۱/۵۲۸، نمبر: ۳۷۲۸۔

(۵) الاستیعاب: ۱/۱۸۔

(٦) صحیح بخاری: ۲/۵۸۱، نمبر: ۴۰۵۹۔

کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ گرے پڑے لوگ ہمارے خلاف جرأت مند ہو جائیں، یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خیال میں وہ بات آئی جو اللہ نے چاہا کہ آئے پھر آپ نے اس کے بارے میں سوچا ہی تھا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی **"ولا تطردا لذین یدعون ربھم بالغداوۃ والعشي یریدون وجھه"** اور آپ ان لوگوں کو دور مت کیجئے، جو لوگ اپنے پروردگار کو صبح و شام پکارتے ہیں اور اسی کی خوشنودی کے طلب گار ہیں۔ (صحیح مسلم: ۲/ ۲۸۱) یہ چھ حضرات ضعفاءِ مسلمین وفقراءِ مہاجرین میں ہیں اور ان تمام کا شمار اصحابِ صفہ میں ہوتا ہے ان ہی میں حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ (حلیۃ الأولیاء: ۱/ ۳۶۸)

سعد نام، کنیت ابو اسحاق، والد کا نام مالک بن اُہیب، والد کی کنیت ابو وقاص ہے، قبیلۂ قریش کی ایک شاخ بنو زہرہ سے تعلق رکھتے ہیں، رشتہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں جان ہیں۔ عشرۂ مبشرہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جانب سے خلافت کے لیے نامزد چھ اصحابِ شوریٰ میں ہیں، مستجاب الدعوات اور مشہور فاتحِ اسلام ہیں۔

یہ ابتدائی دور میں سترہ سال کی عمر میں مشرف بہ اسلام ہوئے۔ (۱) واقدی کی روایت کے مطابق ۱۹ رسال کی عمر میں مسلمان ہوئے ہیں۔ (۲)

حضرت سعد فرماتے ہیں "لقد رأیتني وأنا ثلث الإسلام" امام بخاری علیہ الرحمۃ "ثلث الإسلام" کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں "أنا ثالث ثلاثة مع النبي ﷺ" کہ حضرت سعد یہ کہنا چاہتے ہیں کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سمیت تیسرا مسلمان تھا۔ (۳)

---

(۱) جامع ترمذی: ۲/ ۲۱۶، فضائل سعد۔

(۲) صحیح بخاری: ۱/ ۵۲۸، نمبر: ۳۷۲۸۔

(۳) سیر اعلام النبلاء: ۱/ ۱۱۰۔

(۴) جامع ترمذی: ۲/ ۲۱۶، فضائل سعد۔

(۵) معجمِ کبیر للطبرانی: (۳۰۹) رجالہ ثقات۔

(۶) الجرح والتعدیل: ۹/ ۱۶۶، سیر اعلام النبلاء: ۱/ ۱۱۷۔

حضرت سعد اپنی ماں کے بڑے فرماں بردار اور اطاعت گذار لڑکے تھے، ان کے اسلام لانے کی خبر سنی تو قسم کھا بیٹھی کہ ان سے کبھی بات نہ کرے گی، نہ کھائے گی اور نہ پیے گی جب تک وہ دین اسلام سے باز نہ آجائیں اور کہنے لگی، اے سعد! اللہ تعالیٰ نے تجھے ماں باپ کی اطاعت کرنے کا حکم دیا ہے اور میں تیری ماں ہوں تجھ کو اسلام سے پھر جانے کا حکم دیتی ہوں۔ پھر تین دن تک اسی طرح بھوکی پیاسی رہی، جس کی بنا پر اس کو غش آگیا، تو اس کا دوسرا لڑکا عمارہ کھڑا ہوا اور اس کو پانی پلایا، ہوش آتے ہی سعد کو بددعا دینے لگی۔ (۴)

جامع ترمذی شریف اور مسندِ احمد کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ اس وقت حضرت سعد نے یہ سن کر جواب دیا، امی جان! اگر آپ کی سو جانیں ہوں اور ایک ایک کر کے نکلتی رہیں جب بھی میں اپنے دین اسلام سے باز نہیں آؤں گا، لہٰذا اگر آپ چاہیں کھالیں اور اپنی جان بچالیں اور اگر چاہیں نہ کھائیں اور جان دے دیں مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ جب وہ مایوس ہوگئی، تو کھانے لگی (۵) تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری "**ووصينا الإنسان بوالديه حسنا، وإن جاهداك لتشرك بي ماليس لك به علم فلا تطعهما**" (۱) اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا، لیکن وہ اگر تجھ پر زور ڈالیں کہ تو ایسی چیز کو میرا شریک ٹھہرائے جس کے معبود ہونے کی کوئی صحیح دلیل تیرے پاس نہیں ہے تو تو ان کا کہنا نہ ماننا۔ (۲)

حضرت سعد کی خصوصیات

اسلام میں سب سے پہلے حضرت سعد ہی اللہ تعالیٰ کے راستہ میں تیر چلانے اور قتل و قتال کرنے والے ہیں۔ واقعہ یہ ہوا کہ ابتداءِ اسلام میں کفار کے خوف سے مسلمان چھپ کر نماز پڑھتے تھے، ایک مرتبہ چھپ کر نماز پڑھ رہے تھے کہ مشرکین مکہ نے مسلمانوں کو نرغہ میں لے لیا، اور اسلام اور مسلمانوں کا مذاق اڑانے لگے، حضرت سعد رضی اللہ عنہ غصہ کی تاب نہ لا کر اونٹ کے جبڑے کی ہڈی سے ایک مشرک کو دے مارا اور اسے خون میں لت پت کر دیا۔ یہ اسلام کی خاطر پہلی مرتبہ خون بہایا گیا تھا۔ (۳)

---

(۱) المستدرک: ۳/ ۴۹۹، صححہ الحاکم ووافقہ الذہبی۔

(۲) صحیح مسلم: ۲/ ۲۸۲، فضائل سعد۔

(۳) شرح صحیح مسلم للنووی: ۲/ ۲۸۲۔

(۴) سیر اعلام النبلاء: ۱/ ۱۰۸، الاصابۃ: ۲/ ۳۱۔

حضرت سعد کا بیان ہے۔ "**إني لأول العرب رمى بسهم في سبيل اللّٰه**" سارے عربوں میں پہلا شخص ہوں جس نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں تیر چلایا۔ (۴)

تمام غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک رہے۔ (۵)

غزوۂ احد میں ان کے جنگی کمالات اور اچھی تیر اندازی اور نشانہ بازی کو دیکھ کر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابۂ کرام میں انہیں خصوصی شرف سے نوازا۔ امیر المؤمنین حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی بھی نہیں سنا کہ آپ نے اپنے والدین کو سعد کے علاوہ کسی پر قربان کیا ہو، غزوۂ احد کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے "**إرم سعد فداک ابی و أمي**" اے سعد! تیر چلا! تجھ پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔ (۶)

حضرت سعد رضی اللہ عنہ رشتہ میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں جان ہیں۔ ایک مرتبہ حضرت سعد آئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "**هذا خالي فليرِني إمرأ خاله**" یہ میرے ماموں ہیں، بھلا مجھے کوئی اپنا ماموں دکھائے، یعنی میرے جیسے ماموں کسی کے ماموں نہیں (۱) امام بخاری نے فرمایا ہے کہ بنو زہرہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ننہال کے لوگ تھے (۲) علامہ ذہبی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ محترمہ آمنہ بنت وہب زہریہ ہیں اور ابو وقاص کے چچا کی لڑکی ہیں (۳) صحابۂ کرام میں حضرت سعد کو مستجاب الدعوات سے مشہور ہونے کا شرف حاصل ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے دعاء فرمائی تھی "**اللّٰهم استجب لسعد إذا دعاک**" اے اللہ! جب سعد تجھ سے دعاء کرے تو اس کی دعاء قبول کر۔ (۴)

---

(۱) صحیح بخاری: ۱/ ۵۰۴، نمبر: ۲۸۸۴۔ صحیح مسلم

☆ جنگِ قادسیہ: جنگِ قادسیہ ماہ محرم ۱۴ھ میں پیش آئی تیس ہزار اسلامی فوج کے سپہ سالار حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تھے تو ایک لاکھ بیس ہزار لشکر کی کمان ایرانی سپہ سالار رستم نے سنبھال رکھی تھی۔ دونوں فوجوں میں زبردست گھمسان کی لڑائی ہوئی، رستم میدانِ جنگ میں اپنے تیس ہزار ساتھیوں کے ساتھ مارا گیا اور بقیہ ایرانی فوج نے راہِ فرار اختیار کی اور آٹھ ہزار مسلمان شہید ہوئے۔ (تفصیل کے لیے البدایہ والنہایہ: ۷/ ۷ ۵۱۳، دیکھے)

(۲) الاصابۃ: ۲/ ۳۱۔

☆ وادیٔ عقیق: علامہ ذہبی فرماتے ہیں: وادیٔ عقیق مدینہ منورہ سے دس میل کے فاصلہ پر ہے اور ایک قول حمراء الأسد کا ہے (سیر اعلام النبلاء: ۱/ ۱۲۳)

(۳) الاصابۃ: ۲/ ۳۱۔ (۴) معجم کبیر للطبرانی: ۳۲۰، الاصابۃ: ۲/ ۳۱۔

اس دعاء کا اثر یہ ہوا کہ حضرت سعد جو بھی دعاء کرتے قبول ہوتی۔ ایک مرتبہ اہلِ کوفہ نے امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اپنے امیر و گورنر حضرت سعد کے خلاف شکایت کی کہ یہ اچھی طرح سنت کے مطابق نماز نہیں پڑھاتے ہیں، دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ شکایت صحیح نہیں ہے، پھر بھی حضرت عمر فاروق نے ایک جاسوس حضرت سعد کی تحقیقِ حال کے لیے کوفہ بھیج دیا، وہ ہر ایک سے کھود کرید کر پوچھنے لگا؛ مگر ہر ایک نے ان کے متعلق خیر کی باتیں اور تعریفی کلمات ہی کہے، مسجدِ بنو عبس کے پاس ابو سعدہ نامی شخص آگے بڑھا اور اس نے ان کے متعلق دس و تلبیس کی ہوئی من گھڑت شکایتیں بیان کیں کہ وہ انصاف پرور نہیں ہیں اور خود جنگ میں نہیں جاتے، حضرت سعد ان جھوٹی شکایتوں سے بہت کبیدہ خاطر ہوئے اور اس شخص کے لیے بددعاء کی **"اللّٰھم ان کان کاذباً فأعم بصرہ"** اے اللہ! اگر وہ شخص جھوٹا ہے تو تو اسے اندھا کردے، اس کی عمر دراز کر اور اسے خوب فتنوں میں مبتلا کر"۔

راوی کا کہنا ہے کہ وہ شخص اندھا ہوگیا اور گلی کوچوں میں دیواروں کے سہارے چلا کرتا اور لوگوں سے بھیک مانگتا تھا، جب اس کی حالت دریافت کی جاتی تو یہی کہتا کہ حضرت سعد کی بددعاء کا نتیجہ ہے۔ آخر کار فتنۂ مختار ثقفی ۶۵ھ-۶۷ھ میں قتل کیا گیا۔ (۵)

حافظ ابن ابی الدنیا نے اپنی کتاب **"مجابی الدپعوۃ"** میں اور علامہ ذہبی نے اپنی کتاب سیرِ اعلام النبلاء میں ان کی قبولیتِ دعاء کے بہت سارے واقعات نقل کیے ہیں۔ مثال کے طور پر حضرت سعد نے دعاء کی! اے میرے پروردگار! ابھی میری اولاد چھوٹی ہے، ان کی بلوغت تک مجھے زندہ رکھیے، اللہ تعالیٰ نے ان کی دعاء قبول کی اور مزید بیس سال تک زندہ رہے۔ (۶)

جنت کی بشارت

☆ واقعۂ تحکیم: مقامِ صفین میں حضرت علی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان ہونے والی گھمسان کی جنگ اس معاملہ پر آکر رکی کہ دونوں جانب سے ایک ایک حکم اور فیصل منتخب کیا جائے اور یہ دونوں جس بات پر متفق ہوجائیں اسے دونوں فریقوں کو تسلیم کرنا ہوگا۔ چنانچہ حضرت علی کی جانب سے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ کی جانب سے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فیصل منتخب ہوئے۔

(۱) رواہ الطبرانی کمافی مجمع الزوائد: ۷/۲۴۶۔ (۲) المستدرک: ۳/۵۰۱-۵۰۲، رجالہ ثقات۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے جنتی ہونے کی بشارت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مقامات پر دی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: ''**يدخل عليكم من هذا الباب رجل من أهل الجنة**'' اس دروازہ سے تمہارے پاس ایک جنتی شخص آئے گا'' ابنِ عساکر وغیرہ کی روایت میں اس طرح ہے کہ ''اس دروازہ سے پہلا آنے والا شخص جنتی ہوگا'' (۳) معاً بعد اس دروازہ سے حضرت سعد رضی اللہ عنہ تشریف لائے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ''حراء'' پہاڑ پر تھے اور آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر، عمر، عثمان، علی، طلحہ، زبیر اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم تھے، ''حراء'' پہاڑ کا پتھر ہلا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تھم جا، اے حرا! ''**فما عليك إلا نبي أو صديق أو شهيد**'' تیرے دامن میں صرف نبی، صدیق، اور شہید ہیں۔ (۲)

نبی، خود حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صدیق، حضرت ابوبکر صدیق اور باقی سب شہید ہیں، ظلم سے مارے گئے ہیں؛ البتہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اپنی موت سے مرے ہیں، ان کے بارے میں قاضی عیاض کہتے ہیں ''**إنما سمي شهيداً لأنه مشهود بالجنة**'' انہیں جنت کی بشارت ملنے کی وجہ سے شہید کہا گیا ہے۔ (۳)

شجاعت و بہادری

ابو اسحاق کی روایت میں ہے کہ اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں چار شخص شدید اور سخت طاقت ور سمجھے جاتے تھے: حضرت عمر، حضرت علی، حضرت زبیر اور حضرت سعد رضی اللہ عنہم۔ (۴)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار رہے اور آپ کو بالکل نیند نہیں آئی تو آپ نے فرمایا: ''کاش! میرے صحابہ میں سے کوئی نیک بخت رات بھر میری حفاظت کرتا'' حضرت عائشہ کا کہنا ہے! اتنے میں ہمیں ہتھیاروں کی جھنکار کی آواز سنائی دی،

---

(۱) تاریخ کبیر ج۱ قسم ۲ ص ۱۴۴ (۲) صحیح بخاری ۲/۵۸۱ نمبر ۴۰۶۰

(۳) طبقات ابن سعد ۳/۱۴۴

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: کون ہے؟ آواز آئی! سعد بن ابی وقاص، اے اللہ کے رسول ۔آپ نے سوال کیا یہاں تم کیسے آ گئے؟ سعد بولے میرے دل میں آپ کی نسبت خوف پیدا ہوا؛ لہذا میں آپ کے پاس پہرہ دینے کے لیے آیا ہوں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعائیں دیں اور گہری نیند سو گئے۔ (۱)

قادسیہ کی عظیم فتح ☆ اور ایرانی دار السلطنت مدائن کی فتح بلکہ ملکِ فارس کے اکثر علاقوں کی فتوحات حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی امارت وقیادت ہی میں ہوئی، انہوں نے ہی کوفہ کو آباد کیا، امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت ۲۱ھ میں انہیں کوفہ کا گورنر بنایا اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں ۲۵ھ تک اس عہدہ پر برقرار رہے۔ (۲)

آپسی اختلافات سے کنارہ کشی

امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد مسلمانوں کے آپسی اختلافات وفتن مثلاً جنگِ جمل اور جنگِ صفین وغیرہ سے کنارہ کشی اختیار کرکے وادیٔ عقیق ☆ میں ایک شاندار محل تعمیر کیا اور وہیں مقیم ہو گئے۔ حضرت سعد کے بھتیجے ہاشم بن عتبہ نے ان سے کہا! ایک لاکھ تلواریں آپ کو خلافت کا زیادہ حقدار سمجھتی ہیں، جواب میں فرمایا: ان میں سے میں ایک ایسی تلوار کا خواہاں ہوں کہ اس سے مومن پر وار کروں تو کام نہ کرے اور کافر کو ماروں تو کاٹ دے؛ (۳) جب کہ خلیفۃ المسلمین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ آخری وقت ان کے لیے بطورِ وصیت یہ فرما گئے تھے کہ اگر سعد خلافت کو قبول کر لیں تو بہت اچھی بات ہے ورنہ خلافت کے معاملہ میں ضرور ان سے معاونت لی جائے۔ (۴)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے واقعۂ تحکیم ☆ کے وقت فرمایا کہ سعد بن ابی وقاص اور عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا ان مشاجرات واختلافات سے دور رہنا اگر گناہ ہے تو بہت معمولی صغیرہ گناہ ہے اور اگر ثواب ہے تو بہت بڑا ثواب ہے۔ (۱)

حسین بن خارجہ اشجعی کا بیان ہے کہ جب حضرت عثمان شہید کئے گئے تو مسلمانوں میں ایک فتنہ کھڑا ہو گیا۔ میں کس جماعت کو اختیار کروں مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا، بار بار یہی دعاء کر رہا تھا،

---

(۱) سیرت حلبیہ: ۱/ ۱۔ (۲) صحیح بخاری: ۲/ ۹۴۲، نمبر: ۳۷۲۳۔

(۳) سیر اعلام النبلاء: ۱/ ۹۳۔

اے اللہ! مجھے حق دکھا دے اور جس شخص کے ساتھ حق ہے اس کے ساتھ جوڑ دے۔ ایک رات خواب دیکھا کہ دنیا و آخرت کے درمیان ایک دیوار حائل ہے، میں اس دیوار پر چڑھ گیا، ایک جماعت نے دیکھ لیا اور ان لوگوں نے کہا کہ ہم فرشتوں کی جماعت ہیں، میں نے کہا: شہداء کی جماعت کہاں ہے؟ فرشتوں نے جواب دیا، تم اوپر چڑھتے چلے جاؤ۔ میں یکے بعد دیگرے درجہ بدرجہ چڑھتا گیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ابراہیم علیہ السلام کی زیارت ہوئی، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابراہیم علیہ السلام سے فرما رہے ہیں کہ آپ میری امت کے لیے استغفار کیجیے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: آپ کے بعد ان لوگوں نے کیا کیا نئی باتیں پیدا کی ہیں آپ ان سے ناواقف ہیں، ان لوگوں نے آپس میں خونریزی کی، اپنے امام و خلیفہ کو شہید کیا، کیوں نہیں ان لوگوں نے میرے خلیل حضرت سعد کا طریقہ اختیار کیا کہ ان فتنوں سے کنارہ کش رہتے، حسین بن خارجہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت سعد کو سارا خواب سنایا، وہ سن کر بے حد خوش ہوئے اور یہ کہنے لگے جو ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کو اپنا خلیل و دوست نہ بنائے وہ خائب و خاسر ہے۔ میں نے کہا: آپ دونوں جماعتوں میں سے کس کے ساتھ ہیں؟ فرمایا: میں کسی کے ساتھ نہیں ہوں، میں نے عرض کیا کہ مجھے آپ کیا حکم دیتے ہیں؟ فرمایا: بکری کا ریوڑ خرید لو اور اسے لے کر جنگل میں چلے جاؤ اور لوگوں سے کنارہ کشی اختیار کر لو۔(۲)

حضرت سعد کی تعلیمی مجلس

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی تعلیمی مجلس کا انداز جداگانہ تھا، عام بات چیت کے طور پر اپنے حلقہ نشینوں سے غزوات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و عادات بیان کرتے تھے اور اسی ضمن میں احادیث بھی بیان کرتے تھے، ان کے شاگرد بسر بن سعید کا بیان ہے: ہم لوگ حضرت سعد بن ابی وقاص کی مجلس میں بیٹھتے تھے، وہ عام لوگوں کی طرح باتیں کرتے تھے، وعظ بیان نہیں کرتے تھے، البتہ درمیان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کرتے تھے اور جہاد و اخلاق کا تذکرہ کرتے

---

(۱) طبقات ابن سعد: ۳/ ۱۰۴۔

(۲) المستدرک: ۳/ ۴۹۶، معجم طبرانی: /۳۱۶۔

(۳) الإصابة: ۱/ ۳۱۔

(۴) طبقات ابن سعد ۳/ ۱۴۵، سیر أعلام النبلاء: ۱/ ۱۲۳۔

تھے۔

بکیر راوی کا کہنا ہے کہ قاسم بن ابوبکر اور ان جیسے فقہاء کا بھی یہی طریقہ تھا۔(۱)

حضرت سعد حدیث بیان کرنے میں بہت احتیاط کرتے تھے، سائب بن یزید کہتے ہیں کہ میں سعد بن ابی وقاص، مقداد بن اسود، طلحہ بن عبیداللہ اور عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہم کی مجلس میں حاضر تھا، میں نے ان میں سے کسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کرتے ہوئے نہیں سنا، البتہ طلحہ بن عبیداللہ غزوۂ احد کے واقعات بیان کرتے تھے۔(۲)

سائب بن یزید ہی کا بیان ہے کہ مدینہ سے مکہ تک میں سعد بن ابی وقاص کا ہم سفر رہا ہوں، اس اثناء میں میں نے ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث بیان کرتے ہوئے نہیں سنا، یہاں تک کہ مدینہ منورہ واپس آ گئے۔

ایک مرتبہ حضرت سعد کی خدمت میں چند لوگ حاضر ہوئے اور کوئی بات معلوم کی تو جواب میں فرمایا: "إني أخاف أن أحدثكم واحدا فزيدوا عليه مائة" میں ڈر رہا ہوں کہ تم لوگوں سے ایک حدیث بیان کروں اور تم اس میں ایک سو حدیث کا اضافہ کر دو(۳)

حضرت سعد کے اندر جذبۂ جہاد کارفرما تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمام غزوات میں شریک رہ کر نمایاں کارنامے انجام دیئے اور عہدِ فاروقی میں ملکِ فارس کی فتوحات میں وہ خدمات انجام دیں جو تاریخ میں سنہرے حروف سے لکھے جانے کے قابل ہیں، یہی وجہ ہے کہ اپنی اولاد کو خاص طور سے غزوات و جہاد کے واقعات سناتے اور ان کی تعلیم کے ساتھ شجاعت و بہادری اور جرأت و ہمت کی دعاء سکھاتے تھے، صاحبزادہ محمد بن سعد کا بیان ہے کہ ہمارے والد محترم ہم لوگوں کو غزوات و سرایا کی تعلیم دیتے تھے اور کہتے تھے کہ اے بیٹو! یہ تمہارے آباء و اجداد کا شرف ہے اس کو یاد رکھنا اور ضائع نہ کرنا۔(۱)

صاحبزادۂ محترم مصعب بن سعد کہتے ہیں کہ والد محترم ان پانچ کلمات کے یاد کرنے پر بہت زور دیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ ان چیزوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان پانچ چیزوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے تھے۔

---

(۱) طبقات ابن سعد: ۴/ ۲۶۹، ال استیعاب: ۲/ ۱۲۔

اللّٰھم إني أعوذ بک من البخل و أعوذ بک من الجبن و أعوذ بک من أن أردّ إلی أرذل العمر و أعوذ بک من فتنۃ الدنیا و أعوذ بک من عذاب القبر" اے اللہ میں بخل، بزدلی، نکمی عمر، دنیا کے فتنے اور عذابِ قبر سے آپ کی پناہ چاہتا ہوں۔ (۲)

تعدادِ احادیث

حضرت سعد حدیث کی روایت میں غایت درجہ کا احتیاط برتتے تھے، اس کے باوجود ان کی احادیث کی تعداد علامہ ذہبی نے دوسوستر لکھی ہے، جن میں سے صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ۱۵/ حدیثیں ہیں، اور صرف صحیح بخاری میں ۱۵/ اور صرف صحیح مسلم میں ۱۸/ حدیثیں ہیں۔

ان کے فیض یافتگان میں صحابہ وتابعین کی ایک جماعت ہے جس نے ان سے حدیث کی روایت کی ہے مثلاً: صحابۂ کرام میں ام المؤمنین حضرت عائشہ، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام میں صاحبزادے: عامر، عمر، محمد، مصعب، ابراہیم اور عائشہ ہیں۔ عمرو بن میمون، عروۃ بن زبیر سائب بن یزید اور ان کے علاوہ ایک بہت بڑی جماعت ہے۔ (۳)

وفات

حضرت مصعب بن سعد کا بیان ہے کہ میرے والد محترم کا سر مرض الوفات میں میری گود میں تھا، اس وقت میں رونے لگا، تو سر اٹھا کر پوچھا: اے میرے بیٹے! کیوں رو رہے ہو؟ میں نے کہا: آپ کی وجہ سے، کہنے لگے! اللہ تعالیٰ مجھے کبھی بھی عذاب نہیں دے گا اور میں یقیناً جنتی ہوں۔ (۱)

مرض الوفات کے وقت انہوں نے ایک پرانا اونی جبہ طلب فرمایا اور کہا کہ اسی کپڑے میں مجھے کفن دینا کیونکہ غزوۂ بدر میں اسی کپڑے کو پہن کر مشرکوں کا سامنا کیا تھا اور اسی دن کے لیے اس کپڑے کو باحفاظت رکھے ہوئے تھا۔ (۲)

حضرت سعد رضی اللہ عنہ آخری مہاجر صحابی ہیں جن کا انتقال بعمر ۸۲/ سال ۵۵ھ میں وادئ "عقیق" میں ہوا اور مدینہ منورہ (زادہا اللہ شرفۃً وعظمۃً) کے جنت البقیع میں دفن کیے گئے (۳)

---

(۱) الإصابۃ: ۲/ ۷۴۔ (۲) الاستیعاب: ۲/ ۱۲۔

(۳) سورۃ الحدید آیت: ۱۱۔

اوردولاکھ پچاس ہزاردرہم چھوڑ کر گئے۔ (۴)

(۴۱) حضرت سعید بن عامر جُمحی رضی اللہ عنہ

امام المؤرخین علامہ واقدی اور حافظ ابونعیم اصبہانی نے حضرت سعید بن عامر کو صفہ کے طالب علموں میں سے شمار کیا ہے۔ (حلیۃ الأولیاء: ۱/۳۹۸)

علامہ واقدی اور حافظ ابن سعد کہتے ہیں کہ **"لانعلم له بالمدينة داراً"** مدینہ منورہ میں ان کا کوئی گھر درہم نہیں جانتے

---

(۱) حلیۃ الأولیاء: ۱/۲۴۶-۲۴۷۔

ہیں۔ (طبقات ابن سعد: ۴/ ۲۶۹۔ ۷/ ۳۹۸) جن صحابۂ کرام کا مدینہ منورہ میں کوئی گھر نہیں ہوتا تو ان کا مسکن اور ان کا گھر مسجد نبوی ہی ہوتا اور ان کا گزر بسر اصحابِ صفہ کے ساتھ ہی ہوتا۔ حضرت سعید بن

---

(۱) الحلیۃ: ۱/ ۲۴۵۔ ۲۴۶، صفۃ الصفوۃ لابن الجوزی: ۱/ ۶۶۵۔

☆ خبیب بن عدی: حضرت خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ بدری صحابی ہیں انہوں نے حارث بن عامر کو غزدۂ بدر کے دن قتل کیا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس جاسوس بھیجے ان میں ایک یہ بھی تھے اور ان کے امیر حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ تھے، ان جاسوسوں کی اطلاع بنولحیان کو ملی، تقریباً سو تیر انداز نے ان حضرات کا پیچھا کیا، حضرت عاصم اپنے جانبازوں کو لے کر ایک ٹیلہ پر چڑھ گئے، ان کافروں نے گھیر لیا اور کہا نیچے اترو، تمہارے واسطے عہد و پیمان ہے۔ حضرت عاصم نے فرمایا: اے قوم! سن لو، میں کافروں کی پناہ میں نہیں اتر سکتا، کافروں نے مسلمانوں پر تیر اندازی کر کے عاصم کو سات ساتھیوں سمیت شہید کر دیا اور تین شخصوں کو گرفتار کر لیا، ان میں حضرت خبیب رضی اللہ عنہ بھی تھے، انہیں مکہ مکرمہ میں عامر بن نوفل کے لڑکوں نے حارث بن عامر کے بدلہ میں قتل کرنے کے لیے خرید لیا، کچھ دنوں تک ان کے پاس قید رہے۔ ان ہی دنوں حارث کی کسی لڑکی سے زیر ناف صاف کرنے کے لیے استرہ مانگا، اس نے دے دیا، اس کا چھوٹا بچہ کھیلتا ہوا ان کے پاس چلا گیا اور وہ عورت بے خبر تھی، جب دیکھا کہ خبیب اس بچہ کو اپنی ران پر بیٹھائے ہوئے ہیں اور استرہ ان کے ہاتھ میں ہے خود اس عورت کا بیان ہے کہ میں سخت گھبرائی، خبیب نے گھبراہٹ محسوس کرتے ہوئے فرمایا: کیا تو ڈرتی ہے کہ میں اس کو قتل کر دوں گا یہ کام ہرگز نہیں کروں گا۔ اسی عورت کا بیان ہے کہ خدا کی قسم! میں نے کبھی کوئی قیدی خبیب سے بہتر نہیں دیکھا۔ خدا کی قسم! میں نے ان کو ایک دن دیکھا کہ انگور کا خوشہ ہاتھ میں لیے کھا رہے ہیں جب کہ وہ لوہے کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے اور اس وقت مکہ میں کوئی پھل نہیں تھا۔ یقیناً وہ ایک مخصوص رزق تھا جو اللہ تعالیٰ نے خبیب کو دیا تھا۔ جب بنو حارثہ ان کو لے کر حرم سے نکلے تا کہ مقام ”جبل“ میں قتل کریں تو خبیب نے ان سے کہا: مجھے دو رکعت نماز پڑھنے کی اجازت دے دو، لوگوں نے اجازت دے دی، آپ نے دو رکعت نماز پڑھی، پھر تختۂ دار پر چڑھا دیا گیا اس وقت کافروں کے حق میں بددعاء کی اَللّٰہم احصہم عددا، واقتلہم بددًا، ولا تبق منہم اَحداً“ اے اللہ! ان کافروں میں ہر ایک کو اپنی شمار میں رکھ اور ان کو الگ الگ کر کے قتل کر اور ان میں سے کسی کو باقی مت چھوڑ، پھر حضرت خبیب یہ اشعار پڑھنے لگے:

فلستُ أبالي حين اقتل مسلماً — علی أي جنب کان في اللّٰہ مصرعي
وذاک في ذات الإلہ وإن يشاء — يبارک في أوصال شلوممزع
جب مسلمان رہ کے دنیا سے چلوں — مجھ کو کیا ڈر ہے کس کروٹ پر گروں
میرا مرنا خدا کی ذات میں — وہ اگر چاہے نہ ہوں گا میں زبوں
تن جو ٹکڑے ہو کر خراب ہو جائے گا — ان کے جوڑوں پر وہ برکت دے گا
فزوں

یہ اشعار مکمل ہی کر پائے تھے کہ حارث کا بیٹا ابوسروعہ عقبہ ان کی طرف بڑھا اور ان کو شہید کر دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام

عامر رضی اللہ عنہ بھی ان ہی خوش بخت حضرات اور اصحابِ صفہ میں ہیں۔

حضرت سعید رضی اللہ عنہ کے والد کا نام عامر بن خذیم، ماں کا نام اروی بنت ابی معیط اور قبیلہ بنو جُمح سے تعلق رکھتے ہیں۔

حضرت سعید رضی اللہ عنہ غزوۂ خیبر سے پہلے مشرف بہ اسلام ہو کر مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ گئے۔ غزوۂ خیبر اور اس کے بعد پیش آنے والے تمام غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک رہے۔ (۱)

علامہ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں: "**کان من کبار الصحابۃ و فضلائھم، و کان مشھوراً بالخیر و الزھد**" کہ حضرت سعید رضی اللہ عنہ کا شمار جلیل القدر فضلاء صحابۂ کرام میں ہے اور ان کا زہد وتقویٰ اور نیکی و پارسائی بہت مشہور ہے (۱) ان کو دنیا سے ذرہ برابر بھی محبت نہ تھی بلکہ دنیا کی بے رغبتی اور آخرت کی فکر و رغبت ان کے اندر کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔

امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو مسئلۂ خلافت میں نصیحت کیا کرتے تھے۔ (۲)

ایک روز حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں آپ کو ایک جگہ کا گورنر بنانا چاہتا ہوں، آپ نے عرض کیا: "**لا تفتنّي یا امیر المؤمنین**" اے امیر المؤمنین: آپ مجھے گورنر بنا کر آزمائش میں مبتلا نہ کریں۔ حضرت عمر نے قسم کھا کر فرمایا: میں آپ کو ہرگز نہیں چھوڑوں گا۔ آپ لوگ خلافت کا بوجھ میری گردن پہ ڈال کر آزاد ہونا چاہتے ہیں، ایسا نہیں ہو سکتا ہے۔ کچھ ہی دنوں بعد "عیاض بن غنم کی جگہ پر "حمص" کا گورنر بنا کر بھیج دیا۔ یہ "حمص" ملکِ شام سے متصل شہر ہے۔ جب تنخواہ مقرر کرنے کی بات آئی تو حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے گورنری کی تنخواہ لینے سے انکار کر دیا، مگر حضرت عمر نہ مانے اور ان کی تنخواہ مقرر کر دی جب تنخواہ موصول ہوتی تو اپنے گھر کے لیے حسبِ ضرورت غلّہ خرید لیتے اور بقیہ رقم کو غریبوں، مسکینوں میں خرچ کر دیتے تھے۔ بعض دفعہ حضرت سعید کی اہلیہ محترمہ پوچھتی

---

(۱) الاستیعاب:۲/ ۱۳، الحلیۃ:۱/ ۲۴۶، صفۃ الصفوۃ:۱/ ۶۶۵-۶۶۶، مروج الذہب:۲/ ۳۱۳-۳۱۴۔

(۲) الحلیۃ:۱/ ۲۴۶، صفۃ الصفوۃ:۱/ ۶۶۶-۶۶۷، مروج الذہب:۲/ ۳۱۳-۳۱۴۔

تھیں کہ روپے کیا ہوئے؟ جواب دیتے ”قد أقرضته“ میں نے قرض دے دیا ہے۔ گویا کہ اس آیت کی جانب اشارہ کرتے: ”من ذا الذي يقرض الله قرضا حسنا فيضاعفه له وله أجر كريم“ کوئی شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کو اچھی طرح قرض دے پھر اللہ تعالیٰ اس دیئے ہوئے کے ثواب کو اس شخص کے لے بڑھاتا چلا جائے اور اس کے لیے پسندیدہ اجر ہے۔ (۳) لوگ آ کر عرض کرتے کہ آپ کی بیوی کا آپ پر حق ہے: ”وإن لأصهارك عليك حقا“ اور آپ کے سسرال والوں کا آپ پر حق ہے۔ جواب میں فرماتے: جنت کی حورِ عین پر میں کسی کو ترجیح نہیں دے سکتا اور حورِ عین کو حاصل کرنے کے لیے مجھے قطعاً اس کی کوئی پرواہ نہیں کہ لوگ مجھ سے خوش رہیں، یا ناراض رہیں۔ اگر وہ حورِ عین اس دنیا میں جھانک دے تو پوری دنیا روشن ہو جائے، جیسا کہ سورج کی روشنی سے پوری دنیا روشن رہتی ہے۔ کبھی یہ فرماتے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اگر جنت کی حور اپنی انگلی اس دنیا کی طرف کر دے تو اس انگلی کی خوشبو کو ہر جان دار خوب محسوس کر لے؛ چنانچہ میں اپنی بیوی اور سسرال کو چھوڑ سکتا ہوں مگر اس حورِ عین کو نہیں چھوڑ سکتا۔ خدا کی قسم! یہ لوگ زیادہ چھوڑے جانے کے مستحق ہیں مگر حورِ عین کو کیسے چھوڑا جا سکتا ہے!!(۱)

امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ ”حمص“ تشریف لائے اور لوگوں سے دریافت کیا: تم لوگوں نے اپنے گورنر کو کیسا پایا؟ اہلِ حمص شکوہ شکایت کے عادی تھے یہی وجہ ہے کہ انہیں ”کُوَیفۂ صغری“ کہا جاتا ہے۔ اہلِ حمص نے جواب دیا کہ ہمیں اپنے امیر سے چار شکایتیں

☆ جنگ یرموک: جنگ یرموک ۱۳ھ میں پیش آئی ہے شاہِ روم ہرقل نے اسلامی فوج سے مقابلہ کے لیے اپنی عظیم الشان فوج کو چار حصوں میں تقسیم کر کے مختلف اطراف میں بھیج دیا۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے سپہ سالارانِ اسلام کو یہ مشورہ دیا کہ پورا اسلامی لشکر ایک جگہ جمع ہو کر مقابلہ کرے، ورنہ الگ الگ ٹکڑیوں میں کامیابی ناممکن ہے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی اس رائے سے اتفاق کیا۔ چنانچہ اسلامی فوج جس کی تعداد چھتیس ہزار سے چالیس ہزار تک بیان کی گئی ہے۔ نہر یرموک کے کنارہ خیمہ زن ہوئی۔ ہرقل کو یہ بات معلوم ہوئی تو اس نے بھی اپنی عظیم الشان فوج کو نہر یرموک کے کنارہ یکجا ہونے کا حکم دیا۔ جس کی تعداد دو لاکھ چالیس ہزار تھی۔

اسلامی لشکر کے سپہ سالار حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے کل فوج کو چھتیس سے چالیس دستوں پر تقسیم کیا اور ہر دستہ کا افسر الگ الگ مقرر کیا اور ہر دستہ کے تحت ایک ہزار فوج رکھی۔ میدان کارزار گرم ہوا۔ مسلمانوں کے جوش وخروش کا یہ عالم تھا کہ عورتوں نے بھی جو اسلامی لشکر کے ساتھ تھیں، لڑنے اور کفار کے قتل میں حصہ لیا، بال آخر مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے فتح وکامرانی سے نوازا، اس لڑائی میں رومی مقتولوں کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار اور شہداء اسلام کی تین ہزار تھی۔ (البدایہ والنہایۃ: ۷/ ۴-۱۶)

(۱) الاستیعاب: ۲/ ۱۳۔

(۲) الإصابۃ: ۲/ ۴۷۔

ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر ''حمص'' کے سارے لوگوں کو اکھٹا کرایا اور حمص کے گورنر سعید بن عامر جمحی رضی اللہ عنہ کو طلب فرمایا اور یہ دعاء کی ''اللّٰھم لا تفیل رایی فیه الیوم'' اے اللہ! سعید بن عامر کے گورنر بنانے کے سلسلہ میں آج میری رائے غلط مت کرنا۔

سارے لوگ جمع ہو گئے اور حضرت سعید بن عامر بھی تشریف لے آئے تو برسرِ عام حضرت عمر فاروق نے لوگوں سے فرمایا: اب تم لوگ اپنے گورنر کی شکایتیں بیان کرو۔ لوگوں نے کہا: پہلی شکایت یہ ہے کہ یہ ہمارے پاس ایوان میں تاخیر سے تشریف لاتے ہیں:

حضرت عمر نے حضرت سعید کی جانب جوابی نگاہ ڈالی، تو انہوں نے جواب دیتے ہوئے کہا: اللہ کی قسم! میں اپنے عذر کو بیان کرنا نہیں چاہتا مگر اب مجبور ہوں۔ سنیے! میرا عذر یہ ہے کہ میرے گھر میں کوئی خادم و نوکر نہیں، میں خود ہی آٹا گوندھتا ہوں، پھر خمیر اٹھنے تک انتظار کرتا ہوں اور روٹی پکا کر باوضوء ہو کر لوگوں کے سامنے حاضر ہو جاتا ہوں۔

دوسری شکایت: رات میں کسی ضرورت مند کی ضرورت نہیں سنتے ہیں۔

حضرت عمر کے جواب طلب کرنے پر فرمایا: میں ذکر کرنا نہیں چاہتا ہوں، لیکن کیا کروں، ذکر کیے بغیر چارہ کار نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ میں نے دن کو لوگوں کے لیے خاص کر رکھا ہے اور رات کو اللہ عز وجل کی عبادت کے لیے خاص کر رکھا ہے۔

تیسری شکایت: مہینہ میں ایک دن چھٹی مناتے ہیں، اور لوگوں کی ضرورتوں کے لیے باہر تشریف نہیں لاتے ہیں۔

حضرت سعید نے جواب دیا: میرے پاس کوئی ایسا خادم نہیں ہے کہ جو میرے کپڑے دھودے، نہ میرے پاس بہت سارے جوڑے ہیں کہ جنہیں بدل کر ایوان میں حاضر ہو جاؤں۔ لہٰذا خود کپڑے دھوتا ہوں اور سوکھنے تک انتظار کرتا ہوں، پھر اسے پہن کر دن کے آخری حصہ میں باہر نکلتا ہوں۔ (۱)

چوتھی شکایت: عام طور سے ان پر ایسی بے ہوشی طاری ہوتی ہے کہ موت کے منہ میں چلے جاتے ہیں۔

---

(۱) الاصابۃ: ۲/۵٦۔

(۲) صفۃ الصفوۃ: ۱/۲۷۱، سیر أعلام النبلاء: ۳/۱۷۳۔

حضرت سعید: میں حضرت خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ☆ کو سولی دیئے جانے کے دن میں مکہ مکرمہ ہی میں تھا۔

کفارِ مکہ اور قریش نے انہیں تختہ دار پر چڑھانے کے بعد کہا: ''**اتحب أن محمداً مکانک**'' کیا تم اپنی جگہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو پسند کرو گے کہ تمہیں چھوڑ دیا جائے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو سولی پر چڑھا دیا جائے؟ حضرت خبیب نے جواب دیا تھا خدا کی قسم! میں یہ بھی پسند نہیں کرسکتا کہ میں اپنے گھر والوں میں رہوں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک کانٹا تک چبھے!! پھر انہوں نے قریش کے حق میں بددعاء کی اور میں بھی ان میں تھا مگر مشرک تھا، توحید پرست نہیں تھا، جس کی بنا پر ان کی مدد نہ کرسکا، البتہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے قوی امید ہے کہ وہ میرے سارے گناہوں کو معاف کر دے گا۔ اس دن کو اور حضرت خبیب کی مدد نہ کرنے کو جب بھی یاد کرتا ہوں تو میری حالت غیر ہو جاتی ہے، بے ہوشی طاری ہو جاتی ہے اور مرنے سے بال بال بچ پاتا ہوں۔(۱)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان شکایتوں کے جوابات سن کر فرمایا: ''**الحمدللہ الذي لم یفل فراستي**'' تمام تعریف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے کہ جس نے میری فراست و دور بینی کو غلط ہونے سے بچالیا ''حمص'' سے مدینہ طیبہ کی واپسی پر بیت المال سے ان کے لیے ایک ہزار اشرفیاں بھیجیں اور یہ کہلوا دیا کہ اپنی ضرورتوں میں ان اشرفیوں کو خرچ کریں، حضرت سعید کی اہلیہ محترمہ نے ان اشرفیوں کو دیکھ کر کہا تمام تعریف رب ذوالجلال کی ہے جس نے ہمیں ان اشرفیوں کی بدولت آپ کی خدمت سے بے نیاز کر دیا۔ حضرت سعید نے فرمایا: کیا اس سے بہتر بات یہ نہیں ہے کہ ضرورت مندوں اور حاجت مندوں میں تقسیم کر دیں؟ بیوی بھی کس کی تھی؟ بہت اطمینان وسکون سے جواب دیا ہاں! اس رقم کو ضرورت مندوں میں تقسیم کرا دیں۔ حضرت سعید نے ایک معتمد شخص کو بلا کر غریبوں، یتیموں، مسکینوں، بیواؤں اور ضرورت مندوں کی ایک فہرست بنا کر اسے دے دی اور کہا کہ برابر برابر ان میں تقسیم کر دو۔ صرف ایک اشرفی تقسیم کرنے کے بعد رہ گئی، جسے اپنی اہلیہ محترمہ کو دیتے ہوئے یہ کہا لے اور اپنی ضرورت میں خرچ کر۔ پھر اٹھے اور اپنی ذمہ داری سنبھالنے کے لیے لوگوں کے پاس تشریف لے

---

(۱) ا: ا/٣٦٨۔ (٢) مسند احمد: ٥/١٢١، ٢٢٢، المستدرک: ٣/٦٠٦، وصححہ الحاکم۔

گئے (۲) اوراس عہدۂ جلیلہ پر اپنی وفات تک قائم رہے۔

جنگ یرموک ☆ کے موقع پر جب رومیوں نے ٹڈی دل فوجوں کے ساتھ مسلمانوں پر یلغار کی تو حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے امداد طلب کی، انہوں نے حضرت سعید بن عامر جمحی رضی اللہ عنہ کے ذریعہ مدد کی۔ سخت قتل وقتال کے بعد مسلمانوں کو فتح وکامرانی حاصل ہوئی۔ (۱)

وفات

حضرت سعید بن عامر کا انتقال جمادی ال آخری ۲۰ھ مین مقامِ قیساریہ میں ہوا۔ (۲)

(۴۲) حضرت سفینہ مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

(۱) معجم کبیر رقم (۶۴۳۳۲) مصنف عبدالرزاق (رقم ۲۰۵۴۴)، المستدرک: ۳/ ۶۰۶ صححہ الحاکم ووافقہ الذہبی۔

(۲) سیر اعلام النبلاء: ۳/ ۱۷۳۔

(۳) ال استیعاب: ۲/ ۱۳۰، سیر أعلام النبلاء: ۳/ ۲۳۔

جرح وتعدیل کے امام یحیٰ بن سعید القطان اور علامہ ابونعیم اصبہانی نے حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کو اصحابِ صفہ میں شمار کیا ہے۔ (حلیۃ ال أولیاء:۱/ ۳٦٨)۔

حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کے نام کے سلسلہ میں علامہ ابن حجر عسقلانی نے اکیس اقوال لکھے ہیں: مہران، طہمان، مروان، بخران، رومان، ذکوان، کیشان، سلیمان، ایمن، مرقنہ، احمد، رباح، مفلح، عمیر، معقب، قیس، عبس، سعنۃ، شعنۃ (۱) البتہ امام ابوالفرج ابن الجوزی، علامہ ابن کثیر اور علامہ شمس الدین ذہبی نے مہران نام کو ترجیح دی ہے (۲) سفینہ لقب، ابوعبدالرحمن کنیت اور فارسی النسل ہیں، جب کہ علامہ واقدی نے عربی النسل قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ بطن نخلہ میں رہا کرتے تھے۔

حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ہیں، جب کہ دوسرے قول کے مطابق ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ (۳)

سنن ابوداؤد کی روایت میں خود حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے **"کنت مملوکاً لأم سلمة"** کہ میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا غلام تھا۔ ایک دن انہوں نے کہا! اے سفینہ! میں تمہیں اس شرط پر آزاد کروں گی کہ تو زندگی بھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتا رہے۔ میں نے عرض کیا! اگر آپ مجھ سے خادمِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بننے کی شرط نہ لگاتیں تب بھی اپنی پوری زندگی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت ہی میں گذار دیتا، یہ سنتے ہی آزاد تو کر دیا، مگر وہ شرط باقی ہی رکھی۔ (۴)

حلیۃ ال أولیاء میں ہے کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی دس سال تک خدمت کرتے رہے اور اصحابِ صفہ کے ساتھ رہ کر گزر بسر کرتے رہے۔ (۱)

حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساز و سامان سفر میں لے کر چلتے تھے، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سفینہ لقب دیا۔

سعید بن جمہان کہتے ہیں: میں نے حضرت سفینہ سے نام دریافت کیا وہ بولے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا نام سفینہ رکھا ہے، میں نے کہا: کیا وجہ ہے؟ تو کہنے لگے ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابۂ کرام کے ساتھ سفر میں چل رہے تھے، زیادہ ساز وسامان ہونے کی وجہ سے یہ لوگ بوجھل ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: تو اپنی چادر پھیلا میں نے چادر پھیلا دی سارے لوگوں نے اپنے اسباب اور ساز وسامان اسی چادر میں رکھ دیئے اور اسے میرے اوپر لادتے ہوئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”احمل فإنما أنت سفينة“ لا دلے، تو تو سفینہ (کشتی) ہے، یہ ارشادِ عالی سن کر میں نے اپنے اندر یہ محسوس کیا کہ اگر میرے اوپر ایک، یا دو، یا تین، یا چار، یا پانچ، یا چھ، یا سات اونٹوں کے سامان بھی لاد دیتے تو میں گراں بار اور بوجھل نہیں ہوتا۔(۲)

حضرت سفینہ کی کرامت

محمد بن منکدر کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حضرت سفینہ رومی علاقہ میں لشکر کا راستہ بھول گئے، یا دشمن کے ہاتھوں قید کر لیے گئے، پھر وہ دشمن کے قبضہ سے نکل بھاگے اور اپنے لشکر کی تلاش میں لگ گئے، اسی دوران ان کی مڈبھیر ایک خطرناک شیر سے ہوگئی اسے دیکھ کر ذرہ برابر بھی نہ گھبرائے، بلکہ اس کی کنیت کے ذریعہ مخاطب کر کے فرمایا: اے ابوالحارث: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آزاد کردہ غلام ہوں اور میں راستہ بھٹک گیا ہوں، شیر یہ سنتے ہی دم ہلاتا ہوا (یہ جانور کے مطیع وفرماں بردار ہوجانے کی علامت ہے) ان کے پہلو میں آکر کھڑا ہوگیا اور پھر کسی طرف سے کوئی خوفناک درندے وغیرہ کی آواز آتی، تو شیر اس کے دفعیہ کے لیے اس آواز کی طرف لپکتا اور پھر واپس آجاتا، اسی طرح وہ شیر (ایک محافظ رہبر کے مانند) حضرت سفینہ کے پہلو بہ پہلو چلتا رہا کہ حضرت سفینہ اپنے لشکر میں پہنچ گئے اور شیر واپس چلا گیا۔(۱)

شاگردانِ کرام، تعدادِ احادیث

---

(۱) قال في المجمع: ۹/ ۳۳۶، رواه احمد كله والطبراني۔

(۲) سیر أعلام النبلاء: ۱/ ۵۰۶۔ في الكبير نحوه بأسانيد، وال إسناد عند أحمد والطبراني رجالها رجال الصحيح غير محمد بن إسحاق وقد صرح

حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کے فیض یافتگان میں خود آپ کے دو صاحبزادے: عمر، عبدالرحمن ہیں، حضرت حسن بصری، سعید بن جمہان، محمد بن منکدر اور سالم بن عبداللہ وغیرہ ہیں۔

علامہ شمس الدین ذہبی نے آپ کی احادیث کی تعداد چودہ بتائی ہے۔ صحیح بخاری کے علاوہ تمام کتبِ احادیث میں آپ کی حدیثیں موجود ہیں۔ (۲)

وفات

حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کا انتقال حجاج بن یوسف کے زمانہ ۷۰ھ کے بعد ہوا۔ (۳)

(۴۳) حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ

علامہ ابو نعیم اصبہانی، حافظ ابو عبداللہ سلمی اور ابن الاعرابی نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو صفہ کے طالب علموں میں شمار کیا ہے۔

(حلیۃ الاولیاء: ۱/ ۳۶۷)

علامہ ابن عساکر اور علامہ شمس الدین ذہبی نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو خدامِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں شمار کیا ہے۔

(سیرِ اعلام النبلاء: ۱/ ۵۰۵-۵۰۶)

مؤرخین نے یہ صراحت کی ہے۔ "لم یکن لہ بیت" کہ ان کے پاس کوئی گھر نہیں تھا۔ (طبقات ابن سعد: ۴/ ۷۸۹، استیعاب: ۲/ ۵۵، صفۃ الصفوۃ: ۱/ ۵۳۸)

اور صفہ کے طالب علم عموماً وہی شمار کیے جاتے ہیں کہ جن کا مدینہ منورہ میں کوئی گھر نہ ہو اور نہ کسی قسم کا کوئی رہنے کا ٹھکانہ ہو، بلکہ ان کا گزر بسر مسجد نبوی ہی میں ہوتا ہو۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا اپنے وطن سے زمانۂ دراز تک سفر میں زندگی کا گذارنا علم کی تلاش میں تھا۔ خود فرماتے ہیں: "**خرجت في طلب العلم إلى الشام**" میں علم کی تلاش میں شام گیا، پھر اسی علم کی تلاش میں سفر کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں پہونچ کر منزلِ مقصود کو پالیا۔

(المعجم الکبیر للطبرانی حدیث نمبر: ۶۰۷۱، /)

واقعۂ اسلام

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا واقعہ کتبِ حدیث میں مختلف طریقہ سے آیا ہے، صحیح طریقہ اور صحیح سند کے ساتھ ان کے تفصیلی واقعہ اسلام کو "مسندِ احمد"، "طبقات ابنِ سعد" اور طبرانی کی "معجمِ کبیر" میں بیان کیا گیا ہے، علامہ ہیثمی نے "مجمع الزوائد" (۹/ ۳۳۶) میں "مسندِ احمد" اور "معجمِ طبرانی" کی روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔ (۱)

یہی وجہ ہے کہ علامہ ذہبی نے اسی روایت کو مقدم کیا ہے (۲) لہٰذا اسی روایت کو یہاں ذکر کیا

جار ہا ہے، البتہ صحیح روایت کے اختلاف کو مختصر طور پر اخیر میں انشاء اللہ ذکر کیا جائے گا۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اپنی آپ بیتی اپنی زبانی اس طرح سناتے ہیں کہ میں اصفہان کے علاقہ کا ایک فارسی النسل نوجوان تھا، جس بستی میں رہائش پذیر تھا وہ ''جیّ'' کے نام سے مشہور تھی، میرا باپ اس بستی کا سردار تھا، پیدائش کے دن سے ہی میں اس کی نظر میں دنیا کی ہر چیز سے زیادہ محبوب تھا، وہ بے پناہ مجھ سے سچی محبت کرتا تھا، یہی وجہ ہے کہ مجھے گھر کی چہار دیواری میں اس طرح بند کر دیا جس طرح دوشیزاؤں کو گھروں میں پابند کر دیا جاتا ہے، میں نے محبت کے اس قید خانہ میں مجوسیت کی تعلیم حاصل کرنا شروع کر دی، اس میں بہت زیادہ محنت کی، اس میدان میں امتیازی مقام حاصل کرلیا، بالآخر مجھے اس آگ کا نگراں بنا دیا گیا جس کی ہم پوجا کیا کرتے تھے، اسے مستقل جلائے رکھنے کی ذمہ داری مجھ پر تھی، میں اسے دن رات ایک گھڑی کے لیے بھی بجھنے نہ دیتا۔

میرے والد بہت بڑے جاگیردار تھے، روزانہ اس جاگیر کی دیکھ بھال میرے والد کا معمول تھا، ایک دن مجھ سے کہا: بیٹا میں آج گھر کی تعمیر کرانے میں مشغول ہوں، تو جا اور جائداد وغیرہ کی دیکھ بھال کر آ اور مجھے کچھ ضروری چیزوں کی ہدایت کی، میں گھر سے جاگیر و جائداد کی نگرانی کے لیے نکلا، لیکن راستہ میں عیسائی کے ایک گرجا گھر کے پاس سے گزرا، جس میں عیسائی اپنی مخصوص عبادتوں میں مصروف تھے، ان کی آوازوں کو سن کر اندر گیا، مجھے ان کا طریقۂ نماز اور طرزِ عبادت بہت پسند آیا میں نے اپنے دل میں کہا۔ خدا کی قسم! یہ دین اس سے بہتر ہے جو ہم نے اختیار کر رکھا ہے۔ بخدا میں غروبِ آفتاب تک وہیں رہا، اور جاگیر کی نگرانی کے لیے نہ گیا۔

میں نے گرجا والوں سے دریافت کیا: اس دین کا مرکز کہاں ہے؟ انہوں نے مجھے بتایا ''شام'' میں! پھر میں اپنے گھر واپس لوٹ آیا، جب کہ میرے والد میری تلاش میں آدمی بھیج چکے تھے، باپ نے مجھ سے پوچھا، آج دن بھر کہاں تھے؟ کیا میں نے کچھ ضروری ہدایتیں نہ دی تھیں؟ میں نے کہا! ابا جان! آج جاگیر کی طرف جاتے ہوئے میرا گرجا کے پاس سے گزر ہوا میں نے دیکھا کہ کچھ لوگ اندر نماز پڑھ رہے ہیں اور مخصوص قسم کی عبادتوں میں مصروف ہیں۔ مجھے ان کا دین بہت پسند آیا، خدا کی قسم! شام تک میں انہیں کے پاس بیٹھا رہا میرے باپ نے یہ ساری باتیں سن کر کہا، بیٹا! اس دین میں کوئی خیر و بھلائی نہیں، تیرے آباء واجداد کا دین اس سے کہیں بہتر ہے۔

میں نے کہا ا باجان! ہرگز نہیں '' خدا کی قسم! ان لوگوں کا دین ہمارے دین سے بہت بہتر

ہے''! میرے باپ میری جانب سے یہ جواب پا کر بہت گھبرائے اور پریشان ہوئے، بس! انھوں نے مجھے گھر میں قید کر دیا اور میرے پاؤں میں زنجیر ڈال دی، ایک دن مجھے موقع ملا، تو میں نے عیسائیوں کے پاس یہ پیغام بھیجا۔ ''جب کوئی ملکِ ''شام'' جانے والا قافلہ آپ کے ہاں سے گزرے تو مجھے ضرور اطلاع دینا'' کچھ ہی دنوں کے بعد ایک عیسائی شامی تاجروں کا قافلہ وہاں آیا، گرجا والوں نے مجھے اطلاع کر دی، میں نے ان سے یہ کہلا بھیجا ''جب وہ اپنی ضرورتوں کو پوری کر کے اپنے ملک ''شام'' لوٹنے لگیں تو ضرور اطلاع دینا، اس قافلہ کی واپسی کا دن آیا، تو ان لوگوں نے مجھے اطلاع دے دی، میں نے زنجیر اتاری، اور قافلے کے ساتھ ہولیا، اور ''شام'' آیا، وہاں میں نے دریافت کیا: اس ملک میں اس دین کا سب سے اعلیٰ مذہبی شخصیت کا مالک کون ہے؟ لوگوں نے مجھے بتایا: چرچ کا نگرانِ اعلیٰ ''پوپ''۔

میں اس کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا مجھے اس دینِ عیسوی سے دلچسپی ہے اور میری دلی خواہش ہے کہ میں آپ کے پاس رہوں، آپ کی خدمت کرتا رہوں، عیسائی مذہب کی تعلیم حاصل کروں اور آپ کی رہنمائی میں عبادت کروں، میری معروضات سن کر اس نے مجھے اپنے پاس رہنے کی اجازت دے دی، میں اس کے ساتھ رہنے لگا اور اس کی خدمت کرنے لگا، کچھ ہی دنوں میں معلوم ہو گیا کہ یہ برا آدمی ہے، یہ اپنے ماننے والوں کو صدقہ وخیرات کرنے کا حکم دیتا ہے اور جب وہ اپنے مال ومتاع لے کر اس کی خدمت میں حاضر ہوتے تو یہ سارے مال کو دفینہ بنا لیتا، فقراء ومساکین کو اس میں سے کچھ نہ دیتا۔ اس طرح اس نے سات مٹکے سونے اور چاندی سے بھر لیے، اس کی ساری حرکتیں دیکھ کر مجھے اس سے بے حد نفرت ہو گئی، چند ہی دنوں کے بعد موت نے اسے آدبوچا، سارے عیسائی اسے دفن کرنے کے لیے جمع ہو گئے تو میں نے ان سے کہا: یہ پوپ برا آدمی تھا، یہ تمہیں صدقہ وخیرات کا حکم دیتا اور جب تم اپنے مالوں کو اس کے پاس لے کر آتے تو یہ سب مال خود ہڑپ کر جاتا، اس میں سے کچھ بھی فقراء ومساکین کو نہ دیتا۔

انہوں نے مجھ سے کہا: آپ کے پاس کیا دلیل ہے؟۔

میں نے کہا: تمہیں اس کا خفیہ دفینہ اور خزانہ بتاتا ہوں۔

---

(۱) مسندِ احمد: ۵/۴۴۱-۴۴۳۔

ہر ایک نے کہا: ضرور بتایئے!

میں نے انہیں وہ خفیہ جگہ بتائی، جب انہوں نے سونے اور چاندی کے بھرے ہوئے سات مٹکے دیکھے تو ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی، یہ مٹکے وہاں سے نکال لیے اور سب نے متفق ہو کر کہا: خدا کی قسم! ہم اسے کبھی بھی دفن نہیں کر سکتے، بال آخر انہوں نے اسے سولی پر لٹکا کر خوب اس پر پتھر برسائے۔

چند دن گزرنے کے بعد عیسائیوں نے اس خالی جگہ کو پر کرنے کے لیے ایک شخص کو لا کر رکھا میں نے دیکھا یہ شخص بہت بڑا زاہد، آخرت کا متمنی اور رات دن عبادت میں لگا رہنے والا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسا شخص میری آنکھوں نے کبھی نہ دیکھا تھا۔ اس کے یہ اوصاف دیکھ کر مجھے اس سے بے انتہا عقیدت و محبت ہو گئی، میں اس کی خدمت میں ایک لمبے عرصہ تک رہا، جب اس کی موت کا وقت قریب آیا تو میں نے اس کی خدمت میں عرض کیا، حضرت! مجھے آپ سے بے پناہ محبت ہے، آپ سے پہلے اپنی زندگی میں اتنی محبت کسی سے نہ ہوئی اب آپ کا آخری وقت ہے۔ اللہ کا حکم آپ کے چاروں طرف منڈلا رہا ہے، اب میں کیا کروں؟ کہاں جاؤں؟ میرے لیے کیا حکم ہے؟ اس نے لڑکھڑاتی ہوئی زبان میں کہا: اے میرے بیٹے! آج میں صحیح دیندار شخص کسی کو نہیں گردانتا، لوگوں میں کافی تبدیلیاں آچکی ہیں، اپنے دین کو بدل ڈالا ہے سارے لوگوں کے اعمال دین کے ہم آہنگ نہیں رہے۔ البتہ ''موصل'' میں ایک شخص رہتا ہے، جو ہمارے طریقہ پر قائم اور ہمارے مشن کو رائج کیے ہوئے ہے تم اس کے پاس چلے جانا، جب اس میرے مذہبی اور محبوب و مخدوم پیشوا کا انتقال ہو گیا تو میں تجہیز و تدفین سے فارغ ہو کر سیدھا ''موصل'' روانہ ہو گیا اور اس شخص سے ملاقات کی، میں نے اپنا تعارف کرانے کے بعد عرض کیا! مجھے فلاں پادری نے مرتے وقت وصیت کی کہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں، کیونکہ ان کے مشن پہ آپ ہی قائم ہیں وہ میری باتوں سے متاثر ہوا اور اپنے پاس رہنے کی بخوشی اجازت دے دی میں نے اس پادری کو بھی بہت بہتر پایا، یہ بھی پہلے مذہبی پیشوا کی طرح زاہد، عابد اور خدا ترس انسان تھا، لیکن تھوڑے ہی عرصہ بعد اس کا بھی وقتِ موعود آپہونچا، میں نے اس سے عرض کیا حضور! آپ جانتے ہیں، میں نے کس تلاش میں گھر، اور ناز و نعم کی زندگی کو خیر آباد کہا ہے اب آپ کا آخری وقت ہے، میرے لیے کیا حکم ہے؟ میں کس کے پاس جاؤں؟ فلاں پادری نے مجھے آپ کے پاس بھیجا تھا، اب آپ مجھے کس کے پاس جانے کا حکم دیتے ہیں؟ انہوں نے میری یہ معروضات سن کر کہا، بیٹا! میرے علم

میں ”نصیبین“ ہی میں ایک شخص ہے جو واقعی میرے مشن پہ قائم ہے۔ اس کے پاس چلے جانا، جب اس کا انتقال ہوگیا تو اس کو سپردِ خاک کیے جانے کے بعد سیدھے ”نصیبین“ کے لئے روانہ ہوگیا اور ”نصیبین“ کے رہنما سے جاملا میں نے اپنا تعارف کرانے کے بعد کہا: فلاں مذہبی شخص نے مجھے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے، میں مذہبی تعلیم حاصل کرنے کا متمنی ہوں، اس نے میری باتیں سن کر کہا، تم میرے پاس رہو۔ اس کے پاس رہنے لگا، اسے بھی پہلے دونوں کی طرح عابد، زاہد اور خداترس انسان پایا، خدا کی قسم! لقمۂ اجل نے اسے بھی اپنا نوالہ بنانا چاہا، یہ بھی اس دنیا سے چل بسنے کے قریب ہوگیا تو میں نے ان سے عرض کیا، حضرت! آپ میری تمنا سے بخوبی واقف ہیں، فلاں پادری نے فلاں کے پاس مجھے بھیجا اور فلاں پادری نے مجھے آپ کے پاس بھیجا، آپ مجھے کس کے بارے میں وصیت کررہے ہیں کہ میں ان کو اپنا رہنما بناؤں؟ اور میرے لیے کیا حکم ہے؟ اس نے جواب دیا: بیٹا! میرے علم میں صرف ایک ہی شخص ہے جو واقعی ہمارے مذہب اور ہمارے طریقہ پر قائم ہے وہ ”عموریہ“ میں رہتا ہے، اگر چاہو تو اسی کے پاس چلے جانا اور اسے اپنا رہنما بنالینا، جب اسے بھی مرنے کے بعد قبر میں اتار دیا گیا تو میں ”عموریہ“ کے پادری سے جاملا، اپنا تعارف کرانے کے بعد سابقہ پادری کے سارے احوال سنائے اور اس کی وصیت سے باخبر کیا، تو اس نے مجھے اپنے پاس رہنے کی اجازت دے دی، یہ بھی پچھلے پادریوں کے مانند نیک، متقی اور خداترس آدمی تھا، تعلیم کے ساتھ ساتھ یہاں میں نے کچھ کاروبار بھی کیا جس سے بہت سی گائیں اور بکریاں جمع ہوگئیں۔ لیکن یہ بھی زیادہ دن تک زندہ نہ رہ سکے کہ اللہ کا وقتِ موعود آگیا، میں نے حسبِ معمول عرض کیا، حضرت! مجھے فلاں مذہبی شخص نے فلاں کے پاس بھیجا، پھر فلاں پادری نے مجھے فلاں کے پاس بھیجا، پھر فلاں پادری نے مجھے آپ کے پاس بھیجا، آپ مجھے کس کے بارے میں وصیت کرتے ہیں؟ اور میرے لیے کیا حکم ہے؟

اس نے مجھے جواب دیا: اے میرے بیٹے! خدا کی قسم! میرے علم میں یہی ہے کہ اس روئے زمین پہ اب کوئی شخص باقی نہیں رہا جو میرے مشن پہ قائم ہو تو میں کس کے بارے میں وصیت کروں؟ اور کس کے پاس تمہیں بھیجوں؟ البتہ سرزمینِ عرب میں ایک نبی مبعوث ہونے والا ہے جو دینِ ابراہیمی لے کر آئے گا پھر وہ اپنے وطن سے ایک ایسے علاقہ کی طرف ہجرت کرے گا، جہاں سیاہ خشک

---

(۱) المستدرک علی الصحیحین للحاکم: ۵۹۹-۲۰۲/۳۔ قال الذهبي: هذا حديث جيد الإسناد، حكم الحاكم بصحته۔

سير أعلام النبلاء: ۱/۵۳۲۔

پتھروں کے درمیان کھجوروں کے باغات ہوں گے، اس کی چند واضح علامتیں اور ظاہر نشانیاں یہ ہیں: وہ ہدیہ تو کھالے گا لیکن صدقہ کی چیز نہیں کھائے گا، اور اس کے کندھوں کے درمیان مہرِ نبوت ہوگی۔ اگر تم اس علاقہ تک پہونچ سکتے ہو اور جا سکتے ہو تو ضرور جاؤ۔(۱)

قدیم عیسائی پادریوں کی عبادت کی ایک جھلک

مستدرک حاکم کی صحیح تفصیلی روایت میں حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے سببِ اسلام کا واقعہ کچھ مختلف ہے، جس کے اندر حضرت سلمان نے ان مذہبی رہنماؤں کی عبادتوں کا تفصیلی تذکرہ کیا ہے۔

جب حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ عیسائیوں کے ساتھ ملکِ شام آگئے، تو یہ لوگ ان کو پہاڑ پر لے گئے، کچھ ہی دیر میں غار سے ایک شخص نمودار ہوا اور سلام کیا، سارے لوگوں نے اسے گھیر لیا، اور اس کی بہت تعظیم وتکریم کی، اس نے دریافت کیا: تم لوگ کہاں تھے؟ حضرت سلمان فرماتے ہیں کہ میرے عیسائی ساتھیوں نے اسے اپنی ساری سرگذشت سنادی، پھر اس نے میرے بارے میں پوچھا یہ نوجوان لڑکا کون ہے؟ ان لوگوں نے میرا تعارف کرایا اور میری خوب تعریف کی، اس کے بعد اس شخص نے تقریر شروع کی، اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کرنے اور حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام پر درود وسلام بھیجنے کے بعد ان کی ولادت باسعادت کا تذکرہ کیا کہ یہ بغیر باپ کے اللہ کے حکم سے پیدا ہوئے، اللہ تعالیٰ نے انہیں رسول بنا کر اور کچھ معجزات دے کر بنی اسرائیل میں مبعوث فرمایا، کچھ لوگ ان پر ایمان لائے اور کچھ لوگوں نے ان پر ایمان لانے سے انکار کردیا، پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کا تذکرہ کیا کہ یہ مردوں کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے زندہ کردیتے، مٹی کے ٹھیکرہ کا پرندہ بنا کر اللہ تعالیٰ کے حکم سے پھونک مار کر اڑا دیتے، اندھے، کوڑھ کے مرض کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے دور کردیتے، اللہ تعالیٰ نے ان پر انجیل نازل کی اور انہیں توریت کا پڑھنا سکھایا۔ اس شخص نے اخیر میں زور دے کر یہ کہا کہ تم لوگ انجیل کو اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے فرمان کو لازم پکڑ لو، ان کی ہرگز مخالفت نہ کرو اس کے بعد مجھے نصیحت کر کے غار میں جانے لگے تو میں نے عرض کیا کہ میں بھی آپ کے ساتھ رہوں گا، آپ کی جدائیگی ہرگز برداشت نہیں کرسکتا، انہوں نے کہا! تم میری رفاقت برداشت نہیں کر پاؤ گے کیونکہ میں اس غار سے صرف اتوار ہی کے دن باہر آتا ہوں، میں رو رو کر کہنے لگا کہ میں آپ کا ساتھ کسی بھی حال میں نہیں چھوڑوں گا، ہر حال میں آپ ہی کے ساتھ رہوں گا، انہوں نے میری

درخواست قبول کرلی اور فرمایا کہ اگلے ہفتہ تک کھانے اور پینے کا سامان رکھ لو اور میرے ساتھ اندر آجاؤ، میں نے ان کے حکم کی تعمیل کی اور اندر داخل ہوگیا، میں نے انہیں اگلی اتوار تک نہ کچھ کھاتے اور نہ کچھ پیتے دیکھا، بلکہ صرف رکوع اور سجدہ ہی میں دیکھا، پھر اتوار کے دن غار سے باہر تشریف لائے، سارے لوگ انتظار میں کھڑے تھے، پھر علیک سلیک کے بعد نصیحت کرنا شروع کردی، انجیل کی آیت اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سیرت سنائی، پھر لوگوں سے کھانے پینے کا سامان لے کر ہم لوگ اندر آگئے، ہم لوگ ہر اتوار کو کچھ دیر کے لیے باہر آتے، لوگوں کو نصیحت کرتے اور اپنی ضروریات پوری کرکے اندر چلے جاتے۔

ایک اتوار کو وہ حسبِ معمول باہر آئے اور لوگوں کو نصیحت کرتے ہوئے یہ کہا کہ میں بوڑھا ہوچکا ہوں، میری موت قریب ہے، اس لڑکے کو تم لوگ اپنے ساتھ لے جاؤ، یہ سن کر میں بہت پریشان ہوا اور عرض کیا: اب تو آپ کی جدائیگی ہرگز برداشت نہیں کرسکتا۔ انہوں نے شفقت بھرے الفاظ میں کہا، بیٹے سلمان! تم نے میری حالت کا بغور معائنہ کرلیا ہے۔ اب تم میرے ساتھ نہیں رہ سکتے کیونکہ میں روزہ رکھوں گا، دن بھر چلوں گا اور رات بھر عبادت میں مشغول رہوں گا، اب میرے اندر اتنی طاقت نہیں کہ اپنے ساتھ توشۂ سفر لے کر چل سکوں، اور تیرے اندر اتنی قوت نہیں کہ دن بھر روزہ رکھ کر چلو اور رات بھر عبادت کرسکو میں نے عرض کیا! کچھ بھی ہوجائے میں آپ کا ساتھ نہیں چھوڑ سکتا، انہوں نے میرے اصرار کو دیکھ کر مجھے میرے حال پر چھوڑ دیا، لوگوں نے آبدیدہ ہوکر ہم لوگوں کو الوداع کہا۔ میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہوا ان کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ وہ اللہ کا ذکر کرتے ہوئے چل رہے تھے، نہ کسی جانب دیکھتے اور نہ ٹھہرتے، چلتے ہی رہے، شام کے وقت ایک جگہ ٹھہرے اور مجھ سے کہا: بیٹے! نماز پڑھ لو اور پھر سوجاؤ، پھر سوکر اٹھنا، تو کھالینا اور پی لینا، وہ خود رات بھر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہے، صبح ہوئی، پھر ہم لوگ اسی طرح چلنے لگے اور بیت المقدس پہونچ گئے۔ وہ اپنی نگاہ آسمان کی جانب نہیں اٹھاتے تھے، وہ بیت المقدس کے اندر تشریف لے گئے اور مقدس مقامات تلاش کرکر کے نماز پڑھتے رہے، پھر مجھ سے کہا: بیٹے سلمان! میں اب تک پلک جھپکنے کے برابر بھی نہیں سویا۔ اب سونا چاہ رہا ہوں، دیکھ! جب دھوپ کا سایہ فلاں جگہ تک آجائے تو ضرور جگادینا، وہ سوگئے، میں نے اپنے دل میں کہا: یہ کئی راتوں کے جاگے ہوئے ہیں، آج انہیں سوتا ہی چھوڑ دوں گا، جب نیند اچھی طرح پوری ہوجائے گی

---

(1) مسند احمد: ۵/ ۴۴۲-۴۴۳۔

تو جگاؤں گا۔ جب وہ راستہ میں چلتے تو مجھے نصیحت بھی کیا کرتے تھے، ایک مرتبہ نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: بیٹے! میرا پروردگار ایک ہی ہے، میرے سامنے جنت اور جہنم ہے، اور ربّ ذوالجلال کے سامنے سارے اعمال کا حساب بھی دینا ہے۔ جس طرح ہر اتوار کو لوگوں کو نصیحت کیا کرتے تھے اسی طرح مجھے نصیحت کرتے ہوئے چلتے تھے۔ یہ بھی فرمایا کرتے تھے: بیٹے سلمان! عنقریب سرزمین ''تہامہ'' سے ایک احمد نامی رسول مبعوث ہونے والے ہیں، انہوں نے بھی ان کی وہی علامتیں بتائیں جو پچھلے پادری نے بتائی تھی اور یہ بھی فرماتے تھے کہ یہی ان کے مبعوث ہونے کا زمانہ ہے، میں ضعیف اور بوڑھا ہو چکا ہوں، میرا یہ گمان نہیں کہ میں اس رسول کو پا سکوں، مگر تم انہیں پالو تو ضرور ان کی تصدیق کرنا اور ان کی اتباع کرنا، میں نے عرض کیا: اگر وہ مجھے آپ کے دین وملت کے چھوڑنے کا حکم دیں تو؟ انہوں نے فرمایا: إنّ رضی الرحمٰن فیما قال ''رحمٰن کی رضاء وخوشنودی ان ہی کے فرمانِ عالی کے ماننے میں ہے۔

الغرض: کچھ دیر کے بعد وہ خود ہی گھبرا کر اللہ کا ذکر کرتے ہوئے بیدار ہوئے اور کہا: اے بیٹے سلمان! دیکھو! سایہ کہاں تک آ گیا تو نے اب تک جگایا نہیں، میں نے عذر پیش کیا کہ آپ کئی راتوں کے جاگے ہوئے تھے اس لیے میری خواہش یہ تھی کہ آپ کی نیند کچھ پوری ہو جائے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی تعریف کی اور بیت المقدس کی جانب جانے لگے، ایک اپاہج کے پاس سے گذرے، اس نے شکوہ کیا: اے اللہ کے بندے: پہلی مرتبہ آئے، اس وقت بھی مجھے کچھ نہیں دیا، اب تو اللہ کے نام پر کچھ صدقہ کیجئے اور میری حالتِ زار پر رحم کھائیے۔ اس کے بار بار اصرار کرنے پر کہا: اے اللہ کے بندے! اپنا ہاتھ دے، بسم اللہ پڑھ کر ہاتھ پکڑا اور اسے کھڑا کیا وہ بالکل صحیح وتندرست ہو گیا، ایسا لگا کہ اس کے اندر کوئی عیب ہی نہیں تھا۔ اس نے مجھ سے کپڑا مانگا، تاکہ اسے پہن کر اپنے گھر والوں کو خوشخبری سنا کر آئے، میں نے اسے کپڑا دے دیا اور اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا، وہ بھاگتا گیا، میں اسے نہ پا سکا، میرے پاس سے قبیلۂ بنو کلب کا ایک قافلہ گذرا، ان میں سے کچھ لوگ مجھ سے بات کرنے لگے، لیکن میری زبان نہ سمجھ کر اپنی سواری پہ بٹھا لیا اور اپنے علاقہ میں لا کر فروخت کر دیا۔(۱)

مسندِ احمد کی تفصیلی روایت میں واقعہ کچھ اس طرح ہے۔ اس آخری مذہبی رہنما جس نے

---

(۱) مسندِ احمد: ۵/ ۴۴۳۔

(۲) استیعاب: ۲/ ۵۵۔

(۳) مسندِ احمد: ۵/ ۴۴۳-۴۴۴۔

(۴) صحیح بخاری: ۱/ ۵۵۵، رقم: ۳۹۴۶۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے کے متعلق کچھ علامتیں بتائی تھیں، اس کی وفات کے بعد میں ایک عرصہ تک ''عموریہ'' بستی میں رہا، ایک مرتبہ قبیلۂ بنوکلب کے عرب تاجر میرے پاس سے گذرے، میں نے ان سے کہا: اگر تم مجھے بھی اپنے ساتھ لے جاؤ تو میں اس کے عوض میں یہ سب گائیں اور بکریاں تم کو دے دوں گا، انہوں نے کہا: ہمیں یہ سودا منظور ہے، میں نے سارا مال ان کے حوالہ کر دیا اور انہوں نے مجھے اپنے ساتھ سوار کرلیا، جب ہم ''وادیٔ قریٰ'' میں پہونچے تو انہوں نے مجھے دھوکا دے کر ایک شخص کے ہاتھ فروخت کر دیا، مجھے مجبوراً اس کی غلامی میں رہنا پڑا لیکن کچھ عرصہ کے بعد بنوقریظہ سے اس کا چچازاد بھائی اس سے ملنے کے لیے آیا اور اس نے مجھے خرید لیا اور اپنے ساتھ ''یثرب'' لے گیا، وہاں میں نے کھجوروں کے وہ باغات دیکھے جو ''عموریہ'' کے پادری نے مجھے بتائے تھے، مجھے یقین ہوگیا کہ میری یہی آخری منزل ہے، میں یہاں بھی غلامی کے دن گذارنے لگا، دن بھر اس کا کام کرتا اور زندہ رہنے کے لیے دو وقت کا معمولی کھانا مل جاتا وہی سدِّ رمق کے لیے کافی تھا۔

ان دنوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ میں اپنی قوم کو دینِ اسلام کی دعوت دینے میں مصروف تھے، لیکن میں غلامی کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق زیادہ معلومات حاصل نہ کر سکا۔ تھوڑے ہی عرصہ بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے ''یثرب'' تشریف لائے، اس وقت میں کھجور کی چوٹی پر کام میں مصروف تھا، میرا مالک نیچے کھجور کے درخت کے پاس بیٹھا ہوا تھا، اس کا چچا زاد بھائی دوڑتا، ہانپتا، کانپتا ہوا آیا اور گھبراہٹ کے عالم میں کہنے لگا۔ خدا ''بنوقیلہ'' کو تباہ کرے، وہ آج ''قباء'' میں اس شخص کے استقبال کے لیے جارہے ہیں جو مکہ سے ہجرت کر کے آرہا ہے اور اس کا دعویٰ ہے کہ میں نبی ہوں۔ میں نے کھجور کی چوٹی پر اس کی بات سنی، تو میرے جسم میں کپکپی طاری ہوگئی، مجھے خطرہ ہوا کہیں میں نیچے نہ گر جاؤں جلدی سے نیچے اترا اور بے خودی میں آنے والے شخص سے کہا: خدا کے لیے آپ مجھے دوبارہ بتائیں۔ میری حالت دیکھ کر میرے آقا کو غصہ آگیا اور اس نے مجھے تابڑتوڑ کئی مکے رسید کر دیئے اور بڑبڑایا، تجھے اس سے کیا لینا دینا، چل تو اپنا کام کر۔

جب شام کا وقت ہوا تو میں نے کھجور کا تھیلا بغل میں دبایا اور جائے نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تلاش کرتے کرتے وہاں پہنچ گیا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ

---

(۱) سورۃ المائدۃ آیت: ۸۲۔

(۲) المستدرک: ۳/ ۶۰۲، قال الذہبی: ہذا حدیث جید الاسناد، وحکم الحاکم بصحتہ (سیر اعلام النبلاء: ۱/ ۵۳۲)

مجھے یہ پتہ چلا ہے کہ آپ ایک نیک صالح خداترس انسان ہیں اور آپ کے ہمراہ کچھ مسافر رفقاء بھی ہیں، یہ میرے پاس صدقہ کی کھجوریں ہیں جسے میں آپ کی خدمتِ اقدس میں لے کر حاضر ہوا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ کھجوریں لیں اور اپنے ساتھیوں سے ارشاد فرمایا: یہ کھجوریں کھالو اور خود اپنا دستِ مبارک روک لیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سے کچھ بھی نوش نہیں فرمائی۔ میں نے اپنے جی میں کہا یہ ایک نشانی پوری ہوئی، پھر میں واپس آ گیا، دوسرے دن اور کھجوریں لیں اور خدمتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو گیا اور عرض کیا آپ صدقہ نہیں کھاتے ہیں اس لیے یہ بطور ہدیہ کچھ کھجوریں آپ کی خدمتِ اقدس میں پیش کر رہا ہوں، براہِ کرم قبول فرمالیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قبول فرمالیا، خود بھی نوش فرمائیں اور صحابۂ کرام کو بھی کھلائیں، میں نے اپنے دل میں کہا: دوسری نشانی پوری ہوئی، پھر میں تیسری مرتبہ دربارِ نبوی میں حاضر ہوا، اس مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جنت البقیع میں اپنے ایک صحابی کی تدفین کے لیے تشریف فرما تھے، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو چادرِ مبارک زیبِ تن کر رکھی تھیں، میں نے السلام علیکم کہا: اور اس مہرِ نبوت کی تلاش میں لگ گیا جو ”عموریہ“ کے پادری نے مجھے بتائی تھی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مجھے اس حال میں دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھانپ گئے کہ میں کیا چاہتا ہوں، آپ نے اسی وقت اپنی چادر مبارک کندھے سے نیچے کی جانب کھسکا دی فوراً مہرِ نبوت پر میری نظر پڑ گئی اسے دیکھتے ہی چومنے کے لیے جھکا اور زار وقطار رونے لگا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب میری یہ کیفیت دیکھی تو شفقت بھرے انداز میں مجھے تھپکی دی اور پاس بٹھا کر ارشاد فرمایا، کیا بات ہے؟ میں نے اپنی درد بھری طویل داستان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنائی آپ صلی اللہ علیہ وسلم بغور بڑی دلچسپی کے ساتھ سنتے رہے اور اس کے بعد مجھ سے فرمایا کہ ان صحابہ کو بھی یہ داستان سنا دو، میں نے دوبارہ وہ طویل داستان سنائی، وہ سن کر بہت خوش ہوئے کہ میں نے بڑی محنت وجانفشانی کے بعد اپنی اصل منزل کو پالیا۔(۱)

حضرت سلمان کی غلامی سے نجات

لیکن یہودی کی غلامی زندگی سے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو آزادی نہیں ملی، جس کی

---

(۱) الاستیعاب: ۲/ ۵۵، فتح الباری: ۷/ ۳۰۵۔

(۲) مسندِ احمد: ۵/ ۴۴۴۔

(۳) صحیح مسلم: ۲/ ۳۶۹، الفتن۔

(۴) البدایہ والنہایہ: ۷/ ۶۴-۶۸۔

بنا پر غزوۂ بدر اور غزوۂ احد میں شریک نہ ہو سکے، ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے سلمان! تو اپنے مالک کو مال وغیرہ دے کر آزادی حاصل کرلے، میں نے اپنے مالک سے گفتگو کی، تو اس نے یہ شرط لگائی کہ تین سو کھجور کے درخت اس طرح لگاؤ کہ ہر درخت پھل دار ہو جائے اور چالیس اوقیہ سونا ادا کرو تب تم آزاد ہو جاؤ گے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو اس شرط کی اطلاع دی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام سے فرمایا: تم اپنے بھائی سلمان کی مدد کرو، ہر ایک نے مدد کی، کوئی تیس کھجور کے پودے لے کر آئے، کوئی بیس، کوئی پندرہ، اس طرح سے تین سو کھجور کے پودے جمع ہو گئے پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا، اے سلمان! تم جاؤ، ان تین سو پودوں کے لیے گڑھے کھودو، میں ہر ایک کو اپنے ہاتھ سے گڑھے میں رکھوں گا، میں اور میرے ساتھی چلے، گڑھے کھودنے میں لگ گئے، جب گڑھے کھود لیے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی، آپ نے اپنے دستِ مبارک سے تین سو پودے لگائے، خدا کی قسم! سارے پودے اگ گئے اور کچھ ہی دنوں میں پھل دار ہو گئے۔ (۱)

ایک روایت میں ہے کہ صرف ایک پودا پھل دار نہیں ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: یہ پودا کس نے لگایا؟ لوگوں نے عرض کیا: عمر نے! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اکھاڑ دیا اور اس کی جگہ خود اپنے دستِ مبارک سے پودا لگایا، وہ بھی اسی سال پھل دینے لگا۔ (۲)

دوسری شرط: چالیس اوقیہ سونے کا ادا کرنا تھا۔ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کسی جنگ سے مالِ غنیمت کے طور پر ایک مرغی کے انڈا کے بقدر سونا آیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے طلب فرمایا: میں حاضرِ خدمت ہو گیا، آپ نے اس سونے کا انڈا دے کر مجھ سے فرمایا: جاؤ، اس مال کو مالک کو دے کر اس شرط سے بھی سبکدوش ہو جاؤ، میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! یہ سونا بہت تھوڑا ہے، اس سے آزادی کہاں مل سکتی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اسے لے تو جاؤ یقیناً اللہ تعالیٰ تمہارے مالک کی شرط کو اس سے پورا کر دیں گے، میں لے کر چلا، جب وزن کیا تو چالیس اوقیہ کے بقدر اس کا وزن ہوا، میں اپنے مالک کو دے کر شرفِ آزادی سے بہرہ ور ہو گیا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہر جنگ میں شریک رہا۔ (۳)

---

(۱) الاصابۃ: ۲/۵۹۔

(۲) طبقات ابن سعد: ۴/۸۳۔

(۳) سورۂ جمعہ آیت: ۳۔

(۴) صحیح بخاری: ۲/۷۲۷، رقم: ۴۸۹۷۔

(۵) صحیح بخاری: ۲/۳۱۲، رقم: ۲۵۴۶، فضائل الفرس۔

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں دس آدمیوں سے زائد کے پاس غلامی کی زندگی گذار چکا ہوں، ایک مالک سے دوسرا مالک مجھے خرید لیتا، پھر تیسرا خریدتا، ایسے ہی کرتے کرتے دس سے زائد افراد کے پاس رہ کر غلامیت نبھائی ہے۔ (۴)

قدیم پادریوں کے سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانِ عالی

ایک دن حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا، اے اللہ کے رسول! دینِ نصاری اور دینِ عیسائیت کے سلسلہ میں آپ کی کیا رائے ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عیسائیوں میں کوئی خیر و بھلائی نہیں اور نہ ان کے اندر کوئی دین و مذہب ہے یہ فرمانِ عالی مجھ پر بہت گراں گذرا، میں نے اپنے جی میں کہا جس شخص نے اپاہج کو صحت و تندرست کر دیا ہو ایسے شخص میں کوئی خیر نہیں اور کوئی دین نہیں۔ میں بہت پریشان ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلسِ مبارکہ سے اٹھا، میرے دل میں یہ بات بہت زیادہ کھٹکتی رہی کہ اللہ تعالیٰ نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت کریمہ نازل کی **"ذلک بان منهم قسسين و رهبانا و أنهم لايستكبرون"** اور آپ ان میں مسلمانوں کے ساتھ دوستی کے قریب تر ان لوگوں کو پائیں گے جو اپنے کو نصاری کہتے ہیں، یہ اس سبب سے ہے کہ ان میں بہت سے علم دوست عالم ہیں، اور بہت سے تارکِ دنیا اور درویش ہیں اور یہ اس سبب سے ہے کہ یہ لوگ متکبر نہیں ہیں۔ (۱) اس آیت کے نزول کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے طلب فرمایا: میں ڈرتا ہوا حاضرِ خدمت ہوا، آپ نے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر اسی آیت کریمہ کی تلاوت کی اور فرمایا: اے سلمان! تم جن لوگوں کے ساتھ تھے وہ نصاری نہیں تھے بلکہ مسلمان تھے۔ میں نے عرض کیا: ربِّ ذوالجلال کی قسم! یہی وجہ ہے کہ اس نے آپ کی اتباع کرنے کا مجھے حکم دیا، جب کہ میں نے ان سے یہ بھی کہا: اگر تمہارے دین کو چھوڑنے کا حکم دیا تو؟ انہوں نے یہی جواب دیا تھا، ہاں! اگر میرے دین کے چھوڑنے کا حکم دیں تو چھوڑ دینا، حق اسی کی اطاعت و فرماں برداری میں ہے۔ (۲)

---

(۱) الخیرات الحسان فی مناقب الامام الاعظم: / ۲۳۔ (۲) مسندِ احمد: ۵/ ۳۵۱۔ سنن ترمذی: ۲/ ۲۱۳۔

(۳) جامع ترمذی: ۲/ ۲۲۰۔ وقال: ھذا حدیث حسن غریب۔ (۴) جامع ترمذی: ۲/ ۲۱۹۔

(۵) صحیح مسلم: ۲/ ۳۰۴، مناقب سلمان وصہیب۔

جنگی کارنامے

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی اسلام میں کفر کے خلاف پہلی جنگ غزوۂ خندق ہے، غزوۂ خندق کے موقع پر جب مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ کفار کا دس ہزار لشکرِ جرار مدینہ منورہ پر حملہ آور ہونے والا ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام سے مشورہ طلب فرمایا: حضرت سلمان نے مشورہ دیا کہ ایسی صورت میں کھلے میدان میں مقابلہ مناسب نہیں، بلکہ حفاظت اور بچاؤ کے لیے خندق کھودی جائے تاکہ دشمن پار کر کے نہ آسکیں، سب نے اس مشورہ کو پسند کیا اور اسی مشورہ پر عمل کیا گیا، عرب میں خندق کا رواج نہیں تھا، جب کفارِ عرب نے اس خندق کو دیکھا تو ان کے ہوش چکرا گئے اور عقلیں حیران ہوگئیں اور یہ کہنے لگے "**هذه مكيدة ما كانت العرب تكيدها**" یہ چال، یہ تدبیر کسی عرب کی نہیں ہوسکتی۔ (۱)

اس غزوۂ خندق اور بقیہ تمام غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک رہے۔

فتوحاتِ عراق میں بھی مجاہدین اسلام کے دوش بدوش رہ کر لڑے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں اسلامی لشکر کے ساتھ انہوں نے اس کے ایک زبردست قلعہ کا محاصرہ کیا، ان کے ساتھیوں نے کہا: اے ابوعبداللہ! کیا آپ دشمنوں سے جنگ نہیں کریں گے، انہوں نے فرمایا: جب تک انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے مطابق دعوتِ اسلام نہیں دے لیتا، اس وقت تک جنگ نہیں کرسکتا، آپ اہلِ فارس کے پاس گئے، گفتگو کی اور کہا: میں فارسی النسل آدمی ہوں، میرا تعلق تمہارے ہی علاقہ سے ہے، اہلِ عرب بخوبی میری بات مانتے ہیں۔ تین چیزوں میں سے ایک چیز کو اختیار کرلو!

۱۔ اسلام قبول کرلو ۲۔ اگر اسلام قبول نہیں کرتے تو ذلت کے ہاتھوں جزیہ اور ٹیکس مسلمانوں کو ادا کرو ۳۔ ورنہ جنگ کے لیے تیار ہوجاؤ۔ ہمارے تمہارے درمیان فیصلہ تلوار ہی کرے گی۔

وہ لوگ جنگ کرنے پر آمادہ ہوگئے، یہ اسی طرح تین دن تک دعوت دیتے رہے، لیکن وہ جنگ کرنے پر مصر رہے، بالآخر جنگ ہوئی۔ مسلمانوں کو بحکمِ خداوندی فتح وکامرانی ملی۔ (۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسریٰ کے خزانے اور قصرِ ابیض کے مشہور شہرِ مدائن کی فتح کی

---

(۱) المستدرک: ۳/ ۲۸۵، حلیۃ: ۱/ ۱۸۵۔ (۲) الاستیعاب: ۲/ ۵۶۔

پیشین گوئی مسلمانوں کو ان الفاظ سے دی تھی "**لتفتحن عصابة من المسلمين كنز آل كسرى الذي في الأبيض**" مسلمانوں کی ایک جماعت خاندانِ کسریٰ کے خزانہ کو فتح کرے گی جو قصرِ ابیض میں ہوگا۔ (۳) ماہِ صفر ۱۴ھ میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی قیادت میں یہ ایرانی دارالسلطنت فتح ہوئی (۴)

اور اس جنگ میں حضرت سلمان بھی شریک رہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں کو یہ ایرانی دارالسلطنت "مدائن" کا امیر و گورنر بنایا۔ (۱)

حضرت سلمان پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں

۱۔ غزوۂ خندق کے موقع پر خندق کھودتے وقت حضرت سلمان کے سلسلہ میں مہاجرین اور انصار کے مابین اختلاف ہوگیا، یہ مضبوط اور طاقت ور آدمی تھے، مہاجرین کہنے لگے! "**سلمان منا**" بھائی سلمان ہم مہاجرین میں سے ہیں اور انصار یہ دعویٰ کرنے لگے کہ نہیں، بلکہ بھائی سلمان ہم انصار میں سے ہیں۔ جب اس اختلاف کا علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوا تو فرمایا: "**سلمان منا أهل البيت**" سلمان ہمارے اہل بیت میں سے ہے۔ (۲)

۲۔ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سورۂ جمعہ کی یہ آیت نازل ہوئی "**وآخرين منهم لما يلحقوا بهم الأية**" اس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک دوسرے لوگوں کے واسطے بھی ان ہی میں بھیجا جو ابھی ان میں نہیں ملے۔ (۳)

میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! یہ دوسرے کون لوگ ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی جواب نہیں دیا، آخر یہی سوال تین مرتبہ کیا اور ہماری مجلس میں حضرت سلمان فارسی بھی موجود تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلمان فارسی پر اپنا دستِ مبارک رکھ کر فرمایا: "**لو كان الإيمان**

---

(۱) صحیح بخاری: ۲/ ۹۰۶، نمبر: ۶۱۳۹۔

(۲) طبقات ابن سعد: ۴/ ۸۵۔

(۳) طبقات ابن سعد: ۴/ ۸۵۔

(۴) صفحہ نمبر: ۴۶۔۴۷

(۵) مجمع الزوائد: ۹/ ۳۴۳، ونسبہ إلی الطبرانی فی الأوسط۔

(۶) سورۃ الرعد: / ۴۳۔

(۷) تفسیر طبری: ۱۳/ ۱۷۷۔

(۸) المعجم الکبیر للطبرانی حدیث نمبر ۶۰۴۱، الحلیۃ: ۱/ ۱۸۷۔

عندالثریا لنالہ رجال أو رجل من ھؤلاء" اگر ایمان ثریا پر جا پہونچے تب بھی ان کی قوم کے کچھ لوگ ۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (راوی کو شک ہے)۔ یا ان میں سے ایک شخص وہاں سے لے آئے گا۔ (۴) صحیح مسلم میں یہ الفاظ آئے ہیں: "لو کان الدین عند الثریا لذھب بہ رجل من فارس حتی یتناولہ" اگر دین یا علم ثریا پر جا پہنچے گا تب بھی فارس کا ایک آدمی وہاں سے جا کر لے آئے گا۔ (۵)

علامہ جلال الدین سیوطی شافعی نے تسلیم کیا ہے کہ اس پیشین گوئی کے بڑے مصداق امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت ہیں مذکورہ حدیث کے ضمن میں فرماتے ہیں: **ھذا أصل صحیح یعتمد علیہ في البشارۃ بأبي حنیفۃ في الفضیلۃ التامۃ** (۱)

۳۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ میرے صحابہ میں سے چار شخص سے خاص محبت کرتے ہیں اور مجھے بھی حکم دیا کہ میں ان سے محبت کروں، وہ یہ ہیں: حضرت علی، حضرت ابوذر، حضرت سلمان اور حضرت مقداد رضی اللہ عنہم۔ (۲)

۴۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جنت تین شخصوں کی مشتاق ہے۔ علی، سلمان، اور عمار رضی اللہ عنہم۔ (۳)

۵۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہر نبی کو اللہ تعالیٰ نے سات نقیب، محافظ و نگراں عطا فرمائے ہیں اور مجھے چودہ، ان میں سے ایک سلمان بھی ہے۔ (۴)

۶۔ ایک مرتبہ ابوسفیان حضرت سلمان، صہیب اور حضرت بلال رضی اللہ عنہم کے پاس آیا اور بھی کچھ لوگ وہاں موجود تھے، ان بزرگوں نے ابوسفیان کو دیکھ کر فرمایا: اللہ کی تلواریں رب ذوالجلال کے دشمن کی گردن پر اب تک نہیں پہونچیں، یہ خدا کا دشمن یونہی گھوم رہا ہے اور اب تک مارا نہیں گیا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان حضرات کا جملہ سن کر فرمایا تم لوگ قریش کے شیخ اور سردار کے حق میں ایسا کہتے ہو۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مصلحت سے ایسا فرمایا کہ کہیں ابوسفیان ناراض ہو کر اسلام قبول نہ کرے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں تشریف لے گئے اور سارا قصہ کہہ

---

(۱) طبقات ابن سعد: ۴/۸۶، الحلیۃ: ۱/۱۸۷۔

(۲) سیر اعلام النبلاء: ۲/۳۴۳۔

(۳) سیر أعلام النبلاء: ۱/۵۴۴۔

(۴) مصنف عبدالرزاق حدیث نمبر: ۲۰۹۴۲۔

سنایا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوبکر! تم نے شاید ان لوگوں کو ناراض کر دیا، اگر تم نے ان کو ناراض کیا تو حقیقت میں اپنے پروردگار کو ناراض کیا، یہ سن کر حضرت ابوبکر ان بزرگوں کے پاس آئے اور فرمایا: اے بھائیو! میں نے تم لوگوں کو ناراض کر دیا ہے، وہ بولے! اے میرے بھائی! ایسی ناراضگی کی کوئی بات نہیں ہے، اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے۔ (۵)

۷۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ چار حضرات اسلام قبول کرنے میں پیش پیش ہیں۔ ان میں حضرت سلمان کا ذکر ان الفاظ سے فرمایا: "سلمان سابق فارس" سلمان اہلِ فارس میں اسلام قبول کرنے میں سبقت لے جانے والے ہیں۔ (۱)

۸۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی خاطر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک مخصوص مجلس تھی، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے رات کی تنہائی میں ملتے تھے، اتنی دیر تک آپ دونوں بزرگوار ساتھ رہتے کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتظار کی وجہ سے نیند آنے لگتی تھی۔ (۲)

علمی مقام

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہما کے درمیان مواخات کرائی تھی۔ تو آپ حضرت ابوالدرداء سے ملاقات کرنے جایا کرتے تھے، ایک مرتبہ آپ ان سے ملاقات کرنے کے لیے تشریف لے گئے تو ان کی اہلیہ محترمہ ام الدرداء کو میلے کچیلے کپڑے پہنے ہوئے دیکھا، آپ نے پوچھا، بھاوج کیا حال ہے؟ انہوں نے عرض کیا، تمہارے بھائی ابوالدرداء میں دنیا داری نہیں رہی، اتنے میں حضرت ابوالدرداء آ گئے، انہوں نے آپ کے لیے کھانا تیار کیا اور کہنے لگے آپ کھائیے، میں تو روزہ سے ہوں، آپ نے فرمایا: میں تو کھاتا نہیں، جب تک آپ بھی نہیں کھاتے، حضرت ابوالدرداء نے روزہ توڑ ڈالا اور آپ کے ساتھ کھانا کھانے میں شریک ہو گئے، جب رات ہوئی تو حضرت ابوالدرداء تہجد کے لیے اٹھنے لگے، آپ نے فرمایا: ابھی سو جایئے وہ سو رہے، پھر

---

(۱) صفۃ الصفوۃ: ۱/ ۵۴۴۔ (۲) معجم کبیر للطبرانی حدیث نمبر: ۶۰۷۱۔

(۳) سیر اعلام النبلاء: ۱/ ۵۰۵۔

اٹھنے لگے تو آپ نے فرمایا: ابھی سوجایئے وہ سو رہے، جب اخیر رات ہوئی، تو آپ نے فرمایا: اب اٹھیے، خیر دونوں نے تہجد کی نماز پڑھی، پھر آپ نے حضرت ابوالدرداء کو نصیحت کی اور فرمایا: پروردگار کا آپ پر حق ہے، آپ کی جان کا بھی آپ پر حق ہے اور آپ کی بیوی کا بھی آپ پر حق ہے، تو ہر ایک حق والے کا حق ادا کیجیے۔ حضرت ابوالدرادرضی اللہ عنہ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں جا پہنچے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **"صدق سلمان"** سلمان سچ کہتا ہے۔ (۱) طبقات کی روایت میں **"أشبع سلمان علماً"** (سلمان کو علم سے بھر دیا گیا ہے) کے الفاظ آئے ہیں۔ (۲)

ایک مرتبہ حضرت سلمان نے حضرت ابوالدرداء کو سمجھایا کہ جمعہ کی پوری رات کو نمازِ تہجد کے لیے اور ہفتہ کے دن کو روزہ کے لیے خاص مت کیجئے۔ پھر دربارِ رسالت میں دونوں تشریف لائے، حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوالدرداء کی ران پر مارتے ہوئے اور ہاتھ پھیرتے ہوئے فرمایا: **"عویمر! سلمان اعلم منک"** اے عویمر (یہ حضرت ابوالدرداء کا نام ہے)! سلمان تم سے زیادہ علم رکھتے ہیں۔ یہ جملہ تین مرتبہ دہرایا، پھر فرمایا: ہاں! جمعہ کی رات کو نمازِ تہجد کے لیے اور ہفتہ کے دن کو روزہ کے لیے خاص مت کرو (۳) جب کہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکیم ال اُمت کا لقب دیا ہے اور یہ علم کے پہاڑ ہیں جیسا کہ ان کے حالات میں گذرا وہاں مراجعت کی جائے۔ (۴)

ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان کے علمی مقام کو ان الفاظ سے اجاگر کیا: **"ثکلت سلمان أمه لقد اتسع من العلم"** سلمان کی ماں روئے (یہ جملہ اہلِ عرب تعریف کے موقع پر بھی استعمال کرتے ہیں) اس کا علم بہت زیادہ وسیع ہے۔ (۵)

حضرت قتادۃ اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں **"ومن عنده علم الكتب"** (آپ فرما دیجیے! کہ میرے اور تمہارے درمیان (میری نبوت پر) اللہ تعالیٰ اور وہ شخص جس کے پاس (آسمانی) کتاب کا علم ہے، گواہ کے لیے کافی ہے۔) (۶) حضرت سلمان فارسی اور حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہما

---

(۱) صحیح مسلم: ۲/ ۱۴۲، ال إمارة، فضل الرباط، نسائی: ۲/ ۵۱۔ (۲) صفة الصفوة: ۱/ ۵۴۴۔

(۳) سیر اعلام النبلاء: ۱/ ۵۰۵۔ (۴) طبقات ابن سعد: ۴/ ۸۶-۸۷۔

(۵) ال إستيعاب: ۲/ ۵۵۔

اس آیت کے مصداق ہیں۔ (۷)

لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضرت سلمان کے علم کے سلسلہ میں دریافت کیا، انہوں نے جواب میں فرمایا: انہوں نے اگلا پچھلا علم جمع کرلیا ہے "بحرٌ لا ینزف" اور علم کے دریا ہیں جس کی کوئی تھاہ نہیں۔ (۸)

ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ کے سلسلہ میں دریافت کئے جانے کے وقت فرمایا: تم میں لقمان حکیم جیسا کون ہے؟ یہ سلمان ہی ہیں!! یہ ہم میں اور ہمارے اہل بیت میں سے ہیں، انہوں نے اگلا پچھلا سارا علم جمع کرلیا ہے، اگلی پچھلی ساری آسمانی کتابیں پڑھ رکھی ہیں، وہ ایک ناپیدا کنار دریائے علم ہیں۔ (۱)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ مرض الوفات میں مبتلا ہیں، ایک شخص رو رو کر کہہ رہا ہے، اب علم حاصل کرنے کس کے پاس جائیں؟ تو فرمایا: چار شخص سے علم حاصل کرو۔ حضرت ابوالدرداء، حضرت سلمان فارسی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہم۔ (۲)

اپنے کمالِ علمی کے بارے میں خود حضرت سلمان فرماتے ہیں: اگر میں اپنے علم کو لوگوں کے سامنے بیان کرنے لگوں تو لوگ مجھے جان سے مارڈالیں۔ (۳)

حضرت سلمان فارسی کی کمالِ علمی ہی کی بات ہے کہ اپنے آپ کو "سلمان ابن الاِسلام" اسلام کا بیٹا کہا کرتے تھے، ایک مرتبہ حضرت سلمان اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما کے مابین کچھ اختلاف ہوگیا، حضرت سعد نے یہ کہہ دیا: اے سلمان! اپنا نسب نامہ بتایئے؟ انہوں نے فرمایا: دین اسلام میں میرا کوئی باپ نہیں، بلکہ میں سلمان ابن ال اِسلام ہوں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس جھگڑے کا علم ہوا، انہوں نے حضرت سعد سے ملاقات کی اور فرمایا: اے سعد! تم اپنا نسب بتاؤ؟ انہوں نے فرمایا: اے امیر المؤمنین! آپ کو اللہ کا واسطہ دیتا ہوں، رہنے دیجئے، لیکن حضرت عمر مصر رہے کہ تم اپنا نسب بتائے بغیر یہاں سے نہیں ہٹ سکتے بال آخر انہوں نے اپنا نسب بتایا، تو حضرت عمر نے فرمایا: قریشیوں کو خوب معلوم ہے کہ میرا باپ "خطاب" زمانۂ

---

(۱) طبقات: ۴/ ۸۹، صفۃ الصفوۃ: ۱/ ۵۴۱۔
(۲) طبقات: ۴/ ۸۹، صفۃ الصفوۃ: ۱/ ۵۴۳۔
(۳) طبقات: ۴/ ۸۹۔
(۴) طبقات: ۴/ ۸۹، صفوۃ: ۱/ ۵۳۸، ال اِستیعاب: ۲/ ۵۷۔

جاہلیت میں بہت معزز تھا، لیکن وہ مسلمان نہیں ہوا، اس لیے میں باپ کی جانب نسبت کیے جانے کو ناپسند کرتا ہوں، میں بھی اپنے آپ کو ”عمر ابن الإسلام‘ اسلام کا بیٹا عمر کہتا ہوں اور میں سلمان ابن الاسلام کا بھائی ہوں، سنو! میں تمہیں سزا دیتا، لیکن کیا تمہیں معلوم نہیں کہ کوئی شخص اپنے آپ کو نو باپوں کی جانب منسوب کرے تو اس کا دسواں باپ ضرور جہنمی ہوگا، تو اپنے جہنمی باپ پر فخر کرنا کیا یہ فخر کی بات ہے!!۔ (۴)

ایک قریشی شخص حضرت سلمان کے سامنے اپنے نسب پر خوب فخر کرنے لگا اور شیخی بگھارنے لگا، انہوں نے سن کر یہ جواب دیا: میری پیدائش بدبودار اور گندے نطفہ سے ہوئی ہے، پھر میں مرنے کے بعد ایک بدبودار لاش ہو جاؤں گا، پھر مجھے میزان اور ترازو کے سامنے لا کھڑا کیا جائے گا، اگر میرے اعمال کا پلہ بھاری ہوا تو میں کریم اور معزز ہوں اور اگر اعمال کا پلہ ہلکا ہوا تو میں کمینہ اور بہت ذلیل ہوں۔ (۱)

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت سلمان خادم بن کر رہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت سے علوم و معارف حاصل کیے، ان کا منشا و مقصد ہی علومِ نبوت کا حاصل کرنا تھا، علم کے شوق و لگن نے ہی ان کو اپنے وطن ”اصبہان“ یا ”رامھُرمز“ کو الوادع کہنے اور ملکِ شام آنے پر مجبور کیا اور علم حاصل کرتے کرتے اور دردر کی ٹھوکریں کھاتے کھاتے آستانۂ نبوت پر آپہونچے۔ (۲)

تعدادِ حدیث

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی احادیث کی تعداد ساٹھ ہے، جن میں سے صحیح بخاری میں چار، صحیح مسلم میں تین اور بقیہ دیگر کتبِ احادیث میں ہیں۔ (۳)

مجلسِ درس

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی مجلسِ درس کی کوئی مخصوص جگہ نہیں تھی، موقع محل کے اعتبار سے حدیث پاک بیان فرما دیتے۔ یا لوگوں میں وعظ و نصیحت کرنا، یا کسی چیز کے سلسلہ میں ترغیب دینا ضروری سمجھتے تو اسی وقت اور اسی مناسبت سے حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرماتے۔ قاسم ابو عبدالرحمن کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ہمارے یہاں حضرت سلمان تشریف لائے، لوگ خلیفۂ وقت کے

---

(۱) طبقات: ابن سعد: ۴/ ۸۷۔ (۲) طبقات: ۴/ ۸۷-۸۸۔

استقبال کرنے کے مانند ان کے استقبال کے لیے نکلے، ہر ایک نے سلام کیا، پھر انہوں نے عصر کی نماز پڑھائی اور نماز کے بعد حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے بارے میں معلوم کیا، لوگوں نے بتایا، وہ سرحد پہ اسلامی فوج کے ساتھ پڑاؤ ڈالے ہوئے ہیں۔ حضرت سلمان نے دریافت کیا، کس سرحد پہ؟ بتایا گیا، بیروت کی سرحد پہ! اتنا سن کر یہ اس کی جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا: اے اہلِ بیروت! کیا میں تمہیں ایک ایسی حدیث پاک نہ سناؤں جو سرحد پہ پیش آنے والی تمام مشقتوں کو کافور کردے اور ازالۂ غم کا سامان کردے؟ سنو! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ کی راہ میں ایک دن ورات پہرہ دینا اور سرحد کی حفاظت کرنا، ایک مہینہ بھر روزہ رکھنے اور عبادت کرنے سے افضل ہے جو پہرہ دینے کی حالت میں مرجائے تو اس کا یہ عمل ہمیشہ ہمیش جاری رہے گا، یعنی اس کو قیامت تک مسلسل پہرہ دینے اور چوکیداری کرنے کا ثواب ملتا ہی رہے گا اور فتنۂ عذابِ قبر سے بچ جائے گا۔ (۱)

قبیلۂ بنو عبس کا ایک شخص حضرت سلمان کے پاس علم حاصل کرنے کے لیے آیا اور ان کے ساتھ رہنے لگا، یہ شخص کسی بھی کام میں مشغول ہوتا تو حضرت سلمان بھی اس کام میں اس کا ہاتھ بٹاتے۔ ایک دن دریاء دجلہ کے کنارے سے گذر رہے تھے، پانی خوب بہہ رہا تھا، انہوں نے فرمایا: اے شخص! دریا کا پانی پی اور خوب آسودہ ہو کر پی اس نے شکم سیر ہو کر پی لیا، انہوں نے دریافت کیا دریا کا پانی تمہارے پینے کی وجہ سے کتنا کم ہوا؟ اس نے جواب دیا! کچھ بھی نہیں، انہوں نے فرمایا: یہی علم کی مثال ہے، علم جتنا بھی حاصل کرلو علم میں کبھی کمی نہیں آسکتی، لہٰذا علمِ نافع خوب حاصل کرو۔ (۲)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے شاگردانِ کرام میں صحابیٔ رسول حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت انس بن مالک اور حضرت ابوالطفیل رضوان اللہ علیہم ہیں اور کبارِ تابعین میں ابوعثمان نہدی، شرحبیل ابن سمط، عبدالرحمن بن یزید نخعی وغیرہ ہیں۔ (۳)

قناعت، زہد وتقویٰ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے عہدِ خلافت میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو چار یا پانچ ہزار درہم وظیفہ دیا کرتے تھے، آپ سارے وظیفہ کے روپے کو غرباء اور مسکینوں پر صدقہ کردیتے اور

---

(۱) سنن ابن ماجہ: / ۳۰۲، رقم ۴۱۰۴، معجم کبیر (۶۱۷۰) صحیح ابن حبان (۴۴۸۰)

مدائن کے والی وگورنر ہونے کے باوجود اپنے ہاتھ سے کھجور کے پتوں کی ٹوکریاں وغیرہ بناتے اور اسی کمائی کو اپنی ضرورتوں میں استعمال کرتے۔ (۴) علامہ ابن عبدالبر فرماتے ہیں: حضرت سلمان نے کھجور کے پتوں کی ٹوکریاں وغیرہ بنانے کا کام مدینہ منورہ میں کسی انصار کے غلام سے سیکھا تھا۔ (۵)

نعمان بن حمید کا بیان ہے، ایک دن میں اپنے ماموں کے ساتھ مدائن کے گورنر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے ملاقات کرنے کے لیے گیا، آپ کھجور کے پتوں سے ٹوکریاں بنا رہے تھے، اس وقت میں نے آپ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں ایک درہم میں کھجور کے پتے خریدتا ہوں اور اس سے ٹوکریاں بنا کر تین درہم میں بیچ دیتا ہوں، ایک درہم اپنے اہل وعیال پر خرچ کرتا ہوں، ایک درہم صدقہ کر دیتا ہوں اور ایک درہم کھجور کے پتوں کے مالک کو لوٹا دیتا ہوں اور یہ بھی آپ نے فرمایا: اگر امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی مجھے اس کام سے روکیں تو میں باز نہیں آؤں گا۔ (۱)

جب حضرت سلمان کے پاس ہدایا وتحائف آتے تو اس روپے کا گوشت خریدتے اور تمام کوڑھ کے مرض میں مبتلا لوگوں کی دعوت کرتے اور ساتھ بیٹھ کر کھانا تناول فرماتے۔ (۲) جب کھانا آپ کے سامنے رکھا جاتا تو آپ یہ دعا پڑھتے **"الحمد لله الذي كفانا المؤ ونة وأحسن الرزق"**۔ (۳)

حضرت سلمان کا کوئی مستقل گھر، مکان نہیں تھا، بلکہ کسی درخت کے سایہ یا کسی دیوار کے سایہ میں لیٹ جاتے۔ ایک دن آپ سے ایک شخص نے درخواست کی کہ میں آپ کی رہائش کے لیے ایک ایسا گھر بنانا چاہتا ہوں جس میں آپ دھوپ سے اپنے آپ کو بچا سکیں اور موسمِ سرما میں اس میں سکون حاصل کر سکیں، تو آپ نے فرمایا: ٹھیک ہے، ہاں! ذرا بتاؤ! کہ گھر کیسا بناؤ گے؟ اس نے عرض کیا: ایسا گھر بناؤں گا کہ اگر آپ کھڑے ہوں تو اس کی چھت آپ کے سر سے لگے اور دراز ہو کر سوئیں تو اس کی دیوار آپ کے دونوں پاؤں سے چھو جائے، آپ نے یہ سن کر فرمایا: ہاں میں بھی یہی چاہتا ہوں۔ (۴)

---

(۱) حلية الأولياء: ١٨٥-١٨٧/١، رواه أبو نعيم من طريقين۔

المعجم الكبير للطبراني (٧٢٠٢١) ٦/٢٢٢، مختصراً، قال الهيثمي في مجمع الزوائد: معزوًّا إلى البزار والطبراني: وفي إسنادهما الحجاج بن فروخ وهو ضعيف۔

قلت: رواه أبو نعيم من طريق ليس فيه حجاج بن فروخ فيقوى بعض الرواية بعضها، والاستدلال منها مستقيم- وأيضاً أخرج قطعة من الرواية في إقامة الصلاة عند البناء الطبراني عن ابن مسعود وعن سلمان مرفوعاً بسند ضعيف، والطبراني موقوفاً على ابن مسعود بسند صحيح، والقطعة الثانية "المتحدث عن ذلک الخ" أخرجها أصحاب السنن من حديث ابی هريرة۔

حضرت سلمان کے پاس ایک چوغہ تھا، اس کے آدھے حصہ کو بچھا لیتے اور آدھے حصہ کو زیب تن کئے رہتے۔ (۵)

حضرت سلمان زہد وتقویٰ، تقشّف اور قناعت شعاری میں اتنے ڈوبے ہوئے تھے کہ مدائن کے گورنر ہونے کے باوجود آپ کی حالت زار کو نوجوان اور چھوٹے چھوٹے بچے دیکھ کر مذاق اڑاتے آپ کچھ پرواہ نہیں کرتے۔ حضرت ثابت کا بیان ہے: مدائن کے گورنر حضرت سلمان ایک چوغہ اور اندرورد (یہ ایک قسم کا کپڑا ہے جو پائجامہ کے بغیر پہنا جاتا ہے اور گھٹنے کے نیچے تک ہوتا ہے، البتہ اندر نیکر، جانگیا ہوتا ہے) میں باہر تشریف لائے، لوگوں نے دیکھ کر کہا: ''کرک آمذ، کرک آمذ'' آپ یہ جملہ نہیں سمجھ سکے، دریافت کرنے پر یہ معلوم ہوا کہ وہ آپ کو کھلونا سے تشبیہ دے رہے ہیں، یہ سن کر فرمایا: کوئی حرج نہیں۔ **فانما الخیر بعد الیوم۔**

ایک مرتبہ اسی لباس میں باہر تشریف لائے کہ بچوں نے گھیر لیا، لوگوں نے کہا: امیر کا راستہ چھوڑ دو، آپ نے فرمایا: چھوڑ دو، خیر وشر تو آج کے بعد ہی آئے گا۔ (۱)

آپ کی ہیئت، شکل وصورت دیکھ کر اجنبی شخص آپ کی ذات کے سلسلہ میں دھوکا کھا جاتا۔ ایک شامی آدمی اپنے ساتھ بھوسے کا گٹھر لے کر آ رہا تھا، آپ مزدوروں کے لباس میں ٹہل رہے تھے، وہ آپ کو پہچانتا نہیں تھا، آپ پر نظر پڑتے ہی آپ کو بلایا اور کہا اس بھوسے کو اپنے سر پر لاد کر لے چلو، لوگوں نے آپ کو پہچان لیا اور امیر امیر کہہ کر پکارنے لگے، اس شامی شخص نے یہ سن کر آپ سے بہت معذرت کی کہ میں آپ کو پہچانتا نہیں تھا، آپ مجھے معاف فرمایئے اور اس بوجھ کو اپنے سر سے اتار دیجئے، لیکن آپ نے ایک نہ سنی اور فرمایا: جب تک تمہارا گھر نہ آ جائے اس وقت تک اپنے سر سے نہیں اتار سکتا۔

ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ سے مذاق کیا وہ آپ کو پہچانتا نہیں تھا، بطورِ مذاق آپ کے سر پر گھاس اور بھوسے کا گٹھر لاد دیا، جب لوگوں نے آپ کو دیکھا تو ہر ایک نے کہا: اے ابوعبداللہ! میرے سر پر رکھ دیجئے، یہ آپ کو زیب نہیں دیتا، اس شخص نے معلوم کیا، یہ کون ہیں؟ لوگوں نے بتایا: یہ سلمان صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ یہ سن کر وہ پانی پانی ہو گیا، بہت معافی چاہی اور بہت

---

(۱) سیر أعلام النبلاء: ۱/ ۵۴۵۔

گڑگڑایا کہ میں آپ کو پہچان نہیں سکا، خدارا اسے رکھ دیجئے۔ اللہ آپ کے ساتھ عفو ومعافات کا معاملہ فرمائے، آپ نے فرمایا: میری نیت تمہارے گھر تک پہونچانے کی ہے، تو اس سے پہلے کیسے اتار سکتا ہوں!!۔(۲)

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کا آخری وقت ہے اور بہت علیل ہیں، حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما آپ کی عیادت کے لیے تشریف لائے تو دیکھا کہ آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر دونوں نے فرمایا: اے میرے بھائی! کیوں رو رہے ہیں؟ آپ ہر وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آپ سے راضی ہوکر ہی اس دنیا سے تشریف لے گئے، تو پھر کاہے کا غم ہے؟ یہ سن کر آپ فرمانے لگے، میں موت سے گھبرا کر اور آخرت کی زندگی سے ناخوش ہوکر ہرگز نہیں رو رہا ہوں اور نہ دنیا کے چھوٹنے کا غم ہے۔ بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے عہد و پیمان لیا تھا، میں اس عہد و پیمان کو پورا نہ کرسکا، ان دونوں حضرات نے فرمایا: وہ عہد کیا ہے؟

آپ نے فرمایا: وہ عہد و پیمان یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا تھا: دنیا میں مسافر کے توشۂ سفر سے زیادہ سامان مت رکھنا۔ آج دیکھو! میں نے اپنے اوپر کتنی زیادتی کی ہے۔ اے سعد! فیصلہ کرتے وقت، قسم کھاتے وقت اور غم کرتے وقت ربّ ذوالجلال سے ضرور خوف کھانا۔ راوی حضرت ثابت کا بیان ہے کہ حضرت سلمان کی وفات کے بعد آپ کے گھر کی مالیت اور آپ کی وراثت بیس درہم یا اس سے کچھ زائد تھی۔ (۱)

حضرت سلمان کی شادی کا واقعہ

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے قبیلۂ ''کندہ'' کی ایک عورت سے شادی کی، جب پہلی رات اپنی بیوی کے پاس تشریف لے جانے لگے، تو آپ کے دوست و احباب بھی آپ کے ساتھ ہوگئے۔ گھر تک پہونچے تو فرمایا: اللہ تعالیٰ جزاءِ خیر دے! تم واپس چلے جاؤ۔ عام طور سے بیوقوف حضرات اپنی بیویوں کے پاس لوگوں کو پہلی رات لے جانے میں کچھ تامل نہیں کرتے، آپ نے ایسا

---

(۱) صفۃ الصفوۃ: ۱/ ۵۳۵۔

(۲) مصنف عبدالرزاق: (۲۰۶۳۲) صفوۃ: ۱/ ۵۴۸، سیر أعلام: ۱/ ۵۴۸۔ (۳) صفۃ الصفوۃ: ۱/ ۵۳۷۔

ہرگز نہیں کیا۔ دلہن کے گھر کو پردے وغیرہ سے خوب سجایا اور آراستہ کیا گیا تھا، آپ نے اس گھر کو دیکھتے ہی فرمایا: کیا گھر شدید بخار میں مبتلا ہے؟ یا خانۂ کعبہ مکہ مکرمہ سے اٹھ کر ’’کندہ‘‘ میں آ گیا ہے؟ لوگوں نے جواب دیا ایسا کچھ نہیں ہے۔ پھر لوگوں نے دروازہ کے پردہ کے علاوہ سارے بیل بوٹے سے مزین کیے گئے پردوں کو اکھاڑ پھینکا، آپ اندر تشریف لے گئے تو گھر کو ساز وسامان سے بھرا ہوا پایا۔ یہ دیکھ کر دریافت کیا: یہ ساز وسامان کس کا ہے؟ بتایا گیا: آپ اور آپ کی اہلیۂ محترمہ کا۔

آپ نے فرمایا: میرے خلیل صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم نہیں دیا ہے، البتہ میرے خلیل، دوست صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ دنیا میں میرے ساز وسامان مسافروں کے توشے کے مانند رہیں، پھر آپ کی نظر خادموں پر پڑی، پوچھا یہ خدام یہاں کیوں؟ بتایا گیا: یہ خدام آپ کے اور آپ کی اہلیۂ محترمہ کے ہیں۔ آپ نے فرمایا: میرے خلیل صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس کا حکم نہیں دیا ہے، بلکہ مجھے سسرال سے صرف بیوی ہی کے لانے اور اس کے رکھنے کا حکم دیا ہے۔

پھر بیوی کے پاس بیٹھی عورتوں سے مخاطب ہو کر فرمایا: تم لوگ چلی جاؤ! اس کمرہ میں ہم دونوں ہی کو صرف رہنے دو، وہ چلی گئیں، آپ نے دروازہ کا پردہ لٹکا لیا، اور دروازہ بند کر کے اپنی اہلیۂ محترمہ کے پاس تشریف لائے اور اس کی پیشانی پکڑ کر برکت کی دعا کی اور فرمایا: ہر معاملہ میں میری اطاعت وفرماں برداری کروگی؟ اس نے جواب دیا: میں بیوی بن کر آپ کی اطاعت فرماں برداری ہی کرنے آئی ہوں۔ سراپا آپ کی مطیع وفرماں بردار ہوں۔

پھر آپ نے فرمایا: میرے خلیل صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا ہے: ’’**إذا دخل أحدنا علی اهله أن یقوم فیصلی**‘‘ کہ کوئی اپنی نئی نویلی دولہن کے پاس جائے تو پہلے نماز پڑھ لے یہ حکم دینے کے بعد آپ دونوں نے باجماعت دو رکعت نماز پڑھی اور دعاء کی، پھر آپس میں میاں بیوی کے وظیفہ کو مکمل کیا، جب صبح ہوئی تو لوگ آپ کے پاس آئے اور دریافت کرنے لگے کہ آپ کو کیسی بیوی ملی؟ آپ نے جواب دینے سے خاموشی اختیار کی۔ تیسری مرتبہ سوال کیے جانے پر جواب میں فرمایا: جب اللہ تعالی نے عورتوں کو پردہ کرنے اور وظیفۂ زوجیت کو پردہ میں ادا کرنے کا حکم دیا ہے، تاکہ لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ رہے تو ایسی چیز کے بارے میں سوال کرنا اور اس کے بارے میں جواب دینا کیسے روا ہوسکتا ہے، جو چیز ظاہر ہو، لوگوں کی نگاہوں کے سامنے رہنے والی چیز ہو تو اسی کے بارے میں سوال وجواب ہونا چاہیے اور جو چیز پوشیدہ رہنے والی ہو تو ہرگز اس کے بارے میں کچھ نہیں پوچھنا چاہیے۔ پھر

فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے: "**المتحدث عن ذلک کالحمارین یتسافدان عن الطریق**" اس سلسلہ میں گفتگو کرنے والا ایسے گدھے اور گدھی کے مانند ہے کہ جو راستہ میں آپس میں جفتی کیا کرتے ہیں۔ (۱)

زہد و تقویٰ اختیار کرنے کے سلسلہ میں وعظ و نصیحت

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے دنیا سے بے رغبتی اختیار کرنے والے جلیل القدر صحابی کو بھی نہیں چھوڑا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ آپ کے پاس خط لکھا کہ یہ خط ملتے ہی میرے پاس آیئے۔ آپ نے فوراً رختِ سفر باندھ لیا، جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو آپ کی آمد کی اطلاع ہوئی، تو آپ کے استقبال کے لیے لوگوں کو اپنے ساتھ لے کر نکل پڑے اور آپ کا پرتپاک استقبال کیا، مصافحہ اور معانقہ کرنے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے میرے بھائی! میری جانب سے آپ کو کیا شکایت پہونچی ہے کہ مجھ سے ملنا پسند نہیں کرتے؟ آپ نے فرمایا: مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ آپ کے دسترخوان پر گھی اور گوشت ہوتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ آپ کے پاس دو جوڑے ہیں: ایک گھر کے لیے اور ایک باہر پہن کر لوگوں کے سامنے جانے کے لیے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر فرمایا اس کے علاوہ اور کچھ شکایت؟ آپ نے فرمایا: نہیں! تو حضرت عمر نے فرمایا: آپ کو تشفی بخش جواب دیا جائے گا۔ (۱)

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں میں جوڑے تقسیم کرائے، ہر ایک کے حصہ میں ایک کپڑا آیا، پھر آپ منبر پر تشریف لے گئے، اس وقت آپ دو کپڑے کا جوڑا زیب تن کیے ہوئے تھے۔

فرمایا: اے لوگوں! کیا تم میری باتوں پہ کان دھروگے اور غور سے سنوگے؟ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے بے باک ہو کر فرمایا: ہم آپ کی بات نہیں سنتے: حضرت عمر نے فرمایا: ابو عبد اللہ کیوں؟

حضرت سلمان: آپ نے ہم میں سے ہر ایک کو ایک ایک کپڑا دیا، اور خود دو کپڑے کا جوڑا پہنے ہوئے ہیں۔

---

(۱) سورۃ النور آیت: ۲۱، الحلیۃ: ۱/۲۰۱، المعجم الکبیر (۶۰۵۸) مجمع الزوائد: ۸/۴۱، وقال الهیثمی فیه: رجاله رجال الصحیح غیر یحیی بن ابراهیم المسعودی و هو ثقة۔

(۲) صفۃ الصفوۃ: ۱/۵۴۸۔

حضرت عمر: اے ابوعبداللہ! جلد بازی سے کام مت لیجئے، پھر اپنے صاحبزادۂ محترم حضرت عبداللہ بن عمر کو آواز دی، اے عبداللہ! کہیں سے کوئی جواب نہ آیا، پھر پکارا اے عبداللہ بن عمر! انہوں نے جواب دیا: لبیک اے امیر المؤمنین: حضرت عمر نے فرمایا: میں تمہیں اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ جس کپڑے کی تہہ بند اور لنگی بنائی ہے وہ تمہارا کپڑا نہیں ہے؟ صاحبزادۂ محترم نے جواب دیا بیشک وہ میرے حصہ کا کپڑا ہے۔

حضرت سلمان: اب ہم آپ کی بات سنیں گے، ہمارا اشکال رفع ہوگیا۔(۱)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے ''شام'' سے اپنے بھائی سلمان کے نام کوفہ ایک خط ارسال کیا، جس کا مضمون یہ تھا:

سلام علیک، بعد سلام مسنون! عرض یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کے بعد کثرتِ مال واولاد سے نوازا اور اب میں مقدس سرزمین میں قیام پذیر ہوں۔

فقط والسلام۔

حضرت سلمان نے اس کا جواب یہ لکھا! آپ جان لیجئے! خیر وبھلائی مال واولاد کی کثرت وزیادتی میں مضمر نہیں ہے، بلکہ خیر وبھلائی تو یہ ہے کہ آپ کے حلم وبردباری میں خوب اضافہ ہو اور آپ کو زیادہ سے زیادہ علمِ نافع کی توفیق ہو، زمین کسی کے لیے کچھ عمل نہیں کرتی اور نہ کسی کو پاک اور پارسا بناتی ہے، بلکہ انسان کا عمل اسے مقدس اور پارسا بناتا ہے اور آپ اپنی موت کی خوب تیاری کیجئے۔

فقط والسلام۔(۲)

انمول واقعہ

ایک مرتبہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ اپنے بھائی سلمان کی جانب سے ''بنولیث'' کی ایک عورت کو پیغام نکاح دینے کے لیے گئے اور ان کی منقبت وفضیلت خوب بیان کی اور اس نوخیز لڑکی کے گھر والوں پر اس رشتہ کے قبول کرنے پر خوب زور دیا۔ لڑکی والوں نے جواب دیا: ہم سلمان سے اپنی لڑکی کی شادی نہیں کرتے؛ البتہ آپ سے شادی کرنے پر رضامند ہیں، اسی وقت حضرت ابوالدرداء

---

(۱) صفۃ الصفوۃ: ۱/ ۵۴۷۔ (۲) صفۃ الصفوۃ: ۱/ ۵۴۶-۵۴۷۔

(۳) طبقات ابن سعد: ۴/ ۹۲-۹۳، صفوۃ: ۱/ ۵۵۴-۵۵۵، سیر أعلام النبلاء: ۱/ ۵۵۵۔

رضی اللہ عنہ سے شادی کر دی، یہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے شرماتے ہوئے ملے اور فرمایا: اے میرے بھائی! ایسا واقعہ پیش آ گیا ہے کہ جسے بیان کرنے میں مجھے شرم وحیا محسوس ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا: کیا بات ہے آپ ضرور بتایئے؟ انہوں نے سارا واقعہ کہہ سنایا: آپ نے ان کی شادی ہو جانے کے بارے میں سن کر فرمایا: مجھے آپ سے شرم وحیا کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس رشتہ کو آپ کے مقدر میں لکھ رکھا تھا، میں نے پیغامِ نکاح دے کر رخنہ اندازی کرنے کی کوشش کی۔ (۳)

حضرت اشعث بن قیس اور جریر بن عبداللہ البجلی رضی اللہ عنہما ''مدائن'' حضرت سلمان کی لکڑی کی جھونپڑی میں تشریف لائے، سلام کیا اور دریافت کیا: ''سلمان فارسی آپ ہی ہیں''؟

حضرت سلمان: ہاں!

حضرت جریر واشعث: آپ صحابیٔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں؟

حضرت سلمان: میں نہیں جانتا ہوں۔

یہ دونوں شک میں پڑ گئے اور آپس میں چہ میگوئی کرنے لگے کہ یہ کوئی اور ہیں۔

حضرت سلمان اتنے ہی میں بول پڑے، تمہارا مطلوب ومقصود میں ہی ہوں، میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دیدار سے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت مبارک سے بہرور ہوں ''**إنما صاحبه من دخل معه الجنة**'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حقیقت میں ساتھی وہی ہے جو آپ کے ساتھ جنت میں جائے۔ تم دونوں ضرورت بتاؤ؟

حضرت جریر واشعث: ہم ''شام'' سے آپ کے بھائی ابوالدرداء کی جانب سے آئے ہیں۔

حضرت سلمان: انہوں نے مجھے ہدیہ میں کیا بھیجا ہے؟

حضرت جریر واشعث: انھوں نے ہدیہ میں کچھ بھی نہیں بھیجا ہے۔

حضرت سلمان: تم اللہ سے ڈرو اور امانت ادا کرو، آج تک انہوں نے میرے پاس کسی کو ہدیہ کے بغیر نہیں بھیجا ہے۔

---

(۱) سیر أعلام النبلاء:۱/ ۵۵، ال إصابۃ:۲/ ۶۰۔ (۲) صفۃ الصفوۃ:۱/ ۵۵۵۔

(۳) سیر أعلام النبلاء:۱/ ۵۵۵-۵۵۶۔ (۴) ال إصابۃ:۲/ ۶۰۔

(۵) طبقات ابن سعد:۴/ ۹۳، الحلیۃ:۱/ ۲۰۵، صفوۃ:۱/ ۵۵۶۔ (۶) صفۃ الصفوۃ:۱/ ۵۵۵۔

حضرت جریر واشعث: آپ ہماری جانب سے اعتماد برقرار رکھیے، یقیناً انہوں نے آپ کے نام بہت سا مال بھیجا ہے وہ سارا آپ کو دے دیا جائے گا۔

حضرت سلمان: میری مراد مال نہیں ہے اور نہ مجھے مال کی ضرورت ہے، بلکہ مجھے ان کا بھیجا ہوا ہدیہ چاہیے۔

حضرت جریر واشعث: خداءِ ذوالجلال کی قسم! اس کے علاوہ مجھے کچھ نہیں دیا ہے، البتہ ایک بات یہ کہی ہے کہ تم میں وہ (سلمان) ایک ایسی ہستی ہے کہ اس کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی سے خلوت وتنہائی میں ملنا پسند نہیں فرماتے تھے، لہٰذا جب تم اس ہستی کے پاس پہونچنا تو میری جانب سے ضرور سلام عرض کرنا۔

حضرت سلمان: اور کون سا ہدیہ میں تم سے مانگ رہا تھا!! یہی تو وہ ہدیہ ہے، ہدیہ سلام سے بڑھ کر اور افضل کون سا ہدیہ ہے، تحفۂ سلام "تحیۃ من عند اللّٰہ مبارکۃ طیبۃ" (دعاء کے طور پر ہے اور جو خداءِ ذوالجلال کی جانب سے مقرر ہے اور برکت والی عمدہ چیز ہے۔ (۱)

زریں اقوال

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے اقوالِ زریں، جامع اور مختصر نصیحتوں سے کتبِ احادیث اور تاریخ کی کتابیں بھری پڑی ہیں ان کا احاطہ کرنا بہت دشوار ہے، بطورِ مشتے نمونہ از خروارے چند اقوالِ زریں ذکر کیے جا رہے ہیں!

الف: حضرت سلمان کا بیان ہے: تین شخصوں کو دیکھ کر مجھے بے محابا ہنسی آجاتی ہے۔

۱۔ دنیا کا طالب: اور دنیا سے خوب امید باندھنے والا شخص کہ جس کا پیچھا موت کر رہی ہے۔

۲۔ موت سے غافل رہنے والا شخص، جب کہ موت اس سے غافل نہیں ہے۔

۳۔ بے محابا اور خوب کثرت سے ہنسنے والا شخص کہ وہ خوب ہنس رہا ہے اور خوب مگن ہے، لیکن اسے یہ پتہ نہیں کہ سارے جہاں کا پروردگار اس سے خوش ہے یا ناخوش۔

ب: تین چیزیں مجھے اس قدر غم میں مبتلا کرتی ہیں کہ میں روئے بغیر نہیں رہتا۔

---

(۱) الاصابۃ: ۲/ ۱۳۸۔ (۲) تاریخ کبیر: ۲/ ۲۲۵۔

(۳) حلیۃ الأولیاء: ۱/ ۲۷۲۔

۱۔ پیغمبرِ اسلام، محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائیگی اور آپ کے صحابہ کرام کے فراق کا غم۔

۲۔ ربّ ذوالجلال کے سامنے کھڑے ہونے اور میدانِ محشر کا غم۔

۳۔ مجھے اپنے بارے میں یہ علم نہیں ہے کہ میں جنتی ہوں گا یا جہنمی۔ (۲)

ج: حضرت سلمان فرماتے ہیں: دل اور جسم کی مثال اندھے اور اپاہج کی سی ہے۔ اپاہج نے نابینا شخص سے کہا: میں درخت پر کھجور کے خوشے دیکھ رہا ہوں، البتہ توڑ نہیں سکتا اور تم بھی توڑ نہیں سکتے ہو، اس لیے کہ دیکھ نہیں رہے ہو، چنانچہ تم مجھے اپنے کندھے پر سوار کرلو، تاکہ توڑ کر خود بھی کھاؤں اور تمہیں بھی کھلاؤں۔ اس مثال سے آپ کا مقصد یہ ہے کہ جسم اور روح دونوں گناہ کرنے میں ایک دوسرے کے شریک ہیں، لہٰذا دونوں سزا کے مستحق ہوں گے۔ (۱)

د: دنیا کے اندر مؤمن کی مثال مریض شخص کی سی ہے کہ ڈاکٹر مریض کو پرہیز کی چیزیں بتاتا ہوا کہتا ہے کہ یہ چیز تمہارے لیے بہت مضر اور نقصان دہ ہے، اس کے قریب جاؤ گے تو ممکن ہے کہ ہلاک ہوجاؤ۔ اگر مریض ڈاکٹر کے بتائے ہوئے نسخے پر عمل درآمد کرتا ہے تو بیماری سے شفا پا جاتا ہے۔ یہی مثال مؤمن کی ہے کہ دنیا کی چمک دمک دیکھ کر اس کے دل میں بہت سی چیزوں کے حصول کی خواہش ہوتی ہے اور نفسانی خواہشات بھڑک جاتی ہیں، لیکن خواہشات کی تکمیل میں رب ذوالجلال کا حکم آڑے آجاتا ہے، جس کی بنا پر وہ خواہشاتِ نفسانی پر کنٹرول کرتا رہتا ہے اور اسی حالت میں اس کی موت آجاتی ہے، ایسے ہی شخص کو اللہ تعالیٰ دخولِ جنت کا پروانہ اور سارٹیفیکیٹ دیتے ہیں۔ (۲)

وفات

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ وفات کے وقت اوپر کی منزل میں ایک ایسے گھر میں بیمار پڑے کہ جس گھر کے چار دروازے تھے، آپ نے اپنی اہلیۂ محترمہ "بُقَیرہَ" کو آواز دی اور فرمایا: اے

---

(۱) تاریخ کبیر: ۲/ق: ۲/ ۲۲۵۔

(۲) الاستیعاب: ۲/ ۱۳۵۔

(۳) الثقات: ۱۷۰، نمبر: ۶۲۲۔

بُقَیرہ! فتحِ ''جلولا'' میں جو مشک کی تھیلی میرے حصہ میں آئی تھی اور اسے بطورِ امانت تمہیں رکھنے کو دیا تھا، اسے جلدی لے کر آؤ اور اس مشک کو پانی میں ملا کر میرے اس پورے گھر میں اور اس بستر پر چھڑک دو، ابھی میرے پاس فرشتوں کی مقدس جماعت آئے گی کہ جنہیں خوشبو بہت پسند ہے اور وہ خوشبو خوب محسوس کرتے ہیں البتہ کھانا وغیرہ نہیں کھاتے ہیں اور گھر کے چاروں دروازے کھول دو، پتہ نہیں! کس دروازے سے آئیں گے۔ اور تم نیچے چلی جاؤ، تھوڑی دیر بعد آنا۔ حضرت بُقَیرہ آپ کے سارے حکموں کو بجالائیں اور نیچے چلی گئیں۔ خود فرماتی ہیں: تھوڑی دیر کے بعد میں نے جھانک کر دیکھا تو ایسا لگا کہ آپ بہت اطمینان وسکون کے ساتھ بستر پہ لیٹے ہوئے ہیں، جب کہ آپ کی روح قفسِ عنصری سے نکل چکی ہے۔ إنا للہ وإنا الیہ راجعون۔ یہ حادثۂ فاجعہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت ۳۳ھ میں مقامِ مدائن میں پیش آیا۔ (۳)

عمرِ مبارک

علامہ ذہبی اور علامہ ابن حجر امام عباس بن یزید بحرانی سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اہل علم کی یہ رائے ہے کہ حضرت سلمان کی عمرِ مبارک تین سو پچاس سال ہوئی ہے۔ اور ۲۵۰، سال کے بارے میں سب کا اتفاق ہے(۱) اور علامہ ابن الجوزی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ ڈھائی سو سال کے بارے میں سارے مؤرخین اور اہلِ سیر کا اتفاق ہے۔ (۲)

جب کہ علامہ ذہبی علیہ الرحمۃ کی اپنی ذاتی رائے یہ ہے کہ آپ کی عمر سو سال سے کم ہے اور اس سلسلہ میں خوب عقلی دلائل ذکر فرمائے ہیں، (۳) علامہ ابن حجر عسقلانی نے ان کے قول کو یہ کہہ کر رد کر دیا ہے کہ جب تمام اہلِ سیر اور مؤرخین کا ڈھائی سو سال کے بارے میں اتفاق ہے تو عقلی دلائل سے استدلال کرنا بیجا ہے، اسے خوارقِ عادت تسلیم کر لینے میں کیا مضائقہ ہے۔ (۴)

حضرت سلمان حضرت عبداللہ بن سلام کے خواب میں

---

(۱) ال اِصابۃ: ۲/ ۱۵۰۔

(۲) ال اِصابۃ: ۲/ ۱۶۲۔

(۳) المغازی للواقدی: ۱/ ۱۰۷۔

(۴) ال اِصابۃ: ۲/ ۱۵۰۔

(۵) استیعاب: ۲/ ۱۶۲، اصابۃ: ۲/ ۱۵۰۔

(۶) جامع ترمذی: ۱/ ۲۰۳۔ (الجنائز)۔

وفات سے قبل حضرت سلمان اور حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہما کے درمیان آپسی معاہدہ ہوا تھا کہ ہم میں سے پہلے جس کی موت آجائے وہ زندہ رہنے والے اپنے ساتھی کو موت کے بعد آنے والے حالات سے مطلع کرے۔ حضرت عبداللہ بن سلام سے پہلے آپ کی وفات ہوگئی تو آپ اپنے ساتھی حضرت عبداللہ بن سلام کے خواب میں حسبِ وعدہ تشریف لائے۔ علیک سلیک کے بعد حضرت عبداللہ نے دریافت کیا: آپ نے اپنا ٹھکانہ کیسا پایا؟ آپ نے فرمایا: ”خیراً“ الحمدللہ! بہت بہتر۔ پھر پوچھا! کون سا عمل سب سے بہتر پایا، آپ نے جواب دیا: ”نعم الشيء التوکل“ سب سے اچھی اور بہتر چیز توکل و بھروسہ ہے۔ آپ توکل علی اللہ کو لازم پکڑ لیجیے۔ یہ جملہ تین مرتبہ فرمایا۔(۵)

آپ کے پسماندگان میں اہلیہ محترمہ اور تین صاحبزادیاں تھیں۔ ایک ”اصبہان“ اور دو ”مصر“ میں۔(۶)

(۴۴) حضرت شداد بن اَسید سلمی رضی اللہ عنہ

علامہ ابونعیم اصبہانی کہتے ہیں کہ خود حضرت شداد بن اسید رضی اللہ عنہ نے اپنے آپ کو صفہ کا طالب علم اور صفہ کا ایک فرد بتایا ہے۔

(حلیۃ ال أولیاء: ۱ / ۲۷۳)

حضرت شداد رضی اللہ عنہ کی کنیت ابوسلیمان، والد کا نام اُسید، قبیلۂ ”بنوسلیم“ سے تعلق رکھتے ہیں۔

علامہ بغوی نے انہیں مدینہ منورہ کے دیہات والوں میں شمار کیا ہے، جب کہ علامہ ابن سکن نے شہری صحابۂ کرام میں گردانا ہے۔(۱)

---

(۱) الاستیعاب: ۲/ ۱۲۲۔

حضرت شداد رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور بیعتِ ہجرت کی۔ (۲) پھر صفہ میں قیام پذیر ہو کر صفہ کے طالب علموں کے ساتھ رہنے لگے۔ (۳) کچھ عرصہ کے بعد بیمار پڑ گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیادت کرنے کے لیے تشریف لائے اور پیار بھرے انداز اور شفقت بھرے لہجہ میں ارشاد فرمایا: اے شداد تمھیں کیا ہو گیا ہے؟ کیا حال ہے؟ عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میری طبیعت بہت علیل ہے۔

آپ نے ارشاد فرمایا: تم ''وادیٔ بطحان'' کیوں نہیں چلے جاتے؟

بولے: اے اللہ کے رسول! ''ھجرتی'' اپنا گھر بار، دور دیوار چھوڑ کر مدینہ منورہ ہجرت کر کے آجانا میرے لیے وادیٔ بطحان جانے سے مانع ہے۔ اگر واپس چلا جاؤں تو ہجرت کرنا ضائع اور ثواب سے باعثِ محرومی ہے۔

آپ نے ارشاد فرمایا: ''فاذھب فأنت مھاجر حیث ما کنت'' تم جاؤ جہاں کہیں بھی رہو گے، مہاجر ہی کہلاؤ گے، ہجرت کے اجر و ثواب سے ہرگز محروم نہیں ہو گے۔ (۱)

شاگردان اور تعدادِ احادیث

حضرت شداد رضی اللہ عنہ کے شاگرد صرف آپ کے پوتے قیظی بن عامر بن شداد ہیں۔ علامہ ابن عبدالبر نے صراحت کی ہے کہ ان سے روایت نقل کرنے والے صرف قیظی بن عامر ہیں اور روایت بھی صرف ایک ہی ہے۔ (۲)

جب کہ امام ابنِ حبان نے حضرت شداد کے صاحبزادہ عامر بن شداد کو شاگرد گردانتے ہوئے کہا ہے کہ ان کی حدیث عامر بن شداد کی سند سے ہی ملتی ہے۔ (۳)

---

(۱) حلیۃ الأولیاء: ۲/ ۲۹، الإصابۃ: ۲/ ۱۵۳۔ (۲) حلیۃ الأولیاء: ۲/ ۲۹، الإصابۃ: ۲/ ۱۵۳۔

(۴۵) حضرت شقران مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

امام جعفر بن محمد صادق اور حافظ ابونعیم اصبہانی نے حضرت شقران رضی اللہ عنہ کو اصحابِ صفہ میں شمار کیا ہے ۔(حلیۃ ال أولیاء: ۱/ ۳۷۲)

نام صالح، والد کا نام عدی، لقب شقران، حبشی النسل ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ہیں۔

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ان کو ہدیہ کیا تھا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی ان کو خریدا تھا، غردۂ بدر کے بعد نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آزاد کر دیا۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کے ساتھ یہ بھی

---

(۱) الحلیۃ: ۲/ ۲۸، ال إصابۃ: ۲/ ۱۵۳۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے والد خواجہ عبد اللہ بن عبد المطلب کی میراث میں ملے تھے۔ (۱)

غزوۂ بدر میں شریک ہوئے، لیکن مالِ غنیمت میں ان کا حصہ نہیں لگایا گیا۔ (۲) غزوۂ بدر کے قیدیوں سے فدیہ وصول کرنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ہی کو عامل مقرر کیا (۳) اور غزوۂ مریسیع میں ان ہی کو مالِ غنیمت کا ذمہ دار اور خزانچی بنایا۔ (۴)

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اپنے وصال کے وقت ان کے بارے میں بھی کچھ وصیت فرما گئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دینے والوں میں اور آپ کے جسدِ اطہر کو قبر میں اتارنے والوں میں ایک یہ بھی تھے۔ (۵)

انہوں نے قبر اطہر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر مبارک آپ کے لیے بچھادی تھی۔ (۶)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد مستقل طور پر مدینہ منورہ ہی میں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ سرزمینِ بصرۃ منتقل ہو گئے اور وہیں اپنا گھر بنالیا تھا۔

تعدادِ احادیث

حضرت شقران رضی اللہ عنہ سے کتبِ احادیث میں صرف دو حدیثیں ملتی ہیں!

ایک جامع ترمذی شریف میں جو ابھی قبرِ اطہر میں چادر بچھانے سے متعلق روایت گذری ہے۔

دوسری روایت مسند احمد کی ہے کہ حضرت شقران فرماتے ہیں: غزوۂ خیبر کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سواری پر بیٹھے اشارہ سے نماز پڑھتے ہوئے میں نے دیکھا ہے۔

حضرت شقران رضی اللہ عنہ کی اولاد اور ان کی نسل زیادہ دنوں تک نہیں رہی بلکہ مامون رشید کے زمانہ خلافت میں ان کی سب سے آخری اولاد نے مدینہ منورہ میں وفات پائی ہے۔ (۱)

---

(۱) کتاب الزہد لابن المبارک: ۸/ ۳۰۸۔ (۲) کتاب الزہد/ ۳۰۴، الحلیۃ: ۲/ ۲۹، ال اصابۃ: ۲/ ۱۵۳۔

(۴۶) حضرت شمعون ابو رَیحانہ ال اَزدی رضی اللہ عنہ

علامہ ابو نعیم اصبہانی نے حضرت شمعون کو اصحابِ صفہ میں شمار کیا ہے۔ (حلیۃ ال اَولیاء: ۲/ ۲۸)

حضرت شمعون کی کنیت ابو ریحانہ ہے اور کنیت ہی سے مشہور رہیں۔ قبیلۂ ’’اَزد‘‘ سے تعلق رکھتے ہیں اور آپ کے والد کے نام کے سلسلہ میں تاریخ خاموش ہے۔ (۱)

حصولِ علم کا شوق

---

(۱) الزہد/ ۳۰۵

(۲) الزہد/ ۳۰۶، ال اِصابۃ: ۲/ ۱۵۳۔

(۳) ال اِصابۃ: ۲/ ۱۵۴۔

(۴) ال اِصابۃ: ۲/ ۱۵۳۔

حضرت شمعون رضی اللہ عنہ کو حصولِ علم کا بہت شوق تھا اور قرآن کریم سے گہرا ربط و تعلق تھا، قرآن کریم بہت محنت سے یاد کرتے تھے، مگر یاد کرنے اور یاد رکھنے میں بڑی مشقت و دشواری ہوتی تھی، خود فرماتے ہیں کہ ایک روز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور قرآن کریم کو بڑی مشکل سے یاد کرنے اور یاد رکھ کر بھول جانے کی شکایت کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''جو تیرے بس میں نہیں، اس سلسلہ میں تو اپنے آپ کو مشقت و پریشانی میں مت ڈال، صرف اپنی وسعت و طاقت کے مطابق ہی اپنے اوپر بوجھ ڈال، البتہ زیادہ سے زیادہ سجدہ کیا کر اور کثرت سے نماز پڑھا کر۔

آپ نے اس فرمانِ عالی کو گرہ سے باندھ لیا اور اس پر زندگی کے آخری لمحہ تک عمل درآمد رہے۔ شاہدین وزائرین نے اس کی شہادت بھی دی ہے۔ حضرت عمیرۃ کا بیان ہے کہ آپ جب ''عسقلان'' تشریف لائے تو میں نے یہاں دیکھا کہ آپ نماز پڑھنے اور کثرت سے سجدہ کرنے کا بہت زیادہ اہتمام کرتے تھے۔ (۲)

پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے قربت

حضرت ابوریحانہ ایک غزوہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، سخت سردی کا موسم تھا، ایک رات صحابۂ کرام مقامِ ''سرف'' تشریف لے گئے اور ہر ایک صحابی سردی سے بچاؤ کے لیے زمین میں گڑھا کھود کر اندر گھسنے لگے اور اوپر سے بچاؤ کے لیے چمڑے کی ڈھال رکھنے لگے۔ جب یہ منظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو فرمایا: آج کی رات میری حفاظت و چوکیداری جو کرے گا میں اس کو ایک مخصوص دعاء دوں گا، یہ سن کر ایک انصاری صحابی اٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آج کی رات آپ کی چوکیداری میں کروں گا۔ آپ نے ارشاد فرمایا! تم کون ہو؟ انہوں نے اپنا تعارف کرایا، آپ نے فرمایا: میرے قریب ہو جاؤ، وہ قریب ہوئے تو آپ نے ان کے جسم پہ پڑے ہوئے ایک کپڑے کا حصہ پکڑا اور ان کے لیے دعاء کرنی شروع کردی۔ حضرت ابوریحانہ رضی اللہ عنہ پاس ہی میں تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دعائیہ کلمات سن کر ان سے نہیں رہا گیا فوراً یہ بول پڑے، میں بھی اے اللہ کے رسول! آج کی رات آپ کی حفاظت کروں گا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے

---

(۱) سیر اعلام النبلاء: ۱/ ۳۸۴۔

(۲) طبقات: ۳/ ۳۰۲۔

(۳) الاصابۃ: ۲/ ۱۸۵۔

(۴) حلیۃ الاولیاء: ۱/ ۳۷۳، الاصابۃ: ۲/ ۱۸۵۔

دریافت فرمایا تم کون ہو؟ بولے! میں ابوریحانہ، پھر آپ نے مجھے بھی قریب کرلیا اور دعاء میں شریک فرمایا؛ البتہ انصاری بھائی کے مقابلہ میں میرے لیے زیادہ دعا نہیں فرمائی۔ وہ پہلے آئے اس وجہ سے اس خصوصیت کے حامل ہوئے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تین آنکھیں ایسی ہیں جن پر جہنم کی آگ حرام ہے۔

۱۔ جو آنکھ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں رات بھر جاگتی رہے۔

۲۔ جو آنکھ اللہ تعالیٰ کے خوف سے آنسو بہائے۔

۳۔ جو آنکھ اجنبی عورتوں اور اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں کے دیکھنے سے محفوظ رہے۔ (۱)

حضرت ابوریحانہ کا بیان ہے کہ ایک روز نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: اے ابوریحانہ! ایک وقت آئے گا کہ تم ایک ایسی جماعت کے پاس سے گذروگے کہ وہ لوگ جانور کو باندھ کر اس پر نشانہ بازی کریں گے تم اس وقت کیا کروگے؟ میں ان لوگوں کو اس فعلِ قبیح سے یہ کہہ کر منع کروں گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا: وہ لوگ تم سے مطالبہ کریں گے کہ قرآن کریم کی کس آیت میں اس طرح کے فعل سے روکا گیا ہے؟

حضرت ابوریحانہ فرماتے ہیں: ایسا ہی ہوا، ایک دن میں ایک جماعت کے پاس سے گذر رہا تھا، دیکھا کہ وہ لوگ ایک زندہ مرغی کو باندھ کر اس پر نشانہ بازی کررہے ہیں۔ میں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح جانوروں کو تڑپا کر مارنے سے منع فرمایا ہے۔ ان لوگوں نے فوراً یہ کہا ہمارے سامنے ایسی آیت پیش کرو جس میں اس عمل سے روکا گیا ہو۔ یہ سن کر میں نے کہا: "صدق اللّٰہ ورسولہ" اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا: تم لوگ حرام، جوا اور مردار کھانے والی قوم ہو۔ (۱)

مثالی زہد وتقویٰ

حضرت شمعون ابوریحانہ رضی اللہ عنہ بڑے عابد وزاہد تھے۔ رات بھر نماز پڑھا کرتے تھے، زہد وتقویٰ اور عبادت میں ان کی نظیر خال خال ملتی ہے۔

حضرت ابوریحانہ رضی اللہ عنہ ایک عرصہ کے بعد جنگ سے گھر واپس تشریف لائے، شام

---

(۱) کتاب الثقات: ۳/ ۳۲، المغازی للواقدی: ۱/ ۱۳۔ ۱۹۔ (۲) سورۃ البقرۃ آیت: ۲۱۷۔ (۳) سورۃ البقرۃ

ہوئی، رات کا کھانا تناول فرمایا اور عشاء کی نماز کے لیے مسجد تشریف لے گئے، نماز عشاء کے بعد گھر تشریف لائے اور نماز کے لیے کھڑے ہوگئے، ایک سورت شروع کرتے، اسے ختم کرنے کے بعد دوسری سورت شروع کردیتے، رات بھر نماز پڑھنے اور قرآن کریم کی تلاوت کرنے میں مشغول رہے، صبح ہوگئی، مؤذن کی اذان سنتے ہی نماز مکمل کی اور مسجد جانے لگے، تو ان کی اہلیہ محترمہ نے رات کا منظر دیکھ کر کہا: اے ابوریحانہ! آپ ایک عرصہ کے بعد بہت تھک کر جنگ سے واپس گھر تشریف لائے، ذرہ برابر آرام نہیں کیا، پوری رات نماز پڑھنے اور قرآن کریم کی تلاوت کرنے میں گذاردی، ذرا یہ بتائے کیا آپ کی عبادت میں میرا بھی کچھ حصہ ہوگا؟ فرمایا کیوں نہیں! خدا کی قسم! میری اس عبادت میں تمہارا بھی حصہ ہوگا، کیونکہ میرے اوپر تمہارا ایک حق ہوتا ہے جس حق کو قربان کرکے جنگ کرنے اور رات بھر عبادت کرنے میں مشغول رہتا ہوں، پھر بیوی محترمہ نے عرض کیا اے ابوریحانہ! آخر کس چیز نے آپ کو اس قدر عبادتوں میں منہمک کردیا اور مجھ سے بالکل غافل کردیا ہے؟ بولے! جنت اور اس کی بے بہا نعمتوں نے!! اللہ تعالیٰ نے جنت میں ایسی ایسی نعمتیں رکھ رکھی ہیں کہ جنہیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا اور نہ ان نعمتوں کا کوئی تصور وخیال کرسکتا ہے۔ (۲)

حضرت ابوریحانہ نے ہی سب سے پہلے دمشق فتح کی اور وہیں اپنا ایک گھر بھی بنایا اور آپ کی اولاد بھی اسی گھر میں رہتی رہیں۔

ایک مرتبہ حضرت ابوریحانہ میدانِ جنگ سے صرف ایک رات کی چھٹی لے کر اپنے گھر والوں سے ملنے کے لیے آئے، اس وقت آپ کا گھر بیت المقدس کے پاس تھا، آپ گھر جانے سے پہلے مسجدِ بیت المقدس میں تشریف لائے، نماز شروع کی اور صبح تک نماز اور قرآن پاک کی تلاوت میں مشغول رہے، اپنے گھر بیوی محترمہ سے ملاقات کرنے بھی نہیں گئے اور صبح سویرے مسجد ہی سے میدانِ جنگ کے لیے لوٹ گئے۔ آپ سے کہا گیا اے ابوریحانہ! آپ تو چھٹی اپنے گھر گذارنے کے لیے آئے تھے، کم از کم کچھ دیر کے لئے ہی سہی گھر تشریف لے جائیں، پھر میدانِ جنگ چلے جائیں گے یہ سن کر بولے! میرے امیرِ لشکر نے صرف ایک ہی رات کی مجھے چھٹی دی تھی اور وہ رات گذر گئی، میں امیرِ لشکر سے نہ جھوٹ بول سکتا اور نہ وعدہ خلافی کرسکتا ہوں یہ کہہ کر میدانِ جنگ لوٹ گئے اور ایک منٹ کے لیے بھی گھر تشریف نہیں لے گئے۔ (۱)

---

(۱) طبقات ابن سعد: ۳/ ۲۲۶۔

(۲) سیر أعلام النبلاء: ۲/ ۲۴۔

(۳) الاستیعاب: ۲/ ۱۷۱۔

حضرت ابوریحانہ شمعون رضی اللہ عنہ جزیرۂ ''میّا فارقین'' کی سرحد میں پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے، اسی دوران ''میّا فارقین'' کے ایک قبطی سے گھوڑے کی لگام کی ایک رسی خریدی، پیسہ دینا بھول گئے اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ گھر کے لیے روانہ ہو گئے، بارہ میل تک سفر کرنے بعد اچانک خیال آیا کہ صاحبِ رسی کو رسی کا پیسہ ادا نہیں کیا ہے، اسی جگہ اپنی سواری سے اترے اور غلام کو کچھ سفر کا خرچ دیا اور اپنے ساتھیوں سے فرمایا: میرے غلام کے ساتھ سفر میں حسنِ سلوکی کا معاملہ کرنا، میں صاحبِ رسی کو رسی کا پیسہ دینا بھول گیا تھا، پیسہ دے کر آرہا ہوں، یہ کہہ کر واپس لوٹ گئے، ''میّا فارقین'' پہنچ کر پیسے ادا کیے پھر اپنے گھر واپس آئے۔(۲)

دعاء کی قبولیت: حضرت ابوریحانہ ایک مرتبہ دریا میں کشتی پہ سوار تھے اور قرآن کریم کی جلد سازی کر رہے تھے کہ اچانک سوئی دریا میں گر گئی، تو دعاء کی اے میرے رب! تو اس دریا سے میری سوئی کو واپس دلوادے، اتنا کہنا تھا کہ سوئی دریا کے اوپر آگئی، اسے نکال لیا۔(۳)

تعدادِ احادیث اور شاگردانِ کرام

حضرت ابوریحانہ کی احادیث کی تعداد صرف پانچ ہے، جیسا کہ ابن البرقی نے صراحت کی ہے اور شاگردان کرام میں ابوعلی ہمدانی، ثمامہ بن شفی، شہر بن حوشب اور مصری شاگردوں میں کریب بن ابرہۃ، عمرو بن مالک اور ابوعامر حجری ہیں۔(۴)

(۴۷) حضرت صفوان بن بَیضاء قُرشی رضی اللہ عنہ

حافظ ابونعیم اصبہانی اور حافظ ابوعبد اللہ نے حضرت صفوان کو صفہ کے طالب علموں میں شمار کیا ہے۔(حلیۃ ال أولیاء:۱ / ۲۷۳)

---

(۱) طبقات ابن سعد: ۳/ ۲۲۶-۲۲۷۔ (۲) سورۃ النحل آیت: ۱۱۰۔

(۳) طبقات ابن سعد: ۳/ ۲۴۸۔

صفوان نام، کنیت ابوعمرو قرشی، والد کا نام وہب بن ربیعہ، والدہ بیضاء کا نام دَعد بنت جَحدم الفہریۃ اور قبیلۂ قریش سے تعلق رکھتے ہیں۔ (۱) مہاجرین صحابۂ کرام میں ہیں۔ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو کلثوم بن ہدم کے یہاں قیام کیا۔ (۲) غزوۂ بدر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک رہے۔ ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ غزوۂ بدر میں طُعیمہ بن عدی نے انہیں شہید کیا ہے۔ موسیٰ بن عقبہ، ابنِ سعد اور ابنِ ابی حاتم کی یہی رائے ہے، البتہ ابن حبان نے کہا ہے کہ ۳۰ھ میں وفات پائی ہے، جب کہ علامہ واقدی اور ابوحاکم ابواحمد کبیر نے کہا ہے کہ ۳۸ھ میں ان کا انتقال ہوا ہے۔ (۳)

امام المؤرخین حافظ ابن اسحاق، حافظ ابونعیم اصبہانی اور خاتم المحققین علامہ ابن حجر عسقلانی نے کہا ہے کہ عبداللہ بن جحش کے لشکر میں یہ بھی تھے ان ہی حضرات کے بارے میں "**يسئلونك عن الشهر الحرام قتال فيه إلى آخر الأيتين**" یہ دو آیتیں نازل ہوئیں ہیں۔ (۴) واقعہ یہ ہوا کہ ماہِ رجب ہجرت کے سترہویں مہینہ قریش کی نقل وحرکت کی تحقیق اور جاسوسی کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے واقدی کے بقول آٹھ افراد اور ان کے علاوہ دیگر حضرات کے بقول بارہ آدمیوں کو حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی امارت وسرکردگی میں روانہ کیا، جن میں حضرت صفوان رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ عنہ وسلم نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے لکھوا کر ایک خط امیرِ لشکر حضرت عبداللہ بن جحش کو دیا اور یہ تاکید فرمادی کہ دو دن سفر کرنے کے بعد اس خط کو کھول کر پڑھنا اور اس پر عمل کرنا۔ جب انہوں نے حسبِ ہدایت خط پڑھا تو اس میں حکم تھا کہ "نخلہ" چلے جاؤ جو طائف اور مکہ مکرمہ کے درمیان ہے اور قریش کے قافلوں کی نقل وحرکت پر گہری نظر رکھو اور ان کی تحقیق کر کے ہمیں اطلاع دو اور کسی کو "بطنِ نخلہ" لے جانے پر مجبور نہ کرنا، جو جانا چاہے جائے۔ یہ سخت خطرناک کام تھا اور دشمنوں کے عین مرکز میں جانا تھا۔ ہر ایک ساتھی جانے پر راضی ہو گئے، لیکن حضرت سعد بن ابی وقاص اور عتبہ بن غزوان جس اونٹ پر تھے وہ اونٹ گم ہو گیا۔ یہ اونٹ کی تلاش میں دور تک نکل جانے کی وجہ سے اس مہم میں شریک نہ ہو سکے، جب "نخلہ" پہونچے تو رجب کی آخری تاریخ تھی، بعض نے کہا کہ شعبان کی پہلی تاریخ ہے۔ شام کے وقت قریش کا ایک قافلہ آیا جس میں عمرو بن حضرمی تھا وہ مارا گیا اور دو شخص کو گرفتار کر کے اونٹ، اور سارے اسباب لے کر یہ لوگ مدینہ منورہ لوٹ آئے،

اشہرِ حرم یعنی رجب، ذیقعدہ، ذی الحجہ اور محرم ان چار مہینے کی حرمت پر سب کا اتفاق تھا، ان مہینوں میں لڑائی جائز نہ تھی، اس لیے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ناگواری ہوئی اور کفار نے تو شور مچایا کہ مسلمانوں نے حرمت والے مہینوں کی حرمت پامال کردی، ہر طرف سے سوالات ہونے لگے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی!(۱) **ویسألونک عن الشهر الحرام الخ۔** ترجمہ: لوگ آپ سے حرمت والے مہینوں میں جنگ وقتال کرنے کے متعلق سوال کرتے ہیں، آپ فرمادیجئے کہ اس میں خاص طور پر جنگ کرنا جرمِ عظیم ہے اور اللہ تعالیٰ کی راہ سے روک ٹوک کرنا اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنا اور مسجدِ حرام خانۂ کعبہ کے ساتھ اور جو لوگ خانۂ کعبہ کے اہل تھے ان کو اس سے خارج کردینا جرمِ اعظم ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور فتنہ پردازی کرنا اس قتلِ خاص سے بدرجہا بڑھ کر ہے اور یہ کفار تمہارے ساتھ ہمیشہ جنگ رکھیں گے اس غرض سے کہ اگر قابو پالیں تو تم کو تمہارے دینِ اسلام سے پھیر دیں اور جو شخص تم میں سے اپنے دین سے پھر جاوے، پھر کافر ہونے ہی کی حالت میں مرجائے تو ایسے لوگوں کے نیک اعمال دنیا اور آخرت میں سب غارت ہوجاتے ہیں اور ایسے لوگ دوزخی ہوتے ہیں اور ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔(۲) یہ حرمت والے مہینے میں جنگ کرنے والے صحابۂ کرام کو تردد اور شک تھا کہ اس جنگ پر کچھ اجر وثواب ملے گا یا نہیں؟ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمادی **"والذین هاجروا وجاهدوا فی سبیل الله الخ"** حقیقتاً جو لوگ ایمان لائے ہوں اور جن لوگوں نے راہِ خدا میں ترکِ وطن کیا ہو اور جہاد کیا ہو، ایسے لوگ تو رحمتِ خداوندی کے امیدوار ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ (اس حرمت والے مہینوں میں جنگ کرنے کی غلطی کو) معاف کردیں گے اور تم پر رحم کریں گے۔(۳)

(۴۸) حضرت صہیب بن سِنان رومی رضی اللہ عنہ

---

(۱) طبقات ابن سعد: ۳/۲۲۸-۲۲۹۔ (۲) حوالۂ مذکور۔

(۳) طبقات ابن سعد: ۳/۲۲۹۔ (۴) حلیۃ الأولیاء: ۱/۱۵۱، الإصابۃ: ۲/۱۸۹۔

علامہ ابونعیم اصبہانی نے حضرت صہیب کو صفہ کے طالب علموں میں گردانتے ہوئے کہا کہ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ نے انہیں اہلِ صفہ میں شمار کیا ہے۔ (حلیۃ ال أولیاء: ۱ / ۲۷۳)

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کی کنیت ابو یحیٰی ، والد کا نام سنان بن مالک اور والدہ کا نام سلمی بنت قعید ہے۔ آپ کے والد یا آپ کے چچا شہنشاہِ ایران کسریٰ کی جانب سے ''اُبلّہ'' کے گورنر رہ چکے ہیں، آپ کا وطن اصلی ''موصل'' ہے۔ بچپن میں رومی فوج ''موصل'' پر یلغار کر کے آپ کو قیدی بنا کر لے گئی، روم ہی میں پلے بڑھے اور نوجوان ہوئے۔ بنوکلب نے آپ کو رومیوں سے خرید کر مکہ المکرمہ میں عبداللہ بن جدعان تیمی کے ہاتھ بیچ دیا، اس نے خریدتے ہی آزاد کر دیا۔ (۱)

ایک روایت میں اس طرح ہے کہ حضرت صہیب رومیوں کا مال لے کر مکہ مکرمہ بھاگ آئے اور ابن جدعان کے حلیف و معاہد بن گئے۔ رومیوں نے آپ کو ''موصل'' کے بجائے ''نینوی'' سے گرفتار کیا۔ (۲)

واقعۂ اسلام

علامہ ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ بعثتِ نبوی سے پہلے ہی آپ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک گونہ تعلق تھا۔ (۳)

کچھ عرصہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے، دعوتِ اسلام دینی شروع کی، کچھ افراد مسلمان ہوئے اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے ''دارِ ارقم'' کو مرکزِ اسلام بنایا، وہاں سے اسلام کی دعوت عام ہوئی۔ آپ بھی دار ارقم کی جانب چلے، ''دارِ ارقم'' کے دروازہ پر حضرت عمار سے ملاقات ہوئی، دونوں آپس میں ہم کلام ہوئے، ایک دوسرے کے سامنے اپنی آمد کے مقصد کا برملا اظہار کیا تو

---

(۱) المستدرک: ۳ / ۲۸۵۔ (۲) ال استیعاب: ۲ / ۱۷۱، سیر أعلام النبلاء: ۲ / ۲۴۔

(۳) صحیح مسلم: ۲ / ۳۰۴، مناقب سلمان وصہیب۔

معلوم ہوا کہ دونوں ایک ہی منزل کے مسافر ہیں، اندر تشریف لے گئے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام پیش کیا، فوراً دونوں نے **اشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھد ان محمد رسول اللہ** کا اقرار کیا، پھر شام تک ٹھہرے رہے اور اپنے اپنے ایمان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نورانی الفاظ سے جلاء بخشتے رہے، شام کو دونوں چھپ چھپ کر نکلے اور کچھ دور چل کر علٰحدہ علٰحدہ ہوگئے یہ دونوں بزرگ تیس یا اس سے کچھ زائد افراد کے مسلمان ہونے کے بعد اسلام لائے ہیں۔(۱)

اس زمانہ میں آپ کا اسلام لانا گویا کہ آگ کے انگارے کو ہاتھ میں لینا تھا، اطلاع پاتے ہی کفارِ مکہ آپ پر بھوکے بھیڑیے کی مانند ٹوٹ پڑے اور جتنا ان سے ہوسکا اذیتیں اور سخت سے سخت تکلیفیں پہونچائیں اور ان کفار نے خوب جی بھر کر آزمائش کی بھٹی میں آپ کو تپایا، لوہے کی زرہیں پہنا کر تپتی ہوئی ریت میں لٹایا، کبھی سخت پتھر سینۂ مبارک پر لاکر رکھ دیا تاکہ ہل نہ سکیں اور ان تکلیفوں کی تاب نہ لاکر (العیاذ باللہ) اسلام سے پھر جائیں۔ مکہ مکرمہ میں دیگر مسلمانوں کے خاندان یا کسی نہ کسی قسم کے محافظ ضرور تھے، لیکن حضرت صہیب، حضرت بلال اور حضرت عمار رضی اللہ عنہم کا کوئی اس دنیا میں محافظ نہ تھا، اس لیے کفار طرح طرح سے تکلیفیں دیتے، جس کی وجہ سے ہوش وخرد اڑ جاتے، کچھ پتہ نہیں! زبان سے کیا نکل رہا ہے؟ کیا کفریہ کلمہ کہہ رہے ہیں اس کا کچھ بھی احساس نہیں۔ ان ہی لوگوں میں آپ بھی تھے۔ یہ آیت آپ ہی جیسے لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی "**ثم ان ربک للذین ھاجروا من بعد ما فتنوا ثم جاھدوا و صبروا ان ربک من بعدھا لغفور رحیم**"۔(۲) پھر بے شک آپ کا رب ایسے لوگوں کے لیے کہ جنہوں نے مصیبت اٹھانے کے بعد ہجرت کی پھر جہاد کیا اور قائم رہے، تو آپ کا رب ان اعمال کے بعد بڑی مغفرت کرنے والا اور بڑا مہربان ہے۔(۳)

واقعۂ ہجرت

اللہ تعالیٰ نے بے یار ومددگار مسلمانوں کو کافروں کے ظلم واستبداد سے بچانے کے لیے مدینہ منورہ ہجرت کر جانے کی اجازت دے دی، چھپ چھپ کر مسلمان ہجرت کرنے لگے، سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہجرت کر گئے، صرف حضرت صہیب اور سیدنا علی رضی اللہ عنہما باقی رہ گئے۔ ایک روز موقع

---

(۱) طبقات ابن سعد: ۳/ ۲۲۷، الحلیۃ: ۱/ ۱۵۳، الإصابۃ: ۲/ ۱۸۸۔

(۲) الإصابۃ: ۲/ ۱۸۹۔

(۳) سیر أعلام النبلاء: ۲/ ۲۶۔

(۴) سیر أعلام النبلاء: ۲/ ۲۶۔

پا کر حضرت صہیب بھی ہجرت کے ارادہ سے مکہ مکرمہ سے نکلے، قریش کی ایک جماعت نے آپ کا تعاقب کیا۔ آپ ایک جگہ ڈٹ کر کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے اے قریش کی جماعت! تم لوگ خوب جانتے ہو، میں تم میں سب سے اچھا تیر انداز ہوں، خدا کی قسم! جب تک میرے ترکش میں ایک بھی تیر رہے گا تم میں سے کوئی بھی میرے قریب نہیں آسکتا۔ اگر تیر ختم ہو جائے گا تو تلوار کا استعمال کروں گا اور تلوار بھی جب تک میرے ہاتھ میں ہوگی کوئی بھی میرے سامنے نہیں پھٹک سکتا ہے؛ البتہ اگر تم چاہو تو ایک کام کرو، میرا راستہ چھوڑ دو اور یہاں سے واپس چلے جاؤ۔

کفار نے یہ سن کر کہا: ہم تمہیں نہیں چھوڑ سکتے، تم ہمارے یہاں خالی ہاتھ آئے تھے، فقر و تنگدستی کے مارے تھے، ہمارے یہاں آ کر تمہاری حالت بدل گئی، اچھے خاصے مالدار ہو گئے۔ آپ نے فرمایا: ہاں! تم ذرا یہ بتاؤ: اگر میں تمہیں سونے چاندی دوں گا تو میرا پیچھا چھوڑ دو گے؟ سب نے بیک زبان کہا، ہاں! آپ نے فرمایا میرے دروازہ کی چوکھٹ کھود کر سونے چاندی نکال لینا اور فلاں شخص سے میرا نام لے کر اور یہ علامت بتا کر جوڑے لے لینا۔ یہ سن کر وہ لوگ واپس لوٹ گئے۔ آپ بے خوف و خطر چلتے رہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آپ ربیع الأول کے درمیانی مہینہ میں ''قباء'' میں داخل ہوئے، ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ''قباء'' ہی میں مہاجرین مسلمانوں کے ساتھ تشریف فرما تھے سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے اور سامنے کھجوریں رکھی ہوئی تھیں۔

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کو آشوبِ چشم کی شکایت تھی، آپ آتے ہی کھجور پر ٹوٹ پڑے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی للہ علیہ وسلم سے فرمایا: اے اللہ کے رسول! آپ صہیب کو دیکھئے! آشوبِ چشم کی شکایت ہے اس کے باوجود کھجور کھائے چلے جا رہے ہیں۔ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے صہیب آشوبِ چشم میں کھجور کیوں کھا رہے ہو؟ جواب میں عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں صحیح تندرست آنکھ کی جانب سے کھا رہا ہوں۔ یہ حاضر جوابی سن کر رسول اللہ صلی اللہ

---

(۱) الاستیعاب: ۲/ ۱۷۵، سیر أعلام النبلاء: ۲/ ۱۸۔

(۲) الاصابۃ: ۲/ ۱۸۹، سیر أعلام: ۲/ ۲۶۔

(۳) طبقات: ۳/ ۲۲۶۔

علیہ وسلم تبسم فرمانے لگے۔ حضرت صہیب سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہوئے اور بولے آپ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ آپ میرے ساتھ ہجرت کریں گے مگر مجھے چھوڑ کر ہجرت کر گئے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا اے اللہ کے رسول! ہجرت کرتے وقت آپ نے بھی میرا خیال نہیں کیا اور مجھے تنہا چھوڑ کر ہجرت فرما گئے، قریش نے موقع پا کر مجھے روکنے کی بھرپور کوشش اور سعیٔ پیہم کی، مگر میں نے اپنی جان اور اپنے اہل کو اپنے مال کے بدلہ خرید لیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا: "ربح البيع أبا يحى" اے ابویحیٰ! یہ خرید و فروخت بڑے منافع کی رہی، اسی موقع پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی "**ومن الناس من يشرى نفسه ابتغاء مرضات الله والله رؤف بالعباد**" (سورۃ البقرۃ آیت: ۲۰۷) بعض آدمی ایسے بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی رضاء جوئی میں اپنی جان تک صرف کر ڈالتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ایسے بندوں کے حال پر نہایت مہربان ہے۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے اللہ کے رسول! میں اپنے ساتھ صرف ایک مد آٹا لے کر آیا ہوں۔ (۱)

مدینہ منورہ میں آپ کا قیام حضرت سعد بن خیثمہ رضی اللہ عنہ کے یہاں ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اور حضرت صہیب کے درمیان مواخات کرادی۔ (۲)

غزوات

حضرت صہیب غزوۂ بدر، غزوۂ احد، خندق اور تمام غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک رہے۔ (۳) یہ خود فرماتے ہیں! پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی کسی غزوہ میں تشریف لے گئے میں بھی ساتھ رہا، جب بھی مسلمانوں سے کسی قسم کی بیعت وغیرہ لی میں بھی اس میں شریک رہا، جب بھی میدانِ جنگ کے لیے کوئی لشکر روانہ کیا میں پیش پیش رہا اور غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دایاں بازو یا بایاں بازو بن کر رہا۔ کبھی بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دشمنوں کے سامنے نہ ہونے دیا۔ (۴)

پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں

پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اسلام میں پیش پیش رہنے والے چار حضرات

---

(۱) تفصیل کے لیے "ال اصابۃ: ۲ / ۲۲۷، دیکھیے۔

ہیں۔ چوتھی ہستی اور چوتھی شخصیت کا ان الفاظ سے ذکر فرمایا "**صہیب سابق الروم**" صہیب رومیوں میں اسلام قبول کرنے میں سب سے آگے ہیں۔ (۱)

ایک مرتبہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اشاد فرمایا: جو اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ صہیب سے اس طرح محبت کرے جیسے ماں اپنی اولاد سے محبت کرتی ہے۔ (۲)

ایک بار ابوسفیان حضرت سلمان، صہیب اور بلال رضی اللہ عنہم کے پاس سے گذرے اور بھی کچھ لوگ وہاں بیٹھے تھے۔ ان بزرگوں نے ابوسفیان کو دیکھ کر فرمایا: اللہ تعالیٰ کی تلواریں خداءِ ذوالجلال کے دشمن کی گردن پر اب تک نہیں پہونچیں، یہ ربِ ذوالجلال کا دشمن یونہی گھوم رہا ہے اور اب تک مارا نہیں گیا؟

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان حضرات کا جملہ سن کر فرمایا: تم قریش کے شیخ اور سردار کے حق میں ایسا کہتے ہو؟

حضرت ابوبکر نے مصلحت سے ایسا فرمایا کہ کہیں ابوسفیان ناراض ہوکر اسلام بھی قبول نہ کرے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں تشریف لائے اور سارا قصہ کہہ سنایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوبکر! تم نے شاید ان لوگوں کو ناراض کر دیا۔ اگر تم نے ان کو ناراض کیا تو اپنے پروردگار کو ناراض کیا۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان بزرگوں کے پاس آئے اور فرمانے لگے۔ اے بھائیو! میں نے تم کو ناراض کر دیا وہ بولے! اے میرے بھائی! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے۔ (۳)

جودوسخاوت

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ بہت فیاض اور سخی تھے، آپ کی جودوسخاوت کو دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ فرماتے اتنی فضول خرچی مت کیجئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ سے فرمایا اے صہیب! میں آپ کے اندر تین عیب پاتا ہوں!

حضرت عمر: آپ نے اپنی کنیت پیغمبر یحیٰ علیہ السلام کے نام پر "ابو یحیٰ" رکھی ہے جب کہ

---

(۱) سنن ابوداؤد: ۲/ ۲۸۷، نمبر: ۵۰۱۹، مسند أحمد: ۳/ ۴۲۹۔ ۴۳۰۔

(۲) حلیۃ الأولیاء: ۱/ ۳۷۳۔

آپ کی کوئی اولاد نہیں؟

حضرت صہیب: میری کنیت ابویحیٰ سید البشر محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھی ہے۔

حضرت عمر: آپ رومی النسل ہیں اس کے باوجود اپنے آپ کو اہلِ عرب میں شمار کرتے ہیں؟

حضرت صہیب: میں ''موصل'' کے باشندہ ''نمیر بن قاسط'' کے خاندان سے تعلق رکھتا ہوں، رومی مجھے بچپن ہی میں گرفتار کر کے روم لے آئے، اس وقت مجھے خوب عقل تھی، اس لیے اپنے نسب اور اپنے رشتہ داروں کو خوب جانتا ہوں۔

حضرت عمر: آپ زیادہ مال خرچ کر کے اور زیادہ سے زیادہ لوگوں کو کھانا کھلا کر فضول خرچی کیوں کرتے ہیں؟

حضرت صہیب: یہ فضول خرچی نہیں ہے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''إن من خیار کم من أطعم الطعام ورد السلام'' یقیناً تم میں بہترین حضرات وہ ہیں جو لوگوں کو کھانا کھلاتے اور سلام کرتے ہیں۔ اسی فرمانِ نبوی نے مجھے لوگوں کو کثرت سے کھانا کھلانے پر آمادہ کیا ہے۔(۱)

اللہ تعالیٰ نے حضرت صہیب کو بعد میں اولاد سے خوب نوازا، آٹھ اولاد نے خود آپ سے ہی علومِ نبوت حاصل کی۔(۲)

خلیفۃ المسلمین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نظر میں

حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت صہیب کے بہت قدرداں تھے، جب ان پر قاتلانہ حملہ ہوا اور سخت بیمار پڑ گئے تو حضرت صہیب ہی کو لوگوں کا امام منتخب کیا اور فرمایا اے صہیب! آپ لوگوں کو نئے خلیفۃ المسلمین منتخب ہونے تک نماز پڑھاتے رہیں اور میری نمازِ جنازہ بھی آپ ہی پڑھائیں۔ حضرت صہیب نے ان کے حکم اور وصیت کو بخوبی سرانجام دیا۔(۳)

تعدادِ احادیث اور فیض یافتگان

حضرت صہیب کی تقریباً ۳۰ رتیس حدیثیں ہیں، جن میں ۳ رصحیح مسلم میں اور بقیہ دیگر کتبِ احادیث میں ہیں(۴) اور آپ کے فیض یافتگان وشاگردان کرام میں جلیل القدر صحابی حضرت

عبداللہ بن عمر اور جابر رضی اللہ عنہم ہیں۔ اور کبارِ تابعین میں سعید بن مسیب، کعب احبار اور عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ وغیرہ ہیں اور خود آپ کے آٹھ صاحبزادے: عثمان، صیفی، حمزہ، سعد، عباد، صالح، حبیب اور محمد آپ کے شاگردان کرام میں ہیں۔ (۱)

وفات

حضرت صہیب کا انتقال بعمرِ ستر سال بمقامِ مدینہ منورہ ۳۸ھ میں ہوا۔ (۲)

حلیہ مبارکہ

حضرت صہیب خوبصورت سرخ رنگ، میانہ قد تھے اور ان کے بال گھنے اور بڑے بڑے تھے مہندی کا خضاب استعمال کرتے تھے۔ (۳)

---

(۱) ال إحسان بترتیب صحیح ابن حبان حدیث نمبر: ۶۲۴۹، حلیۃ ال أولیاء: ۱/ ۳۷۴-۳۷۵۔

(۲) حلیۃ ال أولیاء: ۱/ ۳۷۴۔

(۳) الثقات: / ۱۷۳، (۶۹۱)۔

(۴۹) حضرت طِخُفَہ بن قیس رضی اللہ عنہ

حضرت یعیش بن طخفہ فرماتے ہیں ”کان أبي من أصحاب الصفة“ کہ میرے والد محترم اصحابِ صفہ میں تھے۔

(سنن اُبوداؤد: ۲/ ۶۸۷، نمبر ۵۰۱۹، مسند اُحمد: ۳/ ۴۲۹۔۴۳۰)

نام طِخُفَہ، والد کا نام قیس، قبیلۂ غفار سے تعلق رکھنے کی وجہ سے غِفاری کہے جاتے ہیں علامہ ابن عبد البر اور علامہ ابن حجر عسقلانی نے حضرت طخفہ کے نام کے سلسلہ میں اختلاف نقل کیا ہے اور بہت سارے اقوال قلم بند کئے ہیں، مگر امام بخاری علیہ الرحمہ نے ”تاریخِ اوسط“ میں طخفہ ہی کو راجح قرار دیا ہے۔ حضرت طخفہ رضی اللہ عنہ کی روایت سنن ابوداؤد، سنن نسائی، مسند احمد اور معجم طبرانی وغیرہ میں آئی ہے اور ہر جگہ طخفہ نام آیا ہے، لہٰذا یہاں اس نام کے سلسلہ میں بحث کرنا بے سود ہے۔ (۱)

حضرت طخفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم صفہ کے طالب علموں کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر چلنے کا حکم دیا ہم لوگ آپ کے ساتھ چل کر ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر پہونچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عائشہ! ہم لوگوں کو کھانا کھلاؤ! وہ دلیا کھجور یا گوشت کے ساتھ ملا کر پکا ہوا کھانا لے کر آئیں، ہم نے کھایا پھر آپ نے فرمایا: اے عائشہ! ہمیں اور کھلاؤ! وہ کھجور، ستو، پنیر اور گھی سے تیار کردہ حریرہ لے کر آئیں، ہم نے کھایا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عائشہ اب ہمیں کچھ پلاؤ! تو دودھ سے بھرا ہوا بڑا پیالہ لے کر آئیں ہم نے پیا۔ پھر اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم لوگوں کی جانب مخاطب ہو کر فرمایا:

---

(۱) حلیۃ الأولیاء: ۱/ ۳۷۵۔

تم سونا چاہو تو سو جاؤ! اور مسجد جانا چاہو تو چلے جاؤ۔

حضرت طخفہ فرماتے ہیں: ایک دن میں مسجد نبوی میں رات کے آخری حصہ میں پیٹ کے بل سویا تھا کسی نے پیر سے مجھے حرکت دی اور کہا: اس طرح لیٹنا اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے۔ میں نے کہنے والے کی جانب دیکھا تو وہ محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔(۱)

حضرت طخفہ رضی اللہ عنہ صفہ کے طالب علموں کے ساتھ مدینہ منورہ زادہا اللہ شرفۃ وعظمۃ میں مقیم رہے اور ان کا انتقال مدرسہ صفہ ہی میں ہوا۔(۲)

---

(۱) حلیۃ الأولیاء: ۲/۹۔

(۲) شرف المصطفیٰ لأبی سعید نیساپوری بحوالہ اصابہ: ۲/ ۲۵۵۔

(۳) الإستیعاب: ۲/۳۴۹۔

(۴) الإصابۃ: ۲/ ۲۵۹۔

(۵۰) حضرت طلحہ بن عمرو بصری رضی اللہ عنہ

علامہ ابن حبان اور حافظ ابو نعیم اصبہانی نے حضرت طلحہ کو اصحابِ صفہ میں شمار کیا ہے۔ (الثقات: / ۳۷و۶۹۱، حلیۃ ال أولیاء: ۱/ ۳۷۴)

طلحہ نام، والد کا نام عمرو، بصرہ منتقل ہو جانے کی وجہ سے بصری کہے جاتے ہیں۔

صفہ کے طلبہ اور خود حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے زمانۂ طالب علمی کے حالات ان ہی کی زبانی ملاحظہ فرمائیں! حضرت طلحہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب کوئی مدینہ منورہ آتا اور وہاں کوئی اس کا جاننے والا ہوتا، وہ اس کے پاس ٹھہر جاتا اور اگر مدینہ منورہ میں کوئی جان پہچان کا نہ ہوتا تو صفہ میں ٹھہر جاتا، میں مدینہ آیا، وہاں کوئی جان پہچان والا نہیں تھا، اس لیے صفہ میں ایک آدمی کے ساتھ رہنے لگا۔

ہم دونوں کو روزانہ ایک مد کھجور ملتی تھی، ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ کر واپس ہو رہے تھے اصحابِ صفہ میں سے ایک شخص نے آگے بڑھ کر کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! "أحرق التمر بطوننا وتخرقت عنا الخنف" کھجوروں نے ہمارے پیٹ جلا دیئے ہیں اور ہماری چادریں پھٹ چکی ہیں۔

اس شخص کی بات سن کر محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف لے گئے اور خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: مکہ مکرمہ میں مجھ پر اور میرے ساتھیوں پر دسوں دن ایسے گذرے ہیں، جن میں ہم صرف

---

(۱) الثقات:/ ۱۸۸، نمبر (۹۸۷) الاستیعاب: ۲/ ۴۴۳۔

(۲) طبقات ابن سعد: ۷/ ۸۴۔

''اراک'' پیلو کے پھل پر گذر بسر کرتے تھے اور جب ہم ہجرت کر کے اپنے بھائی انصار کے یہاں آئے تو دیکھا کہ ان کی عام غذا کھجور ہے، انہوں نے ہر طرح کی ہمدردی کی۔

اللہ کی قسم! اگر میں تم لوگوں کے لیے گوشت روٹی پاتا تو وہی کھلاتا صبر کرو، عنقریب تم ایسا زمانہ پاؤ گے۔ یا تم میں سے بعض لوگ پائیں گے۔ جس میں غلافِ کعبہ کی طرح عمدہ اور اعلیٰ قسم کے لباس زیب تن کریں گے اور صبح و شام تمہارے پاس کھانے طبق میں آئیں گے۔ (۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ بصرہ چلے گئے اور وہیں سکونت پذیر ہو گئے۔ (۲) یہی وجہ ہے کہ ان کی ساری روایتیں اہل بصرہ ہی کے پاس ملتی ہیں۔ (۳)

---

(۱) الثقات: /۱۸۸، نمبر (۹۸۷) الاستیعاب: ۲/ ۴۴۳-۴۴۴۔

(۲) الاستیعاب: ۲/ ۴۴۴۔

(۳) الاستیعاب: ۲/ ۴۴۴۔

(۵۱) حضرت طُفاوی دَوسی رضی اللہ عنہ

علامہ ابونعیم اصبہانی فرماتے ہیں کہ حضرت طفاوی کے شاگرد ابونضرہ نے انہیں صفہ کے طالب علموں میں شمار کیا ہے۔

(حلیۃ ال أولیاء: ۱/ ۳۷۵۔)

حضرت طفاوی فرماتے ہیں: میں مدینہ منورہ آیا اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس ایک ماہ تک قیام کیا، اس دوران سخت بخار میں مبتلا ہوگیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجدِ نبوی میں تشریف لائے اور فرمایا: دوسی غلام کہاں ہے؟

جواب میں کچھ لوگوں نے عرض کیا وہ مسجد کے گوشہ میں سخت بخار میں تپ رہے ہیں یہ سن کر محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے اور انہیں بہت اطمینان دلایا۔ (۱)

---

(۱) ال استیعاب: ۲/ ۳۹۶۔

(۲) کتاب الثقات: / ۱۸۰۔

(۳) الاستیعاب: ۲/ ۳۹۶۔

(۴) الجرح والتعدیل: ۵/ ۲۲۰۔

(۵۲) حضرت عباد بن خالدِ غفاری رضی اللہ عنہ

امام المؤرخین واقدی، حافظ ابونعیم، علامہ مستغفری، علامہ بغوی اور علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہم اللہ نے حضرت عباد بن خالد غفاری رضی اللہ عنہ کو صفہ کے طالب علموں میں شمار کیا ہے۔ (حلیۃ ال أولیاء: ۲ / ۹، ال إصابۃ: ۲ / ۲۵۵)

عباد نام، خالد والد کا نام، غفار قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

علامہ واقدی فرماتے ہیں کہ حضرت عباد بن خالد رضی اللہ عنہ نے صلحِ حدیبیہ کے موقع پر مقامِ حدیبیہ کے پرانے اور سوکھے کنوئیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے تیر ڈالا تھا، جس کی برکت سے اتنا پانی نکلا کہ پورا لشکرِ اسلام سیراب ہوگیا۔ (۱)

ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ صحابۂ کرام میں غرباء اور ضرورت مند حضرات یہ تھے!

ربیعہ بن کعب، حارثہ کے دو لڑکے: اسماء اور ہند، طہیفۃ (طخفۃ) غفاری، عباد بن خالد غفاری، جُعیل

---

(۱) جامع ترمذی: فتح الباری: ۷ / ۳۹۱-۳۹۲۔

بن سراقہ، عرباض بن ساریہ، عمرو بن عوف، عبداللہ بن مغفل، ابوہریرہ اور واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہم۔(۲)

تعدادِ احادیث

علامہ ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ حضرت عباد رضی اللہ عنہ کی صرف دو حدیثیں ہیں اور وہ دونوں عطاء بن سائب کی سند سے ہیں۔ (۳)

وفات

ان کی وفات حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں ہوئی۔ (۴)

(۵۳) حضرت عُبادۃ بن قُرص لیثی رضی اللہ عنہ

حافظ ابن الأعرابي اور علامہ ابونعیم اصبہانی نے حضرت عُبادۃ بن قرص رضی اللہ عنہ کو اصحابِ صفہ میں شمار کیا ہے۔ (حلیۃ الأولیاء: ۲/۱٦)

حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کے والد کے سلسلہ میں دو قول ہے۔ ''قرص'' ''قرط'' علامہ ابن حبان اور امام ابن عبدالبر نے ''قرص'' کو صحیح قرار دیا ہے(۱) جب کہ ''مسندِ احمد بن حنبل'' اور ''طبقاتِ ابن سعد'' میں ''قرط'' آیا ہے۔ (۲)

تاریخ میں حضرت عبادۃ رضی اللہ عنہ کی یہ نصیحت ملتی ہے!

ایک مرتبہ مسلمانوں کو للکارتے ہوئے فرمایا: اے مسلمانو! آج تم لوگ گناہوں کے اعمال کو اپنی نگاہوں میں بال سے بھی زیادہ باریک اور معمولی سمجھتے ہو۔ جب کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

---

(۱) صحیح بخاری: ۲/۵۷٦، نمبر حدیث: ۴۰۳۷۔ (۲) الاستیعاب: ۲/۳۹٦، سیر اعلام النبلاء: ۱/۱۸۹، الثقات: /۱۸۰۔

(۳) تہذیب التہذیب: ۱۲/۱۵٦-۱۵۷۔

وسلم کے زمانۂ مبارکہ میں ہلاک کرنے والا گردانتے تھے۔ (۳)

سببِ شہادت

حضرت عبادۃ رضی اللہ عنہ میدانِ جنگ سے واپس آرہے تھے ''اہواز'' کے قریب پہونچے تو اذان کی آواز سنی، ابھی جماعت سے نماز پڑھنے ہی جارہے تھے کہ خوارج کے دو شخص ''سہم بن مالک'' اور ''خطیم باہلی'' نے انہیں پکڑ لیا، تو ان خوارج کو مخاطب کر کے فرمایا: اسلام قبول کرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے ہمیشہ راضی بہ رضاء رہے، کبھی بھی ناراض نہیں ہوئے، تم بھی مجھ سے راضی ہو جاؤ اور دشمنی مول لے کر قتل مت کرو، لیکن خوارج نے ایک نہ سنی اور شہید کر دیا۔ (۴) یہ سانحہ ۴۱ھ میں پیش آیا۔ (۱) جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس حسرت ناک واقعہ کا علم ہوا تو عبداللہ بن عامر کو بصرہ کا گورنر بنا کر ان خوارج کے پاس بھیجا۔ سہم اور خطیم نے پناہ طلب کی، انہوں نے پناہ دے دی، البتہ ان کے ساتھیوں کو چن چن کر قتل کیا، پھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ۴۵ھ میں انہیں معزول کر کے ''زیادؔ'' کو بصرہ کا گورنر منتخب کیا۔ ''زیادؔ'' نے بصرہ آتے ہی سب سے پہلے سہم بن مالک کو قتل کیا اور سولی پر لٹکا دیا، پھر ۴۹ھ میں خطیم باہلی نے زیاد کو قتل کر دیا۔ (۲)

شاگردانِ کرام، تعدادِ احادیث

حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد ابوقتادہ عدوی اور حمید بن ہلال ہیں، ان سے صرف ایک حدیث ہی ملتی ہے۔ (۳)

---

(۱) الاستیعاب: ۲/۴۱۱۔ (۲) ال اِصابۃ: ۲/۴۱۱۔۴۱۲۔

(۵۴) حضرت عبدالرحمن بن جَبْر انصاری رضی اللہ عنہ

حافظ ابوعبداللہ نیساپوری اور علامہ ابونعیم اصبہانی نے حضرت عبدالرحمن بن جبر رضی اللہ عنہ کو اصحابِ صفہ میں شمار کیا ہے۔ (حلیۃ ال أولیاء: ۲/ ۸)

حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کی کنیت ''ابوعبس'' والد کا نام جبر بن عمرو، والدہ کا نام لیلی بنت رافع، انصارِ مدینہ کے قبیلہ اوس سے تعلق رکھتے ہیں اور آپ اپنی کنیت ہی سے زیادہ مشہور ہیں۔ (۱)

آپ کا پہلا نام ''معبد'' تھا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بدل کر عبدالرحمن رکھ دیا۔ (۲)

غزوۂ بدر اور دیگر تمام غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک رہے ہیں۔ (۳)

جب مہاجرین مدینہ منورہ (زادہا اللہ شرفۃ وعظمۃ) ہجرت کر کے تشریف لائے تھے تو بالکل نووارد تھے اور مسافرانہ حالت میں تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دو شخصوں کے درمیان اخوت و بھائی چارہ کا رشتہ پیدا کر کے آپس میں جوڑ دیا، اس کے اثرات و برکات حقیقی بھائیوں کے مراسم سے بھی زیادہ مستحکم اور مضبوط ثابت ہوئے۔ تو اسی بندھن میں ایک مہاجر صحابی حضرت خنیس بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ کو آپ کے ساتھ جوڑ دیا۔

---

(۱) ال إصابۃ: ۴/ ۴۱۲، حلیۃ ال أولیاء: ۲/ ۷-۸۔

(۲) تہذیب التہذیب: ۶/ ۲۵۵۔

مدینہ منورہ میں کتابت کا رواج بہت کم تھا مگر آپ نے زمانۂ جاہلیت ہی میں عربی زبان لکھنا پڑھنا سیکھ لیا تھا۔

بنوحارثہ کے بتوں کو حضرت ابوعبس اور بردہ بن نیار رضی اللہ عنہما نے توڑا ہے (۴)
اور کعب بن اشرف یہودی کو قتل کرنے میں حضرت محمد بن مسلمہ کے ساتھ حضرت ابوعبس عبدالرحمن بھی شریک رہے ہیں، جس واقعہ کو امام بخاری علیہ الرحمۃ نے تفصیل کے ساتھ صحیح بخاری میں ذکر کیا ہے۔

کعب بن اشرف یہودی کے قتل کا واقعہ

کعب بن اشرف یہودی بڑے ڈیل ڈول، دراز قامت، بڑی توند والا مدینہ منورہ کے پاس رہتا تھا، یہ یہودی شاعر بھی تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو میں اشعار کہتا اور لکھتا تھا اور مسلمانوں کو طرح طرح سے ایذائیں دیتا تھا غزوۂ بدر کے بعد مکہ مکرمہ جا کر قریش کے سامنے اشعار پڑھے جن میں ان کو خوب بھڑکایا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو صبر وتحمل کا حکم فرماتے رہے مگر جب پانی سر سے گذرنے لگا اور کعب کی آئے دن شرارت کے صبر کا پیمانہ چھلک گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قتل کا حکم دیتے ہوئے فرمایا۔ (۱)

کون کعب بن اشرف کو قتل کرنے کے لیے تیار ہے؟ چونکہ اس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت تکلیف پہونچائی ہے۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: لبیک یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس کے لیے میں تیار ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی۔ حضرت محمد بن مسلمہ نے اپنے ساتھ ابونائلہ سلکان بن سلامہ، حضرت عبدالرحمن ابوعبس، عباد بن بشر اور حارث بن اُوس رضی اللہ عنہم کو ساتھ لیا اور اس مہم پر روانہ ہونے سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت محمد بن مسلمہ نے یہ اجازت چاہی کہ اگر ضرورت ہو تو آپ کے خلاف مخادعت کی گفتگو کر سکتے ہیں؟ بخوشی اس کی اجازت مل گئی اور یہ حضرات اس مہم کے لیے روانہ ہو گئے، جب کعب بن اشرف کے قلعہ کے پاس پہونچے تو محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ تنہا گئے، آواز دی، وہ آیا، تو انہوں نے کہا: یہ

---

(۱) الثقات:/۱۷۷(۷۵۱) تہذیب التہذیب:۵/۱۴۹۔ (۲) تہذیب التہذیب:۵/۴۹، ۱۵۰۔
(۳) سنن ابوداؤد:۲/۵۲۳۔ (۴) حلیۃ الاولیاء:۲/۵۔
(۵) الاستیعاب:۲/۲۵۰، حلیۃ الاولیاء:۲/۵۔

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم سے صدقہ مانگتا ہے اور یقیناً اس نے ہم لوگوں کو تھکا مارا ہے۔ میں تیرے پاس کچھ قرض حاصل کرنے کے لیے آیا ہوں۔ کعب نے موقع کو غنیمت سمجھ کر بھڑکانے کی کوشش کی اور کہا: ابھی تو اور خدا کی قسم اکتا جاؤ گے۔ محمد بن مسلمہ نے کہا: بے شک ہم نے اس کی اتباع کر لی ہے، لہٰذا اس کو چھوڑ نا پسند نہیں کرتے، تا آنکہ انجام بسرِ چشم دیکھ لیں، البتہ تو ہمیں کچھ خوراک بطورِ قرض کے دے دے اور رہن وگروی کے طور پر جنگی سامان رکھ لے، وہ فوراً راضی ہو گیا۔ چنانچہ رات کے وقت یہ حضرات جنگی سامان رکھنے کے لیے آئے اسے آواز دی۔ کعب کی بیوی نے اس آواز کو سن کر کہا: اے کعب! اس آواز سے خون کی بو آ رہی ہے ہرگز اس وقت ان سے ملاقات مت کرو۔ اس نے جواب دیا: محمد بن مسلمہ اور میرا دودھ شریک بھائی ابونائلہ ہے ان سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ ویسے بھی کریم شریف آدمی کو رات کے وقت بھی مقابلہ وجنگ کے لیے بلایا جائے تو وہ لبیک کہتا ہے۔ بال آخر چادر لپیٹے ہوئے اور خوشبو میں معطر ہو کر ان حضرات کے پاس آیا۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے آج کی طرح خوشبو کبھی نہیں سونگھی۔ کعب اس پر بولا کہ میرے پاس عرب کے سردار کی وہ عورت ہے جو ہر وقت عطر وخوشبو میں بسی رہتی ہے اور حسن وجمال کی ملکہ ہے۔ محمد بن مسلمہ نے کہا: اگر اجازت ہو تو آپ کا سر سونگھوں؟

کعب نے جواب دیا: ہاں! حضرت محمد بن مسلمہ نے اس کا سر بذاتِ خود سونگھا پھر اپنے ساتھیوں کو سونگھایا۔ پھر کہا: دوبارہ سونگھنے کی اجازت ہے؟ بولا: ہاں، اجازت ہے، تو حضرت محمد بن مسلمہ نے اس کو اپنے قابو میں لے کر ساتھیوں کی طرف اشارہ کیا۔ سارے ساتھیوں نے مل کر پل بھر میں اسے موت کی نیند سلا دیا اور اسی وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر سارا واقعہ بیان کر دیا۔(۱)

حضرت ابوعبس عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کو خلیفۃ المسلمین حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہما اپنے اپنے زمانۂ خلافت میں صدقہ وزکوٰۃ وصول کرنے کے لیے عامل بنا کر بھیجا کرتے تھے۔

وفات

آپ کی وفات بعمرِ ستر سال بمقامِ مدینہ منورہ ۳۴ھ میں ہوئی، نمازِ جنازہ امیر المؤمنین

---

(۱) الاصابۃ: ۲/ ۲۷۰۔ (۲) حلیۃ الأولیاء: ۲/ ۵۔

حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ نے پڑھائی اور آپ کو جنت البقیع میں سپردِ خاک کیا گیا۔ (۲)

شاگردانِ کرام

حضرت ابوعبس کے شاگردوں میں خود ان کے صاحبزادے زید اور پوتے ابوعبس بن محمد بن عبدالرحمن اور حضرت عبایۃ بن رفاعہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ (۳)

(۵۵) حضرت عبدالرحمن بن قُرط رضی اللہ عنہ

امام بخاری، یحییٰ بن معین، ابوحاتم رازی، حافظ ابنِ حجر وغیرہ نے حضرت عبدالرحمن بن قرط کو اصحابِ صفہ میں شمار کیا ہے۔ (الاصابۃ: ۲/۴۱۱)

نام عبدالرحمن، والد کا نام قرط "حمص" کی جانب نسبت ہونے کی وجہ سے "حمصی" کہے جاتے ہیں۔

حافظ ابنِ عبدالبر کہتے ہیں کہ میرا گمان ہے کہ یہ عبداللہ بن قرط کے بھائی ہیں۔ (۱)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں "حمص" کے گورنر بنے اور شام ہی میں مستقل طور پر سکونت پذیر ہو گئے یہی وجہ ہے کہ ان کا شمار فلسطینیوں میں ہوتا ہے۔

"حمص" کی گورنری کے زمانہ میں ایک دن انہیں یہ بتایا گیا کہ ایک دلہن کو کجاوہ میں لے جایا جا رہا ہے اور اس کے ساتھ خوب شمعیں روشن ہیں۔ معلوم ہوتے ہی کجاوہ کو توڑ وا دیا اور شمعوں کو بجھوا دیا پھر صبح کے وقت منبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا: میں اصحابِ صفہ کے ساتھ رہتا تھا۔ یہ فقراء،

---

(۱) حلیۃ الأولیاء: ۲/۵-۶، المغازی للواقدی: ۳/ مسند ابویعلیٰ: ۲/۲۰۱-۲۰۲۔

(۲) صحیح بخاری: ۲/۵۷۷، المغازی: ۱/۳۹۱، فتح الباری: ۷/۳۹۶-۳۹۸۔

غرباء اور مسکینوں کی جماعت تھی جو مسجدِ نبوی میں رات و دن رہتی تھی۔

ابو جندل کی شادی کا واقعہ پیش آیا۔ انہوں نے امامہ سے شادی کی، پھر کھانا تیار کرایا اور ہم لوگوں کی دعوتِ ولیمہ کی تو ہم لوگ ان کی دعوتِ ولیمہ میں شریک ہوئے۔ اس کے بعد ابو جندل شہید ہو گئے اور ان کی اہلیہ محترمہ امامہ بھی اس دنیا سے رخصت ہو گئیں۔ (۲)

عبدالرحمن بن قرط کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جس رات مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ لے جایا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مقام ابراہیم اور زمزم کے درمیان تھے، حضرت جبرئیل آپ کے دائیں جانب اور بائیں جانب حضرت میکائیل تھے، یہ دونوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمان پر لے گئے اور آپ کو ساتوں آسمان کی سیر کرائی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: جب میں لوٹنے لگا تو میں نے آسمانوں میں ایک تسبیح سنی "من ذي المهابة مشفقات لذي العلى بما علا سبحان العلي الأعلى، سبحانه وتعالى" (۱)

شاگردانِ کرام

علامہ ابن حجر عسقلانی نے حضرت عبدالرحمن بن قرط کے دو شاگرد: سلیم بن عامر اور عروۃ بن رویم کی صراحت کی ہے۔ (۲)

---

(۱) صحیح بخاری: ۲/ ۵۷۷ (۴۰۳۹)

(۲) المغازی للواقدی: ۱/ ۳۹۴-۳۹۵، مسند ابو یعلی: ۲/ ۲۰۴-۲۰۶

(۳) طبقات ابن سعد بحوالہ فتح الباری: ۷/ ۳۹۷۔

(۴) المغازی: للواقدی: ۱/ ۳۹۱۔

(۵۶) حضرت عبداللہ بن اُنیس جُہنی رضی اللہ عنہ

حافظ ابوسعید بن الاعرابی اور علامہ ابونعیم اصبہانی نے حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کو اصحابِ صفہ میں شمار کیا ہے۔ (حلیۃ الأولیاء: ۲/ ۵)

حضرت عبداللہ کی کنیت "ابویحییٰ مدنی" والد کا نام اُنیس بن أسعد، انصارِ مدینہ کے حلیف ومعاہد ہیں۔ (۱)

حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی ہیں، بیعتِ عقبہ، غزوۂ بدر اور دیگر تمام غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک رہے ہیں۔ (۲) غزوۂ احد کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پانی کا برتن طلب فرمایا اور اسی برتن سے پانی نوش فرمایا۔ (۳)

---

(۱) صحیح بخاری: ۱/ ۱۷ مختصراً، الأدب المفرد: / ۲۶۳ باب المعانقۃ تفصیلاً، فتح الباری: ۱/ ۲۰۹۔

(۲) استیعاب: ۲/ ۲۵۰، تہذیب التہذیب: ۵/ ۱۵۰۔ خارجۃ بن عبداللہ کی صراحت المغازی: ۱/ ۳۹۱، میں ہے۔

(۳) الثقات: / ۱۷۷، (۷۵۴)

(۴) استیعاب: ۲/ ۲۵۰، الإصابۃ: ۲/ ۲۷۰۔

صفہ کی زندگی

علامہ ابونعیم اصبہانی کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ سے دور ایک دیہات کے رہنے والے ہیں، پورے سال دیہات میں رہتے اور ماہِ رمضان المبارک کی راتوں میں مسجدِ نبوی میں آکر اصحابِ صفہ کے ساتھ قیام کیا کرتے۔ (۴) خود ان کا بیان ہے کہ میں ایک مرتبہ مدینہ منورہ آیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ مجھے کسی مہینہ کی مخصوص رات میں مسجدِ نبوی میں حاضر ہونے کا حکم دیجئے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے رمضان المبارک کی ۲۳/ ویں شب کو حاضر ہونے کا حکم دیا۔ جب میں اس مخصوص رات میں حاضر ہوا تو اس رات سارے اہلِ مدینہ سے مسجد کھچا کھچ بھری ہوئی پائی۔ (۵)

جنگی کارنامے

حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ بنوسلمہ کے بتوں کو مسمار کرنے میں پیش پیش رہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد بن نُبیح عنزی کو قتل کرنے کے لیے انہیں تنِ تنہا روانہ فرمایا (۱) اور اسی موقع سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش ہو کر انہیں ایک عصا دیا، جس کی بنا پر یہ ”صاحب المخصرۃ“ (عصا والے) کہے جانے لگے۔ (۲)

واقعہ یہ ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن فرمایا: خالد بن نبیح کو قتل کرنے کے لیے کون تیار ہے؟ یہ ایک بنو ہزیل کا شخص ہے، ان دنوں میں مقام ”عرنہ“ میں ہے، جو میدانِ عرفہ سے کچھ پہلے پڑتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن اُنیس نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اس مہم کو سرانجام دینے کے لیے تیار ہوں۔ براہِ کرم! آپ اس کے اوصاف بیان فرمادیں، تاکہ میں بہ آسانی اسے پہچان سکوں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کی پہچان یہ ہے کہ اسے دیکھتے ہی تمہارے اندر اس کا رعب وخوف طاری ہو جائے گا۔

انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! آج تک میں کسی سے مرعوب نہیں ہوا اور نہ کسی سے

---

(۱) طبقات ابن سعد: ۴/ ۲۰۵۔

(۲) ال استیعاب: ۲/ ۴۹۴۔

(۳) الثقات: / ۴/ ۱۷

(۴) طبقات ابن سعد: ۴/ ۲۰۵، ال استیعاب: ۲/ ۴۹۴۔

(۵) ال استیعاب: ۴/ ۴۹۴۔

خوف کھایا۔ یہ کہہ کر ۵ رمحرم الحرام ۴ھ کو مدینہ منورہ سے اس مہم کے لیے روانہ ہو گئے۔ جب عرفہ کے پہاڑی علاقہ میں پہونچے تو ابھی سورج غروب نہیں ہوا تھا، اسی دوران اس شخص پر ان کی نظر پڑی، تو ان کا کہنا ہے جس وقت میری نظر اس پر پڑی تو اس کا خوف و دبدبہ میرے اندر کافی بیٹھ گیا، بس میں نے فوراً پہچان لیا کہ یہی وہ شخص ہے۔

اس نے مجھے دیکھتے ہی پوچھا: تم کون؟ کہاں سے آئے ہو؟ میں نے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا کہ کسی ضرورت سے آیا ہوں۔ رات گذارنے کے لیے کوئی ٹھکانہ ہے؟ اس نے کہا: ہاں، میرے ساتھ آؤ۔

میں اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا اور جلدی سے اس کی نگاہ سے چھپ کر دو رکعت مختصر نماز پڑھی اور پیچھے سے جا کر اس کی گردن اڑا دی۔ پھر مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہو گیا، ۲۳ رمحرم الحرام ۴ھ کو مدینہ منورہ پہونچا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے مہم کی کامیابی سے مطلع فرمایا تو آپ نے خوش ہو کر مجھے ایک عصا دیا اور فرمایا: اس عصاء کو اپنے پاس رکھے رہو اور اسی عصا کے ساتھ قیامت کے دن مجھ سے ملو۔

راوی محمد بن کعب کا بیان ہے کہ جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو اس عصاء کے بارے میں یہ وصیت فرمائی کہ اسے میرے پیٹ پر رکھ دینا پھر کفن دینا۔ ان کی وفات کے بعد حسب وصیت ان کے پیٹ پر عصا رکھا، پھر کفن وغیرہ دیا۔ (۱)

ابورافع کے قتل کرنے میں شرکت

ابورافع عبداللہ بن ابی الحُقیق یہودی اسلام اور مسلمانوں کا بڑا دشمن تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت تکلیف پہونچاتا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف دشمنوں کی بہت مدد کرتا تھا، سرزمینِ ''حجاز'' یا سرزمینِ ''خیبر'' کے ایک قلعہ میں رہتا تھا۔ قبیلۂ ''غطفان'' اور دیگر مشرکینِ قبائلِ عرب کو بہت زیادہ مال دے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف مدد کی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عتیک، عبداللہ بن انیس، ابوقتادہ، اسود بن خزاعی، مسعود بن سنان اور عبداللہ

---

(۱) سورۂ عبس آیت: ۱-۱۲۔ (۲) طبقات: ۴/۲۰۸۔

(۳) روح المعانی: ۳/۳۹۔

بن عتبہ کو اس یہودی کے قتل کرنے کے لیے بھیجا اور حضرت عبداللہ بن عتیک کو ان کا امیر مقرر فرمایا۔ (۲)

ابو رافع یہودی ان دنوں سرزمینِ حجاز کے قلعہ میں تھا، یہ حضرات سورج غروب ہونے کے بعد اس کے قلعہ کے قریب پہونچے، حضرت عبداللہ بن عتیک نے اپنے ساتھیوں کو ایک جگہ ٹھہرایا اور خود موقع نکال کر تنہا مکان کے اندر داخل ہوئے، وہ اندھیرے میں ایک گھر میں اپنے اہل وعیال کے درمیان سو رہا تھا، حضرت عبداللہ بن عتیک فرماتے ہیں کہ مجھے معلوم نہ ہوسکا کہ ابو رافع کہاں پر ہے؟ میں نے آواز دی اے ابو رافع! وہ بولا! کون ہے؟ یہ سنتے ہی اس آواز کی جانب بڑھا اور تلوار سے وار کیا، مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا اس نے ایک چیخ ماری تو میں کمرہ سے باہر نکل آیا اور تھوڑی دیر باہر ٹھہرا رہا، پھر اندر آیا اور کہا! اے ابو رافع یہ آواز کیسی تھی؟ بُرا بھلا کہنے کے بعد بولا! معلوم نہیں گھر میں کون گھس آیا ہے، مجھ پر حملہ کر رہا ہے؟ پھر میں نے آواز کی جانب کا نشانہ لے کر زوردار وار کیا، زخمی تو کر دیا مگر قتل نہیں کر سکا۔ آگے بڑھ کر تلوار کی نوک اس کے پیٹ میں گھسائی وہ پیٹھ کی ہڈی تک پہونچ گئی، اب اس کے قتل ہونے کا یقین ہوگیا، وہاں سے تیزی سے بھاگنے کی وجہ سے سیڑھی سے گر گیا، جس سے پنڈلی ٹوٹ گئی مگر پیر کو عمامہ سے باندھ کر کسی طرح باہر آیا اور ساتھیوں کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور سارا واقعہ بیان کر دیا تو آپ نے فرمایا: اپنا پاؤں پھیلاؤ، میں نے پاؤں پھیلایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر ہاتھ پھیر دیا تو بالکل اچھا ہوگیا گویا اس میں کبھی چوٹ ہی نہیں آئی تھی (۱)۔

واقدی کی روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عتیک اپنے سارے ساتھیوں کے ساتھ اندر آ گئے اور سب نے تاریکی میں ایک ہی ساتھ تلوار ماری۔ یہی وجہ ہے کہ جب یہ لوگ مدینہ منورہ آئے تو ہر شخص نے دعویٰ کیا کہ میں نے مارا ہے۔ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کی تلواریں دیکھیں اور فیصلہ کیا کہ عبداللہ ابن اُنیس نے مارا ہے، کیونکہ ان کی تلوار پر غذا کی علامتیں ہیں۔

حضرت عبداللہ بن انیس کے صاحبزادہ خارجہ بن عبداللہ کی روایت میں ہے کہ جب یہ حضرات ابو رافع کے قلعہ کے قریب پہونچے تو آپس میں اس کے قتل کرنے کے سلسلہ میں ہر ایک

---

(۱) طبقات ابنِ سعد: ۴/ ۲۰۵۔
(۲) صحیح بخاری: ۱/ ۵۵۸، نمبر: ۳۹۲۵۔
(۳) طبقات ابنِ سعد: ۴/ ۲۰۷۔
(۴) صحیح بخاری: ۱/ ۸۶، نمبر: ۲۱۷۔
(۵) کتاب المغازی: ۱/ ۸، الاستیعاب: ۲/ ۴۹۴۔
(۶) الاصابۃ: ۲/ ۵۱۶۔

جھگڑنے لگا۔ بالآخر فیصلہ یہ ہوا کہ قرعہ اندازی کی جائے، جس کا نام آئے گا وہی ابورافع کو قتل کرنے جائے گا۔ قرعہ اندازی میں حضرت عبداللہ بن اُنیس رضی اللہ عنہ کا نام نکلا تو آپ اس کو قتل کرنے کے لیے گئے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو کامیاب فرمایا۔(۲)

علامہ ابن سعد نے فرمایا کہ یہ واقعہ ماہِ رمضان المبارک ۶ھ میں پیش آیا ہے، (۳) جب کہ علامہ واقدی نے ۵ر ذی الحجہ ۴ھ میں اس واقعہ کے پیش آنے کی صراحت کی ہے۔ (۴)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا ایک ماہ مسافت طے کر کے حضرت عبداللہ بن انیس کے پاس ایک حدیث سننے کے لیے جانا

حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ ''مصر'' اور ''افریقہ'' تشریف لے گئے اور آخری وقت میں ''شام'' میں سکونت پذیر ہو گئے۔ اسی دوران جلیل القدر صحابی حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ ایک حدیث پاک سننے کی غرض سے مدینہ منورہ سے شام سفر کر کے آپ کے پاس حاضرِ خدمت ہوئے۔ خود حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے! مجھے ایک حدیث پاک کے بارے میں معلوم ہوا کہ اس حدیث شریف کو حضرت عبداللہ بن انیس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست سن رکھا ہے۔ مجھے اس حدیث پاک کے سننے کی خواہش ہوئی، ایک اونٹ خریدا اور ایک ماہ کی مسافت طے کر کے شام پہونچا، حضرت عبداللہ بن انیس کے دروازہ پر دستک دی، دربان سے کہا: اندر جا کر بتادو کہ آپ سے جابر ملنا چاہتا ہے۔ انہوں نے جابر کا نام سن کر کہا: عبداللہ کے لڑکے جابر؟ میں نے کہا ہاں! وہ فوراً باہر تشریف لائے اور مجھ سے آگے بڑھ کر معانقہ کیا اور فرمایا: کیسے آنا ہوا؟ میں نے کہا: ایک حدیث پاک کے بارے میں معلوم ہوا ہے کہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست سن رکھی ہے، مجھے اندیشہ ہوا کہ اس حدیث پاک کے سننے سے پہلے کہیں میری موت نہ آجائے، اسی غرض سے حاضرِ خدمت ہوا ہوں۔ یہ سن کر حضرت عبداللہ بن انیس نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا: ''یحشر اللّٰہ الناس یوم القیامۃ عراۃ'' اللہ تعالیٰ لوگوں

---

(۱) المغازی: ۱/۸۔ (۲) سنن اَبی داؤد: ۲/۵۹۹، طبقات ابن سعد: ۴/۲۱۰۔

کو قیامت کے دن ننگے، برہنہ جسم جمع فرمائیں گے۔(۱)

شاگردانِ کرام

حضرت عبداللہ بن انیس کے فیض یافتگان میں خود ان کے پانچ صاحبزادے: عطیہ، عمرو، ضمرۃ، خارجہ اور عبداللہ اور صحابۂ کرام میں حضرت جابر اور حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہم، تابعین میں کعب بن مالک کے دو صاحبزادے عبدالرحمن اور عبداللہ، بسر بن سعید وغیرہ ہیں۔(۲)

علامہ ابن حبان فرماتے ہیں: آپ کی احادیث کا ذخیرہ اہلِ شام اور اہلِ مصر کے پاس ہے۔(۳)

آپ کا انتقال حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت ۵۴ھ میں ہوا۔(۴)

(۵۷) حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ

امام ابونعیم اصبہانی نے حضرت ابن ام مکتوم کو صفہ کے طالب علموں میں گردانتے ہوئے کہا کہ حضرت ابن ام مکتوم کے شاگرد حضرت ابورزین اسدی سے منقول ہے کہ حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ جنگِ بدر کے کچھ ہی دن بعد مدینہ منورہ تشریف لائے اور صفہ میں طلبۂ صفہ کے ساتھ قیام پذیر ہوئے، پھر محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ''دار الغذاء''۔ جو مخرمہ بن نوفل کا گھر تھا۔ میں ٹھہرایا۔(حلیۃ

---

(۱) صحیح بخاری: ۲/ ۶۶۰، نمبر حدیث: ۴۵۹۲۔

(۲) طبقات ابن سعد: ۳/ ۲۱۰۔

(۳) سیر اعلام النبلاء: ۱/ ۳۶۵۔

(۴) طبقات ابن سعد: ۴/ ۲۱۲۔

(۵) الاستیعاب: ۲/ ۴۹۴، الاصابۃ: ۲/ ۵۱۶۔

(۶) الاصابۃ: ۲/ ۵۱۶۔

ال أولیاء: ۲ / ۴)

دربارِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن حضرت عبداللہ بن ام مکتوم مشہور جلیل القدر صحابی ہیں۔ ان کے نام میں اختلاف ہے، اہلِ مدینہ انہیں "عبداللہ" سے موسوم کرتے ہیں جب کہ اہلِ عراق انہیں "عمرؓ" سے جانتے اور پہچانتے ہیں۔ (۱) علامہ ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ اسی "عمرؓ" کے نام سے محدثین کے نزدیک مشہور ہیں۔ (۲) حافظ ابن حبان کہتے ہیں کہ درحقیقت "حصین" نام تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبدیل کرکے "عبداللہ" نام رکھا ہے، (۳) البتہ ان کے سلسلۂ نسب میں کسی قسم کا اختلاف نہیں ہے، والد کا نام قیس بن زائدہ قریشی، ماں کا نام عاتکہ ام مکتوم بنت عبداللہ اور خاندانِ قریش سے تعلق رکھتے ہیں (۴) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی رشتہ دار بھی ہیں، رشتہ میں ام المؤمنین حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا کے ماموں زاد بھائی ہیں اور یہ نابینا ہیں۔ (۵)

حصولِ علم کا شوق

حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ ابتداءِ اسلام ہی میں مشرف بہ اسلام ہوئے آپ فرصت کے ہر لمحہ کو غنیمت جانتے ہوئے منبعِ علم وحکمت سے علومِ نبوت بڑے شوق ولگن سے حاصل کرتے رہے، آپ کے حصولِ علم کے شوق ولگن نے ہی اس بات پر آمادہ کیا کہ ایک دن پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم بعض سردارانِ قریش مثلاً عتبہ بن ربیعہ وغیرہ کو متفکرانہ انداز میں دعوتِ اسلام دے رہے تھے اتنے میں آپ حاضرِ خدمت ہوئے اور اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھنے لگے کہ فلاں آیت کیسے ہے، اس میں سے کچھ سکھائیے، اس طرح بار بار دریافت کرنے لگے، آپ کا بے وقت آنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر گراں گذرا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبیدہ خاطر ہوئے، ماتھے پر

---

(۱) طبری بحوالہ ال اصابۃ: ۲ / ۱۸۳۔

(۲) سیر أعلام النبلاء: ۳ / ۳۸۷۔ ال استیعاب: ۲ / ۲۷۱، ال اصابۃ: ۲ / ۲۸۲، الثقات: (۷۷۳)۔

(۳) سیر أعلام النبلاء: ۳ / ۳۸۸۔

(۴) المستدرک: ۳ / ۶۳۳۔

(۵) سیر أعلام النبلاء: ۳ / ۳۸۸، ال اصابۃ: ۲ / ۲۸۳۔

تیوری چڑھائی اور انہیں نظر انداز کرتے ہوئے سردارانِ قریش کی طرف ہی ہمہ تن متوجہ رہے، دل میں یہی لگن تھی کہ یہ اسلام قبول کرلیں، دینِ اسلام کو غلبہ حاصل ہو۔ غرض آپ صلی اللہ علیہ وسلم منقبض ہوئے اور انقباض کے آثار چہرۂ انور سے پھوٹنے لگے اس پر سورۃ عبس کی یہ آیتیں نازل ہوئیں!

عبس وتولی أن جاءه الاعمی، ومایدریک لعله یزکی أو یذکر فتنفعه الذکری

امامن استغنی فأنت لهتصدی -إلی قوله- فأنت عنه تلهی۔

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ترش رو ہوئے اور متوجہ نہ ہوئے اس بات پر کہ ان کے پاس نابینا آیا، آپ کو کیا خبر شاید نابینا (آپ کی تعلیم سے پورے طور پر) سنور جاتا، یا نصیحت قبول کرتا، سو اس کو نصیحت کرنا فائدہ پہنچاتا۔ تو جو شخص آپ کے پاس (دین کے شوق میں) دوڑا ہوا آتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے، آپ اس سے بے اعتنائی برتتے ہیں۔ ہرگز ایسا نہ کیجئے، قرآن کریم ایک نصیحت کی چیز ہے تو جس کا دل چاہے قبول کرلے۔(۱) یہ آیتیں نازل ہوتے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو طلب فرمایا اور آپ کا بہت ہی اعزاز واکرام کیا۔(۲) اس کے بعد جب بھی آپ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آتے، تو آپ ﷺ بہت تعظیم وتکریم سے پیش آتے اور فرماتے! **مرحباً بمن عاتبنی ربی** (۳)

داعیٔ اسلام اور معلمِ قرآن بن کر مدینہ منورہ کی ہجرت

علامہ واقدی اور حافظ ابن سعد وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ حضرت ابنِ ام مکتوم نے غزوۂ بدر کے کچھ دنوں بعد مدینہ منورہ ہجرت کی ہے(۱) جب کہ علامہ ابنِ حجر عسقلانی نے کہا ہے کہ صحیح بات یہ ہے کہ حضرت ابنِ ام مکتوم نے غزوۂ بدر، بلکہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پیشتر حضرت مصعب بن عمیر کے ساتھ مدینہ منورہ ہجرت کی ہے حضرت براء رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ سب سے پہلے ہم

---

(۱) ال اِصابۃ:۲/۲۸۵۔

(۲) ال اِستیعاب:۲/۲۷۸۔

(۳) ال اِصابۃ:۲/۲۸۵، سنن ابوداود۔

(۴) ال اِستیعاب:۲/۲۷۸۔

(۵) الثقات:/۱۷۸ نمبر(۷۷۹)

لوگوں کے پاس مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے حضرت مصعب بن عمیر اور حضرت ابنِ ام مکتوم تشریف لائے اور یہ دونوں حضرات لوگوں کو قرآن کریم کی تعلیم دینے اور دینِ اسلام کی دعوت پھیلانے میں ہمہ تن مصروف ہو گئے۔ (۲)

مؤذنِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کا شرف

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام صحابۂ کرام مدینہ منورہ ہجرت کر آئے اور حضرت ابنِ ام مکتوم اور حضرت بلال رضی اللہ عنہما شرفِ مؤذنیت سے نوازے گئے۔ (۳) خاص طور سے رمضان المبارک میں حضرت ابنِ ام مکتوم ہی اذانِ فجر دیا کرتے تھے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ لوگوں کو بیدار کرنے اور تہجد پڑھنے والوں کو مطلع کرنے کے لیے اذان دیتے کہ سحری کا وقت ختم ہونے والا ہے، جلد سحری تناول کرلیں اور حضرت ابنِ ام مکتوم فجر کی اذان دیا کرتے، یہ تو نابینا تھے اس وجہ سے لوگوں سے وقتِ فجر کے بارے میں پوچھتے رہتے، جب کہا جاتا "اصبحت أصبحت" صبح ہوگئی صبح ہوگئی تو اذان دیتے۔ (۴)

خلیفۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم بننے کا شرف

غزوات کے موقع سے پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں حضرت ابنِ ام مکتوم کو دسیوں مرتبہ اپنا خلیفہ اور جانشیں بنایا (۵) اور اس دوران یہ مسجدِ نبوی میں امامت بھی کیا کرتے تھے۔ (٦)

امام المؤرخین علامہ واقدی نے ان غزوات کی نشاندہی کی ہے جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابنِ ام مکتوم کو مدینہ منورہ میں اپنا خلیفہ بنایا ہے وہ یہ ہیں:

۱۔ غزوۂ کُدر ۲۔ غزوۂ بُحران ۳۔ غزوۂ اُحد ۴۔ غزوۂ حمراء الأسد ۵۔ غزوۂ بنونضیر
٦۔ غزوۂ خندق ۷۔ غزوۂ بنوقریظہ ۸۔ غزوۂ بنولحیان ۹۔ غزوۂ غابہ ۱۰۔ غزوۂ صلحِ حدیبیہ
۱۱۔ غزوۂ فتح مکہ ۱۲۔ غزوۂ حنین ۱۳۔ غزوۂ طائف ۱۴۔ غزوۂ تبوک ۱۵۔ حجۃ الوداع۔ (۱)

حبِّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت ابنِ ام مکتوم کے دل میں محسنِ انسانیت سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ محبت

---

(۱) الثقات:/۱۷۸، نمبر:(۷۹۳) (۲) سنن أبوداود: ۲/ ۳۴۳۔

(۳) مسند أحمد بحوالہ الإصابۃ: ۲/ ۲۹۲۔

تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف نابینا ہونے کے باوجود کچھ بھی برداشت نہیں کر پاتے تھے۔ مدینہ منورہ میں ایک یہودی عورت کے پاس آپ جاتے رہتے تھے وہ آپ کی بہت آؤ بھگت کرتی تھی۔ ایک دن اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کچھ گستاخانہ جملے کہہ دیئے، جس کی بنا پر آپ نے اسی جگہ پکڑا اور اسے قتل کر دیا اس معاملہ کو لے کر یہودی نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ آپ سے وجہ دریافت کی گئی۔ تو عرض کیا، یقیناً وہ میرے ساتھ بہت خندہ پیشانی کے ساتھ پیش آتی تھی، لیکن اس نے اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخانہ جملے کہہ کر مجھے تکلیف پہنچائی ہے، نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اسے ہلاک کیا ہے اور میں اس کا خون بہا لغو اور باطل قرار دیتا ہوں۔ (۲)

جذبۂ جہاد

جب مجاہدوں کی فضیلت میں آیت نازل ہوئی تو حضرت ابنِ ام مکتوم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے اسے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی زبانی ملاحظہ فرمایئے! حضرت زید فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ آیت "**لایستوي القاعدون من المؤ منین والمجاهدون في سبیل اللّٰہ**" مسلمانوں میں سے گھر میں بیٹھے رہنے والے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والے برابر نہیں ہو سکتے۔ (۳) ابھی لکھوا ہی رہے تھے کہ ابنِ ام مکتوم رضی اللہ عنہ خدمتِ اقدس میں حاضر ہو گئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر مجھ کو جہاد پر قدرت ہوتی تو خدا کی قسم! ضرور جہاد کرتا چونکہ یہ نابینا تھے۔ ابھی یہ اپنا جملہ ختم ہی کر پائے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر وحی نازل کی، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رانِ مبارک میری ران پر تھی۔ شدتِ وحی کی وجہ سے اپنی ران کے ٹوٹنے کا اندیشہ ہونے لگا، پھر کیفیتِ وحی کا سلسلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ختم ہوا تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ابھی "**غیر أولي الضرر**" کے الفاظ مزید نازل فرمائے، یعنی "قاعدون" سے مراد وہ لوگ ہیں جو بلا عذر جہاد سے پیچھے رہ جائیں لیکن جو لوگ معذور ہیں وہ مستثنیٰ ہیں۔ (۱)

معذورین کو جنگ سے پیچھے رہ جانے کی اجازت ملنے کے باوجود حضرت ابنِ ام مکتوم کے

---

(۱) مجمع الزوائد: ۱۰/۵۸، فضل شام، الاصابۃ: ۲/۲۹۲۔ (۲) الثقات: /۱۷۸، نمبر (۷۹۳) الاصابۃ: ۲/۲۹۲۔

(۳) الاستیعاب: ۲/۲۸۱، الاصابۃ: ۲/۲۹۲

دل میں جذبۂ جہاد رہ رہ کر ابھرتا تھا اور یہ فرماتے تھے کہ میدانِ جنگ میں مجھے لشکرِ اسلام کا جھنڈا پکڑا کر دو صفوں کی بیچ میں کھڑا کر دو، چونکہ میں دیکھنے سے معذور ہوں تو ایک ہی جگہ جم کر کھڑا رہوں گا اور حتی الامکان اسلامی جھنڈے کو سرنگوں ہونے نہیں دوں گا۔ (۲)

حضرت ابنِ مکتوم کی دیرینہ تمنا اس طرح پوری ہوئی کہ آخری شوال ۱۵ھ میں جنگِ قادسیہ کے مقام میں رستم، ذوالحاجب اور جالینوس کی قیادت میں ساٹھ ہزار ٹڈی دل فوجیوں کے مقابلہ میں سات ہزار سے کچھ زائد اسلامی لشکر حضرت سعد بن ابی وقاص کی قیادت میں نکلا، ان سربکف مجاہدین میں حضرت ابنِ ام مکتوم رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ (۳)

حضرت انس کا بیان ہے کہ حضرت ابنِ ام مکتوم کے مطالبہ پر انہیں سیاہ رنگ کا جھنڈا دیا گیا، یہ جنگی زرہ وغیرہ سے لیس ہو کر کافروں سے جنگ کرتے رہے۔ (۴) تین دن تک مسلسل جنگ جاری رہی، قتل وقتال کا معرکہ گرم رہا، ایرانی سپہ سالار رستم مارا گیا اور ایرانی فوج شکست خوردہ ہو کر راہِ فرار اختیار کر گئی، جب شہداء کی تجہیز وتکفین کی جانے لگی تو ان شہداء میں مؤذنِ رسول اور سچے عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم عبداللہ ابنِ ام مکتوم بھی پائے گئے وہ اس حالت میں شہید ہوئے تھے کہ اسلامی پرچم ان کے ہاتھ میں تھا۔ (۵)

فیض یافتگان

حضرت ابنِ ام مکتوم کے شاگردانِ کرام میں عبداللہ بن شداد، عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ اور ابورزین اُسدی وغیرہ ہیں۔ حافظ ابنِ حجر نے کہا کہ حضرت ابنِ ام مکتوم کی حدیثیں سننِ ابوداؤد، سننِ ترمذی، سننِ نسائی اور سننِ ابنِ ماجہ میں ہیں۔ (۶)

(۵۸) حضرت عبداللہ بن حارث زبیدی رضی اللہ عنہ

---

(۱) الثقات:/۱۷۶، نمبر (۷۲۷) الاستیعاب:۲/ ۳۰۳۔۳۰۴، تہذیب التہذیب:۵/ ۲۲۴۔

(۲) الاستیعاب:۲/ ۲۰۳۔۳۰۴۔

حضرت عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ اپنے آپ کو صفہ کے طالب علموں میں گردانتے ہوئے فرماتے ہیں: ہم ایک دن صفہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب بیٹھے ہوئے تھے، ہم اصحابِ صفہ کے لیے کھانا آیا، ہم نے کھایا، پھر جماعت کھڑی ہوگئی تو ازسرِ نو وضوء کیے بغیر ہم لوگوں نے نماز پڑھی۔ (حلیۃ الأولیاء: ۲/ ۷)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا نام ''عاصی'' تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''عاصی'' سے بدل کر ''عبداللہ'' رکھ دیا، والد کا نام حارث بن جزء ہے ''زبید'' کی جانب منسوب کرکے زبیدی کہے جاتے ہیں۔ (۱)

یہ فتحِ مصر میں شریک ہوئے اور وہیں سکونت اختیار کرلی، یہی وجہ ہے کہ ان کے فیض یافتگان میں مصری حضرات ہیں، جن کی ایک لمبی فہرست ہے۔ (۲)

ان کی حدیثیں سننِ ابوداؤد جامع ترمذی اور سننِ ابنِ ماجہ میں ہیں۔ (۳)

ان کی عمر مبارک کافی لمبی ہوئی ہے۔ اخیر عمر میں بینائی ختم ہوگئی تھی۔ ان کا انتقال ''مصر'' کے ''سقط القدور'' نامی گاؤں میں ۸۶ھ میں ہوا۔ (۴) یہ مصر میں وفات پانے والے سب سے آخری صحابی ہیں۔ (۵)

(۵۹) حضرت عبداللہ بن حُبشی خثعمی رضی اللہ عنہ

علامہ ابوسعید بن الأعرابی اور حافظ ابونعیم اصبہانی نے حضرت

---

(۱) تفصیل کے لیے سنن ابوداؤد: ۱/ ۷۱-۷۲۔ (۲) الاستیعاب: ۲/ ۳۰۴۔

عبداللہ بن حُبشی رضی اللہ عنہ کو صفہ کے طالب علموں میں شمار کیا ہے۔ (حلیۃ ال اَولیاء: ۲ / ۱۴)

نام عبداللہ، کنیت ابوقبیلہ، والد کا نام حُبشی، قبیلہ ''بنوخثعم'' سے تعلق رکھتے ہیں۔(۱) ان کے دو شاگرد: عبید بن عمیر اور سعید بن محمد بن جبیر بن مطعم ہیں۔(۲)

علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: ان کی صرف ایک ہی حدیث شریف کی سند قوی اور مضبوط ہے، جس کی امام ابوداؤد اور امام نسائی نے اپنی سنن اور امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں تخریج کی ہے۔ وہ حدیث پاک یہ ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کون سا عمل بہتر ہے؟

ارشاد فرمایا: ''ایمان لاشک فیه، وجهاد لاغلول فیه، وحج مبرور'' ایسا ایمان جس میں کسی قسم کا شک وتردد نہ ہو، ایسا جہاد جس میں کسی قسم کی خیانت نہ ہو اور حج مقبول۔(۳) یہ مکۃ المکرمۃ میں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔(۴) یہی وجہ ہے کہ امام ابن حبان نے ان کے بارے میں کہا ہے۔ ''عداده فی أهل مکۃ'' کہ ان کا شمار اہلِ مکہ میں ہوتا ہے۔(۵)

(٦٠) حضرت عبداللہ بن حوالہ اَزدی رضی اللہ عنہ

امام ابوعیسیٰ ترمذی اور علامہ ابونعیم اصبہانی نے حضرت عبداللہ بن حوالہ رضی اللہ عنہ کو اصحابِ صفہ میں شمار کیا ہے۔ (حلیۃ ال اَولیاء:

---

(۱) تفصیل کے لیے ال اِصابۃ: ۲ / ۳۰۴۔

(۲) تہذیب التہذیب: ۵ / ۲۲۴۔

(۳) الثقات: / ۱۷۶، نمبر (۷۲۸) ال اِستیعاب: ۲ / ۳۰۴، ال اِصابۃ: ۲ / ۳۰۴۔

۲/ ۳)

عبداللہ نام، ابومحمد کنیت، والد کا نام حوالہ، قبیلہ ''اَزْدْ'' سے تعلق رکھتے ہیں۔ (۱)

حضرت عبداللہ بن حوالہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم لوگوں کو مالِ غنیمت حاصل کرنے کے لیے پیادہ پا روانہ کیا، ہم خالی ہاتھ لوٹ آئے اور جنگ میں کچھ بھی ہاتھ نہیں آیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم لوگوں میں جہد و مشقت اور تھکاوٹ کے آثار نمایاں محسوس کیے، تو کھڑے ہوئے اور فرمایا: اے اللہ! تو ان لوگوں کو میرے سپرد مت کر ورنہ میں انہیں کمزور وناتواں بنادوں گا۔ نہ انہیں ان کی ذات پر چھوڑ، ورنہ عاجز و بے بس ہوجائیں گے اور نہ انہیں لوگوں کے حوالہ کر اور نہ ان کا محتاج بنا، ورنہ لوگ ان پر ترجیحی معاملہ کریں گے، اپنی ذات کو ہر معاملہ میں مقدم رکھیں گے اور انہیں کچھ نہیں دیں گے، پھر پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنا دستِ شفقت میرے سر پر رکھتے ہوئے فرمایا: اے حوالہ کے فرزند! جب تم خلافت کے مسئلہ کو خوب ابھرتا ہوا دیکھنا تو سرزمینِ شام کی راہ لینا اور وہیں مقیم ہوجانا، کیونکہ اس وقت زلزلے، بڑے بڑے فتنے کے ظہور کا وقت بہت قریب ہوگا اور قیامت اس وقت اتنی قریب ہوگی، جتنا میرا ہاتھ تمہارے سر سے قریب ہے (۲)۔

''مسند احمد'' میں اتنا اضافہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر غریب مسلمانوں کو یہ خوشخبری سنائی کہ خدا کی قسم! ایک وقت ایسا آئے گا کہ تم لوگ سرزمینِ ''فارس'' سرزمینِ ''روم'' اور سرزمینِ ''شام'' فتح کرلوگے، تم میں سے ہر ایک کے حصہ میں بہت سے اونٹ اور بہت سی بکریاں آئیں گی اور ایک ایک شخص کو سو سو دینار دیے جائیں گے پھر بھی وہ اسے کم تر سمجھے گا اور ناراض ہوگا۔ (۳)

اس روایت سے حضرت ابن حوالہ رضی اللہ عنہ کی غربت و مسکنت ظاہر ہوتی ہے اور صفہ کے طالب علموں کی خاص پہچان یہی ہے کہ یہ حضرات صحابۂ کرام میں ضعفاء اور غرباء ہوتے تھے۔

حضرت ابن حوالہ رضی اللہ عنہ کو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ محبت تھی، اپنی اس

---

(۱) الإصابۃ: ۲/ ۳۲۶۔ (۲) الاستیعاب: ۲/ ۳۳۰۔

(۳) الاستیعاب: ۲/ ۳۳۰، الإصابۃ: ۲/ ۳۲۶۔ (۴) سیر أعلام النبلاء: ۱/ ۵۱۔

محبت کا اظہار بڑے نرالے اور اچھوتے انداز میں کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ایک دن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور یہ خواہش ظاہر کی کہ اے اللہ کے رسول! معلوم نہیں، کب آپ ہمارے درمیان سے تشریف لے جائیں، جس کی بنا پر مجھے یہاں -مدینہ منورہ میں- رہنا دوبھر معلوم ہو۔ آپ مجھے کسی ایسے شہر کا پتہ بتائیے جہاں میں آپ کے وصال کے بعد سکونت اختیار کرلوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''شام'' چلے جانا، یہ سن کر میں خاموش رہا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے چہرہ سے بھانپ لیا کہ مجھے سرزمینِ ''شام'' ناپسند ہے، تو فرمایا:

''شام'' کی حقیقت جانتے بھی ہو کہ ''شام'' کیا چیز ہے؟ اللہ تعالیٰ ''شام'' سے مخاطب ہوکر فرماتا ہے "**یاشام أنت صفوتي من بلادي أدخل فیک خیرتي من عبادي**" اے شام! تو میرے تمام ملکوں اور تمام سرزمینوں میں منتخب اور پسندیدہ سرزمین ہے۔ میں تمہارے اندر اپنے منتخب اور چیدہ بندوں کو ہی داخل کرتا ہوں۔ (۱)

یہ فضیلت سن کر اپنے محبوب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد شام چلے گئے اور اہلِ شام نے ان سے کافی علم حاصل کیا اور ان سے احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سنیں مثلاً: ابوسعید خولانی، جبیر بن نفیر، مرثد بن وداعۃ وغیرہ۔

کچھ دنوں کے لیے ''مصر'' بھی تشریف لے گئے، اہلِ مصر نے بھی کافی فیض اٹھایا، جن میں ربیعہ بن لقیط تجیبی وغیرہ ہیں۔

پھر شام واپس آگئے اور اس مقدس سرزمین میں بعمرِ ۷۲ سال امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت ۵۸ھ میں وفات پائی۔ یہی علامہ واقدی، ابنِ حبان وغیرہ کی رائے ہے، (۲) البتہ علامہ ابنِ عبدالبر اور ابنِ یونس نے تاریخِ وفات ۸۰ھ ذکر کی ہے۔ (۳)

(۶۱) حضرت عبداللہ بن زید بن عبدربہ رضی اللہ عنہ

---

(۱) طبقات ابن سعد: ۳/ ۲۴۰، صفۃ الصفوۃ: ۱/ ۴۴۱۔

(۲) طبقات ابن سعد: ۳/ ۲۴۰۔

حافظ ابوعبداللہ نیساپوری اور علامہ ابونعیم اصبہانی نے حضرت عبداللہ بن زید بن عبدربہ کو اصحابِ صفہ میں شمار کیا ہے۔ (حلیۃ الاولیاء: ۲/ ۶)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی کنیت ابومحمد، والد کا نام زید بن عبدربہ، انصارِ مدینہ منورہ کے قبیلہ ''خزرج'' سے تعلق رکھتے ہیں۔

مؤرخین و محدثین کے نزدیک صاحبِ اذان'' سے مشہور ہیں''۔

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ بیعتِ عقبہ، غزوۂ بدر اور بقیہ تمام غزوات میں شریک رہے ہیں۔(۱) فتحِ مکہ کے دن بنوالحارث بن خزرج کا جھنڈا ان ہی کے ہاتھ میں تھا۔(۲)

مشروعیتِ اذان کی سعادت کے حامل

اذان کی مشروعیت کی سعادت وفضیلت ان ہی کے حصہ میں آئی ہے، انہوں نے ہی خواب دیکھا تھا اور ان کا خواب ہی اذان کی مشروعیت کا دارومدار بنا۔ اسی خواب کی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر فرض نماز کے لیے اذان دینے کا حکم فرمایا۔

واقعہ یہ ہوا کہ پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے اور مسجدِ نبوی بھی بن کر تیار ہوگئی تو اب فکر یہ ہوئی کہ کس طرح سارے صحابۂ کرام بیک وقت اور ایک ساتھ نماز ادا کر سکتے ہیں، اس سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہ کرام سے مشورہ لیا۔ راوی کا بیان ہے کہ بعض صحابہ نے یہ مشورہ دیا کہ جب نماز کا وقت ہو تو ایک جھنڈا گاڑ دیا جائے، تاکہ لوگ اس کو دیکھ کر ایک دوسرے کو اطلاع کر سکیں۔ بعض نے آپ کو ''شبّورِ یہود''

---

(۱) طبقات ابن سعد: ۳/ ۲۴۰۔

☆ غزوۂ ذوالعشیر ہ ماہِ جمادی الاُخریٰ ۲ھ میں پیش آیا۔ قریش کا ایک قافلہ بغرضِ تجارت شام کے لیے نکلا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سربکف ڈیڑھ سو یا دو سو مجاہدین صحابۂ کرام کی فوج مدینہ سے لے کر روانہ ہوئے تاکہ تجارتی قافلہ پر حملہ کریں، لیکن مقامِ عشیرہ پہونچ کر معلوم ہوا کہ قافلۂ قریش نکل چکا ہے۔ (المغازی: ۱/ ۱۲-۱۳)

(۲) المغازی للواقدی: ۱/ ۷۔

(۳) صفۃ الصفوۃ: ۱/ ۴۴۱، المغازی: ۱/ ۹۰، ۳۰۰۔

(جو یہود کا خود ساختہ مذہبی باجہ ہے جسے نرسنگھا کہا جاتا ہے) کا مشورہ دیا، جس کے ذریعہ سے آواز بلند ہوجاتی ہے اور بعضوں نے ناقوس (سنکھ بجانے) کا مشورہ دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں مشوروں کو یہود ونصاریٰ سے تشبہ ومشابہت رکھنے کی وجہ سے رد فرمادیا۔

یہ مجلس ویسے ہی بغیر کسی فیصلہ کے برخواست ہوگئی اور اہلِ مجلس میں سب سے زیادہ اس کی فکر حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ لے کر اٹھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس اہتمامِ فکر کی بدولت یہ سعادت نصیب فرمائی کہ خواب میں ان کو اذان دکھلائی گئی۔

وہ اس طرح کہ خواب میں ایک شخص "سنکھ" لے کر آتا دکھائی دیا۔ انہوں نے فرمایا: اے اللہ کے بندے! اس ناقوس کو مجھ سے بیچ دے۔ اس شخص نے پوچھا: آپ کو اس سے کیا مطلب ہے؟ بولے: اس سنکھ کو بجا کر لوگوں کو نماز کے لیے اکٹھا کیا کریں گے۔

اس نے جواب دیا: اس سے بہتر چیز نہ بتاؤں؟

فرمایا: ہاں ضرور بتایئے!

صاحبِ ناقوس نے مکمل اذان کے کلمات پڑھ کر سنائے۔ صبح ہوتے ہی دربارِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے اور سارا واقعۂ خواب کہہ سنایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا: "**إنّها لرؤيا حق إن شاء اللّٰه**" انشاء اللہ یہ خواب بالکل برحق ہے اور اسی وقت اذان کی مشروعیت کا فیصلہ فرماتے ہوئے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا: اے بلال: ان کے ساتھ چلے جاؤ، یہ تمہیں اذان کے کلمات جس طرح سکھائیں ویسے ہی تم باآوازِ بلند پڑھو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی آواز بلند تھی، اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اذان دینے کا حکم فرمایا: یہ وجہ خود نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے یہ الفاظ "**فإنه أندى صوتہ منک**" صراحت فرمائی ہے۔

راوی ابوعمیر کا کہنا ہے کہ انصارِ مدینہ یہ فرماتے تھے کہ عبداللہ بن زید اس دن بیمار تھے، اگر یہ بیمار نہ ہوتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان ہی کو شرفِ مؤذن سے بہرہ ور فرماتے۔(۱)

یہ مشروعیتِ اذان کا واقعہ ۱ھ میں پیش آیا ہے۔(۲)

---

(۱) المغازی: ۱/ ۳۴۰-۳۴۶۔

(۲) طبقات ابن سعد: ۲/ ۲۴۰، ال اصابۃ: ۲/ ۳۲۷۔

احادیث کی تعداد، شاگردانِ کرام

امام ترمذی علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے کہ حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی مشروعیتِ اذان کے علاوہ اور کوئی صحیح حدیث نہیں ہے ان سے صرف ایک ہی صحیح روایت مروی ہے۔ امام ابن عدی اور دیگر حضرات نے بھی یہی کہا ہے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی نے ان حضرات کا تخطیہ اور تعاقب کرتے ہوئے فرمایا: **"هو خطأ فقد جاءت عنه عدة أحاديث ستة الخ"** یہ کہنا غلط ہے کہ ان کی صرف یہی ایک حدیث صحیح ہے۔ میں نے بذاتِ خود ان کی چھ یا سات حدیثیں جمع کی ہیں اور ان کو مستقل ایک رسالہ میں لکھا ہے وہ سب صحیح ہیں۔ (۱)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے فیض یافتگان میں خود ان کے صاحبزادہ محمد بن عبداللہ بن زید ہیں اور سعید بن المسیب، عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ اور معاذ بن عبداللہ ہیں۔ (۲)

وفات

ان کی وفات بعمر ۶۴ رسال بمقامِ مدینہ منورہ ۳۲ھ میں ہوئی اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔ (۳)

---

(۱) صحیح مسلم: ۱/ ۳۰۰ (الجنائز)

(۲) سننِ نسائی شریف: ۲/ ۶۳، (مطولاً مفصلاً) صحیح مسلم شریف: ۱/ ۳۰۰، الجنائز مختصراً۔

(۳) تہذیب التہذیب: ۵/ ۲۸۷۔

(۶۲) حضرت عبداللہ بن عبدال اَسد ابوسلمہ رضی اللہ عنہ

امام عبداللہ بن المبارک اور علامہ ابونعیم اصبہانی نے حضرت عبداللہ بن عبدال اَسد رضی اللہ عنہ کو اصحابِ صفہ میں سے شمار کیا ہے۔

(حلیۃ ال اَولیاء: ۲ / ۳)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی کنیت ابوسلمہ، والد کا نام عبدال اَسد بن ہلال، والدہ کا نام بَرَّہ بنت عبدالمطلب، خاندان قریش کے قبیلۂ بنومخزوم سے تعلق رکھتے ہیں اور یہ اپنی کنیت ابوسلمہ ہی سے معروف ومشہور ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی پھوپھی زاد اور رضاعی بھائی ہیں اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے بھی رضاعی بھائی ہیں۔ (۱) ابولہب کی باندی ''ثُوَیبہ'' نے سب سے پہلے سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو، پھر سید الانس والجان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو، پھر حضرت ابوسلمہ کو دودھ پلایا۔ (۲)

آپ ابتداءِ اسلام ہی میں دس لوگوں کے اسلام قبول کرنے کے بعد مسلمان ہوئے اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی۔ جب مسلمانوں پر زیادہ ظلم ہونے لگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو سرزمینِ ''حبشہ'' ہجرت کرجانے کی اجازت دے دی تو سب سے پہلے آپ ہی نے اپنی زوجۂ محترمہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ سرزمینِ ''حبشہ'' کی ہجرت کی۔ (۳)

سورہ ''والنجم'' کے نزول کے وقت کفارِ مکہ کے اسلام قبول کرنے کے بارے میں علم ہوا تو حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے ساتھ مکہ مکرمہ واپس آگئے، لیکن یہ صرف افواہ تھی، اس لیے

---

(۱) طبقات ابن سعد: ۴ / ۱۴۲، سیر اعلام النبلاء: ۳ / ۲۰۴۔

کفار کے مظالم سے بچنے کے لیے خواجہ ابوطالب کی پناہ میں آ گئے۔ (۴)

ہجرتِ مدینہ منورہ

کچھ دنوں بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو مدینہ منورہ ہجرت کر جانی کی اجازت دے دی، سب سے پہلے حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ اپنی بیوی اور بچہ کے ساتھ ہجرت کے ارادہ سے مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہوئے۔ (۱) راستہ میں ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے رشتہ دار حائل ہو گئے کہ ہم ام سلمہ کو نہیں جانے دیں گے اور حضرت ابوسلمہ کے قبیلہ والوں نے بچہ کو ام سلمہ سے یہ کہہ کر چھین لیا کہ اس لڑکے کو تمہارے پاس نہیں رہنے دیں گے۔ اس طرح حضرت ام سلمہ ان کے شوہر اور ان کا لڑکا تینوں علیحدہ ہو گئے۔ آپ تنِ تنہا ۱۰ ارمحرم الحرام کو ''قباء'' پہونچے اور مبشر بن عبدالمنذر کے یہاں ٹھہرے (۲) اور حضرت ام سلمہ اپنے میکہ میں رہ گئیں اور بیٹا اپنی ددھیال میں پہونچ گیا۔ حضرت ام سلمہ نے شوہر اور بچہ کے فراق وجدائیگی میں روتے روتے ایک سال گذار دیا ایک دن ان کے چچازاد بھائی کو ان پر رحم آ گیا اور کسی طرح میکہ والے کو راضی کرا کے انہیں شوہر کے پاس جانے کی اجازت دلوا دی۔

بنوعبدالاٴسد نے بھی لڑکے کو ان کے حوالہ کر دیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر مدینہ منورہ کے لیے چل پڑیں، کچھ دور چل کر عثمان بن طلحہ ملے وہ ان کو تنہا دیکھ کر بولے! کہاں کا ارادہ ہے؟ انہوں نے کہا: شوہر ابوسلمہ کے پاس مدینہ منورہ جارہی ہوں۔ تمہارے ساتھ کوئی اور ہے؟ بولیں: اللہ کی ذات کے سوا کوئی نہیں ہے۔ یہ سن کر حضرت عثمان آگے بڑھے اور حضرت ام سلمہ کے اونٹ کی نکیل پکڑی اور آگے آگے چل دیے حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں: خدائے ذوالجلال کی قسم! مجھے عثمان سے زیادہ کوئی شریف آدمی نہیں ملا، جب اترنے کا وقت ہوتا، وہ میرے اونٹ کو بٹھا کر خود علیحدہ درخت کی آڑ میں ہو جاتے، میں اتر جاتی، جب سوار ہونے کا وقت ہوتا تو اونٹ کو سامان وغیرہ سے لاد کر میرے قریب بٹھا دیتے میں اس پر سوار ہو جاتی اور وہ آ کر اس کی نکیل پکڑ کے آگے آگے چلنے لگتے، اسی طرح ہم مدینہ منورہ

---

(۱) الاصابۃ: ۲/ ۳۳۸۔

(۲) طبقات ابن سعد: ۴/ ۱۴۵۔

(۳) طبقات ابن سعد:/ ۱۴۲۔

(۴) صحیح بخاری: ۱/ ۵۵۶، حدیث نمبر: ۳۹۱۲۔

(۵) صحیح بخاری: ۲/ ۵۶۴۔ رقم: ۳۹۵۷۔

(۶) طبقات: ۴/ ۱۴۳۔

(۷) صحیح بخاری: ۲/ ۵۸۸، رقم: ۴۰۹۷۔

(۸) استیعاب: ۲/ ۲۳۴۔

(۹) سنن ابوداؤد: ۲/ ۳۷۶۔۳۷۷۔

پہونچے، جب قباء میں پہونچے تو معلوم ہوا کہ ابوسلمہ یہیں مقیم ہیں، یہ ان کے پاس چلی گئیں۔ (۳)

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسلمہ اور سعد بن خثیمہ رضی اللہ عنہ کے درمیان مواخات کرائی، اور دارِ ”بنو عبدالعزیز“ کے پاس گھر بنانے کے لیے آپ کو ایک ٹکڑی زمین دے دی، آپ نے اس حصہ میں گھر بنایا اور حضرت ام سلمہ بھی ساتھ تھیں، پھر کچھ دنوں بعد اس زمین اور گھر کو فروخت کر کے بنوکعب کے محلہ میں منتقل ہو گئے۔ (۱)

غزوۂ ذوالعشیرہ ☆ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں حضرت ابوسلمہ کو اپنا خلیفہ اور جانشیں بنایا۔ (۲)

غزوات

غزوۂ بدر، غزوۂ احد میں شریک رہے۔ (۳) غزوۂ احد میں ابواسامہ جشمی نے تیر کی نوک آپ کے شانہ میں پیوست کر کے گہرا زخم کر دیا۔ مسلسل ایک مہینہ علاج چلنے کے بعد زخم بھر آیا اور ایسا لگا کہ ٹھیک ہو چکا ہے تو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بلایا اور فرمایا کہ تم ڈیڑھ سو آدمیوں کو لے کر جاؤ اور بنواسد پر اچانک حملہ کر دو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فوج کشی کا حکم اس لیے دیا تھا کہ قبیلہ ”طئ“ کے ایک شخص نے آ کر یہ اطلاع دی تھی کہ طلحہ بن خویلد اور سلمہ بن خویلد دونوں بھائی اپنی قوم اور اپنے ساتھیوں کو تین ہزار سے زائد کی تعداد میں لے کر نکلے ہیں اور بنواسد بن خزیمہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگ کرنے پر آمادہ کر رہے ہیں۔

نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوسلمہ کو ابوعبیدۃ بن جراح، اسید بن حضیر اور ابو سبرۃ بن ابی رہم رضی اللہ عنہم جیسے بڑے بڑے معزز مہاجر و انصار صحابۂ کرام کے ڈیڑھ سو افراد پر مشتمل فوج دے کر روانہ کیا۔

یہ لوگ قبیلہ طئ کے جاسوس کو اپنے ساتھ لے کر خفیہ راستہ سے رات و دن سفر کرتے رہے۔

---

(۱) صحیح بخاری: ۲/ ۱۰۳۹، رقم: ۷۰۱۵۔

(۲) سیر اعلام النبلاء: ۳/ ۲۱۰۔

(۳) حوالہ مذکورہ: ۳/ ۲۱۳۔

(۴) طبقات ابن سعد: ۴/ ۱۴۴، الحلیۃ: ۱/ ۲۹۴۔

(۵) سیر اعلام النبلاء: ۳/ ۲۱۱، اصابۃ: ۲/ ۳۳۹۔

جب بنواسد کے کنوئیں اور چراگاہ پر آئے تو اس پر حملہ کیا، تین چرواہے تھے، انہیں اس شرط پر چھوڑا کہ یہ اپنے قبیلے کے لوگوں کو ڈرائیں اور دھمکائیں۔ یہ گئے اور بنواسد کو ابوسلمہ کی فوج سے خوب مرعوب کردیا وہ سب ادھر اُدھر منتشر ہو کر بہت سی بکریاں اونٹ چھوڑ کر بھاگ گئے، ہر شخص کے حصے میں سات سات اونٹ آئے، یہ سریہ ماہِ محرم الحرام ۴ھ میں روانہ ہوا تھا۔ (۱)

وفات

دس بارہ دنوں میں آپ مدینہ منورہ واپس آئے اور اس سفر سے آپ کے شانہ کا زخم پھر تازہ ہوگیا اور اسی سے آپ کا انتقال ۳ر جمادی ال اُخری ۴ھ میں ہوا۔ (۲)

پسماندگان

پسماندگان میں اپنی زوجہ محترمہ حضرت ام سلمہ اور اپنی چار اولاد: سلمہ، عمر، درۃ اور زینب کو چھوڑا۔ یہ چاروں شرفِ صحابیت سے بہرہ ور ہیں۔ (۳)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو اپنے شوہر سے بے پناہ محبت تھی، یہی وجہ ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے حضرت ابوسلمہ سے فرمایا: مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ کسی کے شوہر کا انتقال ہوجائے اور وہ جنتی بھی ہو، پھر یہ عورت کسی اور سے شادی نہ کرے تو اللہ تعالیٰ جنت میں ان دونوں کو ایک ساتھ رکھیں گے یہ کہہ کر فرمایا: آیئے! ہم دونوں آپس میں یہ عہد کریں کہ نہ میں آپ کے بعد شادی کروں گی اور نہ آپ میرے بعد شادی کریں گے، یہ سن کر آپ نے فرمایا: اے ام سلمہ! تم میری بات مانو گی؟ بولیں: ہاں ضرور! آپ نے فرمایا: جب میرا انتقال ہوجائے تو کسی سے شادی کرلینا، پھر یہ دعاء دی۔ اے اللہ! ام سلمہ کو میرے بعد مجھ سے بہتر شوہر عطا کرنا جو نہ اسے کسی غم میں مبتلا کرے اور نہ اسے کسی قسم کی تکلیف دے۔ (۴)

جب آپ کا انتقال ہوگیا تو حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں میں اپنے دل میں کہا کرتی کہ مسلمانوں میں ابوسلمہ سے بہتر کون ہوگا؟ پھر میں وہ دعاء پڑھ لیتی جس کے بارے میں رسول اللہ صلی

---

(۱) الحلیۃ: ۱/ ۲۹۴۔

(۲) سیر اعلام النبلاء: ۳/ ۲۱۱۔

(۳) اصابۃ: ۲/ ۳۳۹، اسنادہ حسن۔

(۴) سیر اعلام النبلاء: ۳/ ۲۱۲۔

(۵) طبقات ابن سعد: ۴/ ۱۴۴۔

(۶) سیر أعلام النبلاء: ۳/ ۲۱۲۔ ۲۱۳۔ اصابۃ: ۲/ ۳۳۹۔

اللہ علیہ وسلم سے سن رکھا تھا کہ جس شخص کو کوئی مصیبت پہونچے اور وہ یہ دعاء پڑھے "إنا للہ و إنا إلیہ راجعون، اللّٰھم أجرنی في مصیبتي، واخلف لي خیرا منھا" (ہم اللہ تعالیٰ ہی کے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہمیں لوٹ کر جانا ہے۔ الٰہی! مجھے اس مصیبت میں اجر عطاء فرما اور اس کا نعم البدل نصیب فرما) تو اللہ تعالیٰ اس کو بہترین بدلہ عطاء فرماتے ہیں۔

میں یہ دعاء پڑھنے کے بعد یہی سوچتی کہ ابوسلمہ سے بہتر کون ہوسکتا ہے؟
لیکن معلوم اس وقت ہوا جب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میرا شوہر بنادیا۔(۱)

حضرت ام سلمہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کرنے کا واقعہ

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی شادی کا خود ہی واقعہ بیان کرتی ہیں! جب میری عدت پوری ہوئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نکاح کی خواہش ظاہر فرمائی، مگر میں نے عذر کردیا۔ اس کے بعد پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی اپنا پیغامِ نکاح دیا تو میں نے عرض کیا کہ میرے بچے بھی ہیں اور میرے مزاج میں غیرت بہت ہے اور میرا کوئی یہاں ۔ مدینہ منورہ میں ۔ ولی نہیں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بچوں کا محافظ اللہ تعالیٰ ہے وہ تمام فکر و غم کو کافور کردے گا اور اس غیرت و غصہ کے ختم ہونے کے سلسلہ میں دعاء کروں گا تو اللہ تعالیٰ اسے بھی ختم کردے گا اور کوئی ولی اس نکاح کو ناپسند نہیں کرے گا، یہ سن کر میں نے اپنے بیٹے عمر سے کہا! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میرا نکاح کرادو۔ (۲) صاحبزادہ نے اپنی والدہ محترمہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کرادیا۔

فیض یافتگان

علامہ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں کہ حضرت ابوسلمہ سے صرف ان کی زوجۂ محترمہ ام سلمہ رضی

---

(۱) سیر أعلام النبلاء: ۳/ ۲۱۳ اصابۃ: ۲/ ۳۳۹، وفیہ اسنادہ صحیح۔

(۲) سیر أعلام النبلاء: ۳/ ۲۱۳

(۳) طبقات ابن سعد: ۴/ ۱۴۴۔

(۴) طبقات ابن سعد: ۴/ ۱۶۴۔

(۵) سنن ترمذی: ۱/ ۲۴۷۔

(۶) بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح: / ۳۲۵

اللہ عنہا ایک روایت نقل کرتی ہیں۔ (۳)

(۶۳) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما

علامہ حافظ ابوعبداللہ نیساپوری اور حافظ ابونعیم اصبہانی نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کو صفہ کے طالب علموں میں شمار کرتے ہوئے کہا ہے کہ ان کا اٹھنا، بیٹھنا اور رات گذارنا مسجد نبوی ہی میں ہوا کرتا تھا۔ (حلیۃ ال أولیاء: ۲/ ۷)

یہ خود فرماتے ہیں: ”کنت غلاماً عزباً شابا في عهد النبي ﷺ و کنت ابیت في المسجد“ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں بے شادی شدہ ایک نوجوان شخص تھا، اور مسجد ہی میں رات بسر کرتا تھا۔ (صحیح بخاری: ۲/ ۱۰۴۲، رقم ۷۳۵ـ۳۷۳۸) صحیح بخاری: ۲/ ۱۰۴۰، رقم ۷۰۲۸ کی ایک روایت میں ہے۔ ”وبیتي المسجد قبل أن أنکح“ میری شادی سے پہلے مسجد ہی میرا

---

(۱) سنن ترمذی: ۱/ ۲۴۷۔ (۲) بحوالہ مشکوۃ المصابیح: /۳۲۵۔

(۳) الحلیۃ: ۱/ ۲۹۳، سیر أعلام النبلاء: ۳/ ۲۳۹۔

گھر تھا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے صاحبزادہ ہیں۔ آپ کی والدۂ محترمہ اور ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی والدۂ محترمہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی بہن حضرت زینب بنت مظعون رضی اللہ عنہا ہیں اور آپ کی کنیت ابوعبدالرحمن ہے۔ (۱)

آپ کی پیدائش بعثتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے تیسرے سال ہوئی۔ (۱) آپ شکل وشباہت میں اپنے والد محترم سے ملتے جلتے تھے۔ (۲) آپ مکہ مکرمہ میں اپنے والد محترم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسلمان ہوئے، اس وقت آپ سنِ بلوغت کو بھی نہیں پہونچے تھے (۳) اور گیارہ سال کی عمر میں اپنے والدین کے ساتھ مدینہ منورہ ہجرت کی۔ (۴) کم سنی کی وجہ سے غزوۂ احد اور غزوۂ بدر میں شریک نہ ہوسکے، حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ غزوۂ بدر کے دن میں اور عبداللہ بن عمر چھوٹے قرار دیئے گئے، کم سن اور نابالغ ہونے کی وجہ سے غزوۂ بدر میں شرکت کی اجازت نہیں ملی۔ (۵) اس وقت آپ کی عمر ۱۳ر سال کی تھی (۶) اور غزوۂ احد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کئے گئے تو اس وقت آپ کی عمر ۱۴ر سال کی تھی، اس مرتبہ بھی کم سنی کی وجہ سے شرکتِ جنگ کی اجازت سے محروم رہے، البتہ غزوۂ خندق میں شرکت کی اجازت مل گئی، کیونکہ اس وقت پندرہ سال کی عمر کو پہونچ چکے تھے۔ (۷)

اس کے بعد تمام غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک رہے اور کسی بھی سریہ سے پیچھے نہیں رہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھیجے ہوئے ہر فوجی دستہ میں شریک رہے۔ (۸)

آپ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ فوجی دستہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مہم پر بھیجا، مسلمانوں کو فتح ہوئی، بہت مالِ غنیمت ہاتھ آیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایک کو بارہ اونٹ دیئے، ہمیں بھی بارہ اونٹ بطورِ غنیمت کے ملے اور ایک اونٹ کمانڈر نے بطورِ انعام دیا۔ (۹)

زہد وتقویٰ:

---

(۱) سیر أعلام النبلاء: ۳/ ۲۲۴، رجالہ ثقات۔

(۲) حلیۃ الأولیاء: ۱/ ۲۹۳-۲۹۴۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بڑے فضائل کے حامل ہیں، عبادت و ریاضت، اتباعِ سنت اور زہد و تقویٰ میں صحابۂ کرام کی جماعت میں ممتاز اور نمایاں ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے نیک صالح ہونے کی شہادت دی ہے، آپ فرماتے ہیں! ایک مرتبہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے ہاتھ میں ریشمی کپڑے کا ایک ٹکڑا ہے، میں جنت میں جس جگہ جانے کا ارادہ کرتا ہوں یہ ریشمی کپڑے کا ٹکڑا مجھ کو وہاں اڑا لے جاتا ہے، میں نے یہ خواب اپنی بہن ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے بیان کیا، انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بتا دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر ارشاد فرمایا: ”إنّ أخاک عبداللّٰہ رجل صالح“ تیرا بھائی عبداللہ ایک نیک بخت آدمی ہے۔(۱) علامہ ذہبی نے ایک روایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی سند ہی سے نقل کی ہے، آپ فرماتے ہیں! کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک باغ میں تھا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اندر آنے کی اجازت چاہی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت مرحمت فرمانے کے ساتھ ساتھ جنت کی بشارت بھی دی، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اجازت چاہی، انہیں بھی جنت کی بشارت کے ساتھ اجازت دی گئی، اسی طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی اجازت چاہی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت ان پر عظیم آفات و مصائب پیش آنے کے ساتھ انہیں سنائی۔ یہ سن کر حضرت عثمان روتے اور ہنستے اندر تشریف لائے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے یہ سارا منظر دیکھ کر فرمایا: اے اللہ کے نبی! مجھے کیا ہوگیا؟ کیا مجھے جنت کی بشارت نہیں ملے گی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو اپنے والد کے ساتھ ہے۔(۲)

آپ کے تقوی اور پرہیز گاری کا یہ عالم ہے کہ ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجدِ نبوی کے ایک مخصوص دروازہ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: اگر ہم اس دروازہ کو عورتوں کے لیے ہی خاص کر دیں تو بہت اچھا ہوگا، یہ فرمانِ عالی سن کر آپ اس دروازہ سے اپنی موت تک کبھی بھی مسجدِ نبوی میں داخل نہ ہوئے، اور نہ اس سے باہر آئے۔(۳)

---

(۱) صحیح بخاری:۲/۵۸۹-۵۹۰،نمبر:۴۱۰۸۔ (۲) :۴/۱۸۲۔

☆ آپ کے اس جملہ کی مراد اپنی ذات ہو یا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ذات کی جانب اشارہ کرنا ہو یہ دونوں مراد ہو سکتے ہیں، کیونکہ غزوۂ خندق میں آپ نے بھی کفارِ مکہ سے جنگ کی ہے۔ کما صرح بہ ابن حجر (فتح الباری:۷/۴۰۴)

(۳) صحیح بخاری:۲/۵۸۹،نمبر ۴۱۰۸، فتح الباری:۷/۴۰۴۔ وطبقات ابن سعد:۴/۱۸۲۔ (۴) طبقات ابن سعد:۴/۱۸۲۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قریش کے نوجوانوں میں دنیا سے بے نیاز رہنے والے اور اپنے نفس پر قابو رکھنے والے عبداللہ بن عمر ہیں۔ (۴) ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا: ہم صحابۂ کرام کی جماعت میں ابن عمر سے زیادہ اپنے نفس پر کنٹرول رکھنے والا کوئی نوجوان نہیں ہے۔ (۵)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جس حال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو چھوڑا اور مسلمان اس وقت جس حال میں تھے، بعد میں عبداللہ بن عمر کے علاوہ کوئی اس حال پر قائم نہیں رہا، کچھ نہ کچھ دنیا ان صحابۂ کرام کے اندر آ ہی گئی اور پہلے سے حالت اچھی ہو گئی۔ (۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی یہی فرماتی ہیں کہ پہلے حال پر قائم رہنے والے اور اس پر مضبوطی کے ساتھ جمے رہنے والے عبداللہ بن عمر ہی ہیں۔ (۲)

سُدی کا بیان ہے کہ میں نے صحابۂ کرام کی ایک جماعت کو دیکھا ہے، وہ حضرات کہتے تھے کہ جس حال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو چھوڑا ہے عبداللہ بن عمر کے علاوہ کوئی اس حال پر قائم نہیں رہا۔ (۳)

حضرت طاؤس اور میمون بن مہران فرماتے ہیں: میری آنکھ نے عبداللہ بن عمر سے زیادہ متقی اور پرہیز گار نہیں دیکھا۔ (۴)

امام محمد بن سیرین یہ دعاء کیا کرتے تھے کہ اے اللہ! جب تک تو مجھے اس دنیا میں زندہ رکھے اس وقت تک حضرت عبداللہ بن عمر کو باحیات رکھ، تاکہ میں ان کی اقتداء اور اتباع کر سکوں، میں ان کے علاوہ پہلی حالت پر گامزن کسی اور کو نہیں پاتا۔ (۵)

اہلِ مدینہ کے فقیہ حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمن کا بیان ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وجود ایسے زمانہ میں تھا کہ اس وقت ان کے ہم پلہ لوگ تھے اور ان کی نظیر ان کے زمانہ میں پائی جاتی تھی، لیکن ان کے صاحبزادہ حضرت عبداللہ ایسے زمانہ میں رہے کہ ان کی کوئی نظیر نہیں، اور نہ ان کا کوئی ثانی اس دنیا میں موجود رہا۔ ابوسلمہ نے آپ کی وفات کے وقت فرمایا: **"وهو مثل عمر في الفضل"** کہ آپ فضل

---

(۱) طبقات ابن سعد: ۴/ ۱۶۹۔ (۲) طبقات: ۴/ ۱۵۴۔

(۳) الحلیۃ: ۱/ ۲۹۳، مجمع الزوائد: ۹/ ۳۴۷، ونسبہ الہیثمی للطبرانی، وقال: رجالہ ثقات الا أنہ مرسل۔

وکمال میں اپنے والد محترم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مانند تھے۔ (٦)

حضرت سعید بن المسیب نے حضرت ابن عمر کی وفات کے وقت فرمایا: کہ اس سرزمین پر جو سب سے بہترین اور نیک صالح شخص باقی تھا وہ بھی چل بسا۔

ایک مرتبہ انہوں نے فرمایا: اگر میں کسی کے جنتی ہونے کی شہادت اور گواہی دیتا، تو حضرت عبداللہ بن عمر کے جنتی ہونے کی گواہی دیتا۔ (١)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادہ محمد بن الحنفیہ کا بیان ہے کہ اس امت میں بہترین آدمی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما تھے۔ (٢)

امام محمد بن سیرین فرماتے ہیں: حضرت عبداللہ بن عمر کے علاوہ ہم میں کوئی شخص ایسا نہیں، جو فتنہ سے بچا ہو۔ (٣)

حضرت میمون بن مہران بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں آپ کے گھر آیا، آپ کے گھر کے ہر سامان مثلاً: بستر، لحاف وغیرہ کو بغور دیکھا، اور ہر ایک کی قیمت لگائی، تو سو درہم کے بقدر بھی اس کی قیمت نہ پہونچ سکی۔ (٤)

قضاء، امارت وخلافت سے انکار

ایک مرتبہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے آپ کو قاضی بنانا چاہا، آپ نے انکار کر دیا۔ عبداللہ بن موہب کا بیان ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عمر سے فرمایا: آپ جایئے، اور قاضی بن کر لوگوں کے درمیان فیصلہ کیجئے، آپ نے فرمایا: اے امیر المؤمنین! آپ مجھے معاف کیجئے، حضرت عثمان نے فرمایا: کیا آپ اس عہدۂ قضاء کو ناپسند کرتے ہیں، جب کہ آپ کے والد محترم خوب فیصلہ کیا کرتے تھے۔ (٥)

رزین کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ حضرت عبداللہ نے یہ جواب دیا کہ میرے والد محترم فیصلہ کیا کرتے تھے، لیکن جب مشکل مسئلہ پیش آتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لیتے اور رسول

---

(١) صحیح البخاری: ١/ ٥٥٦ نمبر ٣٩١٢

(٢) الحلیۃ: ١/ ٢٩٦

(٣) الحلیۃ: ١/ ٢٩٥

(٤) حلیۃ الأولیاء: ١/ ٢٩٦

(٥) طبقات ابن سعد: ٤/ ١٥٠، اسنادہ صحیح۔

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دشوار مرحلہ پیش آتا تو جبرئیل علیہ السلام سے پوچھ لیتے تھے اور میں کسی کو ایسا نہیں پاتا کہ جس سے پوچھوں (٦) اور میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو قاضی ہو اور عدل و انصاف کرنے کی وجہ سے برابر سرابر ہی چھوٹ جائے (یعنی نہ اس قاضی کو عذاب ہو اور نہ اسے اس عہدۂ قضاء پر کوئی ثواب ملے) تو کافی ہے چنانچہ آپ خود ہی فرمایئے کہ اس کے بعد میں اس عہدۂ قضاء میں کیا خیر و بھلائی کی امید رکھوں۔ (۱)

رزین کی روایت میں مزید اضافہ ہے کہ حضرت ابن عمر نے یہ بھی فرمایا، جو اللہ کا واسطہ دے کر اللہ کی پناہ مانگے تو اس نے ایک بڑی ذات کی پناہ مانگی ہے، تم اس کو ضرور پناہ دو؛ لہٰذا اے امیر المؤمنین! میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ آپ مجھے قاضی نہ بنائیں، یہ سن کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے آپ کو چھوڑ دیا اور فرمایا: اس واقعہ کی کسی کو اطلاع مت کرنا، (۲) ورنہ ہر ایک قاضی بننے سے انکار کرے گا، تو اس عہدۂ قضاء کو کون سنبھالے گا!! یہ عہدہ معطل ہو کر رہ جائے گا۔

جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے، تو لوگ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس جمع ہو کر کہنے لگے: ''أنت سید الناس و ابن سیدھم'' آپ لوگوں کے سردار ہیں اور لوگوں کے سردار کے بیٹے ہیں، سارے لوگ آپ سے خوش ہیں، براہِ کرم آپ باہر تشریف لائیں تا کہ ہم لوگ آپ پر بیعتِ خلافت کریں اور آپ کو خلیفۃ المسلمین اور امیر المؤمنین بنائیں، آپ نے یہ سن کر فرمایا: خدا کی قسم! میری وجہ سے ایک قطرہ بھی خون بہے اور میرے اندر جان ہو، میں اسے کبھی برداشت نہیں کر سکتا۔ لوگوں نے یہ جواب پا کر زور دیتے ہوئے کہا آپ کو نکلنا ہی پڑے گا، ورنہ آپ کو آپ کے بستر پر ہی قتل کر دیا جائے گا، آپ نے پھر وہی جملہ دہرایا۔ حضرت حسن بصری کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو لوگ ذرہ برابر بھی خلافت کے سلسلہ میں مائل نہ کر سکے اور نہ لوگوں نے ذرہ برابر بھی آپ کے اندر خلافت کی حرص و طمع محسوس کی۔ (۳)

حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے دورِ خلافت میں آپ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: اے عبداللہ بن عمر! آپ لوگوں کے بڑے محبوبِ نظر ہیں اور اہلِ شام آپ کے مطیع و فرماں بردار ہیں؛ لہٰذا میں آپ کو ملکِ شام کا امیر بنا کر بھیج رہا ہوں، آپ اسے قبول فرمالیں، آپ نے یہ سن کر فرمایا: میں آپ

---

(۱) الحلیۃ: ۱/ ۲۹۴

(۲) سورۂ آل عمران آیت: ۹۲

(۳) الحلیۃ: ۱/ ۲۹۵

(۴) مجمع الزوائد: ۹/ ۳۴۷، ونسبہ الہیثمی للطبرانی، وقال: رجالہ رجال

کو اللہ کا واسطہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی صحبت، قرابت ورشتہ داری کا واسطہ اور ہمارے اور آپ کے درمیان جو تعلق وقرابت ہے اس کا واسطہ دے کر آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ مجھے اس عہدہ سے بری رکھیں اور معاف کردیں، پھر بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ نہ مانیں، اصرار کرتے ہی رہے تو آپ نے اپنی بہن ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے سفارش کرائی، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کی سفارش بھی ٹھکرادی، تو آپ رات ورات مکہ مکرمہ کے لیے روانہ ہوگئے اور بات یہ پھیل گئی کہ آپ شام کے لیے روانہ ہوئے ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فوراً آپ کے تعاقب میں ایک قاصد کو روانہ کیا تاکہ آپ کو واپس بلالائے، تو اس دوران حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ آپ شام نہیں گئے ہیں، بلکہ مکہ مکرمہ گئے ہیں، آپ نے اسی وقت سے مکہ مکرمہ ہی میں سکونت اختیار کرلی، اور آخری وقت تک یہیں رہے۔(۱)

جنگِ صفین کے موقع سے جب دونوں فریقوں (حضرت علی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما) کا معاملہ قرآن کریم کو حکم بنانے پر آ رکا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جانب سے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ حکم مقرر ہوئے تو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں اس خلافت کا مستحق حضرت عبداللہ بن عمر کے علاوہ کسی کو نہیں پاتا۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر آپ سے فرمایا: ہم آپ سے بیعتِ خلافت لینا چاہتے ہیں، کیا آپ بہت سارے مال کے بدلہ خلافت کے معاملہ کو اس شخص کے سپرد نہیں کریں گے جو اس خلافت کے معاملہ کا آپ سے زیادہ حریص ہے۔ آپ یہ جملہ سن کر بہت زیادہ ناراض ہوگئے اور وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے آپ کے کپڑے کے دامن کو پکڑ کر بیٹھایا اور کہا: اے ابوعبدالرحمن! انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ اگر مال نہیں لیں گے تو آپ مال دے دیں اس شرط پر آپ سے بیعت کرلوں گا۔ آپ نے فرمایا: اے عمرو بن عاص! آپ پر افسوس ہے کہ آپ کیسی کیسی باتیں کررہے ہیں؟ تو حضرت عمرو نے فرمایا: میں نے آپ کو جانچنے اور پرکھنے کے لیے یہ کہا تھا، یہ سن کر آپ نے فرمایا: خدا کی قسم! نہ مال دوں گا، نہ لوں گا، بلکہ اس منصبِ خلافت کو تمام مسلمانوں کی رضامندی ہی سے قبول کروں گا۔(۲)

---

(۱) سیر أعلام النبلاء: ۳/ ۲۱۷، ورجالہ ثقات۔

(۲) الحلیۃ: ۱/ ۲۹۶، سیر أعلام النبلاء: ۳/ ۲۱۸، ۲۱۹، قال الذہبی: إسنادہ صحیح۔

(۳) الحلیۃ: ۱/ ۲۹۸

(۴) الحلیۃ: ۱/ ۲۹۷، ال إصابۃ: ۲/ ۳۴۰

حضرت عبداللہ بن عمر کا بیان ہے کہ میں اپنی بہن حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے یہاں گیا، ان کی زلفوں سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے، میں نے عرض کیا، لوگوں کے درمیان معاملۂ خلافت میں جو کچھ ہوا وہ آپ دیکھ رہی ہیں، کہ معاملۂ امارت وحکومت میں سے مجھے کچھ نہ ملا، تو حضرت حفصہ نے فرمایا: جاؤ، لوگوں سے ملو اور مشورہ کی مجلس میں بیٹھو، اس لیے کہ لوگ تمہارا انتظار کر رہے ہیں، میں ڈرتی ہوں کہ اس موقع پر تمہارے یہاں رکنے کی بنا پر لوگوں میں کسی قسم کا اختلاف پیدا نہ ہو جائے، حضرت حفصہ مسلسل آپ کو مشورہ کی مجلس میں جانے پر آمادہ کرتی رہیں، بالآخر آپ وہاں گئے جب لوگ دونوں حکموں کے درمیان اختلاف کے بعد منتشر ہو گئے اور مجلس ختم ہو گئی تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا اور فرمایا کہ جو لوگ امارت وخلافت کے سلسلہ میں گفتگو کرنا چاہتے ہیں، وہ ہمارے سامنے آئیں، اس لیے کہ ہم اس سے (اشارہ حضرت عبداللہ بن عمر کی طرف تھا) اور اس کے باپ (یعنی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ) سے بھی زیادہ خلافت کے حق دار ہیں۔ (۱)

طبقات ابن سعد کی روایت میں اتنا اضافہ ہے کہ اس دن میرے دل میں پہلی مرتبہ اس دنیا کی اور خلیفہ بننے کی خواہش ہوئی (۲) اور آپ فرماتے ہیں کہ امیر معاویہؓ کا یہ جملہ سن کر میں نے اپنی آستین اوپر چڑھالی اور یہ جواب دینے کا پختہ ارادہ کر لیا کہ اس خلافت کا سب سے زیادہ وہ حق دار ہے جس نے تم سے اور تمہارے باپ (حضرت ابوسفیان جو غزوۂ خندق کے دن کفار کے سردار تھے) سے اسلام کی خاطر جنگ کی ☆ اور تم دونوں کو اسلام میں داخل کیا، پھر میں ڈرا کہ میں ایسی بات کہہ دوں کہ جس سے جماعت میں اختلاف وانتشار پیدا ہو جائے اور خون ریزی ہونے لگے اور میری بات کو میری مراد اور میرے منشاء کے خلاف محمول کیا جائے تو میں نے اس موقع پر ان نعمتوں کو یاد کیا جو اللہ تعالیٰ نے جنت میں صبر کرنے والوں اور دنیا پر آخرت کو ترجیح دینے والوں کے لیے تیار کر رکھی ہیں۔ (۳)

جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادہ یزید کو خلیفہ بنانا چاہا تو آپ کے پاس ایک لاکھ درہم بھیجے، آپ نے یہ دیکھ کر فرمایا: میرا خیال ہے کہ انہوں نے میرے متعلق یہ گمان کیا ہے کہ میرا دین میرے نزدیک اس سے معمولی ہے۔ جب یزید بن معاویہ کے خلیفہ بننے کی آپ کو

---

(۱) الحلیۃ: ۱/ ۲۸۸-۹۸۹، صفوۃ الصفوۃ: ۱/ ۵۷۱ (۲) الحلیۃ: ۱/ ۲۹۸، طبقات ابن سعد: ۴/ ۱۶۶

(۳) مصنف عبدالرزاق حدیث نمبر: ۲۶۰۳۰۰ الحلیۃ: ۱/ ۲۹۸، اسنادہ صحیح۔

اطلاع ملی، تو فرمایا: اگر اس کا خلیفہ بننا ہمارے لیے بہتر ہے تو ہم راضی ہیں اور اگر مصیبت ہے تو ہم صبر سے کام لیں گے۔ (۴)

یزید بن معاویہ کے انتقال کے بعد مروان نے آپ سے کہا: "**هلمّ يدك فإنا نبايع لك، فإنك سيد العرب و ابن سيدها**" براہِ کرم آپ ہاتھ آگے بڑھائیے تا کہ میں آپ کے دستِ مبارک پر بیعتِ خلافت لوں اور آپ کو خلیفۃ المسلمین تسلیم کروں؛ کیونکہ آپ عرب کے سردار ہیں اور سردارِ عرب کے لڑکے ہیں، آپ نے یہ سن کر فرمایا: اہلِ عراق کے ساتھ کیا معاملہ کروں؟ کیا وہ ہمیں خلیفہ تسلیم کر لیں گے؟ مروان نے جواب دیا! انکار کی صورت میں ہم دونوں ان کے خلاف برسرِ پیکار ہو جائیں گے اور انکار کرنے تک ان سے جنگ جاری رکھیں گے۔ آپ نے فرمایا: خدا کی قسم! میں اپنی خاطر ایک آدمی کے قتل کیے جانے کو بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ (۱) جب مروان آپ کی جانب سے مطمئن ہو گیا تو اس نے مصر پر فوج کشی کر دی اور قتل وقتال کے بعد خود خلیفہ بن گیا۔

ایک شخص آپ کے پاس آ کر کہنے لگا "**ما أحد شر لأمة محمد منك**" امت محمدیہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کے حق میں آپ سے برا شخص کوئی نہیں، آپ نے دریافت کیا کیوں؟ میں نے نہ مسلمانوں کا خون بہایا، نہ ان میں تفریق پیدا کرنے کی کوشش کی اور نہ ان کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کی کسی قسم کی کوئی سعی کی۔ اس شخص نے جواب دیا اگر آپ چاہتے تو مسلمانوں میں اختلاف کا ہونا دور کی بات ہے، دو آمیوں کے درمیان بھی اختلاف نہ ہونے دیتے۔ آپ نے فرمایا: میں اپنے لیے مسئلۂ خلافت کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔ (۲)

آپ کی شخصیت متفق علیہ تھی، آپ کی ذات کے سلسلہ میں کسی کو کوئی اختلاف نہیں تھا، یہی وجہ ہے کہ آپ سے خلافت کے معاملہ کو قبول کرنے کے لیے بار بار پیش کش کی گئی، مگر آپ نے اسے ٹھکرا دیا۔ حجاج بن یوسف ثقفی نے آپ کے پاس یہ خط لکھ بھیجا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ خلیفۃ المسلمین بننا چاہتے ہیں، جب کہ آپ تین وجوہات کی بنا پر اس خلافت کے مستحق نہیں ہیں۔ ۱۔ آپ عاجز و درماندہ ہیں ۲۔ بخیل ہیں ۳۔ غیور ہیں۔ آپ نے اس کے پاس یہ جواب لکھا، اے حجاج! میں نے تو خلافت طلب نہیں کی اور نہ خلیفہ بننے کے سلسلہ میں میرے حاشیۂ خیال میں کوئی ایسی بات آئی ہے

---

(۱) صفۃ الصفوۃ: ۱/ ۵۷۴

(۲) طبقات ابن سعد: ۴/ ۱۷۰، الحلیۃ: ۱/ ۳۰۳

(۳) سیر أعلام النبلاء: ۳/ ۲۱۳

(۴) الحلیۃ: ۱/ ۳۱۰

؛ البتہ تو نے میری ذات کے سلسلہ میں جو تین باتیں ذکر کی ہیں وہ قابلِ تأمل ہیں۔ سن لے! جو قرآن کریم کا حافظ وعالم ہو وہ عاجز نہیں ہوسکتا اور جس نے زکوٰۃ ادا کردی وہ بخیل کہلانے کا مستحق نہیں "وإن أحق ما غرت فيه ولدي أن يشركني فيه غيري" اور سب سے زیادہ غیرت کی بات یہ ہے کہ میرے ساتھ کوئی اور میری اولاد میں شریک ہو۔ (۳)

اللہ کے راستہ میں خرچ اور قناعت

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے عہدِ خلافت میں مہاجرین صحابۂ کرام کو ۴/ ہزار درہم بطورِ وظیفہ بیت المال سے دیتے تھے اور اپنے مہاجر صاحبزادہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو ۳۵/ سو درہم دیتے تھے، ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر اشکال کیا گیا کہ انہیں پانچ سو درہم کم کیوں دیتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: یہ خود ہجرت کرکے نہیں آئے بلکہ اپنے والدین کے ساتھ آئے ہیں۔ (۱)

آپ کے پاس ہدایا و تحائف آتے تو زیادہ دیر تک آپ اسے اپنے پاس نہیں رکھتے، سب کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کردیتے، میمون بن مہران کا بیان ہے کہ ایک مجلس میں آپ کے پاس ۲۲/ ہزار دینار آئے، آپ نے مجلس سے اٹھنے سے قبل سارے دینار تقسیم کرادیئے۔ (۲)

آپ کے مولیٰ نافع کا بیان ہے کہ آپ کو اللہ کے راستہ میں خرچ کرنا بہت زیادہ محبوب تھا، کبھی تو آپ نے ایک مجلس میں ۳۰/ ہزار صدقہ کئے۔

ابنِ عامر نے حضرت عبداللہ کے پاس دو مرتبہ ۳۰/ ہزار درہم بھیجے، آپ اپنے غلام نافع سے فرمایا: اے نافع! مجھے ڈر لگتا ہے کہ کہیں ابنِ عامر کے یہ دراہم مجھے فتنہ میں نہ ڈال دیں۔ تو جا، تو آزاد ہے۔ (۳)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ کے پاس بارہا روپے بھیجا کرتے تھے، کبھی ایک لاکھ کبھی اس سے بھی زیادہ۔ ایک مرتبہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کے پاس چار ہزار بھیجے،

---

(۱) طبقات ابن سعد: ۴/ ۱۴۵

(۲) اسد الغابۃ: ۳/ ۳۴۱، سیر أعلام النبلاء: ۳/ ۲۱۳

(۳) الإصابۃ: ۲/ ۳۴۰

(۴) طبقات ابن سعد: ۴/ ۱۷۶

(۵) صحیح بخاری: ۲/ ۸۷۵، حدیث نمبر ۵۸۹۳

(۶) طبقات ابن سعد: ۴/ ۱۷۶

(۷) طبقات ابن سعد: ۴/ ۱۷۰

(۸) مصنف عبدالرزاق حدیث نمبر ۹۴۴۲، سیر أعلام: ۳/ ۲۲۱

(۹) طبقات ابن سعد: ۴/ ۱۴۴، الحلیۃ: ۱/ ۳۱۰

چار ہزار کسی اور نے، دو ہزار کسی تیسرے نے بھیجے، اس طرح دس ہزار روپے ہو گئے، انہوں نے اسی وقت سب تقسیم کرا دیئے، سواری کے چارہ کے لیے ایک درہم بھی نہ چھوڑا، بلکہ ادھار ایک درہم کا چارہ خریدا (۴)۔

یہ کسی کا بھی ہدیہ وتحفہ رد نہیں کرتے تھے، مختار بن ابی عبید ثقفی نے ایک مرتبہ ان کے پاس مال بھیجا، انہوں نے بخوشی قبول کر لیا اور کہنے لگے میں کسی سے کچھ نہیں مانگتا اور نہ کسی کے آگے دستِ سوال دراز کرتا ہوں اور جو اللہ تعالیٰ مجھے دیتا ہے اس کو رد بھی نہیں کرتا ہوں۔ (۵)

حضرت نافع کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر کو کوئی بھی چیز پسند آ جاتی تو فوراً اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی خاطر اسے خرچ کر دیتے تھے، حضرت عبداللہ کے غلام ان کے مزاج سے خوب واقف تھے، ایک غلام نے اپنی آزادی کی خاطر مسجد کو لازم پکڑ لیا، انہوں نے اس کی یہ حالت دیکھ کر اسی وقت اسے آزاد کر دیا۔ دوسرے غلاموں نے یہ دیکھ کر کہا، اے ابو عبدالرحمن! اس نے اپنی آزادی کی خاطر آپ کو اس طرح دھوکا دیا ہے۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی ذات کے سلسلہ میں ہمیں کون دھوکا دے سکتا ہے؟ تم اس کے برخلاف ہمارے اندر بدگمانی پیدا کرنا چاہتے ہو!۔ (۱)

ایک مرتبہ آپ نے اپنی باندی ''رمیثہ'' کو بلایا اور فرمایا: اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے: ''لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون'' ہرگز تم لوگ نیکی وبھلائی کو نہیں پا سکتے یہاں تک کہ اپنی من پسند چیز خرچ کرو۔ (۲) خدا کی قسم! دنیا میں تم میری نظر میں سب سے زیادہ محبوب ہو، جاؤ تمہیں اللہ تعالیٰ کی رضاء وخوشنودی کے لیے آزاد کیا۔ (۳)

حضرت عبداللہ بن دینار کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ مکہ مکرمہ جا رہا تھا، ایک جگہ راستہ میں پڑاؤ ڈالا، ایک چرواہا بکریوں کو لے کر پہاڑ کی طرف سے آیا، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اسے مخاطب کر کے فرمایا: کیا تم چرواہے ہو؟ اس نے کہا ہاں! حضرت عبداللہ نے فرمایا ایک بکری مجھ سے بیچ دو۔

چرواہا! میں غلام ہوں، میرے مالک کی یہ بکریاں ہیں۔

حضرت عبداللہ! اپنے آقا و مالک سے کہہ دینا کہ ایک بکری کو بھیڑیے نے کھا لیا۔

---

(۱) صحیح بخاری: ۲/۱۰۴۰-۱۰۴۱، حدیث نمبر: ۷۰۲۸-۷۰۳۰ (۲) صفۃ الصفوۃ: ۱/۵۷۷، اصابۃ: ۲/

چرواہا "فأین اللہ عزو جل" اللہ تعالیٰ کہاں چلے گئے، یہاں تو بچ جائیں گے؛ لیکن میرا پروردگار جو مجھے دیکھ رہا ہے، اسے کیا جواب دیں گے!! حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس سے یہ جواب سن کر بے ساختہ رو پڑے، پھر انہوں نے اس غلام کو خرید کر آزاد کردیا اور اس کے مالک سے ساری بکریوں کو بھی خرید کر اسی کے حوالہ کردیا۔ (۴)

حضرت عبداللہ نے ایک مرتبہ اپنے غلام سے فرمایا کہ چالیس ہزار روپے کما کر لے آ، تو میں تجھے آزاد کردوں گا۔ وہ کوفہ جا کر بار برداری کا کام کرنے لگا اور پندرہ ہزار روپے جمع کرلیے، ایک شخص نے اس سے کہا: اے اللہ کے بندے! تم اپنے آپ کو کیوں تھکا رہے ہو؟ کیا تم پاگل ہو؟ حضرت عبداللہ کا تو یہ معمول ہے کہ غلاموں کو خوب خرید کر آزاد کیا کرتے ہیں، تم واپس لوٹ جاؤ اور یہ کہو کہ میں چالیس ہزار روپے ادا کرنے سے عاجز ہوں، وہ غلام ایک ورقہ لے کر آپ کی خدمت میں پہنچا اور کہا اے ابوعبدالرحمن! میں روپے ادا کرنے سے قاصر ہوں، یہ میرا ورقہ ہے جس پر آپ نے چالیس ہزار روپے ادا کرنے کی شرط تحریر فرمائی ہے، اسے مٹا دیجئے۔ حضرت عبداللہ نے خود قلم زد کرنے سے انکار کیا اور فرمایا تم چاہو تو خود ہی مٹالو اس نے مٹا دیا، آپ اس کی تاب نہ لا سکے اور رو پڑے اور اسی وقت فرمایا: تم جاؤ، تم آزاد ہو۔ اس آزاد شدہ غلام نے دعائیں دیتے ہوئے کہا اللہ تعالیٰ آپ کو صحیح سلامت رکھے، آپ میرے لڑکے کو بھی آزاد کرکے میرے اوپر احسان فرمائیے۔ حضرت عبداللہ نے فرمایا: تم دونوں آزاد ہو۔ پھر اس نے وہی دعاء دہرائی اور کہا میری والدہ پر بھی احسان کیجئے، آپ نے اسے بھی آزاد کردیا (۱)۔

حضرت نافع کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے وصال سے پہلے ایک ہزار، یا اس سے زائد انسانوں کو آزادی کا شرف بخشا۔ (۲)

حضرت عبداللہ کا آخری وقت ہے، بیماری میں مبتلا ہیں، مچھلی کھانے کی خواہش ہے، بہت

---

(۱) الحلیۃ: ۱/ ۳۰۳_۳۰۴

(۲) حوالہ مذکور رجالہ ثقات

(۳) حوالہ مذکور: / ۳۰۴

(۴) حوالہ بالا

(۵) طبقات ابن سعد: ۴/ ۱۷۰، ورجالہ ثقات

(۶) الحلیۃ: ۱/ ۳۰۴

(۷) حوالہ مذکور

(۸) طبقات: ۴/ ۱۵۷

(۹) الحلیۃ: ۱/ ۳۰۵

مشکل سے ایک مچھلی ہاتھ آئی، جب پک کر تیار ہوگئی، تو ایک سائل آ گیا، آپ نے فرمایا: اسے مچھلی دے دو، گھر والوں نے کہا: حضرت اسے ایک درہم دے دیتے ہیں، اس سائل کے لیے اس مچھلی سے زیادہ یہی روپیہ نفع بخش ہوگا، وہ اس سے اپنی ضرورتوں کو پورا کرلے گا۔ آپ نے فرمایا! پہلے میری خواہش پوری کرو کہ اسے یہ مچھلی دے دو، بال آخر مچھلی نہ چکھ سکے اور سائل کو پوری مچھلی دے دی (۳)۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو ایک مرتبہ انگور کھانے کی خواہش ہوئی، ایک درہم میں انگور کا خوشہ خریدا گیا اسی دوران ایک مسکین آ گیا، انہوں نے فرمایا: انگور کا خوشہ اسے دے دو، ایک آدمی نے چپکے سے اس سائل سے ایک درہم میں اس انگور کو خریدلیا، پھر وہی سائل آ گیا، پھر حضرت عبداللہ نے اسے دلوادیا، پھر دوسرا شخص چپکے سے اٹھا اور اس خوشۂ انگور کو ایک درہم میں خریدلیا اور اس سائل کو ان کے پاس آنے سے منع کردیا، اگر ان کو اس سائل کے روکنے کا علم ہوجاتا تو ہرگز اس انگور کو زبان پر نہیں رکھتے (۴)۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا معمول تھا کہ یہ مسکینوں، یتیموں اور غرباء کے ساتھ ہی کھانا کھایا کرتے تھے۔(۱) میمون بن مہران کا بیان ہے کہ آپ کی زوجۂ محترمہ کو آپ کے سلسلہ میں سمجھایا گیا، کہ تم اپنے اس شیخ حضرت عبداللہ بن عمر پر رحم کیوں نہیں کھاتی ہو، آپ کی صحت کمزور ہوتی چلی جارہی ہے؟ وہ کہنے لگی، میں کیا کروں؟ جب بھی میں ان کے لیے کھانا پکاتی ہوں تو یہ اپنے ساتھ ایک دو شخص کو ضرور لاتے ہیں، میں نے مسجد کے راستہ میں بیٹھنے والے مسکینوں کو یہ کہلا بھیجا ہے کہ جب بھی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ مسجد سے باہر تشریف لایا کریں تو تم لوگ براہِ کرم راستہ میں موجود مت رہنا، میں تم لوگوں کے لیے کھانا بھیج دیا کروں گی۔ جب انہیں راستہ میں کوئی مسکین نہیں ملتا، اور گھر تشریف لے آتے تو فرماتے: فلاں گھر، فلاں شخص کے پاس اتنا کھانا بھیج دو۔ گویا کہ ان کے پاس یتیموں، مسکینوں اور غریبوں کی فہرست رہتی تھی، کہ نام بنام ہر مسکین، یتیم کے گھر کھانا

---

(۱) طبقات ابن سعد: ۴/ ۱۴۸

(۲) صحیح بخاری: ۲/ ۶۴۸، حدیث نمبر: ۴۵۱۴-۴۵۱۵

(۳) سیر أعلام النبلاء: ۳/ ۲۱۴، اصابہ ۲/ ۳۴۱، اسنادہ صحیح۔

(۴) سورۃ المطففین آیت: ۶۔

(۵) حلیۃ الاولیا: ۱/ ۳۰۵

(۶) سورۂ نساء: ۱۴۱۔

(۷) طبقات ابن سعد: ۴/ ۱۶۲، وسندہ جید

(۸) سورہ الحدید آیت: ۱۶۔

بھجوا دیتے تھے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ ہر ایک کے گھر یہ کہلا بھیجتی تھیں کہ اگر تمہیں کھانے پر بلایا کریں تو براہ کرم اس وقت نہ آنا۔ (۴)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ آسودہ ہو کر کھانا نہیں کھاتے، خود ان کے صاحبزادہ حمزہ کا بیان ہے کہ اگر گھر میں کھانا ضرورت سے زائد ہوتا پھر بھی میرے والد محترم آسودہ ہو کر نہیں کھاتے، بلکہ کہیں سے غریب، مسکین اور یتیم کو ضرور ڈھونڈ لاتے۔ ایک مرتبہ یہ بیمار پڑ گئے، ان کی عیادت کے لیے ابنِ مطیع تشریف لائے، وہ انہیں لاغر، نحیف اور کمزور دیکھ کر ان کی زوجہ محترمہ حضرت صفیہ سے مخاطب ہوئے اور کہا: آپ ان پر خاص توجہ نہیں دیتی ہیں؟ برائے کرم ان کا پورا خیال کریں، اچھا کھانا پیٹ بھر کر کھلایا کریں، تاکہ یہ جلد صحت مند ہو جائیں، انہوں نے جواب دیا میں کیا نہیں کرتی، بس ان کی عادت سے مجبور ہوں، عمدہ، لذیذ کھانا ان کے لیے تیار کرتی ہوں، تو یہ اپنے سارے گھر والے اور رفقاء کو دسترخوان پہ ساتھ لے کر بیٹھ جاتے ہیں، اب میں کیا کروں!! ابنِ مطیع حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی جانب متوجہ ہوئے اور عرض کیا، اے ابوعبدالرحمن! کاش! آپ آسودہ ہو کر کھانا کھاتے تو جلد صحت یاب ہو جاتے، ساری بیماریاں ختم ہو جاتیں، یہ سن کر انہوں نے فرمایا: میں نے آٹھ سالوں میں صرف ایک مرتبہ آسودہ ہو کر کھانا کھایا ہے اور آج جب کہ اس دنیا میں چند دنوں کا مہمان ہوں، تم مجھے پیٹ بھر کر کھانا کھانے کا مشورہ دے رہے ہو!! (۳)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام عبیداللہ بن عدی عراق سے ان کے لیے کھانا ہضم کرنے والی دوا ''جوارش'' لے کر آئے، ان کو ہدیہ میں پیش کیا، انہوں نے یہ دیکھ کر فرمایا: میں نے چالیس سال سے پیٹ بھر کر اور آسودہ ہو کر کھانا کھایا ہی نہیں اور تو مجھے دواءِ ہاضمہ لا کر دے رہا ہے، مجھے اس کی کیا ضرورت ہے!! (۱)

خود حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد میں نے کبھی بھی نہ کوئی معمولی گھر بنوایا اور نہ کوئی ایک درخت لگایا۔ (۲)

ان کے اس طرح کے واقعات سے تاریخ بھری پڑی ہے، کہاں تک ان کے واقعات کا احاطہ کیا جائے خواہش مند حضرات طبقات ابن سعد: ۴/ ۱۴۲ تا ۱۸۸/ حلیۃ الأولیاء: ۱/ ۲۹۲ تا ۳۱۴،

---

(۱) سورہ البقرۃ آیت: ۲۸۴، الحلیۃ: ۱/ ۳۰۵ (۲) الحلیۃ: ۱/ ۳۰۷، سندہ صحیح۔

(۳) سورۂ سبا آیت: ۵۴ (۴) سورۃ الأعراف آیت: ۵۰، صفۃ الصفوۃ: ۱/ ۵۷۸

کا مطالعہ کریں یہی وجہ ہے کہ ہر ایک ان کو دل سے چاہتا تھا اور ان کے خلیفہ بنائے جانے پر ہر ایک کا اتفاق تھا۔

سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا غایت درجہ اہتمام

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بہت زیادہ اہتمام کرتے تھے ، ان کا خلافت و امارت سے انکار کرنا، قناعت کرنا، اللہ کے راستہ میں خوب خرچ کرنا اور اپنی موت تک اپنے اندر معمولی دنیا کا نہ آنے دینا، جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارکہ میں مسجد کو لازم پکڑ رکھے تھے اور جیسی غربت و فقیری کی حالت سے عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں دوچار تھے اسی حالت پہ قائم رہنا، دیکھنے والے کا ان کے متعلق یہی گواہی دینا کہ ذرہ برابر دنیا کی جانب مائل نہیں ہوئے اور نہ اپنے اندر دنیا کو آنے دیا یہ اتباعِ سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غایت درجہ اہتمام نہیں، تو اور کیا ہے!!

امام مالک فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سنت کی اتباع میں اس قدر محور ہتے کہ دیکھنے والا ان کی عقل کے بارے میں اندیشہ کرنے لگتا کہ یہ شاید مجنوں یا دیوانہ تو نہیں ہو گئے۔ (۳)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام ان کے مخصوص شاگرد رشید اور سفر وحضر میں ساتھ رہنے والے حضرت نافع کا بیان ہے کہ اگر تم حضرت عبداللہ بن عمر کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت طیبہ کی اتباع کرتے دیکھ لو، تو ان کو مجنوں، دیوانہ کہے بغیر نہیں رہو گے۔ (۴)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان کے متعلق یہ گواہی دیتی ہیں کہ اپنے گھروں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کی اتباع عبداللہ بن عمر کی طرح کوئی نہیں کرتا ہے۔ (۱)

حضرت عبداللہ کے ہر ہر عمل سے اتباعِ سنت جھلکتا تھا، یہ سنت کے متوالے ہونے کے ساتھ ساتھ غضب کے ذہین و فطین بھی تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کون سا عمل، کس جگہ اور کیسے کیا ہے، ہر ایک قوتِ حافظہ میں محفوظ رہتا تھا اور اس عمل کو اسی مقام پر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقۂ مبارکہ پر ادا کرتے، حضرت نافع کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نشانِ مبارک اپنی قوتِ حافظہ سے ڈھونڈتے اور یہ دیکھتے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کس مقام پہ نماز

---

(۱) الحلیۃ: ۱/ ۳۵۹

(۲) إعلام الموقعین: ۱/ ۱۱-۱۲

پڑھی ہے، اسی مقام پہ نماز پڑھتے اور دورانِ سفر کس درخت کے نیچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام فرمایا ہے، اس درخت کو اپنے ذہن میں محفوظ رکھتے اور اس مقام پہ پہنچ کر وہاں اترتے اور درخت کے سوکھنے کے اندیشہ سے اس کی جڑ میں پانی ڈال دیتے اور وہاں قیام فرماتے تھے (۲) جس راستہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اونٹنی پر سوار ہو کر سفر کرتے اسی راستہ سے یہ اونٹنی پر سفر کیا کرتے اور حج بیت اللہ کے موقع پر ہمیشہ میدانِ عرفہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کھڑے ہونے کی جگہ میں کھڑے ہوتے تھے۔ (۳)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی ازار و تہبند نصف پنڈلی تک ہوتی اور یہ سیاہ رنگ کا عمامہ استعمال کرتے اور اس کے شملہ کو دونوں مونڈھوں کے درمیان چھوڑتے اور مونچھوں کو اتنا کترتے کہ کھال کی سفیدی نظر آنے لگتی، (۴) ایک مشت ڈاڑھی رکھتے۔ (۵) ان کی انگوٹھی پر ''عبداللہ بن عمر'' کندہ کیا ہوا تھا، محمد بن سیرین کی روایت میں یہ ہے کہ ان کی انگوٹھی پر ''اللہ'' نقش تھا۔ (۶) یہ بازار صرف لوگوں کو سلام کرنے ہی کے لیے جاتے تھے۔ (۷) ہر بڑے چھوٹے کو سلام کرتے تھے۔ (۸)

جب بھی کوئی شخص انہیں دیکھتا تو وہ یہی خیال کرتا کہ یہ پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع میں لگے ہوئے ہیں۔ (۹) یہی وجہ ہے کہ ان کے ہر قول و فعل کو امت حجت بتاتے ہوئے یہی کہتی ہے کہ درحقیقت یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول و فعل ہے؛ کیونکہ ہر وقت آپ کو سنت ہی پر عمل کرتے ہوئے دیکھا گیا ہے۔

کثرتِ عبادت اور خشیتِ الٰہی

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ رات میں بہت کم سوتے، رات کا اکثر حصہ نماز پڑھنے میں گذار دیتے۔ ان کا خود اپنا بیان ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارک میں ایک نوجوان بے شادی شدہ شخص تھا، مسجد ہی میں رات گذارتا تھا اور صحابۂ کرام رضوان اللہ عنہم اجمعین میں سے جو کوئی کچھ خواب دیکھتا وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتا، میں نے بھی یہ دعاء کی کہ ''اے

---

(۱) کتاب الاحکام لابن حزم: ۵/ ۹۲، بحوالہ اعلام الموقعین: ۱/ ۱۱-۱۲ (۲) اعلام الموقعین: ۱/ ۱۸

(۳) استیعاب: ۲/ ۳۳۵ (۴) اعلام الموقعین: ۱/ ۱۸

(۵) طبقات ابن سعد: ۴/ ۱۴۴، اسنادہ صحیح (۶) الاصابۃ: ۲/ ۳۴۰

(۷) سیر أعلام النبلاء: ۳/ ۲۰۴

اللہ! اگر میں تیرے نزدیک کچھ بھی اچھا شخص ہوں تو تو مجھ کو بھی ایک خواب دکھلا" جس کی تعبیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرمائیں۔ یہ دعاء کر کے سو گیا، میں نے خواب دیکھا، دو فرشتے مجھ کو دوزخ کی طرف لے گئے کیا دیکھتا ہوں وہ گول کنوئیں کی طرح تہہ بہ تہہ بنی ہوئی ہے، اس کے دونوں طرف مٹکے بنے ہوئے ہیں، ہر دو مٹکوں کے بیچ میں ایک فرشتہ لوہے کا گرز ہاتھ میں لیے ہوئے کھڑا ہے، میں نے کچھ لوگ اس کنوئیں میں ایسے بھی دیکھے جو الٹے سر تلے پاؤں اوپر زنجیروں میں لٹک رہے ہیں، ان میں بعضے آدمیوں کو میں نے پہچانا بھی جو قریش کے قبیلے کے تھے، پھر وہ فرشتے مجھ کو دکھلا کر اپنی طرف لے گئے، صبح سویرے یہ خواب اپنی بہن ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے بیان کیا، حضرت حفصہ فرماتی ہیں، میں نے اس خواب کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیان کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "**إن عبدﷲ رجل صالح، لو كان يكثر الصلاة من الليل**" عبداللہ ایک نیک بخت آدمی ہے، کاش رات کو کثرت سے نماز پڑھتا۔

امام زہری فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمانِ عالی کو سننے کے بعد حضرت عبداللہ رات کو کثرت سے نماز پڑھنے لگے۔(۱) محمد بن زید حضرت عبداللہ کے رات میں بیدار ہونے کا طریقہ نقل کرتے ہیں کہ ان کے پاس پتھر کا کھودا ہوا ایک گڑھا تھا، اس میں پانی رہتا تھا، وضوء کر کے تہجد کے لیے کھڑے ہو جاتے جتنی توفیق ہوتی پڑھ لیتے، پھر بستر پر آلیٹتے اور پرندہ کی طرح ہلکی نیند سو جاتے پھر اٹھ کھڑے ہوتے، وضو کرتے اور نماز پڑھنے میں مشغول ہو جاتے، پھر بستر پر لیٹ جاتے اور پرندہ کی طرح ہلکی نیند سو جاتے پھر جلدی سے اٹھ کھڑے ہوتے، وضوء وغیرہ کے بعد نماز تہجد پڑھنے میں مصروف ہو جاتے، رات بھر اسی طرح چار، یا پانچ مرتبہ کرتے کہ رات گذر جاتی۔(۲)

حضرت نافع کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ پوری رات نمازِ تہجد میں گذار دیتے تھے، آپ نمازِ تہجد میں مشغول رہتے، پھر مجھ سے کہتے اے نافع! کیا رات کا آخری پہر ہو گیا؟ میں عرض کرتا نہیں! تو آپ پھر نماز میں لگ جاتے، پھر دریافت فرماتے کیا تڑکا ہو گیا؟ میں عرض کرتا، ہاں! تو آپ بیٹھ جاتے اور دعاء واستغفار میں صبح تک مصروف رہتے۔(۱) جب کبھی آپ کی نمازِ عشاء کی جماعت فوت ہو جاتی تو

---

(۱) سیر أعلام النبلاء: ۳/ ۲۳۸ (۲) صحیح بخاری: ۲/ ۱۰۴۰-۱۰۴۱

(۳) اعلام الموقعین: ۱/ ۲۱ (۴) صحیح بخاری ۱/ ۲۱ رقم ۱۱

(۵) الإصابۃ: ۲/ ۳۴۰

بقیہ پوری رات نماز پڑھنے ہی میں گذار دیتے۔ (۲) محمد بن سیرین کا بیان ہے کہ جب کبھی رات میں آپ بیدار ہوتے تو نماز پڑھنے میں مشغول ہو جاتے۔ (۳) ظہر سے عصر تک کا وقت بھی عبادت ہی میں گذارتے۔ (۴)

حضرت نافع سے سوال کیا گیا کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا گھر میں کیا معمول ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ لوگ ان کے معمول کی تاب نہیں لا سکتے، وہ ہر نماز کے لیے وضوء کرتے ہیں اور قرآن کریم کی مستقل تلاوت کرتے رہتے ہیں۔ (۵) حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اس قدر طویل اور کثرت سے نماز پڑھنے کے باوجود اپنی نمازوں کی قبولیت کے سلسلہ میں خوف کھاتے ہوئے فرماتے ہیں: "**ما صليت صلاة منذ أسلمت إلاّ و أنا أرجو أن تكون كفارة**" اسلام لانے کے بعد سے میں نے جتنی بھی نمازیں پڑھی ہیں، میں ان سے اپنے گناہوں کے لیے کفارہ کی امید رکھتا ہوں۔ (۶)

طاؤس بن کیسان کا بیان ہے کہ میں نے حضرت عبداللہ کی طرح کسی کو نماز پڑھتے نہیں دیکھا۔ چہرہ، دونوں ہتھیلیوں اور پاؤں کو قبلہ شریف کی جانب کرنے میں ان سے زیادہ اہتمام کرتے کسی اور کو نہیں دیکھا۔ (۷) نماز پڑھتے وقت ان کی یہ خواہش ہوتی کہ نماز میں سارے اعضاء قبلہ رخ رہیں (۸)۔

جب یہ نماز میں قرآن کریم کی تلاوت کرتے تو دورانِ تلاوت آیتِ عذاب پر ٹھہرتے اور اللہ تعالیٰ سے خوب دعاء کرتے اور عذابِ جہنم سے خوب پناہ مانگتے تھے۔ (۹)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے روزہ رکھنے کا معمول حضرت نافع بیان کرتے ہیں کہ یہ عام طور سے روزہ رکھتے تھے، البتہ بیمار پڑ جاتے یا کوئی ایسا مخصوص مہمان آ جاتا جو ان کے بغیر نہیں کھاتا تو اس کی خاطر روزہ توڑ دیتے اور سفر میں روزہ نہیں رکھتے، بلکہ اپنے ہم سفر سے فرما دیتے کہ تم میرے ساتھ اسی شرط پر سفر کرو گے کہ روزہ نہیں رکھنا ہوگا اور فرماتے کہ سفر میں اللہ تعالیٰ نے رخصت دی ہے اور میں روزہ رکھنے سے زیادہ سفر میں رخصت کو پسند کرتا ہوں۔ (۱) ایک سال حج بیت اللہ کرتے اور ایک سال عمرہ کرتے۔ (۲)

---

(۱) طبقات ابن سعد: ۴/ ۱۴۴ (۲) حوالۂ مذکور: ۱۴۵

(۳) الإصابۃ: ۲/ ۳۴۱ (۴) الإصابۃ ۲/ ۳۴۱، إسنادہ صحیح، طبقات ابن سعد: ۴/ ۱۶۸

(۵) طبقات ابن سعد: ۴/ ۱۵۶ (۶) طبقات: ۴/ ۱۴۷

ان کو پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی یادِ مبارک بہت ستاتی تھی، جب کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد آجاتی تو روئے بغیر نہیں رہتے۔ (۳) حضرت عبداللہ پر خدائے ذوالجلال کے خوف کا بے حد غلبہ تھا، بہت زیادہ روتے تھے، بعض دفعہ روتے روتے بے ہوش ہوجاتے، ایک مرتبہ سورۂ مطففین کی تلاوت فرمائی، جب اس آیت پر پہنچے "**یوم یقوم الناس لرب العلمین**" (۴) (جس دن تمام لوگ سارے جہاں کے پروردگار کے سامنے کھڑے ہوں گے) اس قدر روئے کہ بے ہوش ہوکر گر پڑے اور اگلی آیتوں کی تلاوت نہ کرسکے۔ (۵)

ایک مرتبہ ان کے شاگرد عبید بن عمیر نے اس آیت کی تلاوت کی "**فکیف إذا جئنا من کل أمة بشهید و جئنا بک علی هؤ لاء شهیداً**" تو اس وقت کیا حال ہوگا جب کہ ہم ہر ہر امت میں سے ایک ایک گواہ حاضر کریں گے اور آپ کو ان لوگوں پر گواہی دینے کے لیے حاضر کریں گے"۔ (٦) اتنا سن کر حضرت عبداللہ رونے لگے، اتنا روئے کہ ان کی ڈاڑھی اور کرتے کا گریبان آنسوؤں سے تر ہوگیا، حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا، اے عبید! بس کر، تو نے شیخ کو بہت تکلیف دی۔ (۷)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ جب کبھی اس آیت کی تلاوت فرماتے: "**ألم یأن للذین امنوا أن تخشع قلوبهم لذکر اللّٰہ و ما نزل من الحق**" (کیا ایمان والوں کے لیے اس بات کا وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ تعالیٰ کی نصیحت کے سامنے اور جو دینِ حق نازل ہوا ہے اس کے سامنے جھک جائیں) (۸) تو روتے روتے بے قابو ہوجاتے۔ (۹) اور آپ جب بھی اس آیت کو پڑھتے روئے بغیر نہیں رہتے "**إن تبدوا ما في أنفسکم أو تخفوہ یحاسبکم به اللّٰہ**" اور جو باتیں تمہارے دلوں میں ہیں ان کو اگر تم ظاہر کروگے یا یہ کہ پوشیدہ رکھوگے اللہ تعالیٰ تم سے حساب لیں گے۔ (۱)

ایک شخص آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا "**یا خیر الناس، أو ابن خیر الناس**" اے لوگوں میں سب سے زیادہ نیک اور بزرگ ہستی اور نیک پارسا شخص کے لڑکے! یہ سن کر آپ نے فرمایا: نہ میں لوگوں میں سب سے نیک ہوں اور نہ سب سے نیک آدمی کا لڑکا ہوں، البتہ اللہ کا ایک بندہ ہوں، اللہ تعالیٰ کی رحمت کی امید رکھتا ہوں اور اس کے عذاب سے خوف کھاتا رہتا ہوں خدائے ذوالجلال کی قسم! تم لوگ آدمی کی اتنی

---

(۱) ال أدب المفرد:/۳۰٦، باب یتخطی إلی صاحب المجلس (۲) سورۃ المائدۃ آیت:۵۴

(۳) تاریخ کبیر:۴/۳۸٦ (۴) جامع بیان العلم:۲/ ۱۵۴، ال اصابۃ:۲/ ۳۴۰، تذکرۃ الحفاظ: ۳۹/۱

تعریف کروگے کہ اسے ہلاکت کے گڑھے تک پہنچادوگے۔ (۲)

ایک مرتبہ آپ نے ٹھنڈا پانی نوش فرمایا، اس کے بعد روتے روتے بے بس ہو گئے، جب کچھ اپنی حالت پر قابو پایا تو آپ سے رونے کی وجہ دریافت کی گئی، آپ نے فرمایا: قرآن پاک کی یہ آیت یاد آ گئی تھی "**وحيل بينهم و بين ما يشتهون كما فعل بأشياعهم من قبل انهم كانوا في شك مريب**" (ان کافروں) میں اوران کی آرزوؤں اور خواہشوں کے درمیان ایک آڑ کردی جائے گی، جیسا کہ ان کے ہم مشربوں کے ساتھ بھی یہی برتاؤ کیا جائے گا، کیونکہ یہ بڑے شک میں تھے جس نے ان کو تردد میں ڈال رکھا تھا۔ (۳) میں نے جان لیا کہ اہلِ جہنم کو سب سے زیادہ پانی ہی کی خواہش ہوگی، جس کا اللہ رب العزت نے اس طرح نقشہ کھینچا ہے "**ونادیٰ أصحاب النار أصحاب الجنة أن أفيضوا علينا من الماء الآية**" اہلِ جہنم اہلِ جنت کو آواز دیں گے، اے جنتیو! ہمارے اوپر تھوڑا پانی ڈال دو، یا کچھ اور ہی دے دو جو اللہ تعالیٰ نے تم کو دے رکھا ہے۔ جنت والے کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے دونوں چیزوں کی کافروں پر بندش لگادی ہے۔ (۴)

بڑے لوگوں کی بڑی باتمنا

ایک مرتبہ خانۂ کعبہ میں حجرِ اسود کے پاس حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے تینوں صاحبزادے: مصعب، عروۃ اور عبداللہ ایک ساتھ جمع تھے، یہ چاروں حضرات آپس میں کہنے لگے کہ ہم میں سے ہر ایک اپنی تمنا اور اپنی خواہش کا اظہار کرے۔ سب سے پہلے حضرت عبداللہ بن زبیر نے فرمایا: میں خلیفہ اور بادشاہ بننے کی خواہش رکھتا ہوں۔

حضرت عروۃ نے فرمایا: میری تمنا یہ ہے کہ میرے پاس طالبانِ علومِ نبوت خوب کثرت سے آئیں اور میرے سینۂ گنجینہ سے ذخیرۂ علومِ نبوت خوب بھر بھر کر لے جائیں۔

حضرت مصعب نے کہا: میری خواہش یہ ہے کہ میں عراق کا امیر و گورنر بن جاؤں اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی محترمہ عائشہ اور حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما کی صاحبزادی محترمہ سکینہ میرے نکاح میں آجائیں۔

---

(۱) طبقات ابن سعد: ۴/ ۱۴۵ (۲) حوالہ بالا: ۴/ ۱۴۴

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: میری آرزو یہ ہے کہ میرے تمام گناہ معاف کردیئے جائیں۔

راوی کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کی دیرینہ تمنا پوری کردی، صرف حضرت عبداللہ بن عمر باقی رہ گئے ہیں، ویسے ان کے بارے میں بھی یہی توقع ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے گناہوں کو معاف فرمادیا ہوگا۔(۱)

علمی مقام

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا شمار فقہائے صحابۂ کرام میں ہے، علامہ ابنِ قیم علیہ الرحمۃ نے فقہائے صحابۂ کرام کا تعارف ان الفاظ میں کرایا ہے، ’’رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد فتویٰ دینے کے اعلیٰ منصب پر فائز اسلام کے ستون، ایمان کے ارکان، کلام اللہ کے لشکری، خدائی فوج کے نوجوان پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام ہیں، جو سب سے زیادہ پاک دل، سب سے زیادہ وسیع علم والے، سب سے کم تکلف والے، سب سے اچھے بیان والے، سب سے سچے ایمان والے، سب سے بڑھ کر خیر خواہ، سب سے زیادہ خداترس اور خدارس تھے، ان میں بعض وہ بھی تھے جنہوں نے اس میں بہت بڑا حصہ لیا اور بعضوں نے کم اور بعضوں نے درمیانہ۔ جن کے فتاوے محفوظ ہیں ان کی تعداد ۱۳۰ر سے کچھ اوپر ہی ہے۔(۲) ان میں بھی کثرت سے فتویٰ دینے والے سات حضرات ہیں: ۱۔ حضرت عمر بن خطاب ۲۔ حضرت علی بن ابی طالب ۳۔ حضرت عبداللہ بن مسعود ۴۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ ۵۔ حضرت زید بن ثابت ۶۔ حضرت عبداللہ بن عباس ۷۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم۔

امام احمد بن حزم کہتے ہیں: ان میں ایک ایک کے فتوے اگر الگ الگ جمع کئے جائیں تو ایک ایک بڑی کتاب بن سکتی ہے۔(۱)

میمون بن مہران کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بڑا فقیہ میری آنکھوں نے نہیں دیکھا۔(۲)

علامہ ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ مؤرخین ومحدثین تمام صحابۂ کرام میں مناسکِ حج کا سب سے

---

(۱) طبقات بن سعد: ۴/ ۱۶۹

(۲) طبقات ابن سعد: ۴/ ۱۶۶

(۳) تاریخ کبیر: ۳/ق۱/ ۳۴۹

(۴) تاریخ کبیر: ۳/ق۱/ ۳۴۸

بڑا عالم حضرت عبداللہ بن عمر کو گردانتے ہیں۔ (۳)

امام محمد بن سیرین کا بیان ہے کہ تمام صحابۂ کرام آپس میں احکامِ حج کا سب سے بڑا عالم حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو سمجھتے تھے، ان کے بعد دوسرے نمبر پر حضرت عبداللہ بن عمر کو شمار کرتے تھے۔ (۴)

حضرت علامہ ابن سیرین حضرت عبداللہ کے علمی اور عملی مقام کو دیکھ کر یہ دعاء کیا کرتے تھے، اے رب ذوالجلال! جب تک تو عبداللہ بن عمر کو زندہ رکھے مجھے بھی زندہ رکھ تاکہ میں ان کی اقتداء واتباع کرتا رہوں۔ (۵)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے بہت سارا علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست حاصل کیا ہے۔ (۶) جو حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست سنتے تھے اس کو خاص طور سے یاد رکھتے تھے اور جب مجلسِ نبوی علی صاحبہ الصلاۃ والسلام میں حاضر نہیں ہو پاتے، تو حاضرینِ مجلس سے پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل کے بارے میں پوچھ لیا کرتے تھے۔ اس طرح سے بہت سارے صحابۂ کرام مثلاً خود اپنے والدِ محترم حضرت عمر اور حضرت ابوبکر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت زید بن ثابت اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم وغیرہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال پوچھ پوچھ کر ذخیرۂ علم میں اضافہ کرتے تھے۔ (۷) ان کا شمار صغارِ صحابۂ کرام میں ہوتا ہے چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت ان کی عمر ۲۱/ سال کی تھی، اس کے باوجود انہوں نے علم کا بہت بڑا ذخیرہ جمع کر لیا اور امتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کو ایک علمی گراں قدر ذخیرہ سے نوازا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے بعد سب سے زیادہ ان ہی کی حدیثوں کی تعداد ہے، علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر کی احادیث کی تعداد ۲۶۳۰ ہے، جن میں سے صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ۱۶۸/ صرف صحیح بخاری میں ۸۱/ اور صرف صحیح مسلم میں ۳۱/ حدیثیں ہیں، بقیہ دیگر کتبِ احادیث میں ہیں۔ (۱)

اتنی چھوٹی عمر میں اتنا بڑا ذخیرۂ احادیث کا جمع کر لینا ان کے حصولِ علم کے شوق ہی کی بنا پر

---

(۱) اِعلام الموقعین: ۱/ ۲۱ (۲) اعلام الموقعین: ۱/ ۲۳

(۳) سیر أعلام النبلاء: ۳/ ۲۰۴-۲۰۹

ہے۔ اسی حصولِ علم اور کثرتِ عبادت کی بنا پر عہدِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں انہوں نے اپنا گھر مسجد ہی کو بنا رکھا تھا۔ (۲)

علامہ ابن جریر فرماتے ہیں: کہا گیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور مدینہ شریف میں جو صحابۂ کرام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد باحیات رہے وہ حضرت زید بن ثابت کے مذہب پر اور جو ان سے سیکھا تھا اس پر فتویٰ دیتے تھے، خاص طور سے جس کے بارے میں انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث یاد نہ ہوتی۔ (۳)

درسِ حدیث اور حلقۂ درس

پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانِ عالی "**من کذب علی متعمداً فلیتبو أ مقعدہ من النار**" جو میری جانب جان بوجھ کر جھوٹی بات منسوب کریگا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے۔ (۴) ہر وقت حضرت عبداللہ کے ذہن میں مستحضر رہتا تھا، یہی وجہ ہے کہ حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کرنے کے سلسلہ میں بہت ڈرتے تھے، امام المحدثین والمفسرین حضرت سعید بن جبیر علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ حدیث پاک بیان کرنے کے سلسلہ میں حضرت عبداللہ بن عمر سے زیادہ ڈرنے والا میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔ (۵)

حضرت ابو جعفر محمد بن علی کا بیان ہے کہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کرنے میں کمی زیادتی سے جس قدر حضرت عبداللہ ڈرتے تھے، صحابۂ کرام کی جماعت میں کوئی نہیں ڈرتا تھا۔ (۱)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ حدیث پاک بیان کرنے کے سلسلہ میں شدتِ احتیاط سے کام لیتے تھے، امام شعبی فرماتے ہیں کہ ان کی مجلس میں ایک سال تک بیٹھا، کبھی بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب منسوب کر کے کوئی حدیث بیان کرتے ان کو نہیں دیکھا، اور نہ ان سے کوئی حدیث شریف سنی۔ (۲)

امام المفسرین حضرت مجاہد کا بیان ہے کہ میں ایک مرتبہ مدینہ منورہ تک حضرت عبداللہ بن عمر کا ہم سفر رہا، اس دوران ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث بھی نہیں سنی۔ (۳) جب بھی یہ

---

(۱) سیر أعلام النبلاء: ۵/۹۹

(۲) مسند حمیدی: ۲/۲۹۰

(۳) سیر أعلام النبلاء: ۵/۹۸

(۴) سیر أعلام النبلاء: ۵/۹۹

(۵) سیر أعلام النبلاء: ۸/۵۸

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیتے خواہ حدیث بیان کرتے وقت یا کسی اور وقت تو روئے بغیر نہیں رہتے۔ (۴)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا حلقۂ درس مسجدِ نبوی علی صاحبہ الصلاۃ والسلام میں صبح سے چاشت کے وقت تک قائم رہتا تھا جس میں قبلہ رو بیٹھ کر درس دیتے تھے۔ حضرت نافع اور محمد بن قیس فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ مجلسِ درس میں دایاں پاؤں بائیں پاؤں پر رکھ کر (۵) مسجدِ نبوی میں چاشت کے وقت تک بیٹھے رہتے، اس دوران کوئی نماز نہیں پڑھتے بلکہ درس دیتے رہتے، پھر اٹھ کر بازار جاتے اور اپنی ضروریات پوری کر کے واپسی میں مسجدِ نبوی میں آ کر دو رکعت نماز پڑھتے، اس کے بعد اپنے گھر تشریف لے جاتے۔ (۶) اگر کوئی دورانِ درس آ کر ان کو سلام کرتا تو یہ اس کا جواب دیتے (۷)۔

آپ کا حلقۂ درس دوپہر بعد بھی قائم ہوتا تھا، محمد بن ابراہیم تیمی کا بیان ہے کہ میں جوانی کے زمانہ میں مسجدِ نبوی میں پڑا رہتا اور جس طرف سے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے اہلِ خاندان کے مسجد میں آنے کا راستہ تھا، اسی جگہ میں نماز پڑھتا، میں دیکھتا حضرت عبداللہ بن عمرؓ سورج ڈھلنے کے بعد گھر سے نکل کر مسجد تشریف لاتے اور بارہ رکعت نماز پڑھ کر بیٹھ جاتے، ایک دن میں ان کے پاس گیا، تو پوچھا تم کون ہو؟ میں نے اپنا نسب بیان کیا، تو فرمایا کہ تمہارے دادا مہاجرین حبشہ میں سے تھے، یہ سن کر حاضرینِ مجلس میری تعریف کرنے لگے، تو آپ نے انہیں منع کیا۔ (۸)

آپ کی مجلسِ درس جاری تھی، طلبۂ کرام حلقہ میں بیٹھے ہوئے تھے، اسی دوران ایک شخص آیا اور اہلِ مجلس کو پھاندتا ہوا آپ کے پاس جانے لگا، طلبۂ کرام نے مزاحمت کی، تو آپ نے فرمایا: میرے پاس آنے دو، چنانچہ وہ شخص آپ کے قریب آیا اور کہنے لگا، آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

(۱) علوم الحدیث المعروف المقدمہ لابن الصلاح: / ۱۲۔ امام مالک علیہ الرحمۃ پر ان کے شیخ الشیخ حضرت عبداللہ بن عمر کا ایک گہرا اثر اور چھاپ تھی، جس طرح حضرت عبداللہ اپنی لاعلمی کا اظہار کرنے میں کسی قسم کا تامل نہیں کرتے، ایسے ہی امام مالک بھی اپنی لاعلمی کا اظہار کرنے میں تامل نہیں کرتے، ایک مرتبہ ان سے ۴۸؍ مسائل پوچھے گئے تو انہوں نے صرف ۳۲؍ مسائل کے جواب دیئے، بقیہ کے بارے میں ''لاأدری'' (میں نہیں جانتا) فرمادیا، ابن خداش کہتے ہیں کہ میں نے امام مالک سے ۴۰؍ مسائل پوچھے، انہوں نے صرف پانچ کے جواب دیئے اور بقیہ کے بارے میں ''لاأدری'' فرمایا۔ (سیر اعلام النبلاء: ۸ / ۷۷) حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ''لاأدری'' کا کہنا نصف علم ہے علامہ ابن عبدالبر نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔ (ترتیب المدارک: ۱ / ۱۴۴-۱۵۲)

(۲) جامع بیان العلم: ۱ / ۲۷، المحدث الفاصل: / ۳۷۹

سے جو باتیں سنی ہیں، ان میں سے کچھ مجھے بتادیں، آپ نے اس کے سامنے کچھ حدیثیں بیان کیں۔(۱) حضرت قاسم بن مُخیمِر فرماتے ہیں کہ میں آپ کی مجلس میں حاضر ہوا اور سلام کیا، آپ نے میرا پُرتپاک استقبال کیا اور اپنے پہلو میں بیٹھا کر اس آیت کریمہ کی تلاوت شروع کی "یاایھا الذین امنوا من یرتد منکم عن دینہ فسوف یاتی اللّٰہ بقوم یحبھم ویحبونہ" اے ایمان والو! تم میں سے جو شخص اسلام سے پھر جائے گا تو عنقریب اللہ تعالیٰ اس کی جگہ پر ایسی قوم لائیں گے جن سے خود اللہ تعالیٰ محبت فرمائیں گے اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ سے محبت کریں گے۔(۲) پھر میرے مونڈھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا: خدائے ذوالجلال کی قسم! وہ قوم تم ہی اہلِ یمن میں سے ہوگی جو مرتدوں کا قلع قمع کرے گی، یہ جملہ بار بار دہراتے رہے۔(۳)

آپ کی مجلسِ درس کی مقبولیت و مرجعیت اور طلبہ کی کثرت کا اندازہ امام مالک کے اس بیان سے ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد آپ ساٹھ سال تک زندہ رہے، اس مدت میں مختلف علاقے اور مختلف شہروں کے وفود اور طلبۂ کرام آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر فیض یاب ہوتے رہے، ہمارے نزدیک حضرت عمر اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہما کے بعد آپ ہی امام رہے۔(۴)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا درس بہت تفصیلی ہوا کرتا تھا، حضرت میمون کا بیان ہے کہ آپ نے ہم لوگوں کو سورۂ بقرہ چار سال میں پڑھائی۔(۵)

بغیر کسی تامل کے لاعلمی کا اظہار

آپ کثرتِ سوال وجواب سے گریز کرتے تھے اور کسی مسئلہ میں آپ کو اپنے بارے میں لاعلمی کا اظہار کرنے میں کوئی چیز مانع نہیں بنتی تھی، جب آپ کی مجلسِ درس میں طلبہ کا ہجوم ہونے لگا اور سوال وجواب زیادہ ہونے لگے، تو آپ نے اپنے شاگردوں سے فرمایا کہ تم لوگ میرے پاس نہ آؤ، میں ایسی ذات کی صحبت میں رہ چکا ہوں جو مجھ سے زیادہ دین کا علم رکھتی تھی، اگر میں جانتا کہ میری عمر لمبی ہوگی اور تم لوگ میرے پاس تحصیلِ علم کے لیے آؤ گے تو تمہارے لیے ضرور مزید علم حاصل کر لیتا۔(۱)

ایک مرتبہ کسی نے مجلس میں آپ سے کوئی مسئلہ دریافت کیا، جس کے جواب میں آپ نے

---

(۱) طبقات ابن سعد: ۴/ ۱۵۹

(۲) طبقات ابن سعد: ۴/ ۱۵۴

(۳) طبقات ابن سعد: ۴/ ۱۸۶، سیر أعلام النبلاء: ۳/ ۲۳۰

(۴) صحیح بخاری: ۱/ ۱۳۲، رقم ۹۶۶، طبقات: ۴/ ۱۵۸

لاعلمی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: "**لاعلم لي به**" اس کے بارے میں مجھے علم نہیں ہے اس شخص کے چلے جانے کے بعد اپنے آپ کو مخاطب کر کے فرمایا: اے ابن عمر! تم نے بہت خوب کیا کہ جو بات معلوم نہیں، اس کے بارے میں سوال کیا گیا تو تمہیں اپنی لاعلمی کا اظہار کرنے میں کسی قسم کا کوئی تامل نہیں ہوا۔ (۲)

عالمِ دین یا مفتی پر کوئی ضروری نہیں کہ ہر مسئلہ کا جواب ہی دے، بلکہ مسئلہ بتانے سے پہلے ہر پہلو پر پہلے خوب غور کر لے، اگر صحیح معلوم ہو تو بتائے ورنہ اپنی لاعلمی کا اظہار کرنے میں کسی قسم کا تامل نہ کرے، ایک مرتبہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ سے ایک مسئلہ دریافت کیا، آپ سر جھکائے خاموش بیٹھے رہے، سائل نے دوبارہ زور دے کر معلوم کرتے ہوئے کہا، اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے، کیا آپ نے میرا سوال نہیں سنا؟ آپ نے فرمایا: ہاں سن لیا، تم لوگ جو باتیں معلوم کرتے ہو اس کے بارے میں گویا یہ سمجھتے ہو کہ اللہ تعالیٰ ہم سے سوال نہیں کرے گا، اتنی مہلت دو کہ تمہارے مسئلہ میں غور کر لیں، اگر ہمارے نزدیک جواب ہوگا تو بتا دیں گے، ورنہ تم سے کہہ دیں گے کہ ہم کو اس کا علم نہیں ہے۔ (۳)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو مسئلہ کا جواب قرآن وحدیث یا اکابر صحابۂ کرام کے اقوال میں مل جاتا تو بتا دیتے، اجتہاد ورائے سے بہت کم کام لیتے، سلیمان بن یسار آپ کی مجلسِ درس اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی مجلسِ درس کا موازنہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم دونوں حضرات کی مجلسِ درس میں برابر شریک ہوتا تھا، حضرت عبداللہ بن عمر اکثر سوال کے جواب میں "**لا أدري**" (میں نہیں جانتا ہوں) فرمایا کرتے تھے اور حضرت عبداللہ بن عباس کسی سائل کو نہیں لوٹاتے تھے ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عباس نے فرمایا: تعجب ہے کہ عبداللہ بن عمر لوگوں کو جواب نہیں دیتے، وہ ایسا کیوں نہیں کرتے کہ جس میں شک ہو سنتِ ماضیہ میں دیکھ لیں ورنہ اجتہاد ورائے سے کام لیں، اس کے بعد ایک دن ابنِ عباس خود ایک مسئلہ کے بارے میں تردد میں پڑ گئے تو کہنے لگے "**البلاء مؤكل بالقول**" یہ مصیبت دوسرے پر چوٹ کرنے اور تبصرہ کرنے کی وجہ سے آئی ہے۔ (۴)

مسلم بن عقبہ کہتے ہیں کہ میں ۳۴ر سال تک حضرت عبداللہ کی مجلس میں بیٹھا ہوں، بسا اوقات لوگ آپ سے مسائل دریافت کرتے تو جواب میں "**لا أدري**" فرما دیتے اور میری جانب متوجہ

---

(۱) طبقات ابن سعد: ۴/ ۱۸۷

(۲) طبقات: ۴/ ۱۸۷، استیعاب: ۲/ ۳۳۷

(۳) طبقات: ۴/ ۱۸۷، ال إصابة: ۲/ ۳۴۱

(۴) طبقات ابن سعد: ۴/ ۱۸۷۔۱۸۸

(۵) سیر أعلام النبلاء: ۳/ ۲۳۸

(۶) طبقات ابن سعد: ۴/ ۱۵۹

ہو کر فرماتے کہ یہ لوگ یہی چاہتے ہیں کہ ہماری پشت کو جہنم کا پل بنائیں؛ لہٰذا ان لوگوں سے کہتے کہ تم لوگ ہماری پشت کو جہنم کا پل بنا کر یہ کہنا چاہتے ہو کہ ابن عمر نے یہ فتویٰ دیا ہے۔ (۱)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بسا اوقات کسی بات کو سمجھانے کے لیے اشعار سے مثال دیا کرتے تھے۔ (۲)

بعض دفعہ ان کو کوئی حدیث سنائی جاتی اور اس کے بارے میں ان کو علم نہیں ہوتا تو اس کی مزید تحقیق کراتے، یا کبھی انکار کر دیتے۔ عطا بن یسار کا بیان ہے کہ میں نے حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت سے ان کو ایک حدیث سنائی، انہوں نے دریافت کیا کہ تم نے یہ حدیث حضرت عبداللہ بن مسعود سے سنی ہے؟ میں نے کہا ہاں! تو فرمایا: دوبارہ معلوم کرو، اس کے بعد یہ مجھے لے کر ابن مسعود کے پاس گئے، اور ان سے فرمایا کہ یہ حدیث آپ نے اس عطاء بن یسار سے بیان کی ہے؟ ابن مسعود نے فرمایا: ہاں! یہ حدیث میں نے ان سے بیان کی ہے، یہ سن کر ابن عمر نے فرمایا کہ ابن ام عبد یعنی عبداللہ بن مسعود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جھوٹ نہیں بول سکتے ہیں۔ (۳)

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے ان کے سامنے یہ حدیث بیان کی "ما کان نبي الا له حواریون یهتدون بهدیه" یہ سن کر انہوں نے انکار کیا، جب حضرت ابن مسعود مقام "قناۃ" میں آئے، تو یہ مجھے اپنے ساتھ لے کر ان کے پاس گئے، میں نے حضرت ابن مسعود سے اس حدیث کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے اسی طرح یہ حدیث بیان کر دی، اب حضرت عبداللہ بن عمر مطمئن ہوئے۔ (۴)

شاگردانِ کرام

علامہ ابن قیم تحریر فرماتے ہیں کہ دین، فقہ اور علم اس امت میں پھیلانے والے شاگردانِ ابن مسعود، شاگردانِ زید بن ثابت، شاگردانِ عبداللہ بن عمر اور شاگردانِ ابن عباس رضی اللہ عنہم ہیں۔ عام طور پر سارے لوگوں کا علم ان ہی چار حضرات کے شاگردوں سے ہے، ان ہی چار حضرات کے شاگردوں نے چار دانگِ عالم میں سارے علم کو پھیلایا ہے، جس سے سارے لوگ بہرہ ور ہوئے۔ اہلِ مدینہ کا علم زید بن ثابت اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کے شاگردوں سے ہے۔ (۱)

---

(۱) الثقات:۲۵، ۱۷۵، نمبر:۷۲۵

مدینہ منورہ زادہا اللہ شرفۃ وعظمۃ کے تابعی مفتیوں کے اسمائے گرامی جنہوں نے حضرت عبداللہ بن عمر سے علم حاصل کیا اور ان سے اکتسابِ فیض کیا ہے وہ یہ ہیں: ۱۔ سعید بن المسیب المتوفی ۹۴ھ ۲۔ عروۃ بن زبیر المتوفی ۹۳ھ ۳۔ قاسم بن محمد المتوفی ۱۰۱ھ ۴۔ خارجہ بن زید المتوفی ۹۹ھ ۵۔ ابوبکر بن عبدالرحمن المتوفی ۹۳-۹۵ھ ۶۔ سلیمان بن یسار المتوفی ۹۴ھ ۷۔ عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ ابن مسعود المتوفی ۹۴ھ یہ سب پایۂ چوٹی کے فقیہ ہیں، جن کے ناموں کو نظم میں اس طرح پرویا گیا ہے:

إذا قيل مَن في العلم سبعة ابحر رِوَايَتُهُمْ لَيْسَتْ عَنِ الْعِلْمِ خَارِجَةٌ
فَقُلْ: هُمْ: عُبَيْدُاللهِ، عُرْوَةُ، قَاسِم سَعِيْدُ أبو بكرٍ، سُلَيْمَان خَارِجَةُ

''جب یہ پوچھا جائے کہ علم کے سات دریا کون ہیں؟ اور کن کی روایتیں علم سے باہر نہیں ہیں؟ تو یہ جواب دے: وہ عبیداللہ، عروۃ، قاسم، سعید، ابوبکر، سلیمان اور خارجہ ہیں۔

ان حضرات کے علاوہ مدینہ منورہ کے اور بھی مشہور مفتیانِ کرام ہیں، ابان بن عثمان المتوفی ۱۰۵ھ سالم ابن عبداللہ بن عمر المتوفی ۱۰۶ھ نافع مولیٰ عبداللہ بن عمر المتوفی ۱۱۶ھ، ۱۲۰ھ ابوسلمہ بن عبدالرحمن بن عوف المتوفی ۹۴ھ علی بن حسین المتوفی ۹۴ھ۔ (۲)

علامہ شمس الدین ذہبی نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے ۲۵۰ رشاگردوں کے اسماء ذکر کئے ہیں اور علامہ ابن یونس مؤرخِ وقت کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ان کے صرف مصر کے ۴۰ رسے زائد شاگردان کرام تھے۔ (۳)

حضرت عبداللہ کے شاگردوں میں ان کے مسلک کے صحیح ترجمان وناشر حضرت نافع ہیں، جو ان کے آزاد کردہ غلام اور ہمہ وقت ان کے ساتھ رہنے والے ہیں۔ انہوں نے آپ کی احادیث وروایات کو ایک صحیفہ میں جمع کر رکھا تھا اور اسی سے اپنے شاگردوں کو پڑھایا کرتے تھے، نافع بن ابی نعیم، اسماعیل بن ابراہیم اور ابن ابی فروہ کہتے ہیں کہ نافع کی کتاب جس کو انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمر سے سن کر ایک صحیفہ میں لکھ رکھا تھا، ہم لوگ اس کو نافع سے پڑھتے تھے اور کہتے تھے کہ ابوعبداللہ کیا

---

(۱) صحیح بخاری شریف: ۱/ ۱۷۲، حدیث نمبر: ۱۲۹۳، فتح الباری: ۳/ ۱۹۴، المغازی للواقدی: ۱/ ۲۶۶

(۲) سورۃ آل عمران آیت: ۱۶۹

(۳) سورۃ آل عمران: ۱۶۹-۱۷۱

ہم "حدثنا نافع" (یعنی اس کتاب کو آپ سے پڑھیں اور یہ کہیں کہ نافع نے ہم سے یہ بیان کیا ہے) کہہ سکتے ہیں؟ تو کہتے ہاں تم کہہ سکتے ہو، نافع ابن ابی نعیم کا بیان ہے کہ حضرت نافع کو بتایا گیا کہ لوگوں نے آپ کے علوم کو کاپیوں میں جمع کر رکھا ہے، تو فرمایا: کاپیوں کو میرے پاس لاؤ، نظرِ ثانی کر کے اصلاح کر دوں۔ (۱)

مکۃ المکرمۃ کے فقیہ وقت شیخ عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج (المتوفی ۱۵۰ھ) نے بھی نافع کی روایت سے حضرت عبداللہ کی حدیثیں جمع کی تھیں، وہ کہتے ہیں کہ میں نافع کی خدمت میں آیا تو انہوں نے ایک زنبیل سامنے رکھ دی، پھر یہ کہہ کر حدیثوں کا املاء کرایا کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر سے سنا ہے کہ ان حدیثوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا اور میں نے ان کو اپنی تختیوں پر لکھا ہے۔ (۲)

امام مالک فرماتے تھے کہ حضرت نافع کچھ بھی بولیں اسے لکھ لو اور مہر ثبت کر دو۔ (۳)

حضرت عبداللہ بن عمر کے تمام علوم کو حضرت نافع نے اپنے سینہ میں جمع کر لیا تھا، اسی طرح حضرت نافع سے تمام علوم کو امام مالک نے اپنے سینہ میں جمع کر لیا، گویا کہ امام مالک ہی نے حضرت ابن عمر کے علوم کو پوری دنیا میں پھیلایا اور آپ ہی کو اپنے فقہِ مالکی کا مأخذ ومصدر بنایا ہے۔ امام نسائی نے حضرت نافع کے شاگردوں میں اعلیٰ، افضل اور ان کی باتوں کو سب سے زیادہ یاد رکھنے والے امام مالک ہی کو قرار دیا ہے۔ (۴)

علامہ شمس الدین ذہبی نے امام مالک کو محمد بن شہاب زہری وغیرہ کے آخری دور کا سب سے بڑا فقیہ تسلیم کرتے ہوئے فرمایا: "**كان مالك هو المقدم فيهم على الإطلاق والذي تضرب إليه أباط الإبل من الأفاق**" امام مالک اپنے زمانہ کے تمام فقہا ومحدثین پر فائق تھے اور اپنے وقت میں مرجعِ خلائق بنے ہوئے تھے، لوگ دور دراز سے سفر کر کے ان کے پاس حصولِ علم کے لیے آتے تھے

☆ حضرت عبداللہ نے غزوۂ احد سے چند دن پہلے خواب میں غزوۂ بدر میں شہید ہونے والے صحابی حضرت مبشر بن عبدالمنذر کو جنت میں خوب مزہ لیتے ہوئے دیکھا اور یہ فرماتے ہوئے سنا: اے بوعبداللہ! تو کچھ ہی دنوں میں ہمارے پاس آئے گا، اس خواب کی تعبیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان فرمائی: اے ابو جابر! تم جامِ شہادت نوش کرو گے۔ (المغازی للواقدی: ۱/ ۲۶۶)

(۱) صحیح بخاری: ۱/ نمبر ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، سنن ابوداؤد: ۲/ ۴۶۱، المغازی: ۱/ ۲۶۶

(۲) المغازی للواقدی: ۱/ ۲۶۷

(۵)۔

امام بخاری علیہ الرحمۃ نے حدیث پاک کی تمام سندوں میں امام مالک کی طریق سے آنے والی سند کو تمام سندوں میں اصح ترین سند فرمایا ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے: **"مالک عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہما"** کہ امام مالک حضرت نافع سے اور حضرت نافع حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔ (۱)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے علوم وفنون کو حضرت نافع کے علاوہ دیگر شاگردوں نے بھی اپنی کاپیوں میں جمع کیا ہے، مثلاً: امام المفسرین حضرت سعید بن جبیر نے براہ راست آپ سے حدیثوں کو سن کر جمع کیا تھا، وہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے رات میں احادیث سنتا تھا تو اونٹ کے کجاوے کی لکڑی پر لکھ لیتا تھا، پھر صبح میں ان کو کاپیوں میں جمع کر لیتا تھا۔ (۲)

سببِ وفات

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما حق گو تھے، حجاج جیسے ظالم بادشاہ کے سامنے بھی حق گوئی سے باز نہیں آتے تھے، ایک مرتبہ حجاج بن یوسف جمعہ کے دن برسرِ عام خطبہ دے رہا تھا، خطبہ اتنا لمبا کردیا کہ دوپہر کا وقت ختم ہونے لگا، حضرت عبداللہ نے برسرِ عام حجاج کو مخاطب کرکے فرمایا: اے شخص! اب خطبہ ختم کر اور جلد نماز پڑھا، آپ نے تین مرتبہ اس جملہ کو دہرایا، لیکن اس کے کانوں پہ جوئیں بھی نہیں رینگیں، وہ اپنی جگہ کھڑا خطبہ دیتا ہی رہا، تو آپ نے چوتھی مرتبہ لوگوں کو مخاطب کرکے فرمایا میں یہاں سے اٹھ کر چلا جاؤں تو کیا تم لوگ بھی میرے ساتھ نکل چلو گے؟ متفقہ طور پر سارے لوگوں نے جواب دیا ہاں! یہ منظر دیکھ کر حجاج منبر سے اترا اور نماز پڑھائی، پھر آپ کو بلایا اور کہا دورانِ خطبہ آپ کے بولنے کا کیا مقصد تھا؟ آپ کیوں بول رہے تھے؟ آپ نے فرمایا ہم لوگ وقت پر نماز پڑھنے کے لیے آتے ہیں، جب نماز کا وقت ہوجائے تو مستحب وقت میں نماز پڑھا دیا کرو، پھر اس کے بعد جتنی تقریر کرنی چاہو اور جتنا بکواس کرنا چاہو خوب کرو۔ (۱)

خالد بن سمیر کا بیان ہے کہ ایک دن ظالم فاسق حجاج منبر پر خطبہ دے رہا تھا، دورانِ خطبہ یہ

---

(۱) امام بخاری صحیح بخاری میں اس روایت کو گیارہ جگہ لائے ہیں اور اس سے گیارہ مسائل کا استنباط کیا ہے

۱: / ۳۲۲، نمبر ۲۳۹۶، ج:۲ / ۵۸۰

کہا کہ عبداللہ بن زبیر نے قرآن کریم کے اندر تحریف کی ہے، یہ سن کر حضرت عبداللہ بن عمر کھڑے ہوئے اور فرمایا: ''کَذَبْتَ، کَذَبْتَ، کَذَبْتَ'' تو جھوٹا ہے، تو جھوٹا ہے، تو جھوٹا ہے، حجاج نے جواب دیا: اے شیخ! خاموش رہیے، آپ کی عقل ٹھکانے میں نہیں ہے، آپ بوڑھے ہو چکے ہیں، خاموش رہیے، ورنہ آپ کی جان خطرہ میں پڑ جائے گی۔ (۲)

ایک دن حجاج کے خطبہ دینے کے دوران حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے اللہ کے دشمن: حرم شریف کی حرمت پامال کی جا رہی ہے اور بیت اللہ شریف کو ویران کیا جا رہا ہے۔ اس نے یہ سن کر کہا: اے شیخ: آپ بوڑھے ہو چکے ہیں، اب آپ کی عقل میں فتور آ گیا ہے، جب سارے لوگ چلے گئے تو اس نے اپنے ایک حاشیہ بردار کو حکم دیا کہ زہر آلود نیزہ سے ان کے پاؤں پر مارو (۳)۔

اس حاشیہ بردار نے تعمیلِ حکم کرتے ہوئے ''منیٰ'' میں ''جمرۃ العقبۃ'' کے قریب زہر میں پلائے ہوئے نیزہ سے ان کے پاؤں کی چھوٹی انگلی کے اندرونی حصہ میں مار دیا، جس سے ان کا پاؤں سواری سے پھسل گیا، حضرت سعید بن جبیر کا بیان ہے کہ میں نے جلدی سے انہیں اتارا۔ اسی وقت یہ سخت بیمار پڑ گئے، حجاج کو ان کی بیماری کا پتہ چلا، تو وہ ان کی عیادت کے لیے آیا اور کہا کہ مجھے یہ علم ہو جائے کہ آپ کو کس نے زخمی کیا ہے تو میں اس کی گردن اڑا دوں، حضرت عبداللہ بن عمر نے فرمایا: تو نے ہی مجھے زخمی کیا ہے، اس نے تعجب بھرے انداز میں پوچھا کیسے؟ انہوں نے فرمایا: تو نے ہی ان دنوں میں ہتھیار اٹھانے کی اجازت دی جن دنوں میں ہتھیار کا اٹھانا جائز نہیں اور تو نے حرم شریف میں ہتھیار لانے اور جمع کرنے کی اجازت دی، جب کہ یہاں ہتھیار کا لانا درست نہیں۔ (۴) حجاج یہ سن کر واپس چلا گیا، دن بہ دن ان کی بیماری بڑھتی گئی اور انہیں اپنی موت کا یقین ہو گیا، تو اپنے فرزندِ ارجمند حضرت سالم کو یہ وصیت کی کہ میرا انتقال ہو جائے تو مجھے حرم شریف سے باہر دفن کرنا؛ کیونکہ مکۃ المکرمۃ سے ہجرت کرنے کے بعد میں مکہ مکرمہ ہی میں دفن کئے جانے کو ناپسند کرتا ہوں، صاحبزادۂ محترم نے جواب دیا ابو جان! اگر آپ کو حرم سے باہر دفن کرنا میرے بس میں ہوا تو ضرور ایسا کروں گا، ورنہ مجھے معذور سمجھئے گا۔ چونکہ حجاج کا زور ہے، ممکن ہے کہ وہی آپ کی نمازِ جنازہ بھی پڑھائے، یہ سن کر آپ خاموش ہو گئے۔ (۱)

وفات

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو وفات کے وقت اس کا بہت غم ہوا کہ باغی جماعتوں کے خلاف حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ نہیں دے سکا اور اس جنگ سے کنارہ کشی اختیار کیے رہا۔ (۲) اسی غم کو اپنے سینہ میں لیے ہوئے ماہ ذی الحجہ ۷۳ھ یا ۷۴ھ میں ۸۷ یا ۸۸ سال کی عمر میں اس دنیا سے تشریف لے گئے۔ (۳) آپ کی نمازِ جنازہ حجاج نے پڑھائی، صاحبزادۂ محترم حضرت سالم بن عبداللہ نے آپ کو حرم شریف سے باہر دفن کرنے کی بھرپور کوشش کی، لیکن حجاج نے کامیاب ہونے نہیں دیا، بالآخر حرم شریف کے اندر مہاجرین کی قبرستان ''فخ ذوطوی'' کے قریب آپ مدفون ہوئے۔ (۴)

پسماندگان

علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ آپ کے پسماندگان میں آپ کی دو اہلیہ محترمہ حضرت صفیہ بنت ابوعبید ثقفی اور ام علقمہ محاربیہ اور سولہ اولاد تھیں۔ جن کے نام یہ ہیں: ابوبکر، واقد، عبداللہ، ابوعبیدۃ، عمر، حفصہ اور سودہ یہ حضرت صفیۃ سے ہیں، عبدالرحمن یہ حضرت ام علقمہ سے ہیں، اور بقیہ اولاد کی پیدائش آپ کی باندیوں سے ہوئی ہے۔ سالم، عبیداللہ، حمزۃ، زید، عائشہ، ابوسلمۃ، قلابۃ اور بلال ہیں۔ (۵) ایک مرتبہ آپ نے حضرت سعید بن مسیب سے پوچھا تمہیں معلوم ہے کہ میں نے اپنے لڑکوں کے ایسے نام کیوں رکھے؟ انہوں عرض کیا: نہیں! آپ نے فرمایا: سالم حضرت سالم مولیٰ ابوحذیفہ کے نام پر اور اپنے لڑکے واقد کا نام واقد بن عبداللہ یربوعی کے نام پر اور عبداللہ حضرت عبداللہ بن رواحہ کے نام پر۔ (۶) ہر شخص کو اپنی اولاد کے نام رکھنے کے سلسلہ میں آپ کی اقتداء واتباع کرنی چاہئے، کسی پیغمبر یا کسی صحابی، یا کسی ولی اللہ کے نام پر ہی اپنی اولاد کا نام رکھنا چاہئے۔

(۶۴) حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرام انصاری رضی اللہ عنہ

علامہ احمد بن ہلال قطوی اور حافظ ابونعیم اصبہانی نے حضرت

---

(۱) طبقات ابن سعد: ۳/ ۱۵۰، استیعاب ۲/ ۳۰۹

(۲) فتح الباری: ۷/ ۱۰۳

(۳) المستدرک: ۳/ ۳۱۳

(۴) طبقات ابن سعد: ۳/ ۱۵۷-۱۵۸، سیر أعلام النبلاء: ۱/ ۳۶۲

عبداللہ بن عمرو بن حرام رضی اللہ عنہ کو اصحابِ صفہ میں شمار کیا ہے۔

(حلیۃ ال أولیاء: ۲/ ۴)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی کنیت ابوجابر، والد کا نام عمرو بن حرام، انصارِ مدینہ کے قبیلۂ خزرج سے تعلق رکھتے ہیں۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد بزرگوار، جلیل القدر صحابی ہیں، بنوسلمہ کے نقیب اور سربراہ بن کر بیعتِ عقبہ اخیرہ میں شریک ہوئے (۱) اور غزوۂ بدر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک رہے اور غزوۂ احد میں جامِ شہادت نوش کیا۔

ان کی خصوصیت وفضیلت کی بات یہ ہے کہ ان کی لاش مبارک پر فرشتوں کی جماعت اپنے پروں سے سایہ کیئے رہی اور ان کی شہادت کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ کیا اور آمنے سامنے ہو کر ان سے گفتگو کی۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب میرے والد شہید کر دیئے گئے اور ان کا مُثلہ (ایک ایک عضو کا کاٹ دینا) کر دیا گیا تو میں بہت رونے لگا اور ان کے چہرہ سے کپڑا اٹھا کر انہیں دیکھنا چاہا مگر میری قوم نے ایسا کرنے سے مجھے روک دیا، پھر دوبارہ دیکھنے کی کوشش کی لیکن اس مرتبہ بھی مجھے قوم نے کامیاب ہونے نہیں دیا۔ اسی دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا جنازہ اٹھانے کا حکم فرمادیا، جب اٹھایا جانے لگا تو ایک عورت کے رونے کی آواز سنائی دی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معلوم فرمایا: کون ہے؟ صحابۂ کرام نے عرض کیا: ان کی بہن اور جابر کی پھوپھی فاطمۃ بنت عمرو بن حرام ہیں، یہ

---

(۱) مسند أحمد: ۱/ ۳۷۹، رجالہ رجال الصحیح۔ طبقات ابن سعد ۳/ ۱۵۱

(۲) حوالۂ بالا

(۳) سیر أعلام النبلاء: ۱/ ۴۲۶، مسند أحمد میں مجھے یہ روایت نہیں مل سکی ہے

(۴) الحلیۃ: ۱/ ۱۴۹، المستدرک: ۳/ ۳۱۳، صححہ الحاکم ووافقہ الذہبی

(۵) سیر أعلام: ۱/ ۴۲۶

(۶) البدایۃ والنہایۃ: ۷/ ۱۲۲

(۷) کتاب الثقات: / ۱۵، ال اصابۃ: ۲/ ۳۶۱

سن کر آپ نے فرمایا: کیوں روتی ہو؟ جب کہ ان کے جنازہ کو یہاں سے اٹھائے جانے تک (واقدی کی روایت میں دفن کئے جانے تک ہے) فرشتوں کی جماعت اپنے پروں سے سایہ کئے رہی ہے۔(۱)

حضرت جابر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: کیا میں تمہیں ایک بات نہ بتلاؤں؟ میں نے عرض کیا: کیوں نہیں، اے اللہ کے رسول ضرور بتلائیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے آج تک کسی سے آمنے سامنے ہوکر گفتگو نہیں کی ہے بلکہ پردہ کے پیچھے سے کلام کیا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے تمہارے والد کو زندہ کیا اور آمنے سامنے ہوکر گفتگو کی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے میرے بندے! تو مجھ سے مانگ، میں تجھے عطاء کروں گا۔

تمہارے والد نے عرض کیا: اے اللہ! میری خواہش ہے کہ آپ مجھے دنیا کی جانب لوٹا دیں، پھر میں دوبارہ آپ کی رضاوخوشنودی کی خاطر قتل کیا جاؤں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میری جانب سے یہ بات روزِ ازل ہی میں لکھ دی گئی ہے کہ دنیا کی جانب کسی کو دوبارہ نہیں لوٹایا جائے گا۔

تمہارے والد نے عرض کیا: اے میرے رب! آپ ہمارے اس عیش وتنعم کی خبر میرے پیچھے رہ جانے والے بھائیوں کو پہنچا دیجئے۔

اللہ تعالیٰ نے اس پر یہ آیت نازل کی: "**ولاتحسبن الذین قتلوا في سبیل اللّٰہ أموا تا الخ۔**(۲)"

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان لوگوں کو جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں مارے گئے ہیں مردہ نہ سمجھیں؛ بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس کھاتے پیتے ہیں، وہ خوش ہیں اس چیز سے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے عطا فرمائی اور جو لوگ ان کے پاس نہیں پہنچے، ان سے پیچھے رہ گئے ہیں ان کی اس حالت پر وہ خوش ہوتے ہیں کہ ان پر بھی کسی طرح کا نہ خوف ہوگا اور نہ وہ مغموم ہوں گے۔ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی نعمت وفضل پر خوش ہوتے ہیں اور اس بات پر بھی کہ اللہ تعالیٰ مؤمنوں کا اجر ضائع نہیں فرماتے ۔(۳)

حضرت جابر فرماتے ہیں: غزوۂ احد کے موقع پر رات کے وقت میرے والد محترم نے مجھے بلاکر فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام میں کل سب سے پہلے میں شہید کیا جاؤں گا☆

---

(۱) استیعاب: ۲/ ۳۱۴، ال اصابۃ: ۲/ ۳۹۱

(۲) صحیح بخاری: ۱/ ۵۳۱، رقم: ۳۷۹۳، صحیح مسلم: ۲/ ۲۹۱۲

(۳) صحیح مسلم: ۲/ ۲۹۲

(۴) صحیح مسلم: ۲/ ۲۹۳

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس اور تمہاری ذات کے علاوہ کوئی ایسی چیز نہیں چھوڑ رہا ہوں جو میرے لیے باعثِ پریشانی ہو، سنو! میرے ذمہ کچھ قرض ہے اسے ادا کر دینا اور اپنی بہنوں کے ساتھ خیر خواہی اور حسنِ سلوک کا معاملہ کرنا۔

حضرت جابر کہتے ہیں: صبح ہوئی، میدانِ کارزار گرم ہوا تو واقعتاً سب سے پہلے جامِ شہادت نوش کرنے والے میرے والد محترم ہی تھے۔ سفیان بن عبد شمس نے انہیں شہید کیا۔ عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک قبر میں دفن کیا گیا، لیکن میرا دل نہیں بھرا کہ میں انہیں دوسرے شخص کے ساتھ رہنے دوں، بالآخر چھ ماہ کے بعد میں نے ان کی صحیح سالم، تر و تازہ نعش نکالی، ایسا لگا کہ آج ہی میں نے ان کو دفن کیا ہے؛ البتہ کان کا بعض حصہ کہ جسے کافروں نے کاٹ دیا تھا، یا ڈاڑھی کے چند بال جو زمین سے مل رہے تھے ان میں معمولی تغیر پیدا ہو گیا تھا۔(۱)

بلکہ بعض روایت میں یہ ہے کہ حضرت عبداللہ کے چہرہ میں زخم آ گیا تھا، جب ان کی قبر کھودی گئی تو ان کا ہاتھ اس زخم پر تھا، ہاتھ ہٹایا گیا تو زخم سے خون پھوٹ پھوٹ کر بہنے لگا۔ جب ہاتھ اس جگہ پر رکھ دیا گیا تو خون خود بخود رک گیا۔(۲)

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ

حضرت جابر کا بیان ہے کہ ان کے والد محترم جنگِ احد میں شہید ہو گئے، اپنے ذمہ بہت سارے قرض اور نو لڑکیاں چھوڑ گئے، جب کھجور توڑنے کا وقت آیا، تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول آپ کو معلوم ہے کہ میرے والد احد کے دن شہید ہو گئے اور بہت قرض چھوڑ گئے ہیں میں چاہتا ہوں کہ قرض خواہ یہودی آپ کو دیکھ لیں ہو سکتا ہے کہ آپ کو دیکھ کر کچھ نرمی برتیں، تو آپ نے فرمایا: جاؤ ہر قسم کی کھجوروں کا علیحدہ علیحدہ ڈھیر لگاؤ، چنانچہ میں نے حکم کے مطابق کیا۔ پھر میں نے آپ کو بلایا۔ جب ان قرضخواہوں نے آپ کو دیکھا تو مجھ پر اور بھڑک اٹھے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سخت رویے کو دیکھا تو پہلے بڑے ڈھیر کے چاروں طرف چکر لگائے، اس کے بعد اس پر بیٹھ گئے، پھر فرمایا: اپنے قرض خواہوں کو بلا لو، وہ آتے رہے، نبی

---

(۱) طبقات ابن سعد: ۳/۱۵۳

(۲) صحیح بخاری: ۱/۵۲۹، رقم: ۳۷۴۲-۳۷۴۳

(۳) صحیح بخاری: ۲/۷۴۸، رقم الحدیث: ۵۰۰۰

(۴) صحیح بخاری: ۲/۷۴۸، رقم: ۵۰۰۲

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کو باری باری ناپ کر پورا پورا دیتے رہے، اللہ تعالیٰ نے اس طرح میرے والد کی طرف سے ان کے قرض کو ادا کر دیا۔

میں یہ چاہ رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کھجوروں کے ذریعہ کسی طرح میرے والد کے قرض کو ادا کر دے چاہے ایک کھجور بھی نہ بچے جسے میں اپنی بہنوں کے پاس لے کر جاؤں؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے تمام کھجوروں کے ڈھیروں کو بچا دیا اور میں اس ڈھیر کو دیکھنے لگا جس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ کر قرض خواہوں میں کھجوریں تقسیم فرما رہے تھے، تمام قرض خواہوں کو دینے کے بعد بھی دیکھنے میں وہ ڈھیر اس طرح لگ رہا تھا کہ اس ڈھیر سے ایک کھجور بھی کم نہ ہوئی ہو۔ (۱)

(٦۵) حضرت عبداللہ بن مسعود ہذیلی رضی اللہ عنہ

امام الجرح والتعدیل یحییٰ بن معین (المتوفی ۲۳۳ھ) اور علامہ ابونعیم اصبہانی نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو صفہ کے طالب علموں میں سے

---

(۱) حوالہ بالا رقم الحدیث: ۵۰۰۰

(۲) الاستیعاب: ۲/۳۱۵

گردانا ہے (حلیۃ الأولیاء: ۱/ ۳۷۵) ان کے اصحابِ صفہ میں ہونے کی واضح دلیل حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ ہم چھ حضرات: جن میں حضرت عبداللہ بن مسعود، بلال، قبیلۂ ہذیل کے ایک آدمی اور دو شخص تھے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہا کرتے تھے، ایک دن مشرکوں نے کہا، اے محمد! آپ ان لوگوں کو اپنے پاس سے دور رکھئے، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ گرے پڑے بے حیثیت لوگ ہمارے خلاف جرأت مند ہو جائیں، یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خیال میں وہ بات آئی جو اللہ نے چاہا کہ آئے پھر آپ نے اس کے بارے میں سوچا ہی تھا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: **ولا تطرد الذين يدعون ربهم بالغدوة والعشيّ يريدون وجهه۔** (الانعام آیت: ۵۲) اور آپ ان لوگوں کو دور مت کیجئے، جو لوگ اپنے پروردگار کو صبح وشام پکارتے ہیں اور اسی کی خوشنودی کے طلب گار ہیں (صحیح مسلم: ۲/ ۲۸۱) علامہ ابونعیم اصبہانی نے ان چھ حضرات کے اصحابِ صفہ میں ہونے کی صراحت کی ہے۔

---

(۱) مسند أحمد: ۱/ ۴۴۶، المستدرک: ۳/ ۳۱۷، وصححہ الحاکم ووافقہ الذہبی فی تلخیصہ۔

(۲) جامع الترمذی: ۲/ ۲۲۱، مناقب حذیفہ رضی اللہ عنہ

(۳) جامع الترمذی: ۲/ ۲۲۱، مناقب عبداللہ بن مسعود

(۴) صحیح بخاری: ۲/ ۷۴۸، رقم الحدیث: ۴۹۹۹

(۵) سورۃ نساء آیت: ۴۱

(۶) صحیح بخاری: ۲/ ۷۵۶، رقم الحدیث: ۵۰۵۵

عبداللہ نام، والد کا نام مسعود بن غافل، قبیلۂ ''ہذیل'' سے تعلق رکھنے کی بنا پر ہذیلی کہے جاتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے والد مسعود زمانہ جاہلیت میں عبداللہ بن حارث کے معاہد وحلیف تھے اور آپ کی والدۂ محترمہ جن کی کنیت ''اِمِ عبدوُدّ'' ہے وہ ابتداءِ اسلام ہی میں مشرف بہ اسلام ہوچکی تھیں۔(۱) ان ہی کی کنیت اِمِ عبد پر آپ ''ابنِ امِ عبد'' سے مشہور ہوئے۔(۲) آپ کی کنیت ابوعبدالرحمن تھی، خود ہی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری اولاد کی پیدائش سے پہلے ہی میری کنیت ''ابوعبدالرحمن'' رکھ دی تھی۔(۳)

آپ چھوٹے قد، لاغر جسم، پتلی ٹانگیں، خالص گندمی رنگ، غضب کے ذہین وفطین، کانوں تک لٹکتے ہوئے سیاہ بالوں والے، سفید کپڑوں میں ملبوس رہنے والے اور خوشبوؤں میں ڈوبے رہنے والے انسان تھے، خاص طور سے رات کی تاریکیوں میں آپ خوشبو ہی سے پہچانے جاتے تھے۔(۴)

اسلام لانے کا واقعہ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ''دار ارقم'' میں تشریف لے جانے سے پہلے اسلام قبول کیا ہے۔(۵)

اسلام لانے کی سرگذشت خود حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اپنی زبانی بیان فرماتے ہیں کہ میں عقبہ بن ابی معیط کی بکریاں چرایا کرتا تھا، ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ میرے پاس تشریف لائے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آگے بڑھ کر فرمایا اے فرزند! کیا ان بکریوں کا دودھ ہے؟ میں نے عرض کیا ہاں! مگر آپ کو دودھ نہیں دے سکتا، کیونکہ یہ میری نہیں، دوسرے کی امانت ہیں، پھر آپ نے فرمایا: کوئی ایسی بکری بتاؤ جو ابھی چھوٹی ہو اور دودھ نہیں دیتی ہو، میں نے آگے بڑھ کر ایسی بکری پیش کردی، آپ آگے بڑھے اور اس بکری کی ٹانگ پکڑی اور اس کے تھن کو ہاتھ لگایا اور ساتھ ہی ساتھ کچھ دعائیں پڑھیں، تھوڑی دیر میں بکری کے تھن میں دودھ اتر آیا،

---

(۱) سورۃ المائدۃ آیت: ۹۳ (۲) صحیح مسلم ۲ / ۲۹۲، فضائل عبداللہ بن مسعود

(۳) استیعاب: ۲ / ۳۱۰، قال ابن عبدالبر: إسنادہ حسن جید

(۴) مسند أحمد: ۱ / ۱۱۴، مجمع الزوائد: ۹ / ۲۸۸، وقال الہیثمی فیہ: رواہ أحمد والطبرانی وأبویعلی ورجالہم رجال الصحیح۔

(۵) جامع ترمذی: ۲ / ۲۱۹ (۶) المستدرک: ۳ / ۳۱۷-۳۱۹، صححہ الحاکم ووافقہ الذہبی فی تلخیص المستدرک

جلدی سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ایک پیالہ نما پتھر لے آئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دودھ سے بھر لیا، دونوں بزرگوں نے پیا اور مجھے بھی پلایا، اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تھن کو سکڑ جانے کا حکم دیا، تو وہ فوراً سکڑ کر اپنی اصلی حالت میں لوٹ آیا، میں یہ سارا منظر دیکھ کر آگے بڑھا اور عرض کیا، براہِ کرم مجھے بھی آپ یہ بابرکت کلام سکھا دیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سر پر دستِ شفقت پھیرتے ہوئے فرمایا: "إنک غلیم معلَم" تم تعلیم یافتہ لڑکے ہو(۱) اور دوسری روایت میں اس طرح ہے کہ میں نے آگے بڑھ کر عرض کیا کہ مجھے کچھ قرآن کریم کا پڑھنا سکھا دیجئے تو آپ نے فرمایا تم تعلیم یافتہ لڑکے ہو، میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ستر سورتیں یاد کیں۔ (۲) ان روایتوں میں آپ کے اسلام قبول کرنے کی صراحت نہیں ہے البتہ علامہ ذہبی نے "مسندِ احمد" کے حوالہ سے لکھا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس معجزہ کو دیکھنے کے بعد میں خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گیا۔ (۳)

آپ کا بیان ہے کہ میں چھٹا مسلمان ہوں کہ جس وقت میں نے اسلام قبول کیا اس وقت مسلمانوں کی تعداد صرف پانچ تھی۔ (۴)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے پہلے آپ ہی نے مکہ مکرمہ میں بلند آواز سے قرآن کریم کی تلاوت کی ہے۔ (۵)

واقعہ یہ ہوا کہ آپ بیت اللہ شریف کے پاس کھڑے ہوئے اور قریش کی مجلس بھی پاس ہی میں لگی تھی، آپ نے بآوازِ بلند "الرحمن علم القرآن" کی تلاوت شروع کر دی، اتنا سننا تھا کہ کفار کا مجمع آپ پر ٹوٹ پڑا، اور خوب جی بھر کر آپ کی پٹائی کی۔ (۶)

مسلمانوں کے تئیں کفار کے مظالم کی انتہاء کو دیکھ کر محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو سرزمینِ حبشہ ہجرت کر جانے کی اجازت دے دی، آپ بھی اس مظلوم قافلہ کے ساتھ ہو لیے۔ (۷)

---

(۱) جامع ترمذی: ۲/ ۲۲۱، مناقب ابن مسعود، المستدرک: ۳/ ۳۱۸، وصححہ، والحق أن یکون حسن الحدیث

(۲) جامع ترمذی: ۲/ ۲۰۹

(۳) موافقات عمری کی تفصیل تاریخ الخلفاء للسیوطی میں: ۱۲۲-۱۲۵، میں دیکھیے

☆ مسند حمیدی کی روایت میں ہے: محدث وملہم وہ شخص ہے کہ جس پر صحیح اور سچی بات کا القاء کیا جائے فتح الباری: ۷/ ۵۰

(۴) مسند أحمد: ۱/ ۲۵-۲۶، حلیۃ الأولیاء: ۱/ ۱۲۶

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ قرب

سرزمینِ حبشہ سے واپسی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ محبت ہوگئی، ہر وقت آپ کے ساتھ رہنے لگے اور آپ کی خدمت کے لیے اپنے آپ کو تن من جان کے ساتھ پیش کر دیا۔ (۱) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنا قرب حاصل ہوگیا کہ دیکھنے والے آپ کو خانوادۂ رسول ہی کا فرد سمجھنے لگے، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک زمانہ تک عبداللہ بن مسعود اور ان کی ماں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت ہی میں سمجھتے رہے، کیونکہ یہ دونوں ہر وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے جاتے رہتے تھے اور آپ کے ساتھ سایہ کی طرح چمٹے رہتے تھے۔ (۲)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت حضرت ابوموسیٰ اشعری اور ابومسعود رضی اللہ عنہما نے کہا کہ ان کا تو یہ حال تھا کہ ہم روکے جاتے اور ان کو اجازت دی جاتی، ہم غائب ہوتے اور وہ حاضر رہتے۔ (۳)

خود آپ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: ”**إذنک علي أن يرفع الحجاب وأن تسمع سراري حتى أنهاک**“ تیرے لیے میرے یہاں آنے کی اجازت کی علامت یہی ہے کہ پردہ اٹھا دیا جائے اور تجھے میری راز و نیاز کی باتیں بھی سننے کی اجازت ہے یہاں تک کہ میں خود تمہیں روک دوں۔ (۴) یہ کتنی اپنائیت اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قربت کی بات تھی کہ گھریلو زندگی میں بھی آنے کی اجازت تھی، سفر و حضر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے، ہر جگہ خدمت میں لگے رہتے،، جب آپ غسل کرنے کا ارادہ فرماتے تو فوراً آپ کے لیے پردہ کا اہتمام کرتے، جب آپ سو رہے ہوتے تو حضرت عبداللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیدار کرتے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم چلنے کا ارادہ فرماتے تو فوراً نعلین شریفین آپ کے قدموں میں لا رکھتے اور عصا (چھڑی) لے کر آپ کے آگے آگے چلتے اور حجرۂ شریفہ میں آپ سے پہلے داخل ہوتے اور آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مسواک اور وضوء کے پانی کا انتظام کر کے آپ کی خدمت میں پیش فرماتے اور ایسے ہی تکیہ کی حفاظت کر کے سوتے وقت لا کر دیا کرتے، ان ساری خدمات ہی کی بنا پر آپ صاحب النعلین (جوتے مبارک اٹھانے والے) صاحب الوساد (تکیہ کی حفاظت کرنے والے)،

---

(۱) المستدرک: ۳/ ۳۸۸، وصححہ الحاکم ووافقہ الذہبی فی تلخیصہ

(۲) طبقات ابن سعد: ۳/ ۱۵۶

صاحب السرار (رازدارِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) جیسے عظیم القاب سے صحابۂ کرام کے مابین معروف ومشہور ہوئے۔ (۱) اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگائیے:

حضرت علقمہ کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ شام آیا میں نے دو رکعت نماز پڑھی، اور یہ دعاء کی کہ اے اللہ! مجھے ایک نیک صالح رفیق عطا فرما اس کے بعد میں ایک مجلس میں آکر بیٹھ گیا، تو دیکھا کہ ایک شیخ تشریف لائے اور میرے پاس آکر بیٹھ گئے، دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ آنے والے بزرگ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ ہیں، میں نے ان سے مخاطب ہوکر عرض کیا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے ایک نیک صالح شخص کو ہم مجلس اور ہم نشیں بنانے کی دعاء کی تھی، وہ دعاء کی مقبولیت آپ کی شکل میں ظاہر ہوگئی انہوں نے دریافت کیا تم کہاں سے آئے ہو؟ میں نے عرض کیا: کوفہ سے، انہوں نے فرمایا: **"أولیس عندکم ابن أم عبد صاحب النعلین والوسادۃ والمطھرۃ؟ وفي روایۃ للبخاري: أو السرار؟"** کیا تمہارے یہاں رازدارِ رسول نعلین مبارک اٹھانے والے، تکیہ کی نگہداشت کرنے اور وضوء وغسل کے پانی کا اہتمام کرنے والے ام عبد کے فرزند (عبداللہ بن مسعود) موجود نہیں ہیں؟۔ (۲)

آپ کا علمی مقام

آپ نے اس قربت وخدمت کا عظیم فائدہ اٹھایا کہ قرآن کریم کے حفظ کرنے اور اس کے معانی کے سمجھنے پر ایک گہرا زور صرف کیا اور اپنی سیرت واخلاق اور اعمال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی، خود آپ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سن کر ستر سورتیں یاد کیں۔ (۳)

ایک مرتبہ آپ نے صحابۂ کرام کے مجمع میں فرمایا: خدا کی قسم! کون سی سورت کہاں اور کس موقع سے نازل ہوئی اسے میں خوب جانتا ہوں، اگر مجھ کو معلوم ہوجائے کہ کوئی شخص قرآن کریم کا مجھ سے بڑا عالم ہے اور اس تک اونٹ پہنچ سکتا ہے تو میں سوار ہوکر ضرور اس کے پاس جاؤں (۴) اور ایک موقع سے اپنے قرآن فہمی پر اعتماد کرتے ہوئے فرمایا: **"واللہ لقد علم أصحاب النبي صلی اللہ علیہ وسلم أني من أعلمھم بکتاب اللہ وما أنا بخیرھم"** خدا کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام خوب جانتے ہیں کہ میں ان میں سب سے زیادہ قرآن کریم کے بارے میں جاننے والا ہوں

---

(۱) صفۃ الصفوۃ: ۱/ ۴۰۰-۴۰۱ (۲) طبقات ابن سعد: ۳/ ۱۵۶

جب کہ ان سے بہتر نہیں ہوں۔ (۱) شقیق بن سلمہ کا بیان ہے کہ اس مجلس میں صحابۂ کرام کی ایک جماعت تھی، کسی نے بھی آپ کے اس جملہ پر نکیر نہیں کی اور نہ کسی نے چوں وچرا کیا۔ (۲)

پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں آپ کا مقام

قرآن مجید کی تلاوت، قرآن فہمی اور شریعتِ الٰہیہ کے علم میں صحابۂ کرام کے درمیان یقیناً آپ کو ایک خاص مقام حاصل تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسبِ موقع آپ کے علمی مقام کو اجاگر کیا ہے۔

۱۔ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے پاس سے گذرے آگے چل کر دیکھا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود نماز میں سورۂ نساء کی تلاوت کر رہے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر ان کی تلاوت سننے لگے پھر فرمایا: **"من احب أن یقرأ القرآن غضاً کما أنزل، فلیقرأ أقراءۃ ابن أم عبد"** جو قرآن کریم کو تروتازہ پڑھنا چاہتا ہے اور اس لہجے میں پڑھنا چاہتا ہے جس لہجہ میں نازل کیا گیا ہے تو ابنِ امِ عبد (عبداللہ بن مسعود) کی قراءت پر پڑھے" چونکہ ان کی قراءت وتلاوت میں ایک ایک حرف الگ الگ اور صاف صاف تھا، پھر حضرت عبداللہ دعاء کرنے لگے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو چاہو سو مانگو تمہیں دیا جائے گا، تو انہوں نے ان الفاظ سے دعاء کی **"اللھم إني أسألک إیماناً لا یرتد ونعیماً لا ینفد ومرافقۃ نبیک محمد صلی اللہ علیہ وسلم في أعلی الجنۃ الخلد"** اے اللہ! میں آپ سے ایمان کی سلامتی، زندہ وپائندہ رہنے والی نعمت اور جنت الفردوس میں آپ کے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت کا سوال کرتا ہوں۔

اس خوش خبری کو سنانے کے لیے صبح سویرے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے پاس آئے تو معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان سے پہلے وہاں پہنچ کر خوش خبری سنا چکے ہیں، یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرکے فرمایا: **"لقد کنتَ سبّاقاً بالخیر"** خدا کی قسم! آپ ہر نیکی وبھلائی کے کام میں سبقت کرنے والے ہیں۔ (۱) آپ بہت خوش الحان اور خوش

---

(۱) صفۃ الصفوۃ:۱/۴۰۱، المستدرک:۳/۳۱۸، وصححہ الحاکم ووافقہ الذہبی (۲) طبقات:۳/۱۵۶

(۳) صحیح مسلم:۲/۲۹۳، مناقب عبداللہ بن مسعود (۴) صحیح بخاری:۲/۹۹۷، رقم الحدیث:۲۷۳۶

آواز تھے سریلی اور خوبصورت آواز میں قرآن کریم کی تلاوت کیا کرتے تھے۔

۲۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عبداللہ بن مسعود جو کچھ تمہیں پڑھائیں پڑھ لو۔ (۲)

۳۔ حضرت عبداللہ بن مسعود خود اپنے بارے میں کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم لوگ عبداللہ بن مسعود کی نصیحت پر چلو۔ (۳)

۴۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قرآن کریم ان چار آدمیوں سے سیکھو: حضرت عبداللہ ابن مسعود، حضرت سالم، حضرت معاذ اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہم۔ (۴)

۵۔ حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ ایک دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: ذرا قرآن کریم پڑھ کر مجھ کو سناؤ، میں نے عرض کیا: بھلا آپ کو کیا سناؤں قرآن مجید تو آپ ہی پر اترا ہے؟ آپ سے بہتر کون پڑھ سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں، مجھ کو دوسرے سے سننے میں اچھا لگتا ہے، تب میں نے سورۂ نساء کی آیتیں پڑھنا شروع کیں، جب میں اس آیت پر پہنچا: ’’**فکیف اذا جئنا من کل أمة بشهید و جئنا بک علی هؤلاء شهیداً**‘‘ (۵) تو اس وقت کیا حال ہوگا جب کہ ہم ہر ہر امت میں سے ایک ایک گواہ کو حاضر کریں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان لوگوں پر گواہی دینے کے لیے لاویں گے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کو سن کر فرمایا: بس کرو، اس وقت میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ کی آنکھیں اشکبار ہیں۔ (۶)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے علمی مقام کو اجاگر کرنے کے علاوہ کبھی آپ کی نیکی کی شہادت اور کبھی آپ کو جنت کی خوشخبری دی ہے اور کبھی آپ سے اپنی قربت و رفاقت کا بھی اظہار فرمایا ہے۔

۱۔ حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں جب یہ آیت اتری ’’**لیس علی الذین أمنوا وعملوا الصالحات جناح فیما طعموا إذا ما اتقوا وامنوا وعملوا الصالحات ثم اتقوا وأمنوا ثم اتقوا واحسنوا واللّٰہ یحب المحسنین**‘‘۔ ایسے لوگوں پر جو ایمان رکھتے ہوں اور نیک کاموں کو کرتے ہوں، اس چیز میں کوئی گناہ نہیں، جس کو وہ کھاتے پیتے ہوں، جب کہ وہ لوگ تقویٰ اختیار کرتے

---

(۱) مصنف عبدالرزاق: ۲۰۱۶۴، مجمع الزوائد: ۲/۳۱۱ (۲) تاریخ صغیر: ۱/۶۰، بحوالہ سیر أعلام النبلاء: ۱/۴۹۳

(۳) صحیح بخاری: ۱/رقم ۳۷۶۲، جامع ترمذی: ۲/۲۲۱، مناقب ابن مسعود (۴) المعرفة والتاریخ: ۲/۵۴۴، تاریخ دمشق: ۳۹/

ہوں اور ایمان رکھتے ہوں اور نیک کام کرتے ہوں، پھر تقویٰ اختیار کرتے ہوں اور ایمان رکھتے ہوں پھر تقویٰ اختیار کرتے ہوں، اور خوب نیک عمل کرتے ہوں اور اللہ تعالیٰ ایسے نیک کام کرنے والوں سے محبت کرتے ہیں(۱) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے مخاطب کرکے فرمایا: **"قیل لی أنت منھم"** مجھے بتایا گیا ہے کہ تو ان ہی لوگوں میں سے ہے۔(۲)

۲۔حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم لوگ حراء پہاڑ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے تو آپ نے اس موقع پر دس حضرات کو جنت کی بشارت دی۔ ان میں سے ایک حضرت عبداللہ بن مسعود بھی تھے۔(۳)

۳۔ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو پیلو کی مسواک لانے کے لیے ایک درخت پر چڑھنے کا حکم دیا، آپ چڑھنے لگے تو صحابۂ کرام کی نظر آپ کی پتلی پتلی ٹانگوں پر پڑی تو کھل کھلا کر ہنس پڑے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ منظر دیکھ کر فرمایا: تم اس کی پتلی پتلی ٹانگوں پر ہنستے ہو، عبداللہ کی ٹانگ قیامت کے دن احد پہاڑ سے بھی زیادہ وزنی ہوگی۔(۴)

۴۔محسنِ انسانیت سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی آپ سے محبت تھی، جس کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چودہ مخصوص رفقاء وزراء اور معزز لوگوں میں آپ کو بھی منتخب فرمایا:۔(۵)

۵۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی رضامندی کو آپ کی رضامندی پر موقوف قرار دیتے ہوئے فرمایا: **"رضیت لأمتي ما رضي لھا ابن أم عبد"** میں اپنی امت کے ہر اس فرد سے راضی ہوں جس سے امِ عبد کا فرزند (عبداللہ بن مسعود) راضی ہے۔ ایک مرتبہ آپ کو مخاطب کرکے فرمایا: اے امِ عبد کے فرزند (عبداللہ بن مسعود) جس سے تو راضی، اس سے میں راضی ہوں۔(۶)

۶۔آپ کی سیاسی صلاحیت کو اجاگر کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر میں اپنے صحابہ سے مشورہ کیے بغیر کسی کو امیر بناتا تو ام عبد کے فرزند عبداللہ بن مسعود کو امیر بناتا۔(۱)

---

(۱) تاریخ دمشق:۳۹/ ۱۰۵، سیر أعلام النبلاء:۱/ ۴۹۳-۴۰۴ (۲) تاریخ دمشق:۳۹/ ۱۰۷

(۳) طبقات ابن سعد:۲/ ۳۴۲، تاریخ دمشق:۳۹/ ۱۰۶ (۴) تاریخ دمشق:۳۹/ ۱۰۸

(۵) طبقات ابن سعد:۶/ ۷-۱۱، تاریخ ابن عساکر:۳۹/ ۱۰۸

آپ کے کمالِ علمی کا صحابۂ کرام کو اعتراف

خلیفۃ المسلمین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کے کمالِ علمی کو بہت سراہا ہے، آپ کے سلسلہ میں ان کی رائے اور ان کے اقوال کو مفصل قلم بند کیا جا رہا ہے؛ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا: ان کے قلب وزبان پہ اللہ تعالیٰ نے حق وصداقت، صحیح بات اور صحیح رائے رکھ دی ہے۔ (۲)

خود اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے اور قول کے مطابق ۲۱ر آیتیں نازل کی ہیں جنہیں ''موافقاتِ عمری'' کہا جاتا ہے (۳) اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو مُحدَث ومُلھَم (صاحبِ الہام) قرار دیا ہے۔☆

۱۔ وقوفِ عرفہ کے دوران ایک شخص حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: امیر المؤمنین! میں کوفہ سے آ رہا ہوں، وہاں ایک شخص اپنے حافظہ سے قرآن کریم لکھوا رہا ہے، یہ بات سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ آگ بگولہ ہو گئے، ان کی رگیں پھول گئیں، چہرہ سرخ ہو گیا اور غضبناک ہو کر فرمایا جلدی بتاؤ وہ کون ہے؟ اس شخص نے جواب دیا عبداللہ بن مسعود ہیں، ان کا نام سن کر آپ کا غصہ جاتا رہا اور آپ بالکل ٹھنڈے ہو کر اپنی فطری حالت پر لوٹ آئے اور فرمانے لگے خدا کی قسم! میرے علم میں وہ ابھی اس روئے زمین پر سب سے بڑے عالم ہیں اور قرآن فہمی میں ان کا ایک اعلیٰ مقام ہے، واقعی وہ اس لائق ہیں کہ اپنی یادداشت اور اپنے حافظہ سے قرآن کریم کا املاء کرائیں۔ (۴)

۲۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو کوفہ کا وزیر ومعلم بنا کر بھیجتے وقت اہلِ کوفہ کے نام ایک خط لکھا، جس میں تحریر فرمایا: میں تمہارے لیے عمار بن یاسر کو امیر اور عبداللہ بن مسعود کو معلم ووزیر بنا کر روانہ کر رہا ہوں، یہ دونوں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام میں بڑے معزز شریف اور شرکاء بدر میں

---

(۱) تاریخ الخلفاء للسیوطی: /۱۷۵

(۲) حجۃ اللہ البالغہ

(۳) طبقات ابن سعد: ۶ / ۹

(۴) طبقات ابن سعد: ۱ / ۱۷۴، من باب اسمہ ابوالرجاء وابوالرجال

(۵) بحوالہ فتح القدیر: ۱ / ۹۱، فصل فی البئر

(۶) صحیح مسلم بحوالہ عرف الشذی: ۱ / ۲۲

(۷) طبقات ابن سعد: ۶ / ۵-۷

سے ہیں لہٰذا تم ان کی باتیں سنو اور ان کی مکمل اتباع کرو" **وقد اثرتکم بعبد اللّٰہ علی نفسي** "حقیقت یہ ہے کہ میں نے تمہاری خاطر اپنی ذات پر عبداللہ ابن مسعود کو ترجیح دی ہے؛ جب کہ ان کی مجھے اشد ضرورت رہتی ہے۔ (۱)

۳۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تین مرتبہ فرمایا: "**کنیف ملئ علماً**" عبداللہ مسعود ایک برتن ہیں جو علم سے لبالب ہیں، چلتے پھرتے علم کی کٹیہ ہیں، آپ کا ظرف علم سے لبریز ہے۔ (۲)

۴۔ علامہ ابن الجوزی نے ان دونوں بزرگوں کا ایک دلچسپ علمی مکالمہ نقل کیا ہے، حضرت عامر شعبی کا بیان ہے کہ لوگوں نے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کسی سفر میں تھے کہ دورانِ سفر ایک اجنبی قافلہ کا سامنا ہوا، اس قافلہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی تھے، حضرت عمر نے اپنے رفقاءِ سفر میں سے ایک شخص کو حکم دیا کہ معلوم کرو یہ لوگ کون ہیں؟ اور کہاں سے آرہے ہیں؟

حضرت عمر کے ترجمان نے بلند آواز سے پوچھا: تم لوگ کہاں سے آرہے ہو؟۔

حضرت عبداللہ بن مسعود: "**فج عمیق**" دور دراز علاقہ سے (سورۃ الحج آیت: ۲۷)

حضرت عمر کے ترجمان: کہاں کا ارادہ ہے؟

حضرت عبداللہ بن مسعود: "**البیت العتیق**" بیت اللہ شریف کا (سورۃ الحج آیت: ۲۹)

حضرت عمر نے یہ جواب سن کر فرمایا: یقیناً اس قافلہ میں کوئی اچھا اور ماہر عالم ہے پھر اپنے ترجمان سے مخاطب ہو کر فرمایا: ان سے خوب سوالات کرو اچھے اچھے جوابات ہاتھ آئیں گے۔

حضرت عمر: پوچھو! قرآن مجید میں سب سے اہم آیت کون سی ہے؟

حضرت عبداللہ: **اللّٰہ لا إلٰہ إلا ھو الحي القیوم** آیت الکرسی۔

حضرت عمر کا ترجمان: قرآن کریم کی کون سی آیت سب سے زیادہ محکم ہے؟

حضرت عبد اللہ: "**إن اللّٰہ یا مر بالعدل والاحسان وإیتا ء ذي القربی وینھیٰ عن الفحشاء والمنکر والبغي، یعظکم لعلکم تذکرون**" بیشک اللہ تعالیٰ عدل وانصاف کرنے احسان کرنے اور رشتہ داروں کو دینے کا حکم فرماتے ہیں اور کھلی برائی، عام برے کاموں اور ظلم کرنے

---

(۱) حوالہ مذکور

(۲) طبقات ابن سعد: ۶/ ۶

(۳) اعلام الموقعین: ۱/ ۱۵

(۴) اعلام الموقعین: ۱/ ۱۷

سے منع فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ تم کو اس لیے نصیحت فرماتے ہیں کہ تم نصیحت قبول کرو (سورۃ النحل آیت: ۹۰)

حضرت عمر کے ترجمان: قرآن کریم کی کونسی آیت سب سے زیادہ جامع ہے؟

حضرت عبداللہ: **''فمن یعمل مثقال ذرۃ خیراً یرہ، ومن یعمل مثقال ذرۃ شراً یرہ''** سو جو شخص دنیا میں ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ وہاں اس کو دیکھ لے گا اور جو شخص ذرہ برابر برائی کرے گا وہ بھی اس کو دیکھ لے گا (سورۃ زلزال آیت: ۷-۸)

حضرت عمر کے ترجمان: قرآن پاک کی کونسی آیت سب سے زیادہ خوف پیدا کرنے والی ہے؟

حضرت عبداللہ: **''لیس بامانیکم ولا أماني أهل الکتاب من یعمل سوءا یجزبه ولایجدله من دون اللّٰہ ولیا ولا نصیراً''** نہ تمہاری تمناؤں سے کام چلتا ہے اور نہ اہلِ کتاب کی آرزؤں سے۔ جو شخص کوئی برائی کا کام کرے گا وہ اس کے بدلہ سزا دیا جائے گا اور اس شخص کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی یار و مددگار نہیں ملے گا۔ (سورۃ النساء آیت: ۱۲۳)

حضرت عمر کے ترجمان: قرآن مجید کی کونسی آیت سب سے زیادہ امید دلانے والی ہے؟

حضرت عبداللہ: **''یاعبادی الذین أسرفوا علی انفسهم لاتقنطوا من رحمة اللّٰہ ان اللّٰہ یغفر الذنوب جمیعاً إنه هو الغفور الرحیم''** اے میرے بندو! جنہوں نے کفر و شرک کر کے اپنے اوپر زیادتیاں کی ہیں تم اللہ کی رحمت سے ناامید مت ہو، بالیقین اللہ تعالیٰ تمام گذشتہ گناہوں کو معاف فرمائے گا، واقعی وہ بڑا بخشنے والا بڑی رحمت والا ہے۔ (سورۃ الزمر آیت: ۵۳) ان جوابات کو سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ معلوم کرایا کہ کیا تمہارے قافلہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود ہیں؟

اہلِ قافلہ نے جواب دیا: ہاں! اللہ کا شکر ہے۔(۱)

۵۔ خلیفۃ المسلمین حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن

---

(۱) اعلام الموقعین: ۱/۱۲

(۲) اعلام الموقعین: ۱/۲۰

(۳) طبقات ابن سعد: ۳/۱۵۲

(۴) وفاء الوفاء: ۲/۷۲۸

(۵) تفصیل کے لیے المستدرک: ۳/۳۸۸، صححہ الحاکم ووافقہ الذہبی۔

مسعود نے قرآن کریم پڑھا، حلال کو حلال جانا اور حرام کو حرام گردانا، وہ دین کے فقیہ اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عالم تھے۔ (۲)

۶۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک مرتبہ آپ کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ عبداللہ بن مسعود کو قرآن مجید اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پورا پورا علم دیا گیا ہے۔ (۱)

۷۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کوفہ تشریف لائے تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے شاگردانِ کرام آپ سے ملاقات کرنے آئے، آپ نے ان لوگوں سے حضرت عبداللہ کے بارے میں دریافت کیا یہ سمجھ گئے کہ درحقیقت ہم سے ان کے بارے میں امتحان لینا چاہتے ہیں۔ پھر خود ہی فرمایا: تم لوگوں سے زیادہ میں عبداللہ ابن مسعود کے علمی کمال کا معترف ہوں۔ (۲)

۸۔ حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے فرمایا: مجھے نہیں معلوم کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن مسعود سے بڑھ کر قرآن کریم کا عالم چھوڑا ہو حضرت ابوموسیٰ اشعری نے ان کی تائید کرتے ہوئے فرمایا: یہ بالکل صحیح ہے، ان کا حال یہ تھا کہ یہ حاضر رہتے جب ہم غائب ہوتے اور ان کو اجازت ملتی جب ہم روکے جاتے۔ (۳)

۹۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو مخاطب کرکے فرمایا: جب تک یہ جید عالم (عبداللہ بن مسعود) تم میں موجود ہیں مجھ سے کوئی مسئلہ نہ پوچھو۔ (۴)

۱۰۔ حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: **مجلس كنت أجالسه ابن مسعود أوثق في نفسي من عمل سنة** ”میرا عبداللہ بن مسعود کی مجلس میں ایک مرتبہ بیٹھنا، میرے نزدیک ایک سال کے عمل سے بہتر ہے۔ (۵)

۱۱۔ حضرت عقبہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جو اترا ہے اس کا جاننے والا حضرت عبداللہ بن مسعود سے بڑھ کر کوئی نہیں۔ یہ سن کر حضرت ابوموسیٰ نے فرمایا: بالکل صحیح ہے، جب ہم نہیں سنتے تھے وہ سنتے رہتے تھے، جب ہم نہیں جاسکتے وہ چلے جاتے تھے۔ (۶)

---

(۱) سنن ابن ماجۃ :/ ۲۳

(۲) صحیح بخاری: ۱/ ۴۴۹، رقم الحدیث: ۳۴۶۱

(۳) صحیح بخاری: ۱/ ۲۵۳، رقم الحدیث: ۱۷۴۱

(۴) صحیح بخاری: ۱/ ۲۱، رقم الحدیث: ۱۱۱

(۵) سیر أعلام النبلاء: ۱/ ۴۶۲

۱۲۔ صحابۂ کرام میں حلال وحرام کے سب سے بڑے عالم حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے ان کی وفات کے وقت پوچھا گیا کہ آپ کے بعد ہم لوگ کس سے علم دین حاصل کریں گے؟ انہوں نے جواب دیا: تم ان چار حضرات: حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت سلمان فارسی، حضرت عبداللہ بن سلام اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہم سے علم حاصل کرنا۔ (۱)

۱۳۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے آپ کے انتقال کے وقت فرمایا کہ انہوں نے اپنے بعد اپنا ثانی نہیں چھوڑا۔ (۲)

۱۴۔ عبدالرحمن بن یزید کا بیان ہے کہ ہم لوگوں نے رازدارِ رسول اللہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ کون صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق وعادات اور چال چلن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیادہ مشابہ ہیں؟ تاکہ ہم ان سے علمِ دین حاصل کریں اور احادیث سنیں۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طور وطریق، اخلاق و عادات میں ابن مسعود آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے زیادہ مشابہ ہیں اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پوشیدہ خانگی حالات سے بھی واقف ہیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جماعت کے لوگوں میں ابن ام عبد (حضرت عبداللہ بن مسعود) کو سب سے زیادہ اللہ کے قریب سمجھتے ہیں۔ (۳)

۱۵۔ امام المفسرین حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور عبداللہ بن بریدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس آیت **"قالوا للذین أوتوا العلم ما ذا قال أنفا"** (سورۂ محمد آیت: ۱۶) میں اہلِ علم سے مراد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں۔ (۴)

۱۶۔ حضرت عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام میں عبداللہ بن مسعود سے بڑھ کر کوئی فقیہ نہیں تھا۔ (۵)

۱۷۔ حضرت عبداللہ بن عباس نے فرمایا کہ جبرئیل امین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہر سال ایک مرتبہ قرآن کریم کا دور کرتے تھے، لیکن جس سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا اس سال دو مرتبہ دور کیا اور عبداللہ بن مسعود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قرآن کریم کے دور کرتے وقت

---

(۱) مسند أحمد: ۱/ ۲۲۴، رجالہ ثقات، المستدرک: ۳/ ۳۱۴ (۲) طبقات ابن سعد: ۳/ ۱۵۶، المستدرک: ۳/ ۳۱۴

موجود رہتے تھے، جس کی بنا پر وہ خوب جانتے ہیں کہ کونسی آیت منسوخ ہے اور کس آیت میں کیسی تبدیلی ہوئی ہے۔ (٦)

آپ کے کمالِ علمی کے بارے میں کبارِ تابعین کا تبصرہ

١۔ حضرت مسروق بن اجدع کہتے ہیں کہ میں نے حضرات صحابۂ کرام کو خوب اچھی طرح جانچا پرکھا، تو معلوم ہوا کہ ان کا علم چھ حضرات پر منتہی ہوتا ہے، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عمر، حضرت زید بن ثابت، حضرت ابوالدرداء اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہم اور ان چھ حضرات کا علم حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما پر منتہی ہوتا ہے۔ (١)

٢۔ حضرت ابووائل شقیق بن سلمہ صحابہ کرام میں سے کسی کو بھی حضرت عبداللہ بن مسعود کے ہم پلہ نہیں گردانتے تھے، حتی کہ کمالِ علمی میں آپ کو حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما پر بھی فائق سمجھتے تھے اور ہمیشہ ابووائل یہ کہا کرتے تھے **"ذاک عبداللّٰہ بن مسعود رجل ما أعدل به أحداً"** اور کبھی اس طرح کہتے **"ذاک رجل لا أعدمعه احداً۔ (٢)**

٣۔ حضرت مسروق فرماتے ہیں: میں صحابۂ کرام کی مجلسوں میں بیٹھا، میں نے انہیں چھوٹے بڑے حوضوں کی طرح پایا، کوئی حوض ہے جس سے ایک ہی آدمی آسودہ ہو، کوئی ہے جو دو آمیوں کو آسودہ کر سکے، کوئی ہے جو دس کو آسودہ کر دے، کوئی ہے جو سو کو سیراب کر دے اور کوئی ایسا اور اتنا بڑا بھی ہے کہ اگر اس کے پاس ساری دنیا کے لوگ آئیں تو وہ بھی آسودہ ہو جائیں، تو میں نے حضرت عبداللہ بن مسعود کو ایسا ہی بڑا زبردست علم سے لبالب حوض پایا جو ساری دنیا کے لوگوں کو اپنے حوضِ علم سے آسودہ کر دیں۔ (٣)

٤۔ امام عامر بن شراحیل شعبی فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے کوفہ کے دار القضاء کے والی اور جسٹس آپ ہی رہے۔ (٤)

٥۔ امام شعبی کا بیان ہے کہ صحابۂ کرام میں سے کوئی بھی حضرت عبداللہ بن مسعود سے بڑھ کر

---

(١) سورۃ یوسف آیت: ٣

(٢) فضائل قرآن ل ابی عبید: ٤٣

(٣) حوالہ مذکور

(٤) جامع بیان العلم: ١ / ٥٣

(٥) صفۃ الصفوۃ: ١ / ٤١٣

(٦) تذکرۃ الحفاظ: ١ / ١٥

عالم وفقیہ کوفہ میں نہیں آیا کہ ان کے علم سے زیادہ اہلِ کوفہ میں کسی اور کا علم پھیلا ہو اور ان کے فقہ سے زیادہ کسی اور کا فقہ کوفہ میں رائج ہوا ہو۔ (۵)

سرزمینِ کوفہ اور اہلِ کوفہ کا مقام

کوفہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دار الخلافت رہا ہے (۱) اور اسی سرزمینِ کوفہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اکثر فیصلے صادر ہوئے ہیں جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ”**كان أغلب قضاياه بالكوفة**“ صراحت کی ہے۔ (۲)

کوفہ میں صحابۂ کرام کی آمد ورفت اور قیام بھی کثرت سے منقول ہے۔ حضرت ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ بیعتِ رضوان میں شریک ہونے والے تین سو صحابہ اور ستر بدری صحابۂ کرام سرزمینِ کوفہ میں تشریف لائے (۳) ابو بشر دولابی (المتوفی ۳۱۰ھ) ”کتاب الأسماء والکنیٰ“ میں رقم طراز ہیں کہ کوفہ میں ایک ہزار پچاس صحابہ کرام تشریف لائے۔ (۴) فنِ رجال کے امام ابو الحسن عجلی نے اپنی تاریخ میں کوفہ میں تشریف لانے اور قیام پذیر ہونے والے صحابہ کرام کی تعداد ڈیڑھ ہزار لکھی ہے اور کوفہ کے ایک علاقہ ”قرقیسا“ میں چھ سو صحابہ کرام کی آمد اور ان کا نزول ثابت ہے (۵) جب کوفہ کے ایک مختصر علاقہ کا یہ حال ہے تو پورے شہر کا اسی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے اور ایسا کیوں نہ ہو؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کوفہ میں اسلامی لشکر کا مرکز اور کیمپ بنایا تھا۔ (۶)

اس سے یہ معلوم ہوا کہ کوفہ میں صحابہ کرام کی آمد ورفت کثرت سے رہی ہے، کبارِ صحابہ کرام تشریف لاتے رہے اور باب العلم حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی رہے اور ان کے علم وقضاء کا سلسلہ کوفہ میں جاری رہا، ان سب کے باوجود تمام صحابۂ کرام میں حضرت عبداللہ بن مسعود ہی کا فقہ کوفہ میں رائج ہوا۔

سرزمینِ کوفہ اور اہلِ کوفہ کی تعریف میں تاریخ نے اکابرینِ صحابہ کرام کے اقوال نوٹ کیے ہیں جن کا ذکر کرنا فائدہ سے خالی نہیں ہے۔

امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اہلِ کوفہ کو راس العرب (سردارِ عرب) کا خطاب دیا ہے اور اللہ کا نیزہ اور ایمان کا خزانہ اہلِ کوفہ کو قرار دیا ہے، کیونکہ اہلِ کوفہ اپنی سرحدوں کی حفاظت کرتے

---

(۱) تاریخ دمشق: ۳۹/ ۱۲۴، حلیۃ الأولیاء: ۱/ ۱۳۴

(۲) فضائل القرآن لأبی عبید: / ۵۱، مجمع الزوائد: ۱/ ۱۲۳-۱۲۴، قال فیہ: اسنادہ حسن۔

(۳) مقدمۂ صحیح مسلم

اور تمام اسلامی علاقے کی فوجی امداد کرتے ہیں۔ (۷)

امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سرزمینِ کوفہ کو اسلام کا سر، ایمان کا خزانہ اور اللہ کی تلوار و نیزہ قرار دیتے ہوئے فرمایا: اس کا استعمال جہاں چاہو وہاں کرو۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کوفہ اسلام کا قبہ ہے، وہاں اہلِ اسلام ہی رہتے ہیں۔ (۱)

رازدارِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

ما أخبية بعد أخبية كانت مع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم ببدر یدفع عنهم ما یدفع عن أهل هذه الخبیة ـــ هذه الکوفة ـــ ولا یریدهم قوم بسؤ إلا أتاهم یشغلهم عنهم۔

ترجمہ: اللہ کی قسم! میدان بدر میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی جتنی حفاظت فرمائی اتنی ہی اہل کوفہ کی حفاظت کرتے اور ان کی جانب سے دفاع کرتے ہیں، اہلِ کوفہ کے ساتھ کوئی بدخواہی کا ارادہ کرنا بھی چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اس ارادہ میں کامیاب ہونے نہیں دیتے۔ اور اس کے دل و دماغ کو ان سے پھیر دیتے ہیں۔ (۲)

۲۔ حضرت امام شعبی فرماتے ہیں: تین حضرات ایک دوسرے سے پوچھتے رہتے تھے: حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ یہ آپس میں ایک دوسرے سے تحقیق کرلیا کرتے تھے۔ حضرت علی، حضرت ابی بن کعب اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم یہ تینوں آپس میں ایک تھے اور ایک دوسرے سے اپنی معلومات میں اضافہ کرتے رہتے تھے۔ (۳)

۷۔ حضرت ابراہیم نخعی کی یہ حالت تھی کہ وہ حضرت عمر اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے قول کے برابر کسی کے قول کو نہیں گردانتے تھے، ان دونوں کا اتفاق ہو تو بس ہو چکا اور اختلاف کے وقت حضرت عبداللہ کے قول کو پسند فرماتے تھے کیونکہ وہ زیادہ نرم ہوا کرتا تھا۔ (۴)

حضرت عبداللہ بن مسعود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے علم کو بہت سراہتے تھے، فرماتے تھے علم

---

(۱) اعلام الموقعین: ۱/ ۲۱

(۲) طبقات ابن سعد: ۶/ ۱۰

(۳) حوالہ مذکور

(۴) تہذیب التہذیب: ۳/ ۲۴۲، البدایۃ والنہایۃ: ۷/ ۲۱۷

کے دس حصوں میں سے نو صرف عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ہیں نیز فرماتے: اگر ترازو کے ایک پلڑے میں صرف حضرت عمر کا علم رکھا جائے اور دوسرے میں تمام دنیا کا، تب بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا پلڑا وزنی رہے گا۔ (۱)

آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کی جانب اپنے میلان ورجحان کو ان الفاظ میں بیان فرماتے: لوگ اگر کسی وادی اور گھاٹی میں چلیں اور حضرت عمر کسی اور وادی اور گھاٹی میں چلیں تو میں حضرت عمر والی وادی اور گھاٹی میں چلوں گا۔

امام محمد بن جریر فرماتے ہیں کہ حضرات صحابہ میں عبداللہ بن مسعود کے علاوہ کسی اور صحابی کے شاگردوں نے اپنے شیخ کے فقہی مسلک وفتویٰ کو نہیں لکھا، حضرت ابن مسعود حضرت عمر کے مسلک پر شدت سے عمل کرتے تھے، ان کے قول کے مقابلہ میں اپنے قول کو چھوڑ دیتے تھے اور ان کے مذہب پر فتویٰ دیتے تھے۔ (۲)

حلقۂ درس اور درسِ حدیث

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد مسجد نبوی علی صاحبہ الصلاۃ والسلام کے قریب مہاجرین کو زمین عطا فرمائی تھی، اسی میں عبداللہ بن مسعود اور ان کے بھائی عتبہ بن مسعود کو ایک ٹکڑا زمین مرحمت فرمائی تھی۔ (۳) جس میں انہوں نے مکان بنایا، خلیفہ ولید کے عہد میں مسجد نبوی کی تعمیر میں اس کا ایک حصہ مسجد میں آ گیا اور خلیفہ مہدی عباسی کی تعمیر وتوسیع میں اس کا باقی حصہ بھی مسجد میں آ گیا، اسی مکان میں حضرت عبداللہ بن مسعود کا حلقۂ درس قائم ہوتا تھا، اسی لیے اس کا نام "دار القراء" مشہور ہو گیا تھا۔ (۴)

آپ جب امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے سرزمینِ کوفہ تشریف لے آئے تو آپ کا حلقۂ درس یہاں لگنے لگا اور آپ اسی تعلیم وتربیت ہی کے لیے کوفہ بھیجے گئے تھے۔ (۵) کوفہ کے کس مقام میں آپ کی مجلسِ درس لگتی تھی اس کے بارے میں تاریخ کی کتابوں میں مجھے کوئی صراحت نہیں ملی ہے۔

آپ حدیث پاک بیان کرنے میں بہت محتاط تھے، حقیقت یہ ہے کہ آپ دودھاری تلوار

---

(۱) اعلام الموقعین: ۱/ ۲۰

وں کے درمیان تھے، اگر حدیث پاک بالکل بیان نہیں کرتے تو ”**من سئل عن علم فکتمه الجم یوم القیامة بلجام من نار**“ (۱) (جس سے کچھ بھی علم کی بارے میں پوچھا گیا اس نے چھپایا تو اسے قیامت کے دن آگ کی لگام پہنائی جائے گی) کی وعید میں داخل ہوجاتے ”**بلغوا عني ولو آیة**“ (۲) (اے لوگو! تم میری طرف سے پہنچے ہوئے دینِ اسلام کی تعلیمات کی خوب دعوت دو چاہے وہ ایک آیت ہی کیوں نہ ہو) اور ارشاد عالی ”**فلیبلغ الشاهد الغائب**“ (۳) (حاضرین صحابہ کرام نے مجھ سے دین کا جو علم حاصل کیا ہے وہ ان لوگوں تک ضرور پہنچا دیں جو یہاں موجود نہیں ہیں) کی عظیم ذمہ داری آپ کے سر رہ جاتی اور دوسری طرف اگر حدیث بیان کرنے میں احتیاط کے پہلو کو چھوڑتے ہیں تو ڈر ہے کہ ”**من کذب علي متعمداً فلیتبوا مقعده في النار**“ (۴) (جس نے میری جانب جان بوجھ کر جھوٹی بات منسوب کی وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے) کے زمرہ میں نہ داخل ہوجائیں۔

یہی وہ دو دھاری تلوار تھی کہ جس نے آپ کو اپنے سینۂ گنجینہ میں بھرے ہوئے احادیث کے بیان کرنے اور نہ بیان کرنے سے خائف بنادیا تھا۔ خود آپ کا یہ دعویٰ کہ قرآن کریم کا سارا علم میرے سینہ میں محفوظ ہے، مجھ سے زیادہ کوئی نہیں جانتا اور اس دعویٰ کی تائید وتصدیق میں صحابہ کرام کی مہر بھی لگی ہوئی ہے، تو ہونا یہ چاہئے تھا کہ تمام صحابہ کرام میں آپ ہی سے زیادہ حدیثیں مروی ہوتیں جب کہ تین سال کے عرصہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ خدمتِ اقدس میں حاضر رہ کر پانچ ہزار سے اوپر حدیثیں بیان کررہے ہیں اور آپ ابتدائے اسلام سے لے کر شارعِ اسلام کے وصال تک سایہ کی طرح چمٹے رہے، پوری مکی اور پوری مدنی زندگی میں معلمِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کے ایک فرد کے مانند بن کر رہے، پھر بھی حضرت ابوہریرہ کے مقابلے میں آپ سے بہت ہی کم حدیثیں مروی ہیں، جن کی تعداد علامہ ذہبی نے ۸۴۰ر بتائی ہے جن میں سے صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ۶۴ر اور صرف صحیح بخاری میں ۲۱ر اور صرف صحیح مسلم میں ۳۵ر اور بقیہ احادیث دیگر کتبِ احادیث میں ہیں۔ (۵)

آپ کثیر الحدیث ہونے کے باوجود اپنے بیان میں شدتِ تحری اور احتیاط سے کام لیتے تھے۔ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب منسوب کرکے بہت کم حدیثیں بیان کرتے تھے، لیکن

---

(۱) اعلام الموقعین: ۱/ ۲۵

(۲) طبقات ابن سعد: ٦/ ۱۰

(۳) طبقات ابن سعد: ۳/ ۱۵۴

(۴) سیر أعلام النبلاء: ۴/ ۵۵

(۵) سیر أعلام النبلاء: ۴/ ۵۷

(٦) سیر أعلام النبلاء: ۴/ ۵۹

اگر کبھی زبانِ مبارک پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام آ گیا تو آپ کی حالت نا قابلِ بیان ہو جاتی، حضرت مسروق کا بیان ہے کہ ایک دن آپ کی زبان پر قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آ گیا، اس کے بعد آپ کانپنے لگے اور آپ کے کپڑوں میں تھرتھری پیدا ہوگئی، گردن کی رگیں پھول گئیں، آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں، پھر فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی جیسا یا اسی کے قریب فرمایا ہے ۔(۱) حضرت عمرو بن میمون کہتے ہیں کہ میں سال بھر حضرت عبداللہ بن مسعود کی مجلس میں بیٹھتا رہا، کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب منسوب کر کے انہوں نے کوئی روایت بیان نہیں کی اور نہ کبھی قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہا البتہ ایک دن حدیث پاک بیان کرتے ہوئے آپ کی زبان پر قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ آ گئے تو جسم پر کپکپی طاری ہوگئی اور مارِ خوف کے آپ کی پیشانی سے پسنیہ پر پسینہ بہنے لگا، پھر آپ یہ کہنے لگے "إن شاء اللّٰہ، إما فوق ذاک وإمّا قریب من ذاک وإما دون ذلک" ان شاء اللہ اسی کے مثل، یا اس سے کچھ اوپر، یا اسی کے قریب، یا اس سے کچھ کم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔(۲)

آپ حدیث پاک کو اس کے صحیح الفاظ میں بیان کرنے کی تاکید فرماتے تھے؛ یہی وجہ ہے کہ خود فرمایا کرتے تھے، میں ڈرتا ہوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پاک بیان کرنے میں کہیں الفاظ کی کمی وبیشی نہ ہو جائے ۔(۳) آپ کے شاگرد رشید علقمہ بن قیس کا بیان ہے کہ میرے استاذِ محترم حضرت عبداللہ بن مسعود ہر جمعرات کی رات کو وعظ ونصیحت کے لیے کھڑے ہوتے، میں نے کبھی بھی آپ کو قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہوئے نہیں سنا، البتہ ایک مرتبہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا تو آپ پر ایسی کپکپی طاری ہوگئی کہ آپ جس عصاء پر ٹیک لگائے کھڑے تھے وہ بھی لرز کر رہ گیا ۔(۴)

آپ حدیث پاک کو یاد کرنے کے مقابلہ میں حدیث پاک کے لکھنے کو ناپسند فرماتے تھے، بلکہ لکھنے کے بجائے زبانی یاد کرنے پر ابھارتے اور اس پر زور دیتے تھے۔ حضرت اسود بن یزید کا بیان ہے کہ میں اور علقمہ نے ایک صحیفہ پایا، اس کو لے کر حضرت عبداللہ بن مسعود کے پاس گئے یہ زوال کا

---

(۱) سیر أعلام النبلاء: ۴/ ۵۵

(۲) تاریخ الثقات للعجلی: /۱۳۱، ترجمہ نمبر ۱۳۳۱

(۳) سیر أعلام النبلاء: ۵/ ۲۳۴

(۴) علوم الحدیث المعروف مقدمہ ابن الصلاح: / ۱۲

(۵) سیر أعلام النبلاء: ۴/ ۶۰

(۶) العبر فی خبر من غبر: ۱/ ۱۶۴

وقت تھا، ہم دروازہ پر بیٹھ گئے، آپ نے خادمہ سے دریافت کیا کہ دروازہ پر کون ہے؟ اس نے میرا اور علقمہ کا نام لیا تو اندر بلا لیا، اور فرمایا کہ شاید تم دونوں بہت دیر سے دروازہ پر بیٹھے ہو، اندر آنے کی اجازت کیوں نہ چاہی؟ ہم نے عرض کیا کہ آپ کے سونے کے خیال سے اجازت نہ چاہی، یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ میرے متعلق ایسا گمان مت کرو، ہم نے کہا کہ اس صحیفہ میں حدیثیں ہیں، یہ سن کر پانی منگوایا اور صحیفہ کو طشت میں رکھ کر دھونے اور ہاتھ سے مٹانے میں مشغول ہو گئے اور یہ آیت پڑھنے لگے "**نحن نقص علیک احسن القصص بما أوحینا إلیک هذا القرآن**"(۱)(ہم نے جو یہ قرآن آپ کے پاس بھیجا ہے اس کے ذریعہ سے ہم آپ سے ایک بڑا عمدہ قصہ بیان کرتے ہیں) ہم نے کہا حضرت ذرا دیکھئے تو سہی! اس صحیفہ میں اچھی اچھی حدیثیں ہیں، آپ نے کوئی توجہ نہ دی بلکہ مٹاتے ہی رہے اور فرمایا کہ تم لوگ اپنے دل کو قرآن کریم میں مشغول رکھو، اس کو دوسری باتوں میں نہ لگاؤ۔(۲) امام ابوعبید قاسم بن سلام ہروی (المتوفی ۲۲۴ھ) کہتے ہیں کہ یہ صحیفہ یہودیوں سے حاصل کیا گیا تھا اسی لیے حضرت ابن مسعود نے اس کو سننا گوارہ نہیں کیا۔(۳)

شاگردوں کے ساتھ مخلصانہ برتاؤ

آپ جب بھی نوجوان طالب علموں کو اپنے حلقۂ درس میں آتا ہوا دیکھتے تو "خوش آمدید، خوش آمدید" کہہ کر ان کا پرتپاک استقبال کرتے اور کہتے کہ یہ لوگ حکمت کے سرچشمے اور تاریکیوں کے چراغ ہیں، ان کے کپڑے پرانے؛ پر دل نئے ہیں، اپنے گھروں کی زینت اور قبیلوں کے بیل بوٹے ہیں۔(۴)

نیز آپ اپنے شاگردوں کو مخاطب کر کے فرماتے "**أنتم جلاءُ قلبي**" تم لوگ میرے دل کے نور ہو(۵) اور اپنے شاگردوں سے فرمایا کرتے تھے کہ علم کے خاتمہ سے پہلے علم حاصل کرو، علم کا خاتمہ اہلِ علم کے خاتمہ سے ہوگا، تم میں سے کسی کو معلوم نہیں کہ کب علمی اور دینی امور میں اس کی ضرورت پڑے گی، آگے چل کر ایسے لوگوں کو دیکھو گے جو تم کو قرآن کریم کی طرف دعوت دیں گے، حالانکہ خود قرآن مجید کو پسِ پشت ڈال چکے ہوں گے اس لیے ابھی علمِ دین حاصل کر لو بدعت سے بچو، خبردار! بحث

---

(۱) سیر أعلام النبلاء: ۵/ ۲۳۶

ومباحثہ سے بچو اور قدیم یعنی کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لازم پکڑ لو۔ (٦)

آپ درس گاہ میں تشریف لاتے ہی یہ مختصری نصیحت اپنے طالب علموں کو فرمایا کرتے تھے!

إنكم في ممر الليل والنهار في أجال منقوضة وأعمال محفوظة، والموت ياتي بغتة، فمن زرع شرًّا يوشک أن يحصد ندامة، ولكل زارع ما زرع، ولا يسبق بطئ حظه، ولا يدرک حريص مالم يقدر له، فمن أعطي خيراً فالله أعطاه، ومن وقي شرًّا فالله وقاه، والعلماء سادة، والفقهاء قادة، ومجالستهم زيادة۔ (١)

ترجمہ: آج تم لوگ رات دن کے آنے جانے، مدتوں کے ختم ہونے اور اعمال کو محفوظ رکھنے کے ایام گذار رہے ہو جب کہ موت اچانک کچھ اطلاع دیئے بغیر آجائے گی جس نے خیر وبھلائی کی کھیتی کی ہے تو وہ خیر وبھلائی ہی کو شوق ورغبت سے کاٹے گا اور جس نے شر وبرائی کی کھیتی کی ہے تو وہ شر وبرائی ہی کو حسرت وندامت کے ساتھ کاٹے گا، غرضیکہ جو چیز بوئے گا وہی کاٹے گا کوئی سست اپنے حصہ سے آگے بڑھ نہیں سکتا اور نہ کوئی حریص ولالچی اپنے مقدر سے زائد پاسکتا ہے جس کو خیر وبھلائی کی توفیق ہوئی، تو حقیقت میں اللہ تعالیٰ نے اسے خیر وبھلائی کی توفق دی اور جس کو برائی سے محفوظ رکھا گیا تو درحقیقت اللہ تعالیٰ نے اسے برائی سے محفوظ رکھا، علماءِ عاملین سردار ہیں اور فقہاءِ کرام رہبر ورہنما ہیں، ان کی ہم نشینی اور ان کی مجلسوں سے زیادہ فائدہ اٹھانا بہت بڑی نعمت ہے۔

ایک مرتبہ آپ طلبۂ کرام کو قرآن کریم کا درس دے رہے تھے کہ ایک دیہاتی آیا اور پوچھا، یہ لوگ یہاں کیوں جمع ہیں؟ اور کیا کر رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: یہ لوگ معلمِ انسانیت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث تقسیم کر رہے ہیں۔ (٢)

آپ حدیث پاک بیان کرنے کے سلسلہ میں اپنے شاگردوں کو یہ نصیحت فرمایا کرتے تھے کہ تم اگر کسی ایسی جماعت کے سامنے حدیث بیان کروگے جو ان کی عقلوں سے بالاتر ہو تو وہ حدیث بعضوں کے لیے فتنہ کا باعث بن جائے گی، آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ ہر سنی بات

---

(١) تاریخ دمشق: ۳۹/ ۷۰، عن سعید بن جبیر عن أبي الدرداء، مجمع الزوائد: ۹/ ۲۹۰، وقال الہیثمی فیہ: رواہ الطبرانی ورجالہ ثقات إلا ان عبداللہ بن عثمان بن خثیم لم یسمع من أبي الدرداء۔ انتہی۔ قلت: قد صرح ابن عساکر فی تاریخہ: ۳۹/ ۷۰، ان عبداللہ بن عثمان قد سمع من سعید بن جبیر وان سعیدا سمع من أبي الدرداء فلا یکون منقطعا بل یکون موصولا، ورجالہ ثقات۔

(٢) طبقات ابن سعد: ۳/ ۱۵۷ (٣) صحیح بخاری: ۱/ ۱۶، حدیث نمبر ۷۰ (۴) استیعاب: ۳/ ۳۱۰

بیان کردے۔ (۳)

آپ کی جامع اور بلیغ نصیحتوں سے کتبِ احادیث بھری پڑی ہیں۔

شاگردانِ کرام

حضرت عبداللہ بن مسعود نے کوفہ کے اندر قرآن کریم، حدیث پاک اور فقہ کی تعلیم و تربیت میں شاندار خدمتیں انجام دی ہیں۔

علامہ ابن قیم لکھتے ہیں کہ دین، فقہ اور علم اس امت میں پھیلانے والے شاگردانِ عبداللہ بن مسعود، شاگردانِ زید بن ثابت، شاگردانِ عبداللہ بن عمر اور شاگردانِ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم ہیں، ان ہی چار حضرات کے شاگردوں نے پورے چہار دانگِ عالم میں علومِ نبوت کو پھیلایا ہے۔ ان میں پورے اہلِ عراق (کوفہ وغیرہ) کا علم حضرت ابن مسعود ہی سے ہے۔ (۱)

حضرت عبداللہ بن مسعود کا دار العلوم سرزمینِ کوفہ ہی رہا ہے یہاں آپ نے بہت سے نامور علماء کرام پیدا کئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور سعید بن جبیر رحمۃ اللہ فرماتے ہیں **"أصحاب عبداللّٰہ سرج هذه القرية"** کہ حضرت عبداللہ بن مسعود کے شاگرد اس علاقہ کے جگمگاتے روشن چراغ ہیں۔ (۲)

ابراہیم تیمی کا بیان ہے کہ **"كان فينا ستون شيخا من أصحاب عبداللّٰہ"** ہمارے یہاں حضرت عبداللہ بن مسعود کے شاگردوں میں ساٹھ مشائخ تھے، ابویعلی کا بیان ہے کہ قبیلہ بنی ثور میں حضرت عبداللہ کے ۳۰ ایسے شاگرد تھے جن میں سے ہر ایک علم میں ربیع بن خثیم سے کم نہیں تھے (۳) اور ربیع بن خثیم کے مقام کے بارے میں حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں: اے ربیع: **"واللّٰہ لو رآک رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لأحبک"** خدا کی قسم اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں دیکھ لیتے تو تم سے محبت کرتے۔ امام شعبی کہتے ہیں: حضرت عبداللہ بن مسعود کے شاگردوں میں سب سے زیادہ متقی پرہیزگار ربیع بن خثیم تھے اور صدق وصفا میں بے مثال تھے ان کی وفات ۶۱ھ میں ہوئی ہے۔ (۴)

امام مسلم نے اپنی سند سے مغیرہ بن مقسم ضبی کا قول نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے احادیث کے نقل کرنے میں حضرت عبداللہ بن مسعود کے شاگرد ہی سب سے زیادہ ثقہ

---

(۱) صحیح بخاری: ۲/۵۶۵، حدیث نمبر: ۳۹۶۱، "باب قتل أبي جهل" (۲) مسند أحمد: ۱/۴۴۴

(۳) طبقات ابن سعد: ۳/۱۵۵

اور سچے ہیں۔ (۵)

آپ کے شاگردوں اور حلقہ نشینوں کی ایک کثیر تعداد ہے علامہ یحییٰ بن شرف نووی (المتوفی ۶۷۶ھ) نے کہا کہ تابعین کی اتنی بڑی تعداد نے ان سے علم حاصل کیا ہے کہ ان کا شمار نہیں ہوسکتا۔

امام طبری نے کہا کہ حضرات صحابہ کرام میں عبداللہ بن مسعود کے علاوہ کسی صحابی کے شاگردوں نے اپنے شیخ کے فقہی مسلک وفتویٰ کو نہیں لکھا۔ (۱)

علامہ ابن قیم نے عہدِ تابعین میں کوفہ کے مفتیانِ کرام میں آپ کے کچھ شاگردوں کے اسماء نقل کئے ہیں جن کا ذکر کرنا یہاں مناسب ہے۔

۱۔ علقمہ بن قیس نخعی (المتوفی:۶۲ھ)
۲۔ اسود بن یزید نخعی (المتوفی: ۷۴، ۷۵ھ) جو علقمہ کے چچا جان ہیں۔
۳۔ عمرو بن شُرَحْبیل ہمدانی (المتوفی:۶۳ھ)
۴۔ مسروق بن اَجدع ہمدانی (المتوفی:۶۲ھ)
۵۔ عَبِیدۃ سلمانی (المتوفی: ۷۲، ۷۳)
۶۔ قاضی شُریح بن حارث (المتوفی:۷۸ھ)
۷۔ سلیمان بن ربیعہ باہلی
۸۔ زید بن صَوحان
۹۔ سُوید بن غَفلہ (المتوفی:۸۱، ۸۲ھ)
۱۰۔ حارث بن قیس جعفی
۱۱۔ عبدالرحمن بن یزید بن نخعی (المتوفی: ۷۳، ۸۳ھ)
۱۲۔ قاضی عبداللہ بن عتبہ بن مسعود (المتوفی: ۷۳ھ)
۱۳۔ خَیثمہ بن عبدالرحمن (المتوفی: ۸۰)
۱۴۔ سلمہ بن صہیب
۱۵۔ مالک بن عامر
۱۶۔ عبداللہ بن سَخبرۃ
۱۷۔ زِرّ بن حُبَیش (المتوفی:۸۱)
۱۸۔ خلاّس بن عمر (المتوفی:۱۹)
۱۹۔ عمرو بن میمون اودی (المتوفی: ۷۴)
۲۰۔ ہَمّام بن حارث
۲۱۔ حارث بن سُوید
۲۲۔ یزید بن معاویۃ

---

(۱) صفۃ الصفوۃ:۱/۴۰۵
(۲) تاریخ دمشق:۳۹/۱۱۴
(۳) المستدرک:۳/۳۱۵
(۴) تاریخ دمشق:۳۹/۱۰۷، صفۃ الصفوۃ:۱/۴۰۳
(۵) تاریخ دمشق:۳۹/۱۱۵
(۶) طبقات ابن سعد:۳/۱۱۶
(۷) تاریخ دمشق:۳۹/۱۱۶
(۸) صفۃ الصفوۃ:۱/۴۰۶

۲۳۔ ربیع بن خُثیم (المتوفی: ۶۱ھ)　۲۴۔ عُتبہ بن فُرقَد
۲۵۔ صِلۃ بن زُفر　۲۶۔ شریک بن حنبل
۲۷۔ ابووائل شقیق بن سلمہ　۲۸۔ عبید بن نضلہ رحمہم اللہ اجمعین

علامہ ابن قیم نے ان اسماء کے شمار کرانے کے بعد فرمایا: یہ سب بزرگ حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے شاگردوں میں ہیں، یہ لوگ بڑے بڑے صحابۂ کرام کی موجودگی میں فتوے دیا کرتے تھے۔ (۱)

آپ کے فقہی مسلک کے صحیح ترجمان اور ناشر چھ حضرات ہیں:

۱۔ حضرت علقمہ　۲۔ حضرت اسود　۳۔ حضرت مسروق　۴۔ حضرت عبیدۃ سلمانی
۵۔ حضرت حارث بن قیس　۶۔ حضرت عمرو بن شرحبیل رحمہم اللہ تعالیٰ

ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ یہ چھ حضرات اپنے شیخ کی قراءت سے قرآن کریم پڑھتے تھے اور ان کے مسلک پر فتوے دیتے تھے (۲) اور آپ کے ان چھ مخصوص شاگردوں میں مایہ ناز اور ممتاز شاگرد حضرت علقمہ ابن قیس نخعی (المتوفی: ۶۲ھ) تھے۔ یہ آپ کے تمام شاگردوں پر ہر چیز میں فائق تھے بلکہ آپ کی ہو بہو تصویر تھے۔ جیسے آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق وعادات اور چال ڈھال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ تھے ویسے ہی آپ کے شاگرد علقمہ آپ کے اخلاق وعادات اور ہر چیز میں آپ سے مشابہت رکھتے تھے۔ (۳)

ابوحمزہ رباح نے ابوالمثنی سے حضرت عبداللہ بن مسعود کی شکل وشباہت کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا: لوگوں میں چال ڈھال اور اخلاق وعادات کے اعتبار سے حضرت ابن مسعود سے بہت زیادہ مشابہت رکھنے والے حضرت علقمہ تھے۔ اگر انہیں دیکھ لیا تو حقیقت میں تو نے حضرت عبداللہ کی زیارت کر لی۔ (۴)

عامر شعبی کہتے ہیں کہ تمام شاگردوں میں آپ کو علقمہ سے ایک خاص مناسبت تھی اور ان سے گہرا ربط وتعلق تھا۔ (۵) قابوس نے اپنے والد محترم ابوظبیان سے کہا: آپ صحابہ کرام کو چھوڑ کر حضرت علقمہ کے پاس کیوں جاتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں نے صحابہ کرام کی ایک جماعت کو حضرت

---

(۱) المستدرک: ۳/ ۳۱۵-۳۱۶　(۲) تاریخ دمشق: ۳۹/ ۱۳۲، سیر أعلام النبلاء: ۱/ ۴۹۸

علقمہ سے فتوے دریافت کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ (٦) سبحان اللہ! اس سے بڑھ کر آپ کی فضیلت اور کیا ہوسکتی ہے!!

اخلاق و عادات اور چال ڈھال میں ہو بہو حضرت علقمہ سے ملتے جلتے ان کے مخصوص شاگرد حضرت ابراہیم نخعی (المتوفی: ۹٦ھ) تھے۔ ابوالمثنیٰ نے ابوحمزہ کو مخاطب کر کے کہا: تجھے علقمہ کا دیدار کرنا ہو تو ان کے بھانجے ابراہیم نخعی کی زیارت کرلو وہ ہو بہو حضرت علقمہ ہی ہیں۔ (۱)

حضرت ابراہیم نخعی کے مسلک کے صحیح ترجمان ان کے مخصوص لائق و فائق تلمیذ رشید حضرت حماد بن ابی سلیمان (المتوفی: ۱۱۹، ۱۲۰ھ) ہیں، فنِ رجالِ حدیث کے امام احمد بن عبداللہ عجلی (المتوفی: ۲٦۱ھ) کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم کے شاگردوں میں سب سے زیادہ فقیہ حضرت حماد تھے۔ (۲) اور خود حضرت ابراہیم نخعی فرماتے تھے کہ حماد نے مجھ سے جتنا علم حاصل کیا ہے اس کا عشرِ عشیر بھی مغیرہ بن مقسم ضبی کو حاصل نہیں ہے (۳) جب کہ حضرت مغیرہ بہت بڑے محدثِ وقت ہیں۔

اصح الأسانید (تمام سندِ احادیث میں سب سے زیادہ صحیح راویوں کی سند) کے سلسلہ میں بہت اختلاف ہے؛ البتہ فنِ جرح و تعدیل کے امام یحیٰ بن معین (المتوفی: ۲۳۲ھ) نے **اصح الأسانید: أعمش عن ابراھیم عن علقمۃ عن ابن مسعود** کہا ہے (۴) اور علامہ ذہبی نے بھی اس کی تائید کی ہے۔ (۵)

غرضیکہ محدثین کی نظر میں حضرت ابراہیم کی علقمہ سے اور حضرت علقمہ کی حضرت عبداللہ بن مسعود سے ذکر کردہ روایتیں اعلیٰ و ارفع ہیں۔

حضرت حماد کے مخصوص تلمیذِ رشید، آدم کی اولاد میں گنے چنے ذہین و فطین، (٦) فقہ کے باب میں تمام لوگوں کے مآخذ و مصدر حضرت امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمہ ہیں کہ جنہوں نے فقہِ عبداللہ بن مسعود کو مزید توسیع کر کے چاردانگِ عالم میں پھیلایا ہے۔

فنِ رجال کے امام، خاتم المحققین علامہ شمس الدین ذہبی علیہ الرحمہ رقم طراز ہیں کہ اہلِ کوفہ کے سب سے بڑے فقیہ حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما ہیں، پھر آپ دونوں کے

---

(۱) تاریخ دمشق: ۳۹/۱۲۱

(۲) الاصابۃ: ۲/۳٦۱-۳٦۲

(۳) جامع ترمذی: ۲/۱۴۲، تفسیر آخر سورۃ التوبۃ ہذا حدیث حسن صحیح۔

شاگرد حضرت علقمہ ہیں پھر حضرت علقمہ کے شاگردوں میں سب سے بڑے فقیہ حضرت ابراہیم، پھر ان کے تلامذہ میں سب سے بڑے فقیہ حضرت حماد ہیں، پھر حضرت حماد کے فیض یافتگان میں اعلیٰ واکمل درجہ کے فقیہ حضرت امام اعظم نعمان بن ثابت ابوحنیفہ علیہ الرحمہ ہیں، پھر ان کے شاگرد میں سب سے بڑے فقیہ امام ابو یوسف ہیں اور امام ابو یوسف کے شاگرد اس فقہ کو لے کر چار دانگ عالم میں پھیل گئے اور ان کے ساتھیوں میں سب سے بڑے فقیہ امام محمد ہیں اور امام محمد بن حسن شیبانی کے شاگردوں میں اعلیٰ درجہ کے فقیہِ باکمال حضرت امام شافعی محمد بن ادریس رحمہم اللہ تعالیٰ ہیں۔ (۱)

خطابت، وعظ ونصیحت

آپ کو جہاں قرآن، حدیث اور فقہ میں ایک اعلیٰ مقام حاصل تھا، وہیں آپ میدان خطابت میں بھی امتیازی شان کے حامل تھے۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں! ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مختصر سی تقریر فرمائی پھر فرمایا: اے ابوبکر! تم تقریر کرو انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مختصر تقریر کی، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بھی مختصر تقریر کی پھر کسی تیسرے صاحب کو حکم دیا جس کا نام معلوم نہیں وہ اپنی تقریر میں خوب لفاظی اور تکلفات کرنے لگے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا: خاموش رہو اور بیٹھ جاؤ۔ **"إن التشقيق من الشيطان، وإن من البيان من السحر"** یقیناً زیادہ منہ پھاڑ پھاڑ کر اور تکلف کر کے تقریر کرنا شیطانی عمل ہے اور بعض تقریر و بیان جادو جیسا اثر کرتا ہے۔

پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعود کو کھڑا کیا، آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کرنے کے بعد فرمایا:

أيها الناس! إن الله عز وجل ربنا، وإن الاسلام ديننا، وإن القرآن إمامنا، وإن البيت قبلتنا، وإن هذا نبينا، رضينا ما رضي الله لنا ورسوله وكرهنا ما كره الله لنا ورسوله، والسلام عليكم۔

---

(۱) سیر أعلام النبلاء: ۱/ ۴۸۸ (۲) طبقات ابن سعد: ۳/ ۱۶۰

(۳) طبقات ابن سعد: ۳/ ۱۵۷

ترجمہ: اے لوگو! یقیناً اللہ تعالیٰ ہمارا پروردگار ہے، اسلام ہمارا دین ہے، قرآن ہمارا امام ہے، بیت اللہ شریف ہمارا قبلہ ہے، (پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب اشارہ کرکے فرمایا) یہ ذات عالی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ ہمارے لیے پسند فرمایا ہم اس سے راضی برضاء ہیں اور جو کچھ ہمارے لیے ناپسند فرمایا ہم بھی اسے ناپسند کرتے ہیں۔

والسلام علیکم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی اس مختصر اور جامع تقریر کو سراہتے ہوئے فرمایا: امِ عبد کے فرزند (عبداللہ ابن مسعود) نے صحیح اور سچ کہا اور میں اپنی امت کے ہر اس شخص سے راضی برضا ہوں جس سے اللہ تعالیٰ اور امِ عبد کا فرزند راضی ہو اور میں اپنی امت کے ہر اس شخص کو ناپسند کرتا ہوں جس کو اللہ تعالیٰ اور امِ عبد کا فرزند ناپسند کرتا ہو۔ (۱)

آپ کا وعظ بہت مؤثر ہوتا تھا عبداللہ بن مرداس کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہر جمعرات کو ہم لوگوں میں تقریر کیا کرتے تھے، آپ کا اندازِ بیان اتنا مؤثر اور دل میں خشیتِ الٰہی پیدا کرنے والا ہوتا کہ جب تقریر فرماتے تو دل حاضر رہتا اور جب تقریر ختم فرماتے تو ہماری خواہش ہوتی کہ اور بیان کریں۔ (۲)

ابو وائل کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہر جمعرات کو وعظ ونصیحت فرمایا کرتے تھے، ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ سے عرض کیا اے ابوعبدالرحمن! خدا کی قسم! میری آرزو اور میری تمنا یہ ہے کہ آپ روزانہ وعظ ونصیحت کیا کریں، اس پر آپ نے جواب دیا کہ مجھے کوئی عذر نہیں ہے، البتہ میں تم لوگوں کی اکتاہٹ کو پسند نہیں کرتا، میں وعظ ونصیحت ٹھہر ٹھہر کر فاصلے سے کرتا ہوں جس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو فاصلہ دے کر اور کچھ وقفہ سے وعظ ونصیحت فرماتے تھے، اس خیال سے کہ کہیں ہم اکتا نہ جائیں۔ (۳)

---

(۱) طبقات ابن سعد: ۳/۱۵۹

(۲) طبقات: ۳/۱۶۰-۱۶۱

(۳) تاریخ دمشق: ۳۹/۱۳۱، سیر أعلام النبلاء: ۱/۴۹۷

(۴) طبقات ابن سعد: ۳/۱۶۰-۱۶۱

جنگی کارنامے

آپ تمام غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک رہے۔ (۴) غزوۂ بدر میں آپ ہی نے اس امت کے فرعون ابوجہل کا سرتن سے جدا کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ بدر کے دن فرمایا: ابوجہل کی خبر کون لائے گا کہ وہ کس حال میں ہے؟ آپ گئے تو دیکھا کہ عفراء کے دونوں لڑکے معاذ اور مُعوِّذ نے اسے مار گرایا ہے مگر ابھی کچھ جان باقی ہے تو آپ نے اس کی ڈاڑھی پکڑی اور فرمایا کیا تو ہی ابوجہل ہے؟ اس نے کہا: کیا اس سے بھی بڑا کوئی آدمی ہے جس کو تم لوگوں نے قتل کیا ہو؟۔ (۱)

آپ نے یہ منظر دیکھ کر فرمایا: "**الحمد للہ الذي اخزاک یاعدو اللہ**" اے اللہ کے دشمن! تمام تعریف اسی اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جس نے تمھیں ذلیل ورسوا کیا۔ ابوجہل نے اپنی تلوار کی جانب ہاتھ بڑھانے کی کوشش کی کہ آپ نے اسی کی تلوار لے کر اس کا کام تمام کردیا اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے قتل کیے جانے کی خوشخبری سنائی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مارِ خوشی کے تین مرتبہ اللہ اکبر فرمایا اور "**الحمد للہ صدق وعدہ، ونصر عبدہ وھزم الاحزاب وحدہ**" (تمام تعریف اسی پروردگار کی ہے جس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا، اپنے بندے کی مدد کی اور تنِ تنہا پوری فوج کو شکست دے دی،) کے الفاظ سے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور فرمایا: مجھے بھی ذرا دکھاؤ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دیکھ کر ارشاد فرمایا: یہ اس امت کا فرعون تھا۔ (۲)

عبادت وریاضت

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روزہ کے مقابلہ میں زیادہ نماز پڑھنے کو ترجیح دیتے تھے، عبدالرحمن بن یزید کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ دوسرے فقہاء کے مقابلہ میں روزہ رکھنے کا کم اہتمام کرتے تھے، آپ سے اس کی وجہ دریافت کی گئی تو فرمایا: میں روزہ کے مقابلہ میں نماز کو زیادہ پسند کرتا ہوں، روزہ کثرت سے رکھوں گا تو نماز میں کمزوری آجائے گی؛ البتہ آپ ہفتہ میں پیر اور

---

(۱) حلیۃ الأولیاء: ۲ / ۱۲

(۲) الإصابۃ: ۲ / ۴۴۰

جمعرات کو روزہ رکھا کرتے تھے، آپ مسلمان ہونے کے بعد کبھی بھی چاشت کے وقت نہیں سوئے۔ (۳)

محمد کا بیان ہے کہ میں ایک مرتبہ رات کے آخری پہر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس سے گذرا تو دیکھا کہ وہ ان الفاظ سے دعاء کررہے ہیں **"اللّٰهم دعوتني فاجبتک، وامرتني فاطعتک، وهذا اسحر فاغفرلي"** اے اللہ! تو نے مجھے آواز دی (یعنی دینِ اسلام کی جانب بلایا) میں نے تیری آواز پر لبیک کہا تو نے مجھے اوامر کے بجالانے کا حکم دیا، میں نے تیرے حکم کی بسروچشم پیروی کی۔

اے اللہ! یہ رات کا آخری پہر ہے تو مجھے معاف فرمادے اور میرے گناہوں کو بخش دے۔ صبح سویرے میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ کہا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے **"سوف استغفر لكم ربي"** کا جملہ رات کے آخری پہر ہی میں فرمایا تھا۔ (۱)

آپ جب نماز پڑھا کرتے تھے تو ایسا لگتا تھا کہ کوئی کپڑا رکھا ہوا ہے اور آپ نماز میں اپنی نگاہ نیچے رکھتے تھے اور اپنی آواز پست رکھتے تھے۔ (۲) آپ کے صاحبزادۂ محترم حضرت عبیداللہ بن عبداللہ کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ جب دیکھتے کہ سارے لوگ سوچکے ہیں، تو آپ کھڑے ہوتے اور نماز پڑھنے میں مشغول ہوجاتے اور میں آپ کے اندر سے شہد کی مکھی جیسی نکلنے والی آواز اور بھنبھناہٹ صبح تک سنتا رہتا۔ (۳)

زہد وتقویٰ اور خشیتِ الٰہی

تمیم بن حَذلم کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام اور خاص طور سے سیدنا ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی مجلسوں میں بیٹھا ہوں، عبداللہ بن مسعود سے زیادہ دنیا سے بے نیاز، آخرت کا طالب اور صلاح وتقویٰ میں تقلید واتباع کے قابل کسی کو نہیں دیکھا۔ (۴)

آپ خوفِ خدا سے بہت روتے تھے زید بن وہب کا بیان ہے کہ میں نے حضرت عبداللہ کی دونوں آنکھوں کے پاس سے رونے کی وجہ سے دو کالے نشان دیکھے۔ (۵)

---

(۱) الثقات: ۸/ ۱۷۸، نمبر: ۹۶۳

(۲) مجمع الزوائد: ۸/ ۵۱-۵۲، ونسبہ الی الطبرانی ورجالہ ثقات

(۳) تاریخ ابن عساکر: ۱۱/ ۲۹، سیر أعلام النبلاء: ۳/ ۴۱۶

آپ پر خشیتِ الٰہی اور فکرِ آخرت کا اتنا غلبہ تھا کہ فرماتے ''کاش! مرنے کے بعد اٹھایا نہ جاتا (۶)'' اور کبھی فرماتے ''مجھے معلوم ہوجائے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے میرے ایک عمل کو بھی شرفِ قبولیت سے نوزا دیا ہے تو میرے لیے یہ زمین بھر کر سونا رکھنے سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہوگا۔ (۷)

اور کبھی فرماتے کہ جنت اور دوزخ کے درمیان اگر مجھے کھڑا کردیا جائے اور مجھ سے یہ پوچھا جائے کہ کسے اختیار کرے گا؟ یا تو اپنے آپ کو راکھ ہونا پسند کرے گا؟ تو میں کہوں گا کہ میں راکھ بننا ہی پسند کروں گا (۸) اور کبھی فرماتے کہ تم لوگ میرے گناہوں کو جان لوگے تو میرے سر پر مٹی پھینکتے ہوئے گذر جاؤ گے اور دو آدمی بھی میرے پیچھے نہ چلیں گے۔ کاش! اللہ تبارک وتعالیٰ میرے گناہوں کو معاف کردیتا، اور مجھے عبداللہ بن ردشہ کہہ کر پکارا جاتا یعنی میرا نسب نہ جانا جاتا۔ (۱)

وفات سے کچھ دن پہلے آپ سخت بیمار پڑے، خلیفۃ المسلمین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ عیادت کے لیے تشریف لائے اور فرمایا: آپ کو کس مرض کی شکایت ہے؟ آپ نے جواب دیا: ''اپنے گناہوں کی'' پھر پوچھا، آپ کی کیا خواہش ہے؟ آپ نے فرمایا: ''اللہ کی رحمت کی'' پھر پوچھا کیا ڈاکٹر کو بلاؤں؟ آپ نے جواب دیا: ڈاکٹر نے ہی مجھے بیمار کیا ہے۔

پھر دریافت کیا: آپ کا وظیفہ جاری کردوں؟ آپ نے فرمایا: مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں، حضرت عثمان نے فرمایا: آپ کی صاحبزادیوں کی ضرورتوں میں کام آجائے گا۔ آپ نے فرمایا: انہیں بھی کوئی ضرورت نہیں؛ کیونکہ میں نے انہیں تاکید کررکھی ہے کہ وہ سورۂ واقعہ کی ضرور تلاوت کیا کریں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے: ''**من قرأ سورة الواقعة لم تصبه فاقة أبداً**'' **وفي رواية: كل ليلة**'' جو شخص سورہ واقعہ ہر رات پڑھے گا اسے کبھی فاقہ نہ ہوگا۔ (۲)

آپ انسان کے علاوہ دوسری مخلوقِ خدا پر ظلم وزیادتی کے سلسلہ میں بہت خوف کھاتے تھے، أبوال أحوص کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ کے

---

(۱) ال إصابۃ: ۲/ ۷ ۴ ۴

(۲) سیر أعلام النبلاء: ۳/ ۴۱۶، الثقات: ۹۶۳

(۳) ال إصابۃ: ۲/ ۷ ۴ ۴

(۴) طبقات ابن سعد: ۷/ ۴۱۳

(۵) سیر أعلام النبلاء: ۳/ ۴۱۶

لڑکے آپ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے وہ دینار کے مانند خوبصورت تھے، ہمیں ان کی خوبصورتی پر بہت رشک آیا، تو آپ نے یہ دیکھ کر فرمایا: ان بچوں پر رشک کر رہے ہو، پھر آپ نے اپنے سر کو چھت کی جانب اٹھایا اور فرمایا وہ چڑیا کا گھونسلہ دیکھو، اس میں انڈے ہیں اور انڈے سے بچے ہونے والے ہیں، خدا کی قسم! مجھے یہ پسند ہے کہ میرے یہ خوبصورت بچے مرجائیں اور میں انہیں دفن کرآؤں؛ لیکن کوئی اس پرندہ کے گھونسلہ کو چھیڑ کر اس کے خس وخاشاک کو گرادے اور انڈے ٹوٹ جائیں مجھے ہرگز یہ گوارہ نہیں۔ (۳)

عدسہ طائی کہتے ہیں: ایک دن حضرت عبداللہ بن مسعود ہمارے یہاں سے گذر رہے تھے، ہم آپ کے پاس ایک پرندہ لے کر آئے، آپ نے یہ دیکھ کر دریافت کیا کہ اسے کہاں سے شکار کر کے لایا گیا ہے؟ ہم نے کہا: تین دن کی مسافت کی دوری سے، یہ سن کر فرمایا: ”کاش اس پرندہ کی جگہ مجھے شکار کیا جاتا“ ایسا شخص مجھ سے بات نہ کرے اور ایسے شخص سے میں قیامت تک نہیں بول سکتا۔ (۱)

کوفہ سے مدینہ منورہ کی واپسی

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت میں آپ کو کوفہ کا امیر بنایا پھر آپ کو معزول کر کے مدینہ منورہ آنے کا حکم دیا، جب آپ نے مدینہ منورہ واپسی کا ارادہ فرمایا تو اہلِ کوفہ نے ہر پل روکنے کی کوشش کی اور یہ کہنے لگے: خوف ہے کہ آپ کو مدینہ منورہ میں کوئی گزند نہ پہنچ جائے، تو آپ نے فرمایا کہ عثمان کی اطاعت میرے اوپر ضروری ہے، میں فتنہ کا پہلا دروازہ بننا نہیں چاہتا ہوں (۲) چونکہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے آپ کا قدرِ اختلاف ہوگیا تھا، اس کی وجہ یہی سمجھ میں آتی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قرآن کریم کے جمع کرنے والوں میں آپ کو شریک نہیں فرمایا تھا۔ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے قرآن کریم کو جمع کیا اور مصحفِ عثمانیہ کے علاوہ جتنے قرآن کریم کے نسخے تھے وہ تمام حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حکم سے حضرت زید نے لوگوں کو جمع کرنے کا حکم دیا۔

جب حضرت عبداللہ بن مسعود کو معلوم ہوا تو منبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا: اے مسلمانوں کی جماعت! میں تو قرآنِ کریم کے لکھنے سے معزول کیا جاؤں اور اس پر ایسے شخص کو مامور کیا جائے کہ

---

(۱) الثقات: ۱۸۶ (۲) طبقات ابن سعد: ۳/۱/۹۶، الإصابۃ: ۲/۴۴۷

(۳) الثقات: ۱۸۶ (۴) الثقات: ۱۰۷-۱۰۸، طبقات ابن سعد: ۳/۱/۹۶

خدا کی قسم! جب میں مسلمان ہوا تھا تو وہ اپنے کافر باپ کے صلب میں تھا۔ اس سے آپ کی مراد حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ تھے۔ اسی وجہ سے فرمایا عراق والو! جو تمہارے پاس قرآن کریم کے نسخے ہیں سب کو چھپالو اور اس میں خیانت سے کام لو، کسی کے سامنے ظاہر نہ کرو، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”ومن يغلل يات بما غل يوم القيامة“ (سورۃ آل عمران آیت: ۱۶۱) اور جو شخص خیانت کرے گا وہ اپنی خیانت کی ہوئی چیز کو قیامت کے دن لے کر آئے گا۔

امام زہری نے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرمایا: مجھے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ بڑے بڑے صحابہ کرام کو آپ کی اس بات سے ناگواری ہوئی تھی۔ (۳)

علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود کو اس عظیم الشان کام ”جمعِ قرآن“ میں شریک کرنے سے محروم رکھا گیا تھا، جس کی وجہ سے ان پر یہ بہت شاق گذرا کہ مجھے تو اس میں شریک نہیں کیا گیا؛ لیکن جو میرے لڑکے کی عمر کے زید بن ثابت ہیں انہیں اس کی ذمہ داری سونپی گئی؛ جب کہ حضرت زید کاتبِ وحی اور قرآن کریم کے الفاظ کے رسم الخط کے امام ہیں اور حضرت عبداللہ ابن مسعود قرآن کریم کے معانی کے امام ہیں؛ مگر حضرت زید ہی کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی جمعِ قرآن کا مکلف بنایا تھا، تو کیوں نہیں، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر ناراض ہوئے؟ حقیقت یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آپ کو جمع قرآن میں شریک کرنے سے معذور رہے کیونکہ آپ مدینہ منورہ میں نہیں تھے، بلکہ کوفہ میں تھے۔ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ آخری وقت میں آپ دونوں کے درمیان کی شکر رنجی دور ہوگئی۔ (۱) وہ اس طرح کہ آپ کو حضرت عثمان نے کوفہ سے طلب فرمایا، آپ فوراً تشریف لے آئے، پھر مرض الوفات میں مبتلا ہو گئے تو آپ کی عیادت کے لیے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ تشریف لائے، مزاج پرسی کی اور ہر طرح راحت و آرام پہنچانے کی کوشش کی، بلکہ وظیفہ جاری کرنے کی بھی پیش کش کی، جیسا کہ پیچھے تفصیل آچکی ہے۔

علامہ محمد بن عمر واقدی (المتوفی: ۲۰۷ھ) نے فرمایا کہ ان دونوں کا آپس میں ملنا در حقیقت آپسی اختلاف اور ایک گونہ شکر رنجی کو دور کرنے کے لیے تھا اور ایسا ہی ہوا کہ دونوں نے آپس میں بغل گیر ہو کر ایک دوسرے کے لیے اللہ تعالیٰ سے استغفار کیا۔ (۲)

---

(۱) صحیح مسلم: ۲/ ۳۰۸-۳۰۹، الزہد، مسند أحمد: ۴/ ۱۷، ج: ۵/ ۶۱

(۲) سیر أعلام النبلاء: ۱/ ۳۰۵-۳۰۶، الثقات: /۱۸۶، صفة الصفوت: ۱/ ۳۸۷، ال إصابة: ۲/ ۴۴۷

وصیت نامہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں آپ کا سالانہ وظیفہ چھ ہزار دراہم تھے۔ (۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے درمیان اور زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے درمیان مواخات کرائی تھی؛ اس لیے آپ نے اپنی زندگی کے آخری لمحات میں حضرت زبیر اور ان کے صاحبزادے عبداللہ بن زبیر کے نام وصیت لکھی، جس وصیت نامہ کو ابنِ سعد نے "طبقات" میں تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

پہلی وصیت: میری کسی لڑکی کی شادی زبیر بن عوام اور عبداللہ بن زبیر کی اجازت کے بغیر نہ کی جائے۔

دوسری وصیت: ایک غلام کے سلسلے میں ہے کہ اگر وہ پانچ سو درہم ادا کردے تو آزاد ہوجائے گا۔

تیسری وصیت: مجھے دوسو درہم کے جوڑے میں کفن دیا جائے۔

چوتھی وصیت: مجھے عثمان بن مظعون کی قبر کے بغل میں دفن کیا جائے۔ (۱)

وفات

آپ کی وفات مدینہ منورہ میں ۳۲ھ میں ہوئی، اس وقت آپ کی عمر ساٹھ سال سے اوپر ہورہی تھی، علامہ واقدی کی رائے کے مطابق آپ کی نمازِ جنازہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پڑھائی اور حسبِ وصیت آپ کو حضرت عثمان بن مظعون کے پہلو میں "بقیعِ غرقد" قبرستان میں دفن کیا گیا۔ (۲)

آپ نے اپنے پیچھے غلام، زمین، جائداد اور چوپائے کے علاوہ نوے ہزار درہم چھوڑے (۳)۔

---

(۱) الاصابۃ: ۲/ ۳۴۹؛ تہذیب التہذیب: ۷/ ۱۰۲

(۲) الثقات: ۱۸۷، نمبر: ۹۶۷

(۳) تہذیب التہذیب: ۷/ ۱۰۲

(۴) الاصابۃ: ۲/ ۳۴۹

(۵) طبقات خلیفۃ بن خیاط: ۱/ ۳۴۹، طبقات ابن سعد: ۷/ ۴۱۳، الثقات: ۹۶۷، سیر أعلام النبلاء: ۳/ ۴۱۷

وفات کے بعد آپ کے وصی حضرت زبیر حضرت عثمان غنی کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا: جو آپ نے دو سالوں سے حضرت عبداللہ کا وظیفہ موقوف کر رکھا تھا اسے دے دیجئے، کیونکہ حضرت عبداللہ کے اہل وعیال بیت المال کے فنڈ سے امداد کیے جانے سے زیادہ اس وظیفہ کے مستحق ہیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر انہیں پندرہ ہزار، یا بیس ہزار یا پچیس ہزار درہم دیئے۔ (۴)

(۶۶) حضرت عُبید مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

حافظ ابو عبداللہ نیسا پوری نے حضرت عُبید کو اصحابِ صفہ میں شمار کیا ہے

(حلیۃ ال اَولیاء: ۲ / ۱۲)

حافظ ابو عبداللہ نیسا پوری نے کہا ہے کہ یہ عبید ابو عامر اشعری ہیں، جنہوں نے غزوۂ حنین میں جامِ شہادت نوش کیا ہے، لیکن علامہ ابو نعیم اصبہانی نے کہا ہے کہ ابو عامر اشعری عبید مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ہیں کوئی اور ہیں، عبید مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول وہم پر مبنی ہے، انہوں نے حضرت عبید رضی اللہ عنہ کی سند سے ایک روایت ذکر کی ہے حضرت عبید سے ایک مرتبہ سوال کیا گیا

---

(۱) کتاب الثقات: /۱۹۱

(۲) مجمع الزوائد: ۸ / ۲۵۱، وذسبہ للطبرانی ورجالہ ثقات۔

کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرض نماز کے علاوہ کسی اور نماز کا حکم فرمایا کرتے تھے؟ انہوں نے جواب دیا: ہاں! مغرب وعشاء کے درمیان نماز پڑھنے کا حکم دیا کرتے تھے۔ (۱)

علامہ ابن حجر عسقلانی نے امام بلاذری کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت عبید سے صرف دو حدیثیں مروی ہیں۔ (۲)

(۶۷) حضرت عُتبہ بن عبد سُلمی رضی اللہ عنہ

ابوسعید ابن ال أعرابی اور علامہ ابونعیم اصبہانی نے حضرت عتبہ رضی اللہ عنہ کو اصحابِ صفہ میں شمار کیا ہے۔ (حلیۃ ال أولیاء: ۲ / ۱۵)

نام عتبہ، کنیت ابوالولید، والد کا نام عبد، قبیلۂ بنو سلیم سے تعلق رکھتے ہیں۔ (۱)

حضرت عتبہ بن عبد رضی اللہ عنہ خود ہی اپنے اسلام قبول کرنے کے سلسلہ میں بیان کرتے ہیں کہ ہم قبیلۂ بنو سلیم کے نو افراد تھے، ہم میں سب سے بڑے عرباض بن ساریہ تھے، ہم لوگ ایک ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے، (۲) پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا نام پوچھا، میں نے عرض کیا ”نشبہ“ ایک روایت میں ”عَتَلۃ“ ہے یہ سن کر آپ نے فرمایا: بلکہ تو ”عتبہ“ ہے اور اس وقت میں نوعمر تھا۔ (۳)

حضرت عرباض اور حضرت عتبہ دونوں آپس میں ایک دوسرے کو اپنے سے بڑا گردانتے تھے۔

حضرت عتبہ حضرت عرباض سے کہا کرتے تھے کہ آپ مجھ سے بہتر ہیں اور حضرت عرباض کہتے کہ آپ مجھ سے بہتر ہیں، کیونکہ آپ مجھ سے ایک سال پہلے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر اسلام لائے ہیں۔

عن عتبة بن عبد قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم قريظه: من أدخل الحصن سهما وجبت له الجنة، فأدخلت ثلاثة أسهم۔

ترجمہ: حضرت عتبہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو قریظہ کے محاصرہ کے دن ارشاد فرمایا: جس نے قلعہ کے اندر ایک تیر پہنچا دی اس کے لیے جنت واجب ہے۔ میں نے اس دن قلعہ کے اندر تین تیر پہنچا دیئے۔(۱)

وفات

حضرت عتبہ رضی اللہ عنہ ملکِ شام کے ''حمص'' کے علاقہ میں منتقل ہو گئے اور وہیں سکونت پذیر ہو گئے۔(۲) علامہ واقدی کہتے ہیں کہ ''شام'' میں سب سے اخیر میں وفات پانے والے صحابی حضرت عتبہ بن عبد سلمی رضی اللہ عنہ ہیں(۳) اور ان کی وفات ۸۷ھ میں ہوئی ہے۔(۴)

شاگردان

حضرت عتبہ بن عبد رضی اللہ عنہ کے فیض یافتگان میں خود ان کے لڑکے یحییٰ بن عتبہ، خالد بن معدان اور راشد بن سعد وغیرہ ہیں۔(۵)

---

(۱) کتاب المغازی: ۳/۱۰۳۶ـ۱۰۳۷ (۲) سورۃ التوبۃ آیت: ۹۲

(۳) مسند أحمد: ۴/۱۲۶ـ۱۱۲۷ اسنادہ صحیح

(۶۸) حضرت عتبہ بن غَزوان رضی اللہ عنہ

امام المغازی محمد بن اسحاق اور علامہ ابو نعیم اصبہانی نے حضرت عتبہ رضی اللہ عنہ کو اصحابِ صفہ میں شمار کیا ہے۔ (حلیۃ الأولیاء: ۲/ ۸)

حضرت عتبہ رضی اللہ عنہ کی کنیت ابو عبد اللہ، والد کا نام غزوان بن جابر بن وہب، بنو نوفل بن عبد مناف بن قصی کے حلیف و معاہد اور مکۃ المکرمۃ کے باشی ہیں۔ (۱)

غازیوں کے امیر اور تارکِ دنیا حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ ان خوش نصیب سات مسلمانوں میں ہیں جنہیں ابتداءِ اسلام میں مسلمان ہونے کا شرف حاصل ہوا، سرزمینِ حبشہ کی ہجرت کی اور مدینہ منورہ کی ہجرت حضرت مقداد بن الأسود رضی اللہ عنہ کے ساتھ کی، غزوۂ بدر اور دوسرے تمام غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک رہے (۲) اور صحابۂ کرام میں اچھے نشانہ باز تیر انداز میں شمار کیے جاتے رہے۔ (۳)

عہدِ فاروقی میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ایما پر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے حضرت عتبہ بن غزوان کو آٹھ سو نفری پر مشتمل ایک فوج دے کر ''اُبلہ'' نامی شہر پر حملہ کرنے کے لیے روانہ کیا، اللہ تعالیٰ نے فتح و کامرانی سے نوازا، پھر آپ نے ''بصرہ'' کا نقشہ تیار کیا اور ''اُبلہ'' نامی قصبہ کی توسیع کر کے بصرہ شہر بسایا۔ سب سے پہلے ایک بہت بڑی مسجد تعمیر کی، پھر شہر بصرہ کو آباد کیا مگر

---

(۱) مسند أحمد: ۴/ ۱۲۷، سنن أبوداود: ۲/ ۶۳۵ (۲) تہذیب التہذیب: ۷/ ۱۴۷

(۳) طبقات ابن سعد: ۴/ ۲۷۶

اپنا کوئی گھر نہیں بنایا (۴) اور آپ نے ہمیشہ خیمہ میں رہائش رکھی اور اسی پر خوش رہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آپ ہی کو شہرِ بصرہ کا گورنر بنایا۔ (۵)

دنیا سے بے رغبتی کے سلسلہ میں حضرت عتبہ کی مشہور تاریخی تقریر!

حضرت خالد بن عمیر کا بیان ہے کہ حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ نے ہم لوگوں کے سامنے خطبہ دیا، حمد وصلاۃ کے بعد لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا: لوگو! دنیا ختم ہونے والی ہے اور دنیا کی چمک دمک اور اس کے ساز وسامان صرف اتنے ہی بچ گئے ہیں جیسے برتن میں کچھ بچا ہوا پانی رہ جاتا ہے؛ جسے دنیادار بچا رکھتا ہے اور تم دنیا سے ہمیشہ وہمیش باقی رہنے والے گھر کی جانب منتقل ہونے والے ہو، تم وہاں نیک اعمال لے کر جاؤ۔

ہم سے بیان کیا گیا ہے کہ پتھر جہنم کے ایک کنارے سے ڈالا جائے گا تو ستر برس تک نیچے اترتا جائے گا، پھر بھی وہ جہنم کی تہہ کو نہیں پہنچ سکے گا۔ اللہ کی قسم! جہنم بھر دی جائے گی، کیا تمہیں اس پر تعجب ہے؟ اور ہم سے یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ جنت کے ایک کنارے سے لے کر دوسرے کنارے تک چالیس سال کی مسافت ودوری ہے اور ایک دن ایسا آئے گا کہ جنت لوگوں سے کھچا کچ بھری ہوگی۔

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان سات صحابہ میں سے ہوں جنہیں سب سے پہلے اسلام قبول کرنے کا شرف حاصل ہوا، اس وقت ہمارا کھانا درخت کے پتوں کے سوا کچھ نہ تھا اور درخت کے پتے کی حرارت وسختی کی وجہ سے ہمارے گلپھڑے زخمی ہو گئے تھے، مجھے ایک چادر ملی، اسے پھاڑ کر دو ٹکڑے کئے، ایک ٹکڑے کا میں نے تہہ بند بنایا اور دوسرے ٹکڑے کا سعد بن مالک (ابی وقاص) نے تہہ بند بنایا۔ اب آج ہم میں سے ہر ایک کسی نہ کسی شہر کا حاکم وگورنر ہے۔ میں اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ میں اپنے تئیں بڑا بنوں اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک چھوٹا اور ذلیل شمار کیا جاؤں، یقیناً کسی پیغمبر کی نبوت دنیا میں ہمیشہ نہیں رہی، بلکہ نبوت کا اثر تھوڑی مدت میں جاتا رہا اور اس کا آخری انجام یہ ہوا کہ وہ سلطنت وحکومت ہوگئی، تم عنقریب پاؤ گے اور ہمارے بعد آنے والے امیروں کا تجربہ

---

(۱) سیر أعلام النبلاء: ۳/۴۲۱

(۲) الاستیعاب: ۳/۱۶۶، الإصابۃ: ۲/۴۶۶

کروگے کہ ان میں دین کی باتیں (جو نبوت کا اثر ہے) نہ رہیں گی اور وہ بالکل دنیا دار ہو جائیں گے (۱)۔

حلیہ مبارکہ: حضرت عتبہ رضی اللہ عنہ حسین وجمیل تھے اور ان کا قد لمبا تھا۔ بصرہ کی گورنری سے استعفیٰ دینے کے لیے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے؛ مگر حضرت عمر نے ان کا استعفیٰ قبول نہیں کیا اور انہیں گورنر بحال رکھا۔

وفات: جب بصرہ کے لیے روانہ ہوئے تو راستہ میں قضاء الٰہی نے آ پکڑا اور ۱۷ھ میں ۵۷ سال کی عمر میں اللہ تعالیٰ کے پیارے ہو گئے۔(۲)

(۶۹) حضرت عتبہ بن عُدّ ر سلمی رضی اللہ عنہ

حافظ ابوسعید بن اعرابی اور علامہ ابونعیم اصبہانی نے حضرت عتبہ بن عُدّ ر سلمی رضی اللہ عنہ کو اصحابِ صفہ میں شمار کیا ہے۔(حلیۃ الأولیاء: ۲/۱۵)

نام عتبہ، والد کا نام عُدّ ر، قبیلہ "بنو سُلیم" سے تعلق رکھنے کی بنا پر سلمی کہے جاتے ہیں۔

حضرت عتبہ بن عُدّ ر رضی اللہ عنہ فتحِ مکہ میں حاضر رہے اور فتحِ "مصر" میں شریک ہو کر مصر ہی میں سکونت اختیار کر لی۔(۱)

علامہ ابن حبان نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عتبہ رضی اللہ عنہ نے "شام" میں سکونت اختیار کر لی تھی یہی وجہ ہے کہ شامیوں ہی کے پاس ان کی حدیث کا ذخیرہ ہے۔(۲)

ان کے شاگردوں میں صرف علی بن ابی رباح اور خالد بن معدان ملتے ہیں اور ابن البرقی کی

---

(۱) سنن ابوداؤد: (۲) الاصابۃ: ۲/۴۸۲

(۳) کتاب الثقات: /۱۸۴

روایت کے مطابق ان کی صرف دو روایتیں ہیں۔ (۳)

سننِ ابن ماجہ میں ان کی ایک حدیث ہے، جس میں حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کا شعیب علیہ الصلاۃ والسلام کی بکریاں چرانے کا واقعہ مذکور ہے۔ (۴)

ان کا انتقال ۸۴ھ خلیفہ عبدالملک کے زمانہ میں ہوا ہے۔ (۵)

(۷۰) حضرتِ عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ

امام ابونعیم اصبہانی، علامہ شمس الدین ذہبی اور علامہ ابن حجر عسقلانی نے حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کو صفہ کے طالب علموں میں شمار کیا ہے، بلکہ علامہ ذہبی نے ”من اعیان الصفۃ“ انہیں صفہ کے اہم طالب علموں میں گردانا ہے۔ (حلیۃ الأولیاء: ۲/ ۱۵، سیر اعلام النبلاء: ۳/ ۴۱۹، الإصابۃ: ۲/ ۴۶۶، تہذیب التہذیب: ۷/ ۱۴۷)

---

(۱) صحیح مسلم: ۱/ ۲۷۰، فضائل قرآن)

(۲) البدایۃ والنہایۃ: ۵/ ۳۳۷

(۳) مسندِ أحمد، سننِ أبوداود بحوالہ ”البدایۃ والنہایۃ: ۵/ ۳۳۷

نام عرباض، کنیت ابونجیح یا ابوالحارث، والد کا نام ''ساریہ'' قبیلۂ بنوسلیم سے تعلق رکھتے ہیں، حضرت عرباض رضی اللہ عنہ بڑے خدا ترس اور خوفِ خدا سے زار و قطار آنسو بہانے اور بے پناہ رونے والے انسان ہیں۔ (۱)

اسلام

حضرت عتبہ بن عبد کا بیان ہے کہ ہم قبیلۂ بنوسلیم کے نو افراد۔ جن میں سب سے بڑے عرباض بن ساریہ تھے۔ دربارِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے اور بیک وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعتِ اسلام کی۔ (۲)

پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ قرب

حضرت عرباض فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درِ اقدس سے سفر و حضر میں ہر جگہ سایہ کی طرح چمٹا رہتا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ

حضرت عرباض فرماتے ہیں کہ میں غزوۂ تبوک کے موقع سے ایک روز رات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی سخت ضرورت کی بنا پر تھوڑی دیر کے لیے میں جدا ہوگیا، واپسی میں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ چند مہمان کھانے سے فارغ ہو چکے ہیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے خیمہ میں جانے کا ارادہ فرما رہے ہیں۔ مجھے دیکھتے ہی فرمایا: تم کہاں تھے؟ سارا واقعہ بیان کیا۔ اسی دوران جعیل بن سراقہ اور عبداللہ بن مغفل بھی آ گئے، ہم تینوں کو سخت بھوک لگ رہی تھی۔ ہم تینوں کا یہ معمول تھا کہ درِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے چمٹے رہتے اور وہیں کچھ کھا پی لیا کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں کی بھوک دیکھ کر سخت بے چین ہو گئے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے؛ لیکن کھانے کی کوئی چیز نہ پا کر باہر تشریف لائے اور حضرت بلال کو طلب فرمایا اور رات کے بچے ہوئے کھانے کے سلسلہ میں دریافت

---

(۱) ال اصابۃ: ۲/ ۴۸۲، تہذیب التہذیب: ۷/ ۲۴۳ (۲) تذکرۃ الحفاظ: ۱/ ۴۰

(۳) سیر أعلام النبلاء: ۲/ ۴۶۸ (۴) طبقات ابن سعد: ۴/ ۳۴۳۔۳۴۴

کیا، تو انہوں نے جواب دیا: خدا کی قسم! میں نے کھجور کے تھیلے سے ساری کھجوریں نکال لی ہیں۔

آپ نے فرمایا: پھر دوبارہ جھاڑ کر دیکھ، شاید دو ایک کھجور مل جائے۔ حضرت بلال نے تعمیلِ حکم میں باری باری ہر تھیلے کو جھاڑا، سات کھجوریں نکلیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کھجوروں کو ایک پلیٹ میں رکھا اور بسم اللہ پڑھ کر ان پر دستِ مبارک پھیرنے لگے پھر ہم لوگوں کی جانب متوجہ ہو کر فرمایا: بسم اللہ پڑھ کر کھاؤ۔ آسودہ ہو کر کھجوریں کھالیں؛ مگر وہ سات کھجوریں اسی طرح بچ گئیں، تو آپ نے بلال سے فرمایا: اے بلال! سات کھجوروں کو اپنے تھیلے میں رکھ لو، ان کھجوروں کو جو بھی کھائے گا وہ آسودہ ہو جائے گا۔

ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ فجر کے بعد اپنے خیمہ کے پاس بیٹھ گئے، ہم لوگ بھی آپ کے پاس بیٹھ گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ "المومنون" کی دس آیتیں تلاوت کیں اور فرمایا: اے بلال! کیا ناشتہ ہے؟ حضرت عرباض فرماتے ہیں: میں نے اپنے جی میں کہا: ناشتہ کہاں سے اور کیسے آیا؟ کچھ دیر بعد حضرت بلال سے کھجور طلب فرمائیں اور اسے پلیٹ میں رکھا اور بسم اللہ پڑھ کر کھجور پر دستِ مبارک پھیرنے لگے، پھر فرمایا: تم لوگ بسم اللہ پڑھ کر کھاؤ، اللہ تعالیٰ کی قسم! ہم لوگ دس آدمی تھے، ہر ایک نے آسودہ ہو کر کھایا؛ لیکن ایک کھجور بھی کم نہیں ہوئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر مجھے خدائے ذوالجلال سے شرم نہیں آتی تو ہم ان کھجوروں کو مدینہ منورہ لوٹتے وقت تک کھاتے رہتے۔ کچھ چھوٹے بچے نظر آئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں وہ تمام کھجوریں دے دیں۔(۱)

فقر و مسکنت

حضرت عرباض رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں ہیں، جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل کی ہے: **ولا على الذين إذا ما اتوک لتحملهم قلت لا اجد ما احملکم علیه تولوا و أعينهم تفيض من الدمع حزنا ألاّ يجدوا ما ينفقون۔** (۲) اور نہ ان لوگوں پر کوئی گناہ اور الزام ہے کہ جس وقت وہ آپ کے پاس اس واسطے آتے ہیں کہ آپ ان کو سواری دے دیں اور آپ ان

---

(۱) سیر أعلام النبلاء: ۲/ ۴۶۸
(۲) ال إصابة: ۲/ ۴۸۲
(۳) سیر أعلام النبلاء: ۲/ ۴۶۸، ال إصابة: ۲/ ۴۸۲
(۴) تہذیب التہذیب: ۷/ ۲۴۲

سے کہہ دیتے ہیں کہ میرے پاس تو کوئی چیز نہیں، جس پر میں تم کو سوار کرسکوں تو وہ ناکام اس حال میں واپس چلے جاتے ہیں کہ ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوتے ہیں، اس غم میں کہ ان کو خرچ کرنے کو کچھ بھی میسر نہیں۔ (۳)

حضرت عرباض کا بیان ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم لوگوں کو صبح کی نماز پڑھائی، پھر ہم لوگوں کی جانب رخِ انور کرکے ایسی جامع اور بلیغ نصیحت فرمائی کہ آنکھیں اشکبار ہوگئیں اور دل لرز اٹھے، کہا گیا: اے اللہ کے رسول! ایسا لگتا ہے کہ یہ الوداعی خطبہ ونصیحت ہے۔ ایسے موقع پر آپ ہمیں کس چیز کا حکم دیتے ہیں؟ ارشاد فرمایا:

أوصيكم بتقوى الله والسمع والطاعة وإن عبدا حبشياً، فإنه من يعش منكم بعدي فسيرى اختلافاً كثيراً، فعليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين، تمسكوا بها وعضوا عليها بالنواجذ

ترجمہ: میں تم لوگوں کو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنے اور امیر کی اطاعت وفرماں برداری کرنے کی وصیت ونصیحت کرتا ہوں، اگرچہ امیر حبشی غلام ہی ہو، میرے بعد تم میں جو بھی زندہ رہے گا وہ عنقریب بہت سے اختلافات کا سامنا کرے گا، تو اس وقت خاص طور سے میری سنت اور ہدایت یافتہ میرے خلفاء راشدین کی سنت کی اتباع کرنا اور ڈاڑھوں سے اس قدر مضبوطی سے پکڑ لینا کہ کہیں چھوٹ نہ جائے۔

وإياكم محدثات الأمور، فإن كل محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة ۔(۱)

ترجمہ: تم لوگ دین کے اندر نئی باتوں کے ایجاد کرنے سے بچنا، ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

حق گوئی وبے باکی

حضرت عرباض رضی اللہ عنہ ''حمص'' میں سکونت پذیر ہوگئے تھے۔ (۲) ایک روز دیکھا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت مقداد کو مالِ غنیمت کا ایک گدھا دیا، تو آپ یہ دیکھ کر تاب نہ لاسکے اور بے باک ہوکر بول پڑے اے معاویہ! آپ کے لیے اس کا دینا جائز نہیں ہے اور اے مقداد!

---

(۱) کتاب الثقات: ۱۹۱/ فتح الباری: ۱۱/ ۳۱۹

آپ کے لیے اس گدھے کا لینا درست نہیں ہے اور آپ کو اس گدھے کی وجہ سے جہنم میں دیکھ رہا ہوں، فوراً اسی وقت حضرت مقداد نے اس گدھا کو مالِ غنیمت میں لوٹا دیا۔ (۳)

دعاءِ موت اور رَتبا بیل کی زیارت

حضرت عِرباضؓ کبرِسنی کی عمر کو پہونچے تو ہمیشہ یہ دعا کیا کرتے تھے!

"اللّٰھم کبرت سنی، ووھن عظمی، فاقبضني إلیک" اے اللہ! میں ضعیف و بوڑھا ہو چکا ہوں اور میری ہڈیاں کمزور ہو چکی ہیں، آپ میری روح قبض کر لیجئے اور مجھے موت دے دیجئے۔

آپ فرماتے ہیں: ایک دن دمشق کی مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا اور اپنی موت کے متعلق دعاء کر رہا تھا کہ اچانک سبز رنگ کے کپڑے میں ملبوس ایک خوبصورت نوجوان کو دیکھا وہ مجھ سے معلوم کر رہا ہے کہ اے بڑے میاں: یہ کیا دعاء کر رہے ہو؟ میں نے کہا: اے میرے بھتیجے! تو پھر میں کیا دعاء کروں؟ اس نے کہا: ان الفاظ سے دعاء کیجئے!

اللّٰھم حسن العمل، وبلغ الأجل، الٰہی: میرے اعمال درست کر دے، نیک عمل کی توفیق دے اور مجھے لقمۂ اجل بنا دے۔

میں نے کہا: اللہ تم پر رحم کرے، ذرا یہ بتلاؤ تم کون ہو؟ جواب دیا **"أنا رتبابیل الذي یسل الحزن من صدور المؤمنین"** میں رتبا بیل ہوں، مومنوں کے دلوں سے غموں کو دور کرتا ہوں۔

اتنا کہہ کر وہ اس طرح غائب ہو گیا کہ ادھر ادھر چاروں طرف اسے خوب تلاش کیا، مگر کسی کو نہ پایا۔ (۱)

وفات

آپ کا انتقال ۵۷ھ میں ہوا۔ (۲)

---

(۱) صحیح بخاری: ۲/ ۹۶۸، نمبر حدیث: ۶۵۴۱، فتح الباری: ۱۱/ ۴۱۳-۴۲۱

(۲) المغازی للواقدی: ۱/ ۹۳، السیرۃ لابن ہشام: ۱/ ۷۹۳، البدایۃ والنہایۃ: ۲/ ۷۴۴، سیر أعلام النبلاء: ۱/ ۳۰۸

(۳) فتح الباری: ۱۱/ ۴۱۹

(۴) کتاب المغازی: ۱/ ۱۳-۱۹

(۵) معجم البلدان: ۴/ ۲۱۲، البدایۃ والنہایۃ: ۴/ ۶۱۲، المغازی: ۱/ ۴

(۱۷) حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ

☆ طلیحہ بن خویلد: طلیحہ بن خویلد اسدی شجاعت و بہادری میں یکتا تھے، ان کی کوئی نظیر نہیں تھی، یہ اپنی شجاعت و بہادری کی وجہ سے تن تنہا ایک ہزار شہ سوار کے مقابلہ میں شمار کئے جاتے تھے۔ انہوں نے 9ھ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر اسلام قبول کیا، پھر نعوذ باللہ اسلام سے برگشتہ ہوگئے اور ارتداد اختیار کیا۔ ستم بالائے ستم یہ کہ مقام ''سمیرا'' میں نبوت کا دعویٰ کر بیٹھے اور مسلمانوں کے خلاف فوج کشی کی اور سخت مقابلہ کیا، لیکن ع

نورِ حق شمعِ الٰہی کو بجھا سکتا ہے کون　　　جس کا حامی ہو خدا اسے مٹا سکتا ہے کون

کے پیش نظر انہیں ذلت آمیز شکست کا سامنا کرنا پڑا، اپنی ذلت و رسوائی کو چھپانے کے لیے ملکِ شام کے قبیلہ غسان سے جا ملے، کچھ عرصہ بعد اپنے کئے پر بڑے نادم ہوئے۔ منجانب اللہ ہدایت کی توفیق ہوئی، ارتداد سے توبہ کرکے دوبارہ مشرف بہ اسلام ہوئے، بڑے مخلص اور سچے پکے مسلمان ہوئے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت میں فرمایا: اے طلیحہ: ''بُزاخہ'' کے دن خالد بن ولید کے ہراول دستہ کے دو شخص حضرت عکاشہ بن محصن اور ثابت بن اقرم کو تم نے شہید کیا، اس کی وجہ سے تم میری نظر میں محبوب نہیں ہو۔

''جنگِ قادسیہ'' میں بڑے کرتب دکھلائے اور ۱۹ھ یا ۲۱ھ جنگِ نہاوند میں اپنی جان جانِ آفریں کے حوالہ کر دی۔ رضی اللہ عنہ وسامحہ، (سیر أعلام النبلاء: ۱/ ۳۱۷)

(۱) المستدرک: ۳/ ۲۲۸، الاستیعاب: ۳/ ۱۵۵-۱۵۶، سیر أعلام النبلاء: ۱/ ۳۰۷-۳۰۸

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ خود اپنے بارے میں فرماتے ہیں: "نحن في الصفة" ہم لوگ صفہ میں بیٹھے ہوئے تھے (صحیح مسلم: ۱/۲۷۰) "كنت من أصحاب الصفة" میں اصحابِ صفہ میں تھا۔ (سیر اعلام النبلاء: ۲/۴۶۸)

حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ کے والد کا نام عامر اور قبیلہ "جہینہ" سے تعلق رکھتے ہیں۔

حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں خود فرماتے ہیں: جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے، میں اپنی بکریاں چرا رہا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی خبر سنتے ہی بکریوں کو چھوڑ کر آپ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور بیعت کی خواہش ظاہر کی تو آپ نے مجھ سے ہجرت پر بیعت فرمائی۔ (۱)

حضرت عقبہ بڑے جلیل القدر صحابی ہیں، آپ کا شمار اسلام لانے والے اور ہجرت کرنے والے سابقین اولین میں ہوتا ہے (۲) اور آپ ماہر تیر اندازوں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ (۳)

صفہ کی زندگی

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ صفہ کی زندگی میں علم کے حاصل کرنے کا طریقہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، ہم لوگ صفہ میں بیٹھے ہوئے تھے آپ نے ارشاد فرمایا: تم میں کون شخص اس کو پسند کرتا ہے کہ صبح سویرے بازار "بطحان" یا "عقیق" میں جائے اور دو اونٹنیاں عمدہ سے عمدہ بلا کسی قسم کے گناہ اور قطعِ رحمی کے پکڑ لائے، صحابہ نے عرض کیا کہ اس کو تو ہم میں سے ہر ایک شخص پسند کرے گا۔ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسجد میں جا کر دو آیتوں کا پڑھنا یا پڑھا دینا، دو اونٹنیوں سے اور تین آیت کا تین اونٹنیوں سے اسی طرح چار کا چار سے افضل ہے اور ان کے

---

(۱) ال استیعاب: ۲/ ۵۱۴، حلیۃ الأولیاء: ۲/ ۱۱

برابر اونٹوں سے افضل ہے۔ (۱)

عام طور سے جو بھی صفہ میں ہوتے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم ہوتے تھے۔ حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ خاص طور سے سفر کے خادم تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خچر چلایا کرتے تھے۔ (۲)

حضرت عقبہ بیان کرتے ہیں، ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھوڑے کی لگام تھامے ایک راستہ سے گذر رہا تھا، جس کے دونوں جانب گھنے درخت تھے۔

آپ نے فرمایا: عقبہ! کیا تم سوار نہیں ہوگے؟ میرے دل میں آیا کہ نفی میں جواب دے دوں، لیکن فوراً یہ احساس ہوا کہ کہیں آپ کی نافرمانی نہ ہوجائے، تو میں نے اثبات میں کہا: ہاں، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑے سے نیچے اتر آئے اور مجھے سوار ہونے کا حکم دیا، میں تعمیلِ حکم کرتے ہوئے گھوڑے پر بیٹھ گیا آپ پیدل چلنے لگے، میں یہ منظر برداشت نہ کرسکا، فوراً گھوڑے سے نیچے اتر آیا اور عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ سوار ہوجائیں، میں یہ برداشت نہیں کرسکتا کہ میں سوار ہوں اور آپ پیدل چلیں۔ اس کے بعد آپ سوار ہوگئے، پھر آپ نے فرمایا: عقبہ! کیا دو ایسی سورتیں نہ سکھلاؤں، جن کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ میں نے عرض کیا: ضرور، یارسول اللہ! تو آپ نے مجھے "قل اعوذ برب الفلق" اور "قل اعوذ برب الناس"، پڑھ کر سنائی، پھر نماز پڑھی، تو اس میں بھی آپ نے ان ہی دو سورتوں کی تلاوت کی اور فرمایا کہ ان دونوں سورتوں کو سوتے اور بیدار ہوتے پڑھ لیا کرو۔

حضرت عقبہ فرماتے ہیں، میں نے ان دونوں سورتوں کی تلاوت کو اپنا معمول بنالیا۔ (۳)

کمالِ علمی

حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ صفہ کی زندگی میں رہ کر با کمال عالم، فقیہ، کاتب وغیرہ بنے ابوسعید یونس آپ کے بارے میں فرماتے ہیں:

☆ اس زمانہ میں عربوں کے نزدیک سب سے زیادہ قیمتی اور محبوب مال سرخ اونٹ ہوتھا؛ اس لیے بطورِ خاص حضرت عمرو سرخ اونٹ کا ذکر کرکے یہ بتارہے ہیں کہ تمام محبوب اور قیمتی مالوں سے زیادہ مجھے یہ ارشادِ نبوی محبوب ہے۔

(۱) صحیح بخاری: ۳/۱۱۲۵، نمبر (۵۳۵۷) حلیۃ الأولیاء: ۲/۱۱، الاستیعاب: ۲/۵۱۱

(۲) الثقات نمبر: (۸۷۳) الإصابۃ: ۲/۵۱۹

(۳) الإصابۃ: ۲/۵۱۹

كان قارئا، عالما للفرائض والفقه، فصيح اللسان شاعراً كاتبا ۔ آپ قرآن کریم کے قاری، علمِ فرائض وفقہ کے ماہر، فصیح وبلیغ شاعر اور کاتب تھے۔

مزید فرماتے ہیں کہ آپ قرآن کریم کے جامعین میں سے ہیں، آپ کے ہاتھ کا لکھا ہوا مصحف (قرآن کریم) مصر میں اب تک موجود ہے، اس کی ترتیب کچھ مختلف ہے اور آخر میں ان کے خط سے تحریر ہے **"كتبه عقبة بن عامر بيده"**۔ (۱)

علامہ ذہبی نے بھی آپ کے اوصاف وکمالات کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

آپ فقیہ، علامہ، قرآن کریم کے قاری، فرائض میں صاحبِ بصیرت، اہلِ زبان، فصیح شاعر اور جلیل القدر صحابی ہیں، آپ کی احادیث بہت زیادہ ہیں۔ (۲)

خوش الحان

حضرت عقبہ خوش آواز وخوش الحان تھے، خاص طور سے قرآن کریم نہایت خوش الحان اور دل سوز آواز میں پڑھا کرتے تھے، ایک روز امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ سے فرمایا: قرآن کریم پڑھ کر سنایئے، اِدھر پُرسوز آوز میں تلاوت شروع کی اُدھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر اتنا اثر ہوا کہ زار وقطار رونے لگے جس سے آپ کی ڈاڑھی تر ہوگئی۔ (۳)

فتوحات وسیاسی کارنامے

خلیفۃ المسلمین حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں ملک شام چلے گئے اور مصر وشام کی فتوحات میں شریک رہے، اس کے بعد مصر میں مستقل سکونت اختیار کرلی اور مکان بنوایا اور وہیں

---

(۱) سورۃ التوبۃ آیت:۹۲ (۲) المغازی للواقدی:۳/۹۹۴

(۳) تہذیب التہذیب:۸/۸۵

☆ غزوۂ ابواء: پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے پہلا غزوہ غزوۂ ابواء ہے ہجرت کے پورے ایک سال گذرنے پر ۲ھ ماہِ صفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ صحابۂ کرام کو لے کر نکلے اور قریش کے تجارتی قافلہ پر حملہ کا ارادہ تھا؛ لیکن مصالحت کی بنا پر جنگ نہیں ہوئی، شرائطِ صلح یہ تھی کہ بنوضمرۃ نہ مسلمانوں سے جنگ کریں گے اور نہ مسلمانوں کے کسی دشمن کی مدد کریں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غزوۂ میں نکلتے وقت مدینہ کا حاکم سعد بن عبادہ کو بنایا تھا۔ (المغازی للواقدی:۱/۱۱-۱۲، فتح الباری:۷/۳۲۶-۳۲۷)

(۴) معجم طبرانی بحوالہ فتح الباری:۷/۳۲۷

وفات پائی۔ (۴)

ابوسعید بن یونس حضرت عقبہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ آپ نے ہی ملک ''مصر'' کی اقتصادی، تعلیمی اور پیداواری ترقی کے لیے لائحہ عمل تیار کیا ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے مصر کے امیر لشکر رہے، تین سالوں کے بعد اس سے برطرف ہو گئے پھر آپ کو سمندری حملے کے لیے بھیجا گیا(۱) اور مصر ہی میں آپ کا درس بھی ہوتا تھا۔ (۲)

آخری وقت

جب حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ مرض الموت میں مبتلا ہوئے، اپنے بیٹوں کو پاس بلایا اور انہیں یہ وصیت کی۔

میرے بیٹو! میں تمہیں تین چیزوں سے منع کرتا ہوں، ان سے اجتناب کرنا۔

۱۔ غیر ثقہ راوی کی بیان کردہ حدیث قبول نہ کرنا۔

۲۔ پھٹے پرانے کپڑے پہن لینا مگر کسی سے قرض نہ لینا۔

۳۔ شعر گوئی میں دلچسپی نہ لینا، کیونکہ اس سے تمہارے دل قرآن کریم سے غافل ہو جائیں گے۔

آپ کی وفات حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت ۵۸ھ میں مقامِ ''مصر'' ہی میں ہوئی اور ''جبلِ مقطم'' میں دفن کئے گئے۔ (۳)

شاگردان کرام

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کے شاگردوں میں جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن عباس، ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہم ہیں اور تابعین میں شاگردوں کی ایک لمبی فہرست ہے۔ (۴)

---

(۱) تہذیب التہذیب: ۸/۸۵

(۷۲) حضرت عُکّاشہ بن مُحصَن رضی اللہ عنہ

علامہ ابونعیم اصبہانی اور حافظ ابوعبداللہ نیساپوری نے حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ کو صفہ کے طالب علموں میں شمار کیا ہے۔

(حلیۃ الأولیاء: ۱/ ۱۰)

حضرت عُکّاشہ رضی اللہ عنہ کی کنیت ابومحصن، والد کا نام مُحصن بن حُرثان اور قبیلہ اسد بن خزیمہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ (۱)

حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ قدیم الاسلام اور جلیل القدر صحابی ہیں، آپ کو ایک مخصوص زمرہ کے ساتھ جنت میں داخل ہونے کی بشارت دی گئی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پچھلی امتیں۔ معراج کی رات کو۔ میرے سامنے لائی گئیں، کسی پیغمبر کے ساتھ ایک امت تھی، کسی پیغمبر کے ساتھ تھوڑے سے آدمی، کسی پیغمبر کے ساتھ دس ہی آدمی اور کسی کے ساتھ پانچ ہی آدمی، کوئی پیغمبر اکیلے بھی گذرے، ان کے ساتھ ایک بھی امتی نہ تھا۔ یکا یک ایک بڑی جماعت نظر آئی، میں نے جبرئیل سے پوچھا یہ میری امت ہے؟ بولے: آپ آسمان کے

---

(۱) الثقات:/۱۸۲، الاصابۃ: ۳/۶

(۲) المعجم الکبیر للطبرانی: (۱۶۱۸) المستدرک: ۳/۳۴۱۔۳۴۲، وصححہ الحاکم ووافقہ الذہبی۔

کنارے پر دیکھئے، میں نے ایک بڑی جماعت دیکھی۔ جبرئیل نے کہا: یہ آپ کی امت ہے ان کے آگے آگے جو ستر ہزار آدمی ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن سے نہ حساب لیا جائے گا، نہ ان کو عذاب ہوگا؛ بلکہ بے حساب و کتاب جنت میں داخل ہوں گے۔ میں نے پوچھا: اس کی کیا وجہ ہے؟ جبرئیل نے جواب دیا: یہ دنیا میں نہ انگارے سے داغ لگاتے تھے، نہ کوئی منتر اور جھاڑ پھونک کرتے تھے اور نہ بدفالی اور براشگون لیتے تھے، ہر حال میں اپنے ربّ ذوالجلال پر ان کو اعتماد تھا۔

فقام إليه عكاشة بن محصن، فقال: أدع اللّٰه أن يجعلني منهم، فقال: اللّٰهم اجعله منهم، ثم قال إليه رجل آخر قال: ادع اللّٰه أن يجعلني منهم قال: سبقك بها عكاشة۔

ترجمہ: یہ حدیث سن کر عکاشہ بن محصن کھڑے ہوئے۔ انہوں نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول! دعاء فرمایئے اللہ تعالیٰ مجھ کو بھی ان لوگوں میں کرے، آپ نے فرمایا: اے اللہ! عکاشہ کو ان لوگوں میں کردے۔ پھر ایک اور شخص کھڑے ہوئے اور کہنے لگے، اے اللہ کے رسول! میرے لیے بھی دعاء فرمایئے: اللہ تعالیٰ مجھ کو بھی ان لوگوں میں کردے آپ نے فرمایا: بس، عکاشہ ان لوگوں میں سے ہو چکا۔(۱)

جنگی کارنامے

غزوۂ بدر میں حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ کی تلوار ٹوٹ گئی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو ایک درخت کی شاخ دے کر فرمایا: اس سے لڑو۔ آپ نے اس کو لے کر حرکت دی، تو ان کے ہاتھ میں وہ نہایت نفیس تلوار ہوگئی، پوری زندگی میدانِ کارزار میں اسی تلوار سے لڑتے رہے۔(۲)

پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی جنگی مہارت و کارکردگی کو دیکھ کر ارشاد فرمایا: "**خير فارس في العرب عكاشة**" عرب کا بہترین شہسوار عکاشہ ہے۔(۳)

آپ تمام غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک رہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو مختلف محاذ پر بھی بھیجا ہے۔ حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی امارت و قیادت میں چیدہ اور منتخب بارہ افراد پر مشتمل ایک چھوٹی فوج "نخلہ" کی جانب روانہ ہوئی تھی۔ ان میں حضرت عکاشہ بن محصن بھی تھے اور اس میں آپ کی اچھی کارکردگی تھی۔(۴)

---

(1) طبقات ابن سعد: ۴/ ۲۱۷-۲۱۸

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو چالیس آدمیوں کے ساتھ ''بنو اسد'' کے مقابلہ کے لیے ''غمرۃ'' یا ''غمر'' بھیجا، ان میں ثابت بن ارقم اور سباع بن وہب بھی تھے، یہ لوگ قریب پہنچے تو بنو اسد مکانوں کو خالی چھوڑ کر پہاڑوں میں چلے گئے، کوئی نہ ملا، البتہ ایک شخص کو ان کی مویشی اور چراگاہ کا پتہ مل گیا، جہاں دو سو اونٹ ملے، ان کو لے کر مدینہ منورہ لوٹ آئے۔ (۵)

سببِ شہادت

حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ بڑے حسین وجمیل تھے؛ بلکہ مردوں میں حسن وجمال میں سب پر فائق تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت آپ کی عمر ۴۴ سال کی تھی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے ایک سال بعد آپ نے جامِ شہادت نوش کیا۔

شہادت کا واقعہ یہ ہوا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں مسلمانوں کی فوج مدعیِ نبوت طُلَیحہ بن خُویلد اَسدی ☆ کے مقابلہ کے لیے بھیجا۔ حضرت خالد بن ولید نے حضرت عکاشہ بن محصن کو حضرت ثابت بن اقرم کے ساتھ ہراول دستہ کے طور پر اپنی فوج سے آگے روانہ کر دیا۔ طلیحہ بن خویلد نے ان دونوں کو پکڑ کر ۱۱ھ مقامِ ''بزاخہ'' میں شہید کر دیا۔ (۱)

(۷۳) حضرت عَمرو بن تَغلب نَمَری رضی اللہ عنہ

حضرت عمرو بن تغلب نمری رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہجرت کر کے تشریف لائے اور اصحابِ صفہ کے ساتھ صفہ میں قیام کیا۔ (حلیۃ الأولیاء: ۲/ ۱۱، اال اِستیعاب:

۲/۵۱۲)

عمرو نام، والد کا نام تغلب، قبیلہ نمر سے تعلق رکھنے کی بنا پر نمری کہے جاتے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اسلام کی تعریف فرمائی ہے۔ خود حضرت عمرو بن تغلب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے بارے میں ایسا کلمہ ارشاد فرمایا ہے جو سرخ اونٹوں سے میرے لیے ہزار ہا درجہ بہتر ہے۔ (۱)

ایک دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اصحابِ صفہ میں تشریف لائے، آپ کے پاس مال لایا گیا آپ نے کچھ لوگوں کو مال سے نوازا اور کچھ لوگوں کو محروم رکھا، جنہیں آپ نے محروم رکھا، ان حضرات کی پیشانیوں پر بل پڑ گیا اور یہ لوگ ناراض ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں کسی شخص کو مال دیتا ہوں اور کسی شخص کو مال سے محروم رکھتا ہوں حالانکہ جسے مال سے محروم رکھتا ہوں وہ میرے نزدیک بہت زیادہ محبوب ہوتا ہے اس شخص سے کہ جسے خوب مال سے نوازتا ہوں۔ میں ان لوگوں کو دیتا ہوں، جن لوگوں کے دلوں میں بے صبری اور حرص محسوس کرتا ہوں، بعضے لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے استغنا و بے نیازی اور خیر و بھلائی پیدا کر رکھی ہے، اس کے بھروسے پر چھوڑ دیتا ہوں اور کچھ نہیں دیتا ایسے عمدہ لوگوں میں عمرو بن تغلب بھی ہے۔

حضرت عمرو بن تغلب رضی اللہ عنہ نے اپنے بارے میں یہ فرمانِ عالی سن کر فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے بارے میں ایسا جملہ ارشاد فرمایا ہے کہ اس کے بدلہ لال اونٹ ☆ مجھ کو ملتے تو بھی اتنی خوشی نہ ہوتی۔ (۱)

بعد میں حضرت عمرو بن تغلب رضی اللہ عنہ نے بصرۃ میں سکونت اختیار کر لی تھی، اسی وجہ سے بصری بھی کہے جاتے ہیں اور وہیں آپ کا درسِ حدیث ہوا کرتا تھا۔ آپ کی تمام روایت کردہ احادیث حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ ہی بیان کرتے نظر آتے ہیں۔ (۲) آپ کی تاریخِ وفات کے متعلق سارے محققین خاموش ہیں؛ البتہ علامہ ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمۃ نے تحریر کی ہے کہ آپ امیر معاویہ

رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت تک باحیات رہے ہیں۔ (۳)

(۴۷) حضرت عمرو بن عوف مُزنی رضی اللہ عنہ

حافظ ابوعبداللہ نیساپوری اور علامہ ابونعیم اصبہانی نے حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ کو اصحابِ صفہ میں شمار کیا ہے۔

(حلیۃ الأولیاء: ۲/ ۱۰)

---

(۱) صحیح مسلم شریف: ۱/ ۲۷٦-۲۷۷، باب الأوقات التی نہی عن الصلاۃ فیہا۔

(۲) سیر أعلام النبلاء: ۲/ ۴۵۷، الإصابۃ: ۳/ ٦

(۳) الثقات: / ۱۸۲، الإصابۃ: ۳/ ٦

(۴) سنن ابوداؤد: ۲/ ۳۷۹-۳۸۰، جامع ترمذی شریف: ۱/ ۲۸۷ (السیر)

نام عمرو، والد کا نام عوف، کنیت ابوعبد اللہ، قبیلہ مزینہ سی تعلق رکھتے ہیں۔

حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ بہت زیادہ تضرع، گریہ وزاری کرنے والے، خوفِ خدا سے آہ وبکا کرنے والے قدیم الاسلام صحابی ہیں، اس آیت **"تولوا واعینھم تفیض من الدمع"** (لوگ ناکام اس حالت سے واپس چلے جاتے ہیں کہ ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوتے ہیں۔)(۱) کے مصداق حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔(۲)

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ منورہ تشریف لائے، خود ہی بیان فرماتے ہیں: ہم نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ منورہ آئے اور ۱۷/ مہینے تک بیت المقدس کی جانب رخ کر کے نماز پڑھتے رہے۔(۳)

انہوں نے سب سے پہلا غزوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ''غزوۂ ابواء'' ☆ سرکیا ہے،(۴) بعض نے ان کا سب سے پہلا غزوہ غزوۂ خندق قرار دیا ہے۔

علامہ واقدی کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کو حرمِ مدینہ منورہ کا خلیفہ بنایا تھا، کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ مدینہ منورہ میں اپنا خلیفہ وجانشیں بنا کر ہی غزوے میں تشریف لے جاتے تھے۔

علامہ ابن سعد کہتے ہیں: حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ کی حدیث ان کے پوتے کثیر بن عبد اللہ بن عمرو بن عوف اپنے دادا حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اور کثیر بن عبد اللہ ضعیف راوی ہیں۔

ان کا انتقال حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں ہوا۔(۱)

---

(۱) حلیۃ الاولیاء: ۲/۱۶، ال اِصابۃ: ۳/۲

(۲) تہذیب التہذیب: ۸/۶۹

(۳) ال اِصابۃ: ۳/۶۔۷

(۷۵) حضرت عَمرو بن عَبسہ سُلمی رضی اللہ عنہ

علامہ ابو سعید اعرابی اور علامہ ابو نعیم اصبہانی نے حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ کو اصحابِ صفہ میں شمار کیا ہے۔ (حلیۃ ال أولیاء: ۲/ ۱۶)

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کی کنیت ابو نجیح، والد کا نام عَبسہ بن خالد، قبیلۂ بنو سُلیم سے تعلق رکھتے ہیں۔ (۱)

حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ قدیم الاسلام جلیل القدر صحابی ہیں۔ خود فرماتے ہیں:

رأيتني ربع الإسلام مع رسول اللہ صلى اللہ عليه وسلم، لم يسلم قبلي إلا النبي صلى اللہ عليه وسلم وأبو بكر وبلال حتى لا يدرى متى أسلم الآخر۔

---

(۱) طبقات ابن سعد: ۳/ ۴۵۹، سیر أعلام النبلاء: ۱/ ۵۰۳

(۲) سورۃ التوبۃ آیت: ۱۰۸، طبقات ابن سعد: ۳/ ۴۵۹

ترجمہ: میں اپنے تئیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چوتھے نمبر کا مسلمان سمجھتا ہوں، مجھ سے پہلے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر و بلال رضی اللہ عنہما کے علاوہ کوئی اسلام نہیں لایا اور دوسرے کے اسلام لانے کے بارے میں کچھ علم نہیں ہے۔ (۲)

بتوں سے نفرت اسلام لانے کا سبب

حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ کو اسلام قبول کرنے سے پہلے بت پرستی سے طبعاً نفرت تھی۔ خود ان کا بیان ہے: میں بت پرستی سے متنفر ہو کر دینِ حق کی تلاش میں ایک یہودی کے پاس گیا اور کہا: ہماری قوم زندہ کو چھوڑ کر پتھروں کو معبود بناتی ہے اور ہماری قوم کا ہر فرد اپنے کسی سفر سے واپسی پر چار پتھروں کو ساتھ لاتا ہے، تین پتھروں سے اپنے استعمال کے لیے ہانڈیاں بناتا ہے اور ان ہی میں سے ایک خوب صورت پتھر کو اپنا معبود بنالیتا ہے، یہ سن کر اس یہودی شخص نے کہا: دینِ حق کا سب سے بڑا علَم بردار اور بتوں سے نفرت کرنے والا شخص بہت جلد "مکہ" سے نمودار ہونے والا ہے۔ اس کے ظہور کا ستارہ طلوع ہو چکا ہے، تم اس کے ظاہر ہوتے ہی اس کی اتباع کرنا۔ (۱)

حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ آپ کس بنا پر اپنے آپ کو چوتھے نمبر کے مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں؟

حضرت عمرو نے تفصیلی جواب دیا کہ میں زمانۂ جاہلیت میں لوگوں کو ضلالت و گمراہی میں مبتلا دیکھ کر دل میں گھٹتا اور یہ کہا کرتا تھا کہ یہ لوگ کسی بھی مذہب پر قائم نہیں ہیں۔ بتوں کی پرستش کرتے اور پتھروں کو اپنا معبود بناتے ہیں، جب کہ پتھر کچھ نفع و نقصان کے مالک نہیں۔

اسی دوران مکہ مکرمہ میں ایک شخص کے بارے میں سنا کہ وہ کچھ نئی باتوں کی خبر دے رہا ہے اور بتوں کی عبادت کرنے کی سخت مخالفت کر رہا ہے، تو میں نے اپنی سواری تیار کی اور مکہ مکرمہ کے لیے روانہ ہو گیا۔ جب مکہ مکرمہ آیا تو معلوم ہوا کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم ان دنوں چھپ چھپ کر عبادت

---

(۱) ال اصابۃ: ۳/ ۴۵، طبقات ابن سعد: ۳/ ۴۶۰

(۲) سیر أعلام النبلاء: ۱/ ۵۰۴، ال اصابۃ: ۳/ ۴۵، طبقات ابن سعد: ۳/ ۴۶۰

(۳) ال اصابۃ: ۳/ ۴۵

(۴) التاریخ الصغیر للبخاری بحوالہ ال اصابۃ: ۳/ ۴۵

اور اسلام کی تبلیغ کرتے ہیں، کیونکہ آپ کی قوم آپ کو سخت ایذائیں پہنچانے کے درپے رہتی ہے۔ یہ سن کر میرا دل بھر آیا اور آپ کے پاس حاضر ہو کر عرض کیا آپ کون ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں نبی ہوں! میں نے عرض کیا: نبی کا کیا مطلب ہوتا ہے؟

جواب میں فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنا پیغام دے کر بھیجا ہے۔ پھر پوچھا کیا پیغام دے کر بھیجا ہے؟ آپ نے فرمایا: مجھے دینِ حق کے ساتھ بھیجا ہے، صلہ رحمی کرنے، رشتے ناطے جوڑنے، بتوں کو مٹانے، اللہ تعالیٰ کی وحدانیت عام کرنے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانے کا حکم دے کر بھیجا ہے۔ پھر میں نے دریافت کیا: آپ کے اس مذہب کا ماننے والا کون ہے؟

فرمایا: ایک آزاد ابوبکر اور ایک غلام بلال حبشی میرے اوپر ایمان لائے ہیں اور میرے لائے ہوئے دین کی پورے طور پر تصدیق کر چکے ہیں۔

میں نے عرض کیا: میں بھی آپ پر ایمان لا رہا ہوں اور آپ کے مذہب کی اتباع کر رہا ہوں۔

آپ نے فرمایا: ان دنوں دینِ حق کے قبول کرنے والے کو جو ایذائیں دی جا رہی ہیں تم انہیں برداشت نہیں کر سکتے۔ کیا تم میرے ساتھ لوگوں کا برتاؤ نہیں دیکھ رہے ہو؟ ابھی تم اپنے وطن لوٹ جاؤ، جب تم میری ذات اور میرے دین کے بارے میں سنو کہ میں کھلم کھلا اسلام کی دعوت دے رہا ہوں اور میرا دین عام ہو چکا ہے تو تم میرے پاس آنا اور میرے ساتھ رہنا۔

وطن کی واپسی

حضرت عمرو فرماتے ہیں: میں اسی وقت اپنے وطنِ مالوف لوٹ آیا، لیکن مجھے ہر وقت آپ کی فکر لگی رہتی تھی۔ میں ہمیشہ آپ کی ذاتِ اقدس اور آپ کے دین کے سلسلے میں لوگوں سے معلومات حاصل کرنے میں لگا رہا، مختلف خبریں ملتی رہیں۔ کچھ عرصہ کے بعد آپ مدینہ منورہ زادہا اللہ شرفۃ وعظمۃ ہجرت کر کے تشریف لائے۔ ایک دن میرے پاس ''یثرب'' (مدینہ منورہ) کی ایک جماعت آئی، میں نے ان سے دریافت کیا! اس شخص کا کیا حال ہے جو ''یثرب'' آیا ہے؟

جواب دیا کہ سارے لوگ اس کی جانب پیش قدمی کرنے اور ایک دوسرے پر سبقت کرنے

---

(۱) الاستیعاب: ۱۲۹/۳ (۲) الاصابۃ: ۴۸/۳ (۳) تہذیب التہذیب: ۲۰۰/۸

کی کوشش کررہے ہیں؛ جب کہ اس کی قوم نے اس کے قتل کا ارادہ کیا تھا؛ لیکن وہ اس ناپاک منصوبہ میں ناکام رہی اور کچھ نہ کرسکی۔

دوبارہ دربارِ رسالت میں حاضری اور تعلیماتِ نبوی سے آراستہ

میں اسی وقت مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہوگیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوکر عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا آپ مجھے پہچانتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! تم تو وہی ہو جو مکہ میں ملے تھے!

میں نے عرض کیا: جی ہاں! پھر میں نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی! آپ مجھے ان باتوں کو سکھلایئے جن کی تعلیم اللہ تعالیٰ نے آپ کو دی ہے؛ کیونکہ میں ان سے ناواقف ہوں، مجھے نماز اور وضوء سے متعلق کچھ بتایئے؟

آپ نے فرمایا: تو صبح کی نماز پڑھ، پھر سورج کے طلوع ہونے کے بعد سے لیکر سورج کے کچھ حصہ بلند ہوجانے تک کوئی نماز مت پڑھ، کیونکہ جس وقت سورج طلوع ہوتا ہے ٹھیک اسی وقت شیطان کی دو سینگیں سورج کے درمیان آکر حائل ہوجاتی ہیں، کفار اس وقت ان ہی شیطانی سینگوں کا سجدہ کرتے اور پرستش کرتے ہیں، پھر آسمان پر سورج کے کچھ حصہ بلند ہوجانے کے وقت نماز پڑھ یہ فرشتوں کی حاضری کا وقت ہوتا ہے، اس میں نماز قبول ہوتی ہے اور رحمتِ خداوندی نازل ہوتی ہے جب (شمال کی جانب) ایک نیزہ کے بقدر سایہ رہ جائے یعنی نصفِ نہار ہوجائے، تو نماز پڑھنے سے تم رک جاؤ، کیونکہ اس وقت جہنم کی آگ خوب بھڑکائی جاتی ہے۔ جب سورج ڈھل جائے تو اب نماز پڑھو۔ یہ بھی فرشتوں کی حاضری، مقبولیت اور نزولِ رحمت کی گھڑی ہے۔ عصر کی نماز پڑھنے کے بعد سورج کے ڈوبنے تک کوئی نماز مت پڑھو، کیونکہ سورج شیطان کی دونوں سینگوں کے درمیان ڈوبتا ہے اور اس وقت بھی کفار اس کا سجدہ کرتے ہیں اور اس کی پرستش کرتے ہیں۔

حضرت عمرو فرماتے ہیں: میں نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی! وضوء کے بارے میں بھی کچھ بتایئے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کوئی شخص قربتِ خداوندی کے لیے وضوء کرتا ہے جب کلی کرتا اور ناک میں پانی ڈالتا ہے تو اس کے چہرے، منہ اور ناک کی نرم ہڈی کے گناہ جھڑ جاتے

---

(۱) سنن ابوداؤد: ۲/ ۳۵۹، ال اصابۃ: ۳/ ۱۹۶ (۲) ال اصابۃ: ۳/ ۱۹۶

ہیں، جب چہرہ دھوتا ہے تو ڈاڑھی کے راستہ سے پانی کے ساتھ چہرے کے گناہ جھڑ جاتے ہیں، پھر دونوں ہاتھ کہنیوں تک دھوتا ہے تو انگلیوں کے پوروں کے راستے سارے ہاتھ کے گناہ پانی کے ساتھ جھڑ جاتے ہیں، پھر اپنے سر کا مسح کرتا ہے تو اس کے سر کے گناہ بالوں کے سرے سے پانی کے ساتھ جھڑ جاتے ہیں، پھر اپنے دونوں پاؤں ٹخنے سمیت دھوتا ہے تو دونوں پاؤں کی انگلیوں کے پوروں کے راستہ سے پانی کے ساتھ پاؤں کے گناہ جھڑ جاتے ہیں۔ اس طرح وضوء کرنے کے بعد اگر وہ نماز پڑھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی تعریف اور پاکی خوب بیان کرتا ہے اور اپنے دل کو اللہ تعالیٰ کے لیے بالکل فارغ اور خالص کر لیتا ہے، تو وہ اپنے گناہوں سے اس طرح پاک صاف ہو کر لوٹتا ہے؛ گویا کہ آج ہی اس کی ماں نے اسے جنا ہو۔

جب یہ تفصیلی روایت حضرت عمرو بن عبسہ نے صحابیٔ رسول حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ کو سنائی تو حضرت ابوامامہ نے فرمایا: اے عمرو بن عبسہ! آپ ذرا سوچ لیجئے کہ آپ ایک وضوء کرنے اور خالص اللہ تعالیٰ کے لیے نماز پڑھنے والے شخص کے بارے میں کتنی بڑی فضیلت بیان کر رہے ہیں؟

حضرت عمرو نے جواب دیا: اے ابوامامہ! میں بوڑھا ہو چکا ہوں، میری ہڈیوں کی جوڑیں کمزور ہو چکی ہیں اور میری موت کا وقت قریب ہے۔ اب مجھے دنیا کی کوئی حاجت وضرورت نہیں رہ گئی ہے کہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب جھوٹی بات منسوب کروں۔ اگر میں اس روایت کو ایک مرتبہ، دو مرتبہ، تین مرتبہ بلکہ سات مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ سنا ہوتا تو میں ہرگز بیان نہ کرتا، بلکہ سن لیجئے میں نے اس روایت کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سات مرتبہ سے بھی زائد سنا ہے۔ (۱)

غزوات

حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر میں شریک رہے ہیں اور جنگِ یرموک میں ایک

---

(۱) الاستیعاب: ۳/ ۱۹۸

(۲) الثقات: ۹۸، الاستیعاب: ۳/ ۱۹۸

(۳) الثقات: ۱۹۲، نمبر (۱۰۸۸)

(۴) تہذیب التہذیب: ۸/ ۲۵۸

دستہ کے امیر رہ چکے ہیں۔ (۲)

حضرت امیر معاویہ کو انتباہ

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ شام چلے گئے اور وہیں سکونت پذیر ہو گئے۔ (۳) وہاں یہ واقعہ پیش آیا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور رومیوں کے درمیان جنگ بندی کا ایک متعینہ وقت تک کے لیے معاہدہ ہوا تھا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ رومیوں کی سرحد کی جانب فوج بھیج رہے تھے کہ زمانۂ معاہدہ ختم ہوتے ہی ان پر اچانک حملہ کر دیں پیچھے سے ایک آدمی ترکی یا عربی گھوڑے پر سوار ہو کر یہ کہتا ہوا آتا دکھائی دیا "اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر وفاء لا غدر" تم پر عہد و معاہدہ کا پورا کرنا ضروری ہے، غداری و دھوکہ دھڑی قطعاً نہیں ہونی چاہئے۔ یہ سنتے ہی لوگوں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو وہ حضرت عمرو بن عبسہ تھے۔ جلدی سے حضرت امیر معاویہ نے انہیں بلوا بھیجا اور آئے تو دریافت کیا آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟ جواب میں فرمایا: جس کسی قوم کے درمیان مسلمانوں کا عہد و معاہدہ ہو تو وہ عہد کو نہ توڑے؛ تاآنکہ اس کی مدت پوری ہو جائے یا نقضِ عہد کی اطلاع کر دے، تاکہ دونوں فریق علم میں برابر ہو جائیں یہ سنتے ہی حضرت امیر معاویہ اپنی فوج لے کر واپس ہو گئے۔ (۴)

حضرت عمرو بن عبسہ کی کرامت

کعب کے مولیٰ کا بیان ہے کہ ہم، عمرو بن عبسہ، مقداد بن اسود اور نافع بن حبیب ہذلی ایک ساتھ چلے، ہم میں سے ہر ایک کی باری باری جانوروں کے چرانے اور حفاظت کرنے کی ذمہ داری تھی۔

حضرت عمرو بن عبسہ اپنی باری کے دن جانوروں کو چرانے کے لیے چراگاہ گئے، میں ٹھیک دوپہر کے وقت نکلا، تاکہ حضرت عمرو کی حالت اور ان کا جانوروں کے چراتے وقت کا معمول دیکھوں "فإذا سحابة قد أظلته ما فيها عنه مفصل" تو ایک بادل دیکھا جوان پر سایہ فگن ہے اور وہ اس میں میٹھی نیند سو رہے ہیں۔ میں نے انہیں بیدار کیا، بیدار ہوتے ہی کہا: اس چیز کو جو تم نے ابھی کھلی آنکھوں مشاہدہ کیا ہے اس کے بارے میں کسی کو مت بتانا۔ اگر مجھے پتہ چل گیا کہ تو نے اس کے بارے میں کسی کو خبر کر دی ہے تو پھر جان لے ہماری اور تمہاری خیر نہیں ہے۔

---

(۱) سیر أعلام النبلاء: ۳/ ۱۱۵، تہذیب التہذیب: ۸/ ۲٦۷ (۲) مسند أحمد: ٦/ ۱۸، حلیۃ الأولیاء: ۲/ ۱۷

مولیٰ کعب کا بیان ہے کہ میں نے ان کی زندگی میں کسی کے سامنے اس راز کا افشاء نہیں کیا۔ (۱)

شاگردانِ کرام

ان کے شاگردوں میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی اور حضرت ابوامامہ باہلی، حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہما وغیرہ ہیں۔ (۲)

وفات

''شام'' ہی میں ''حمص'' کے علاقہ میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے اخیر زمانہ خلافت میں وفات پائی۔ (۳)

(۷۶) حضرت عُوَیم بن ساعِدہ انصاری رضی اللہ عنہ

حافظ ابوعبداللہ نیساپوری اور علامہ ابونعیم اصبہانی نے حضرت عویم رضی اللہ عنہ کو اصحابِ صفہ میں سے شمار کیا ہے۔ (حلیہ ال أولیاء: ۱۱/۲)

---

(۱) تاریخ دمشق ل أبي زرعۃ: ۱/۱۹۹، سیر أعلام النبلاء: ۳/۱۱۵

عویم نام، کنیت ابوعبدالرحمان، والد کا نام ساعدہ، انصارِ مدینہ سے تعلق رکھنے کی بنا پر انصاری کہے جاتے ہیں۔

حضرت عویم رضی اللہ عنہ بیعتِ عقبہ، غزوۂ بدر اور اس کے بعد تمام غزوات میں شریک رہے ہیں، بلکہ ہر غزوہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے تلے رہے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے درمیان مواخات کرائی تھی، ان کے بڑے مناقب وفضائل ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا:

"نعم العبد من عباد اللّٰہ والرجل من أھل الجنة عویم بن ساعدة" اللہ کے بندوں میں نیک صالح اور جنتی شخص عویم بن ساعدہ ہے۔(۱)

حضرت عویم بن ساعدہ بھی ان ہی پاکیزہ لوگوں میں ہیں، جن کی تعریف اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں کی ہے۔"فیه رجال یحبون أن یتطھروا، واللّٰہ یحب المتطھرین" اس۔قباء والوں۔ میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو پاکی کو پسند کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ پاکی حاصل کرنے والے کو پسند فرماتے ہیں۔(۲)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جہاں بہت سارے فتنے رونما ہوئے، ان میں ہی ایک عظیم فتنہ انصار ومہاجرین کے مابین کھڑا ہوا۔ انصار صحابۂ کرام سقیفۂ بنوساعدہ میں بیٹھ کر آپس میں خلافت وامارت کے سلسلہ میں مشورہ کرنے لگے۔ بعض نے یہ کہا کہ ایک امیر انصار میں ہونا چاہئے اور ایک امیر مہاجروں میں۔ اس اختلاف نے اتنی شدت پکڑ لی، قریب تھا کہ انصار ومہاجرین آپس میں

☆ اسی جیسا واقعہ غزوۂ احد میں پیش آیا تھا۔ بنوعبدالاشہل کے عمرو بن ثابت بن قیس اسلام قبول کرنے سے انکار کرتے تھے۔ جس روز احد کا معرکہ پیش آیا ان کے دل میں خود بخود اسلام کی محبت پیدا ہوگئی۔ مسلمان ہوئے، تلوار ہاتھ میں لی اور مسلمانوں کی جانب سے جنگ میں شریک ہوگئے، کسی کو خبر نہیں ہوئی، سخت قتال کیا، زخم سے چور اور نڈھال ہو کر شہداء کے درمیان گر گئے، لوگوں نے دیکھا یہ تو عمرو بن ثابت ہیں، کچھ رمقِ زندگی باقی تھی، پوچھا کیسے آئے قومی محبت، یا اسلام کی رغبت سے؟ بولے میں خدا اور اس کے رسول پر ایمان لایا۔ پھر اسلام کی حمایت میں لڑا اور جو حال ہے دیکھ رہے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے شہادت کی دولت سے نوازا یہ کہہ کر اپنی جان جانِ آفریں کے حوالہ کردی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو فرمایا: "وإنه لمن أھل الجنة" عمر بن ثابت جنتی ہے۔(المغازی للواقدی: ۱/ ۲۶۲) سبحان اللہ ایک وقت کی نماز بھی نہ پڑھی اور جنت کی بشارت مل گئی۔

(۱) تاریخ ابن عساکر: ۱۴/ ۱۱۳، بحوالہ سیر أعلام النبلاء: ۳/ ۱۱۵ (۲) سورۃ المائدۃ آیت: ۳۰، سیر أعلام النبلاء: ۳/ ۱۱۶

گتھم گتھا ہو جاتے؛ لیکن موقع سے حضرت عویم بن ساعدہ انصاری اور معن بن عدی رضی اللہ عنہما، حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے پاس تشریف لائے اور اس اختلاف سے باخبر کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ یہ فرماتے ہوئے تشریف لے چلے کہ ہم لوگوں کو انصار کے دو نیک صالح شخص نے آکر اس واقعہ کی خبر دی ہے۔(۱)

آپ اس دنیا میں ۶۵/ سال گذار کر حضرت عمر کی خلافت میں اپنے مولیٰ حقیقی سے جا ملے۔(۲)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کی نمازِ جنازہ پڑھائی (۳) اور فرمایا:

ما نصبت راية للنبي صلى الله عليه وسلم إلا وتحت ظلها عويم۔ (۴)

ترجمہ: یہ عویم ہر جنگ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے کے سایہ میں رہے ہیں۔

(۷۷) حضرت عیاض بن حمار مجاشعی رضی اللہ عنہ

علامہ ابونعیم اور حافظ ابوسعید بن الأعرابی نے حضرت عیاض

---

(۱) تاریخ ابن عساکر: ۱۴/ ۱۱۴، بحوالہ سیر أعلام النبلاء: ۳/ ۱۱۷ (۲) تاریخ ابن عساکر: ۱۴/ ۱۱۴، بحوالہ سیر أعلام النبلاء: ۳/ ۱۱۶

(۳) کتاب الثقات: / ۱۹۲ (۴) تہذیب التہذیب: ۸/ ۲۶۸

رضی اللہ عنہ کو اصحابِ صفہ میں سے شمار کیا ہے۔ (حلیۃ الأ ولیاء: ۲/ ۱۶)

نام عیاض، والد کا نام حمار، قبیلہ ''مجاشع'' سے تعلق رکھتے ہیں۔ حافظ ابن عبد البر ان کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:

وكان عياض صديقاً لرسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قديماً وكان إذا قدم مكة لايطوف إلا في ثياب رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم، لأنه كان من الجملة الذين لايطوفون إلا في ثوب أحمسي۔ (۱)

ترجمہ: حضرت عیاض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پرانے دوست تھے، جب بھی مکہ مکرمہ آتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑوں میں ہی طواف کیا کرتے تھے؛ اس لیے کہ یہ ان لوگوں میں تھے جو احمسی کپڑے میں طواف کیا کرتے تھے، اسلام قبول کرنے سے پہلے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں کچھ ہدیہ بھیجا تھا، مگر آپ نے قبول نہیں فرمایا تھا۔

حضرت عیاض بن حمار رضی اللہ عنہ نے بصرہ میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ (۲)

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ جنگِ جمل کے موقع سے بصرہ تشریف لے گئے، مسجد بنومجاشع کے پاس کھڑے ہو کر حضرت عیاض بن حمار کے بارے میں دریافت کیا، تو نعمان بن زمام نے ان سے کہا کہ وہ وادیٔ ''سباع'' میں ہیں، انہیں ڈھونڈنے کے لیے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ وادیٔ ''سباع'' تشریف لے گئے۔ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیاض حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت تک زندہ رہے ہیں۔

صحاحِ ستہ میں سے صرف صحیح بخاری میں ان سے کوئی روایت نہیں ہے اور صحیح مسلم میں صرف ان کی ایک روایت ہے۔ ان کے شاگردوں میں حضرت حسن بصری، مطرف بن عبداللہ وغیرہ ہیں۔ (۲)

(۷۸) حضرت فُرات بن حَیّان یَشکُری عِجلی رضی اللہ عنہ

---

(۱) الإصابۃ: ۳/ ۲۲۳
(۲) حلیۃ الأولیاء: ۲/ ۱۸-۱۹
(۳) طبقات ابن سعد
(۴) الاستیعاب: ۳/ ۲۴۴

امیر المومنین فی الحدیث سفیان ثوری اور علامہ ابوعبدالرحمن سلمی اور ابونعیم اصبہانی نے حضرت فرات بن حیان کو صفہ کے طالب علموں میں سے شمار کیا ہے۔ (حلیۃ ال أولیاء: ۲/ ۱۷)

نام فُرات، والد کا نام حَیّان بن ثعلبہ، قبیلۂ ''عجل'' سے تعلق رکھنے کی بنا پر عجلی کہے جاتے ہیں۔

واقعۂ اسلام

حضرت فرات رضی اللہ عنہ اسلام لانے سے قبل مسلمانوں کے خلاف جاسوسی کا کام کیا کرتے تھے، غزوۂ خندق کے موقع سے ابوسفیان کے جاسوس بن کر مسلمانوں کے خلاف یہ جاسوسی میں پکڑے گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قتل کا حکم صادر فرما دیا، یہ ایک انصاری صحابی کے حلیف و معاہد تھے، انصار کی مجلس کے پاس سے گزرتے وقت انہوں نے کہا: میں مسلمان ہوں! تو انصاری صحابی نے کہا: اے اللہ کے رسول! یہ تو اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کر رہا ہے۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''إن منکم رجالاً نکلھم إلی ایمانھم، منھم: فرات بن حیان'' تم میں کچھ لوگ ایسے ہیں کہ جنہیں ہم ان کے ایمان کے حوالہ کر کے ان کی جان بخشی کر دیتے ہیں، ان میں سے فرات بن حیان بھی ہے۔ (۱)

اسلام قبول کرنے سے پہلے حضرت فرات کا جاسوسی کرنے کے علاوہ ایک کام یہ بھی تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو برا بھلا کہتے تھے اور شعروں میں آپ کی ہجو بیان کرتے تھے؛ (۲) لیکن اسلام قبول کرنے کے بعد مخلص مسلمان بنے اور اپنی پوری زندگی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی اور مقبول

---

(۱) ال استیعاب: ۳/ ۲۴۲، ال اصابۃ: ۳/ ۲۲۳۔ ۲۲۴

(۲) الثقات: / ۱۹۵، تہذیب التہذیب: ۸/ ۳۷۰

(۳) تہذیب التہذیب: ۸/ ۳۷۰

تعریف میں گذار دی، علمِ دین حاصل کیا اور دین میں خوب تفقہ پیدا کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے نام ''یمامہ'' میں کچھ زمین الاٹ کر دی، جس کی قیمت بیالیس سو سے زائد تھی، ایک مرتبہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت فرات بن حیان رضی اللہ عنہ اور رجال بن عنفوہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گذرے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جہنم میں ان تینوں میں سے ایک کی ڈاڑھ احد پہاڑ سے بڑی ہوگی اور اس کے ساتھ ایک دھوکہ باز کی جھوٹی چالبازی ہوگی۔

حضرت فرات کہتے ہیں: کچھ دنوں کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی بالکل سچ ثابت ہوئی اور ہم لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا، جس سے ہم لوگوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی بات پر کامل اور اتم درجہ کا یقین ہوگیا۔ (۱) واقعہ یہ ہوا کہ رجال بن عنفوہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے لوٹ کر گیا اور مدعیِ نبوت مسیلمہ کذاب کے دین کو قبول کیا اور اہلِ یمامہ سے یہ بھی کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسیلمہ کو اپنے معاملۂ نبوت میں شریک کر لیا ہے اور ساجھے دار بنا لیا ہے جس کی بنا پر اس کمبخت نے ایک عظیم فتنہ کو ہوا دی اور دینِ اسلام سے پھر گیا اور کفر کی حالت میں مقتول ہوا۔ (۲)

راہ شناسائی کے ماہر

صحابۂ کرام کے مابین حضرت فرات کو یہ خصوصیت حاصل تھی کہ راستے کے سلسلہ میں تمام لوگوں سے زیادہ واقف اور ماہر تھے۔ (۳)

شاگردانِ کرام

ان کے شاگردوں میں حارثہ بن مضرب، قیس بن زہیر اور حسن بصری ہیں اور صحاحِ ستہ میں سے صرف ''سننِ ابوداؤد'' میں ان کی روایت ہے۔ (۴)

---

(۱) حلیۃ الأولیاء: ۲/۱۹

(۲) الثقات: /۱۹۶

(۳) الحلیۃ: ۲/۱۹

(۴) المغازی: ۱/۱۴۰

(۷۹) حضرت فُضالہ بن عُبید انصاری رضی اللہ عنہ

علامہ ابن الأعرابی اور امام ابونعیم اصبہانی نے حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ کو اصحابِ صفہ میں سے شمار کیا ہے۔ (حلیۃ الأولیاء: ۲/ ۱۷)

حضرت فضالہ رضی اللہ عنہ کی کنیت ابومحمد، والد کا نام عبید بن نافذ، قبیلۂ اوس سے تعلق رکھتے ہیں، حضرت فضالہ رضی اللہ عنہ جلیل القدر اور قدیم صحابی ہیں، قاریٔ قرآن اور قاضیٔ شام ہیں۔ غزوۂ بدر کے علاوہ تمام غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک رہے ہیں۔ فتوحاتِ مصر اور شام میں برسرِ پیکار رہے ہیں۔ (۱)

اصحابِ صفہ کی حالت

حضرت فضالہ رضی اللہ عنہ اصحابِ صفہ کی حالت نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا رہے تھے، کچھ اصحابِ صفہ شدتِ بھوک کی وجہ سے غش کھا کر نماز کی حالت میں گر گئے، انہیں دیکھ کر دیہاتی حضرات یہ کہنے لگے کہ یہ لوگ مجنوں، دیوانے اور پاگل ہیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو ان لوگوں کی جانب متوجہ ہو کر فرمایا: اس مصیبت و سختی کے برداشت کرنے اور اس پر صبر کرنے پر اللہ تعالیٰ کے یہاں جو تمہیں اجر و ثواب ملے گا اسے جان لو، تو تم لوگ فقر و فاقہ اور تنگدستی کی تمنا کرنے لگو، تاکہ اللہ تعالیٰ کے یہاں زیادہ سے زیادہ اجر و ثواب کے مستحق ہو جاؤ۔

---

(۱) حلیۃ الأولیاء: ۲/ ۱۹

(۲) الاستیعاب: ۳/ ۲۱۹

(۳) سورۃ آل عمران آیت: ۱۵۴

(۴) المغازی: ۱/ ۲۹۶

(۵) سیر أعلام النبلاء: ۳/ ۵۳۷

(۶) الإصابۃ: ۳/ ۲۱۷

(۷) الثقات: ۱/ ۱۹۶

''قال فضالة: فأنا مع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم یومئذ۔'' حضرت فضالہ فرماتے ہیں کہ اس دن میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔(۲) عین ممکن ہے کہ یہ بھی غش کھا کر گرنے والے اصحاب صفہ میں رہے ہوں؛ کیونکہ صحابۂ کرام کا طرۂ امتیاز اپنی ذاتی چیزوں کو پوشیدہ اور لوگوں کی نظروں سے مخفی رکھنے کا رہا ہے۔

قاضیٔ شام ودمشق

حضرت فضالہ رضی اللہ عنہ ''مدینہ منورہ'' سے ''شام'' چلے آئے اور ''دمشق'' میں اپنا گھر بنالیا اور یہیں سکونت پذیر ہوگئے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ شام ودمشق کے قاضی تھے، جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے دریافت کیا کہ آپ کے بعد شام ودمشق کا قاضی بننے کے لائق کون ہے؟

جواب میں فرمایا: فضالہ بن عبید!

جب حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی وفات ہوگئی تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت فضالہ سے فرمایا: میں آپ کو قضاء کے منصبِ جلیلہ پر فائز کرتا ہوں۔ انہوں نے معذرت چاہی، مگر حضرت امیر معاویہ نے ہر چند اصرار کیا اور یہ کہتے رہے: اگرچہ میں آپ کے لیے اس قضاء کی ذمہ داری کو کم تر اور ناپسندیدہ گردانتا ہوں، لیکن آپ کو اپنے لیے جہنم سے بچاؤ کا ذریعہ بنانا چاہتا ہوں۔ براہِ کرم آپ سے جہاں تک ہوسکے میرے لیے جہنم سے آڑ بن جائیں۔ ہارے جی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بات رکھنی ہی پڑی اور قاضیٔ شام ودمشق بن گئے۔ گاہے بہ گاہے حضرت امیر معاویہ انہیں امیرِ لشکر بھی بنادیا کرتے اور کبھی ''شام'' کا گورنر اور اپنا جانشین بھی بنا جاتے، جنگِ صفین کے موقع پر ان ہی کو ''شام'' میں اپنا جانشیں مقرر کر کے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کرنے کے لیے روانہ ہوئے تھے۔(۱)

عمل تھوڑا مگر ثواب پورا

قاسم ابوعبدالرحمن کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ فضالہ بن عبید کی قیادت میں ہم لوگوں نے جنگ کی، تو اس وقت ایک عجیب وغریب واقعہ پیش آیا، ہم لوگ سفر کے دوران تھے کہ پیچھے سے ایک آواز آئی، اے امیر! کچھ ساتھی فوج سے پیچھے رہ گئے ہیں براہِ مہربانی اتنی دیر ٹھہر جائیں کہ وہ لوگ آپ سے

---

(۱) تہذیب التہذیب:۸/۴۴۰-۴۴۲، الثقات:۱۹۶(۱۱۵۷)   (۲) الغازی للواقدی:۱/۲۳۶

آملیں۔

یہ آواز سن کر آپ ایک سرسبز وشاداب علاقہ میں ٹھہر گئے، پاس ہی میں ایک قلعہ تھا۔ اس جگہ سرخ رنگ، بڑی مونچھوں والا ایک شخص نظر آیا اسے گرفتار کر کے آپ کے پاس لایا گیا اور یہ کہا گیا کہ یہ شخص بغیر کسی امن وامان کے دشمن کے قلعہ سے اتر کر ہم لوگوں کے پاس آگیا ہے، اس سے واقعہ کی صحیح معلومات کی جائے۔ نو وارد شخص یہ سن کر کہنے لگا میں نے گذشتہ رات خنزیر کا گوشت کھایا اور شراب پی، پھر سو گیا، میں نے خواب میں دیکھا کہ دو آدمیوں نے میرے پیٹ کو دھویا، پھر دو عورتیں آئیں اور بولیں، تم اسلام قبول کرلو، میں نے بغیر کسی تامل کے مسلمان ہونے کا اظہار کرتے ہوئے کہا: میں مسلمان ہوں۔ ابھی اس نو وارد شخص نے اپنی بات پوری نہیں کی تھی کہ اچانک ایک سخت پتھر آکر اسے لگا اور وہ اسی جگہ ڈھیر ہو گیا۔

یہ سن کر حضرت فضالہ نے فرمایا: اللہ اکبر، عمل تھوڑا کیا؛ مگر ثواب پورا پایا۔ ابھی مسلمان ہوا اور جامِ شہادت نوش کیا۔ پھر ہم لوگوں نے اس کی نمازِ جنازہ پڑھی اور اسے سپردِ خاک کیا۔ ☆(۱)

خشیتِ الٰہی

حضرت فضالہ فرماتے ہیں مجھے یہ علم ہو جائے کہ پوری زندگی میں اللہ تعالیٰ نے صرف ایک دانہ کے برابر ہی میرے عمل کو قبول کیا ہے، تو بھی میرے نزدیک یہ دنیا ومافیہا سے بہتر ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں "إنما یتقبل اللّٰہ من المتقین" اللہ تعالیٰ متقیوں کا عمل ہی قبول فرماتے ہیں۔ (۲)

قیمتی نصیحت

انسان کے لیے تین چیزیں مصیبت ہیں:

۱۔ امام، بادشاہ، حاکم اور امیر کے ساتھ تم حسنِ سلوک کا معاملہ کرو گے اور خوب ان پر احسان وغیرہ کرو گے تب بھی وہ تمہارا شکریہ ادا نہیں کریں گے اور اگر تم ان کے ساتھ برائی کا معاملہ کرو گے تو پھر تمہاری خیر نہیں، وہ تمہیں معاف نہیں کر سکتے۔

۲۔ پڑوسی اگر تمہارے اندر کوئی اچھائی وقابلِ تعریف چیز دیکھے گا تو اسے ایسا زیرِ زمین دفن کر دے گا کہ کسی کو ہوا بھی نہیں لگے گی اور اگر تمہارے اندر کوئی ادنی اور معمولی برائی بھی دیکھے گا تو اسے

منظرِ عام پر لے آئے گا اور سارے لوگوں کو گھوم گھوم کر بتائے گا۔

۳۔ بعض بیوی مصیبت ہے، تم گھر جاتے ہو، تو بیوی کی سخت زبانی، ترش روئی، شکوہ وشکایت، لگائی بجھائی اور اس کی نافرمانی وناشکری سے عاجز ہوکر گھر سے باہر چلے آتے ہو اور جب باہر آجاتے ہو تو پھر بھی تمہیں چین وسکون نہیں لینے دیتی کہ وہ خود تمہارے تئیں اپنی ذات میں اور تمہارے مالوں میں خیانت کرتی ہے۔ (۱)

ایک مرتبہ ابن محیریز نے حضرت فضالہ سے نصیحت کی درخواست کی، تو فرمایا: چند نصیحتیں یاد رکھو جن سے اللہ تعالیٰ تمہیں نفع پہنچائے گا۔

۱۔ تمہارے اندر ایسی چیزیں ہوں جن کی وجہ سے تمہاری شہرت وناموری ہوسکتی ہو؛ لیکن تم ایسا حیلہ کرسکتے ہو جس سے لوگ تمہیں نہ جانیں تو تم کو ایسا ہی کرنا چاہئے۔

۲۔ تمہارے اندر ایسی زبانی قوت اور طلاقتِ لسانی ہو جس کی وجہ سے لوگ تمہاری باتیں سنیں؛ لیکن تم بیان کرنے سے بچو تو یہی تمہارے لیے خیر وخوبی کی بات ہے۔

۳۔ تم لوگوں کے پاس بیٹھو اور لوگ تمہارے پاس نہ بیٹھیں۔ (۲)

شاگردانِ کرام: حضرت فضالہ کے شاگرد عام طور سے شامی اور مصری ہیں، یہی وجہ ہے کہ ان کا ذخیرۂ احادیث شامیوں اور مصریوں کے پاس ہے۔ (۳) ان کے شاگردوں میں محمد بن کعب قرظی، ابوعلی ثمامہ بن شفی، عبدالرحمن بن محیریز، عبداللہ بن عامر یحصبی وغیرہ ہیں۔ (۴)

وفات: حضرت فضالہ رضی اللہ عنہ کا انتقال بمقام دمشق ۵۳ھ میں ہوا۔ (۵)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کے جنازہ کی چارپائی اٹھاتے وقت اپنے بیٹے عبداللہ بن معاویہ سے کہا: اے بیٹے! جلدی آؤ، میرے بعد فوراً اس جنازہ کی چارپائی پکڑ لینا **"فانک لن تحمل مثلہ ابداً"** کیونکہ آج کے بعد کبھی بھی اس نیک سیرت جیسی لاش کا اٹھانا تمہیں میسر نہ ہوگا۔ (۶) پھر انہیں "دمشق" کے "باب الصغیر" میں لے جاکر سپردِ خاک کردیا گیا۔ (۷)

(۸۰) حضرت قُرّہ بن اِیاس مُزنی رضی اللہ عنہ

علامہ ابن ال اَعرابی اور امام ابونعیم اصبہانی نے حضرت قُرہ رضی اللہ عنہ کو اصحابِ صفہ میں سے شمار کیا ہے۔ (حلیۃ ال اَولیاء: ۲/ ۱۸-۱۹)

حضرت قُرہ رضی اللہ عنہ کی کنیت ابومعاویہ، والد کا نام اِیاس، قبیلۂ ''مزینہ'' سے تعلق رکھتے ہیں۔ حضرت قرہ خود اپنے اسلام لانے کا واقعہ بیان کرتے ہیں: ہم قبیلۂ مزینہ کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور ہمارا تہبند لٹک رہا تھا، اسی حال میں ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعتِ اسلام کی (۱) اور کافی عرصہ تک پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے، کھانے میں صرف دو کالی چیزیں ہوا کرتی تھیں، پھر خود ہی اپنے بیٹے معاویہ کو مخاطب کر کے فرمایا: دو کالی چیزیں کیا ہیں، جانتے ہو؟ وہ بولے! نہیں: تو فرمایا: پانی اور کھجور۔ (۲)

عام طور سے یہ کھانا اصحابِ صفہ کا ہوا کرتا تھا؛ کیونکہ یہ لوگ نادار، فقیر اور مسکین تھے جیسا کہ حضرت طلحہ بن عمرو بصری رضی اللہ عنہ کی سیرت میں اصحابِ صفہ کے کھانے کی سرگذشت گذری ہے۔

مؤرخِ کبیر امام ابن سعد نے انہیں غزوۂ خندق کے شرکاءِ صحابۂ کرام میں شمار کیا ہے۔ (۳)

قاضیٔ بصرہ

حضرت قرہ رضی اللہ عنہ بعد میں ''بصرہ'' میں سکونت پذیر ہوگئے اور ''بصرہ'' کے بڑے ذہین وفطین ماہر قاضی رہے۔ (۴)

شہادت

معاویہ بن قرہ کا بیان ہے کہ لوگ عبدالرحمن بن عبس کی سرکردگی میں ''حروریہ'' کے خوارج سے مقابلہ کرنے کے لیے روانہ ہوئے اور حروریہ کی تعداد پانچ سو تھی، گھمسان کی جنگ ہوئی، میرے

والد محترم حضرت قرہ رضی اللہ عنہ شہید کر دئے گئے، میں نے اپنے والد محترم کے قاتل کا تعاقب کیا اور اس پر ایسا زوردار حملہ کیا جس سے وہ بھی مقتول ہو گیا۔ اسی دن امیرِ لشکر عبدالرحمن بن عبس اور ان کے بھائی مسلم بن عبس بھی شہید ہوئے۔ (۱) یہ حادثہ ۶۴ھ میں پیش آیا۔ (۲)

حضرت قرہ رضی اللہ عنہ کو کبھی، ''اُغرّ'' کی جانب منسوب کر کے قرہ بن اغر مزنی بھی کہا جاتا ہے ان کے صاحبزادہ ابو معاویہ مشہور محدث ہیں اور صرف یہی اپنے والد محترم سے روایت نقل کرتے نظر آتے ہیں۔ (۳)

(۸۱) حضرت کعب بن عمرو ابوالیَسَر انصاری رضی اللہ عنہ

حافظ ابوعبداللہ نیساپوری اور علامہ ابونعیم اصبہانی نے حضرت کعب بن عمرو رضی اللہ عنہ کو اصحابِ صفہ میں شمار کیا ہے۔

(حلیۃ الأولیاء: ۲/ ۱۹)

حضرت کعب رضی اللہ عنہ اپنی کنیت ''اُبوالیَسَر'' سے مشہور ہیں۔ والد کا نام عمرو بن عباد، انصارِ مدینہ سے تعلق رکھنے کی وجہ سے انصاری کہے جاتے ہیں۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ بیعتِ عقبہ میں شریک رہے (۱) اور بیس سال کی عمر میں غزوۂ بدر میں شریک ہوکر بڑے بڑے کارنامے انجام دئے، (۲) انہوں نے غزوۂ بدر میں کافروں کے جھنڈے کو ابوعزیز بن عمیر کے ہاتھ سے چھین لیا تھا۔ (۳) واقدی کی روایت میں ہے کہ حضرت ابوالیسر نے ہی ابوعزیز کو گرفتار بھی کرلیا تھا (۴) اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو بھی اپنا قیدی بنالیا تھا۔ اس کی تفصیل خود ان کی زبانی ملاحظہ کیجئے!

غزوۂ بدر کے دن میں نے عباس بن عبدالمطلب کو دیکھا کہ خاموش بت کے مانند کھڑے ہیں اور آنکھوں سے آنسو جاری ہے، یہ دیکھ کر میں نے کہا: آپ کفارِ مکہ کے ساتھ میدانِ کارزار میں اپنے بھتیجے کے خلاف جنگ کرنے آئے ہیں؟

بولے، کیا ہوگیا؟ اسے کون قتل کررہا ہے؟

میں نے کہا: اللہ تعالیٰ ان کو عزت وسربلندی سے نوازے اور ان کی بھرپور مدد فرمائے۔

دریافت کرنے لگے میرے بارے میں تیرا کیا ارادہ ہے؟

میں نے کہا: میں آپ کو قتل نہیں کرسکتا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے قتل سے منع فرمایا ہے، البتہ آپ کو اپنا قیدی بناؤں گا، یہ کہہ کر میں نے انہیں قیدی بنالیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے کر آگیا۔ (۱)

حضرت عباس خوبصورت، لمبے ڈیل ڈول، بھاری بھرکم تھے اور حضرت کعب ابوالیسر پستہ قد اور بڑے پیٹ والے انسان تھے، نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھ کر ارشاد فرمایا: ''**لقد أعانک علیہ ملک کریم**'' مولائے کریم نے ان کو قید بنانے میں تمہاری مدد کی ہے۔ (۲)

غزوۂ احد میں مسلمان منتشر ہوگئے تھے اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صرف چودہ

صحابۂ کرام رہ گئے تھے۔ ان میں سے ایک حضرت ابوالیسر کعب رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ مسلمانوں کو غزوۂ احد میں سخت صدمہ پہنچا تھا؛ مگر اللہ تعالیٰ نے اس غم اور صدمے کو راحت اور اونگھ کے ذریعہ ختم کردیا۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے: "ثم انزل علیکم من بعد الغم أمنة نعاسا یغشی طائفة منکم" پھر اللہ تعالیٰ نے اس غم کے بعد تم پر اونگھ کی شکل میں راحت نازل کی تھی، تم میں سے ایک جماعت پر نیند کا غلبہ ہورہا تھا۔ (۳) حضرت ابوالیسر فرماتے ہیں ہم چودہ حضرات پر اس قدر نیند طاری ہورہی تھی کہ ہم میدانِ جنگ میں تلوار لیے ہیں اور تلواریں ہاتھوں سے گر رہی ہیں۔ بعض تو خراٹے لینے لگے تھے۔ (۴)

ان دو غزوے کے علاوہ اور بھی دیگر تمام غزوات میں شریک ہوکر اچھے کرتب دکھلائے، جنگِ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ شریک رہے۔

حضرت ابوالیسر کی سند سے بہت کم احادیث مروی ہیں علامہ شمس الدین ذہبی ان کے تذکرہ میں لکھتے ہیں: "لہ احادیث قلیلة" ان کی احادیث کی تعداد معدودِ چند ہے۔ (۵)

ان کا انتقال بمقامِ مدینہ منورہ ۵۵ھ میں ہوا (۶) اور ان کی اولاد مدینہ منورہ میں قیام پذیر رہی۔ (۷)

(۸۲) حضرت کعب بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ

جرح وتعدیل کے امام ابن ابی حاتم نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ کو اصحابِ صفہ میں شمار کیا ہے۔ (کتاب الجرح والتعدیل: ۳/۱۶۰)

کعب نام، کنیت ابوعبداللہ، والد کا نام مالک بن ابی کعب، انصارِ مدینہ کے قبیلۂ خزرج سے تعلق رکھتے ہیں۔ بیعتِ عقبہ میں حاضر رہے ہیں، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت کعب اور حضرت زبیر بن عوام کے درمیان مواخات کرائی ہے، غزوۂ بدر اور غزوۂ تبوک کے علاوہ تمام غزوات

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک رہے ہیں۔ (۱) غزوۂ احد میں شیطان نے یہ آواز لگادی تھی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم قتل کر دیئے گئے، یہ سنتے ہی مسلمان حواس باختہ ہوگئے، اور ان کے پاؤں اکھڑ گئے حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ کہنے لگے اب زندہ رہنے سے کیا فائدہ؟ یہ کہہ کر اپنی جان دے دی۔ اسی طرح کم وبیش ہر ایک صحابی کی حالت ہوگئی تھی، اس موقع سے سب سے پہلے حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے ہی خَود کے نیچے سے آنکھ دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانا اور مسلمانوں کو یہ آواز دی، اے مسلمانوں کی جماعتو! میں تمہیں خوش خبری سناتا ہوں، الحمدللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں کے مابین زندہ اور صحیح سالم ہیں حضرت کعب فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ سے مجھے چپ کرتے ہوئے ایک گھاٹی میں بلایا اور اپنی زرہِ مبارک اتار کر میری زرہ زیب تن کر لی اور میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زرہِ مبارک زیب تن کر کے جان توڑ قتل وقتال کیا، جس سے میرے جسم میں سترہ زخم آئے۔ (۲)

غزوۂ تبوک میں شرکت نہ کرنے پر بڑی بڑی مشکلات کا سامنا

عزوۂ تبوک سے پیچھے رہ جانے کا واقعہ خود ہی حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے، جس کو امام بخاری علیہ الرحمہ نے صحیح بخاری شریف میں نقل کیا ہے۔

حضرت کعب کے صاحبزادہ عبداللہ بن کعب نے اپنے والدِ محترم حضرت کعب سے دریافت کیا: ابو جان! آپ غزوۂ تبوک میں کیوں شریک نہ ہوسکے تھے؟ تو انہوں نے تفصیل کے ساتھ غزوۂ تبوک میں حاضر نہ ہونے کا واقعہ سناتے ہوئے فرمایا: غزوۂ تبوک اور غزوۂ بدر کے علاوہ کسی بھی غزوہ میں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیچھے نہیں رہا؛ لیکن غزوۂ بدر میں پیچھے رہ جانے والوں پر اللہ تعالی کی جانب سے کسی قسم کا عتاب نازل نہیں ہوا؛ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ بدر میں قافلۂ قریش کے ارادہ سے نکلے تھے، جنگ کا کوئی ارادہ نہیں تھا، اتفاقاً اللہ تعالی نے مسلمانوں اور ان کے دشمن کا فروں کے درمیان مڈبھیر کرادی اور لڑائی ہوگئی اور میں بیعتِ عقبہ میں انصار کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا تھا، اس وقت ہم نے اسلام پر قائم رہنے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت کرنے کا مضبوط عہد کیا تھا اور یہ بیعتِ عقبہ میں حاضر ہونا میرے نزدیک غزوۂ بدر میں حاضر ہونے سے بہتر اور محبوب ہے اگر چہ لوگوں میں بیعتِ عقبہ سے زیادہ غزوۂ بدر کی فضیلت کا چرچا ہے۔

میرا واقعہ یہ ہے کہ میں اپنی زندگی میں کبھی اتنا قوی اور مالدار نہیں ہوا تھا، جتنا اس موقع میں؛ لیکن میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ تبوک میں شریک نہیں ہو سکا تھا۔

خدا کی قسم! کبھی اس سے پہلے میرے پاس دو اونٹ نہیں ہوئے تھے، لیکن اس موقع پر میرے پاس دو اونٹ تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی غزوہ کا ارادہ فرماتے تو اس کے لیے ذو معنی الفاظ استعمال کیا کرتے تھے اور صاف نہیں بیان کرتے، تاکہ معاملہ راز میں رہے، لیکن جب اس غزوہ کا وقت آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحت کے ساتھ کھلے اور صاف لفظوں میں مسلمانوں کو بتا دیا کہ تبوک کی طرف چلنا ہے؛ (کیونکہ یہ غزوہ سخت گرمی میں پیش آیا ہے اور اس کے لیے دور دراز بے آب وگیاہ جنگل کا سفر کرنا پڑا ہے۔) صاف کھلے لفظوں میں بیان کرنے کی وجہ سے مسلمانوں نے اس کے مطابق پوری تیاری کر لی۔ اس وقت مسلمانوں کی اتنی کثیر تعداد تھی کہ کسی رجسٹر میں سب کے ناموں کا اندراج بھی مشکل تھا (مسلمانوں کی تعداد تیس ہزار سے زائد تھی) کوئی مسلمان اگر اس غزوہ میں غیر حاضر رہنا چاہتا اس خیال سے کہ میری غیر حاضری کا علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت تک نہیں ہو سکتا، جب تک کہ اللہ تعالیٰ اس کے سلسلہ میں وحی نازل نہ کر دے تو ایسا کر سکتا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غزوہ کا قصد اس وقت کیا جب درختوں کے پھل پک گئے تھے اور سخت گرمی کا موسم تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں نے بھی سامانِ سفر کی تیاری شروع کر دی، میں صبح سویرے یہ سوچ کر نکلتا کہ میں بھی توشۂ سفر تیار کروں، لیکن کچھ تیاری کیے بغیر واپس لوٹ آتا اور یہی خیال کرتا کہ مجھے سارے ذرائع میسر ہیں، جب چاہوں زادِ سفر تیار کر لوں۔ اسی طرح دن گذرتے چلے گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سارے مسلمان محنت ومشقت اٹھا کر پوری تیاری کر کے تبوک کے لیے صبح سویرے روانہ ہو گئے؛ لیکن میں نے اس وقت بھی تیاری نہیں کی اور اپنے جی میں کہا کہ

---

(۱) صحیح بخاری ج۲ ص ۶۳۴ ۔ (۴۴۱۸) یہ روایت صحیح بخاری شریف میں مفصلاً اور مختصراً دس جگہوں پر آئی ہے۔

(۲) تہذیب التہذیب ج۸ ص ۴۴۱ ۔

(۳) تہذیب التہذیب ج۸ ص ۴۴۰ ۔

(۴) الثقات ص ۱۹۶ ۔ (۱۱۵۷)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک دن یا دو دن جانے کے بعد تیاری کرلوں گا اور لشکر سے جاملوں گا۔ روزانہ کہتا رہا آج نکلتا ہوں، کل نکلتا ہوں۔ اس طرح آج کل کرتے کرتے یہ غزوہ فوت ہوگیا۔ بار ہا دل میں یہ داعیہ اور جذبہ پیدا ہوا کہ آج رختِ سفر باندھ کر ساتھیوں سے مل جاؤں۔ کاش میں نے ایسا کرلیا ہوتا؛ لیکن میرے مقدر میں نہیں تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لے جانے کے بعد مدینہ منورہ میں جب باہر نکلتا اور لوگوں میں گھومتا تو مجھے بڑا رنج ہوتا، کیونکہ وہی لوگ نظر آتے جن پر نفاق اور منافق ہونے کا عیب لگایا جاچکا ہے، یا پھر وہ لوگ جنہیں اللہ تعالیٰ نے معذور وضعیف قرار دیا ہے۔ اُدھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبوک پہونچنے تک مجھ کو یاد نہیں فرمایا، جب تبوک پہونچے تو ایک مجلس میں لوگوں سے دریافت فرمایا: کعب بن مالک کہاں ہے؟ بنوسلمہ کے ایک شخص عبداللہ بن اُنیس نے عرض کیا یارسول اللہ! اس کے کبروغرور نے اسے آنے نہیں دیا۔ اس پر معاذ بن جبل بولے! تو نے بری بات کہی۔ خدا کی قسم! یارسول اللہ، ہم تو اس کو اچھا آدمی اور سچا مسلمان سمجھتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر خاموش رہے۔

حضرت کعب بن مالک فرماتے ہیں! جب مجھے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لارہے ہیں تو میرا غم تازہ ہوگیا، مجھے یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ کیا بہانے بناؤں گا۔ جھوٹے جھوٹے خیالات دل میں آنے لگے کہ یہ عذر کروں اور وہ عذر کروں۔ مجھ کو یہ فکر ہوئی کہ کعب! اب کل تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غصہ اور ناراضگی سے کیسے بچے گا۔ اس سلسلہ میں اپنے گھر کے ہر عقل مند اور ذی رائے سے مشورہ لیا لیکن جب یہ خبر آئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے قریب تشریف لے آئے ہیں، تو جھوٹے خیالات میرے ذہن سے چھٹ گئے اور میں نے یہ سمجھ لیا کہ کسی جھوٹ کے ذریعہ میں آپ کی ناراضگی سے بالکل نہیں بچ سکتا؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے، وہ اصلِ حال سے پیغمبر علیہ السلام کو مطلع کردے گا۔ چنانچہ میں نے سچی بات کہنے کا پختہ ارادہ کرلیا۔ صبح کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے اور آپ کی عادت شریفہ تھی۔ جب سفر سے واپس تشریف لاتے تو پہلے مسجد میں جاتے اور دو رکعت نماز پڑھتے۔ پھر لوگوں کے سامنے مجلس میں جلوہ افروز ہوتے۔ حسبِ عادت مسجد

---

(۱) الاستیعاب ج۴ ص۱۷۱

(۲) المغازی للواقدی ج۱ ص۹

میں تشریف فرما ہو گئے، تو آپ کے سامنے وہ سب آتے گئے جو غزوہ میں شریک نہیں ہو سکے تھے اور آپ کے سامنے قسمیں کھا کھا کر اپنا اپنا عذر بیان کرنے لگے، ایسے لوگ ۸۰/اسی سے زائد تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی ظاہری حالتوں کو قبول فرمایا، ان سے بیعت لی، ان کے لیے دعا مغفرت فرمائی اور ان کے باطن کو اللہ تعالی کے سپرد کیا۔

حضرت کعب فرماتے ہیں: میں بھی آیا میں نے جب سلام کیا تو آپ مسکرائے ؛مگر جیسے غصہ میں کوئی آدمی مسکراتا ہے۔ پھر فرمایا: آؤ، آپ کے سامنے بیٹھ گیا۔ پھر دریافت فرمایا کہ تم جنگ میں کیوں شریک نہیں ہوئے؟ کیا تم نے سواری نہیں خریدی تھی؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں! میں نے خریدی تھی، خدا کی قسم اگر میں آپ کے سوا کسی دنیادار شخص کے سامنے بیٹھا ہوتا تو کوئی عذر گھڑ کر باتیں بنا کر اس کی ناراضگی سے بچ جاتا، مجھے قوتِ گویائی بھی حاصل ہے اور میں خوش بیان بھی ہوں، لیکن خدا کی قسم! مجھے یقین ہے کہ اگر آج میں جھوٹ بول کر آپ کو راضی کر لوں، تو بہت جلد اللہ تعالیٰ اصل حقیقت کھول کر آپ کو مجھ سے ناراض کر دے گا۔ پھر اس سے فائدہ ہی کیا ہے؟ اور اگر میں آپ سے سچی بات بیان کر دوں تو آپ اس سلسلہ میں مجھ پر ناراض ہوں گے لیکن اللہ تعالی سے عفور درگذر کی امید رکھتا ہوں، خدا کی قسم! میں سراپا قصوروار ہوں۔ مجھے کسی قسم کا عذر نہیں ہے۔ خدا کی قسم! اس وقت سے پہلے کبھی میں زور، طاقت قوت اور صاحبِ مال نہیں ہوا جس وقت پیچھے رہ گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس نے سچی بات بتا دی ہے۔ اچھا اب تم جاؤ تا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے بارے میں کوئی حکم اتار دے اور خود

☆ جنگِ رجیع: ۴ھ ماہِ صفر میں عضل وقارہ کے کچھ لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہمارے قبیلہ کے کچھ لوگ مسلمان ہو گئے ہیں لہٰذا ایسے چند حضرات کو ہمارے ساتھ بھیج دیں جو ہمیں دین کی باتیں بتائیں اور قرآن کریم کی تعلیم دیں۔ ابن اسحاق کی روایت میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ دس آدمیوں کو بھیجا اور مرثد ابن ابی مرثد کو امیر مقرر کیا۔ اور یہی موسیٰ بن عقبہ اور محمد ابن حبان کا قول ہے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۶۳۔ الثقات ص ۵۰) لیکن صحیح بخاری (ج ۲ ص ۵۸۵) میں ہے کہ دس آدمیوں کو بھیجا اور عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر کیا۔ جب مقامِ "رجیع" پر پہونچے تو ان غداروں نے قبیلۂ ہذیل کے دوسو تیراندازوں کو ساتھ لے کر ان پر حملہ کر دیا، جس میں حضرت مرثد مع اپنے سات رفقاء کے شہید ہو گئے۔ (تفصیل کے لیے حضرت سعید بن عامر جمحی رضی اللہ عنہ کی سیرت کے حاشیہ میں دیکھیے۔)

(۱) الاستیعاب ج ۴ ص ۱۷۱۔

(۲) الاصابۃ ج ۴ ص ۱۷۷۔

(۳) الثقات ص ۱۹۶ الاستیعاب ج ۴ ص ۱۷۱۔

(۴) استیعاب ج ۴ ص ۱۷۱۔

تمہارے بارے میں فیصلہ کردے۔ چنانچہ میں اٹھ گیا اور نبو سلمہ کے کچھ لوگ میرے پیچھے دوڑے ہوئے آئے اور مجھ سے کہنے لگے۔ خدا کی قسم! ہمیں تمہارے متعلق معلوم نہیں کہ اس سے پہلے تم نے کوئی گناہ کیا ہے۔ تم نے اور لوگوں کی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی بہانہ کیوں نہ کردیا۔ اگر تم بھی بہانے کرتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء تمہارے لیے کافی ہوجاتی۔ خدا کی قسم! وہ لوگ مجھے جھڑکتے اور ملامت کرتے رہے، میں بھی اس سے متاثر ہوگیا اور میرے دل میں یہ خیال آیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لوٹ کر جاؤں اور گناہ وقصور کے اعتراف کو جھٹلا کر کوئی بہانہ نکالوں اور جھوٹا عذر کر آؤں۔ پھر میں نے ان لوگوں سے پوچھا کہ کیا اور بھی کوئی ہے، جس نے میری طرح قصور کا اقرار کیا ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں دو شخص اور ہیں جنہوں نے تیری طرح قصور کا اقرار کیا ہے اور ان دونوں سے وہی کہا گیا ہے جو تم سے کہا گیا ہے۔ میں نے پوچھا وہ دونوں کون ہیں؟ انہوں نے کہا: مُرارۃ بن ربیع اور ہلال بن امیہ واقفی رضی اللہ عنہما ہیں۔ انہوں نے دو ایسے نیک شخصوں کا نام بیان کیا جو غزوہ بدر میں شریک ہوچکے تھے میں نے کہا: یقیناً ان دونوں کا طرزِ عمل میرے لیے نمونہ ہے۔ پھر میں گھر چلا آیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام مسلمانوں کو ہم تینوں سے بات چیت کرنے کی ممانعت فرمادی اور دوسرے جو لوگ پیچھے رہ گئے تھے اور جھوٹے بہانے بنا کر اپنے کو بچالیا تھا ان کے لیے یہ حکم نہیں تھا۔

سارے لوگ ہم سے الگ تھلگ رہنے لگے اور پورے طور پر کنارہ کشی اختیار کرلی اور ایسے ہوگئے کہ میرے حق میں زمین ہی بدل گئی، جیسے میرا ان سے کوئی واسطہ ہی نہیں ہے۔ خیر پچاس راتیں اسی کرب وبے چینی میں گزریں، میرے دونوں ساتھی مرارۃ اور ہلال گھروں میں بیٹھ کر روتے رہتے، لیکن میں مضبوط جوان اور باہمت مرد تھا، میں باہر نکلتا اور مسلمانوں کے ساتھ نماز میں شریک ہوتا اور بازاروں میں گھوما کرتا تھا؛ لیکن مجھ سے بولتا کوئی نہ تھا اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھی حاضر ہوتا اور جب آپ نماز کے بعد مجلس میں بیٹھتے تو میں آپ کو سلام کرتا اور دل میں سوچتا کہ میرے سلام کے جواب میں لبِ مبارک ہلے ہیں، یا نہیں؟ پھر میں آپ کے قریب ہی نماز پڑھنے لگ جاتا اور کنکھیوں سے آپ کو دیکھتا رہتا۔ جب میں اپنی نماز میں مشغول ہوجاتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ

---

(۱) الثقات ص ۲۰۰۔ ۲۰۱، الاصابۃ ج ۳ ص ۳۸۸

(۲) الاصابۃ ج ۳ ص ۳۸۸

(۳) صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۷۴

(۴) سورۃ النور آیت ۲۲

وسلم میری طرف دیکھتے، لیکن جوں ہی میں آپ کی طرف دیکھتا تو آپ چہرۂ انور پھیر لیتے۔ آخر جب لوگوں کی یہ بے رخی طویل ہوگئی تو میں ایک روز چلا اور اپنے چچازاد بھائی ابوقتادۃ کے باغ کی دیوار پر چڑھ گیا ان سے مجھ کو بہت محبت تھی، میں نے ان کو سلام کیا، تو خدا کی قسم انہوں نے سلام کا جواب تک نہ دیا۔ جواب کیسے دیتے، فرمانِ نبوی صادر ہو چکا تھا کہ کوئی ان سے سلام کلام نہ کرے۔ میں نے کہا: ابوقتادۃ! میں تمہیں خدا تعالیٰ کا واسطہ دیتا ہوں، کیا تم نہیں جانتے کہ میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوں۔ انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا، میں نے دوبارہ ان سے یہی کہا، پھر بھی وہ خاموش رہے، میں نے تیسری مرتبہ اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر ان سے کہا تو انہوں نے صرف یہی کہا کہ اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے، اس پر میری آنکھوں سے زار و قطار آنسو بہہ پڑے اور میں وہاں سے اتر کر باہر چلا آیا۔

میں ایک روز مدینہ منورہ کے بازار میں جا رہا تھا اتنے میں ملکِ شام کا ایک نصرانی کاشت کار جو غلہ فروخت کرنے مدینہ منورہ آیا تھا وہ دریافت کر رہا تھا کہ کعب بن مالک کہاں ہے؟ لوگ اس کو اشارہ سے بتانے لگے، آخر وہ میرے پاس آیا اور بادشاہِ غسان کا ایک خط مجھ کو دیا جس کا مضمون یہ تھا! مجھ کو یہ خبر ملی ہے کہ تمہارے صاحب۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ نے تم پر ستم کیا ہے؛ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ذلیل نہیں بنایا ہے اور نہ ہی تم بیکار آدمی ہو۔ تم ہم لوگوں سے آملو، ہم تمہارے ساتھ ہمدردی کا معاملہ کریں گے اور تمہاری خاطر مدارات خوب کریں گے۔

میں نے جب یہ خط پڑھا تو کہا یہ ایک اور بلا ہے۔ میں نے اس خط کو تنور میں جلا دیا۔ ابھی پچاس راتوں میں سے چالیس راتیں گزری تھیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک قاصد (خزیمۃ بن ثابت رضی اللہ عنہ) میرے پاس آیا اور کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں حکم دیا ہے کہ اپنی بیوی سے علحدہ ہو جاؤ۔ میں نے پوچھا کہ اسے طلاق دے دوں، یا پھر کیا کروں؟ قاصد نے جواب دیا: طلاق مت دو، البتہ علحدہ اور الگ تھلگ رہو اور ان کے قریب نہ جاؤ۔ میرے دونوں ساتھیوں کے پاس

---

(۱) صحیح بخاری: ۲/ ۶۹۸ نمبر ۴۷۵۰۔

(۲) طبقات ابن سعد: ۳/ ۴۵۔ سیر اعلام النبلاء: ۱/ ۱۸۷۔۱۸۹

(۳) الاستیعاب: ۳/ ۴۷۱۔

بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی حکم بھیجا۔ میں نے اپنی بیوی سے کہا اب تم اپنے میکہ چلی جاؤ اور اس وقت تک وہیں رہو، جب تک اللہ تعالیٰ اس معاملہ میں کوئی فیصلہ نہ کردے۔ حضرت کعب نے بیان کیا کہ ہلال بن امیہ کی بیوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہنے لگیں، یارسول اللہ میرے شوہر ہلال بن امیہ بوڑھے ناتواں ہیں اور ان کے پاس کوئی خادم بھی نہیں ہے۔ اگر میں ان کی خدمت کردیا کروں تو کیا آپ ناپسند فرمائیں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں، لیکن وہ تم سے صحبت نہ کرے۔

انہوں نے عرض کیا اللہ کی قسم! وہ تو کسی چیز کے لیے حرکت بھی نہیں کرتے، نہ چلتے، پھرتے ہیں۔ خدا کی قسم! جب سے یہ عتاب کا معاملہ ہوا ہے وہ آج تک ہمیشہ روتے رہے ہیں۔ حضرت کعب فرماتے ہیں! میرے گھر کے بعض افراد نے مجھ سے کہا کہ جس طرح ہلال بن امیہ کی بیوی کو ان کی خدمت کرنے کی اجازت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دے دی ہے۔ اگر آپ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح اجازت اپنی بیوی کے متعلق لے لیجیے تو بہتر ہوگا۔ میں نے کہا: خدا کی قسم! میں اس معاملہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت نہیں لوں گا، معلوم نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا فرمائیں گے جب میں آپ سے اجازت طلب کروں گا؟ جب کہ میں جوان آدمی ہوں، کسی قسم کی خدمت کا محتاج نہیں اور ہلال تو بوڑھے ضعیف ہیں، ان پر قیاس کر کے کیسے اجازت طلب کروں، پھر اس کے بعد دس راتیں اور گزاریں، جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے بات چیت کی ممانعت فرمائی تھی، اس کے پچاس دن پورے ہوگئے تو ٹھیک پچاسویں رات کی صبح کو جب میں فجر کی نماز پڑھ چکا اور میں اپنے مکان کی چھت پر اسی حال میں بیٹھا ہوا تھا جو اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے ”**قد ضاقت علی نفسی** “ یعنی میرا دل مجھ پر تنگ ہوگیا تھا۔ اور زمین اپنی تمام تر وسعتوں کے باوجود میرے لیے تنگ ہوتی جارہی تھی کہ میں نے ایک پکارنے والے کی آواز سنی کہ کوئی شخص پہاڑ ”سلع“ پر چڑھ کر بلند آواز سے کہہ رہا ہے: اے کعب بن مالک! تمہیں بشارت ہو! حضرت کعب فرماتے ہیں یہ سنتے ہی سجدہ میں گر پڑا اور میں سمجھ گیا کہ یقیناً کشادگی آگئی اور میری مشکل دور ہوگئی، واقعتاً ایسا ہی ہوا

---

(۱) الاصابۃ ج۳ ص۳۹۰

(۲) الاستیعاب ۳/ ۴۲۸۔ الاصابۃ ج۳ ص۳۹۰

(۳) الثقات ص: ۲۰۲

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ فجر پڑھنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہماری توبہ کی قبولیت کا اعلانِ عام کر دیا۔ اب لوگ ہمیں خوشخبری دینے کے لیے آنے لگے۔ ایک شخص (حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ) گھوڑا دوڑاتا ہوا میرے پاس آیا اور قبیلہ اسلم کا ایک شخص (حمزۃ بن عمرو اسلمی) دوڑتا ہوا پہاڑ پر چڑھ گیا اور آواز دی، پہاڑ پر والی آواز گھوڑے سے جلد پہنچی، پھر جب وہ شخص جس کی آواز میں نے سنی تھی، میرے پاس خوشخبری دینے آیا تو میں نے اپنے دونوں کپڑے اتار کر اس بشارت کی خوشی میں اس کو دے دیئے اور خدا کی قسم! اس وقت کپڑوں کی قسم سے میرے پاس یہی دو کپڑے تھے اور میں نے ابوقتادہ سے دو کپڑے مانگ کر زیب تن کیے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ عالی میں حاضر ہونے کے لیے چلا تو راستے میں جوق در جوق لوگ مجھ سے ملاقات کرتے جاتے اور توبہ کی قبولیت پر مبارک بادی دیتے اور کہتے! اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ عالی میں توبہ کی قبولیت مبارک ہو۔ حضرت کعب فرماتے ہیں: میں مسجد میں داخل ہوا، دیکھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں۔ آپ کے چاروں طرف لوگ پروانہ وار جمع ہیں، حضرت طلحۃ بن عبید اللہ دوڑ کر میری طرف بڑھے اور مجھ سے مصافحہ کیا اور مبارک باد دی۔ اللہ کی قسم! مہاجرین میں سے کوئی بھی ان کے سوا میرے آنے پر کھڑا نہیں ہوا اور میں طلحۃ کا یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گا۔

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب سلام کیا تو آپ نے فرمایا: (اس وقت چہرہ مبارک خوشی سے چمک رہا تھا) اے کعب اِس مبارک دن کی تمہیں بشارت وخوشخبری ہو جو ان سب دنوں میں بہتر ہے، جب سے تیری ماں نے تجھ کو جنا۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ توبہ کی قبولیت کی بشارت آپ کی طرف سے ہے یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے؟ فرمایا: نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

حضرت کعب فرماتے ہیں! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی بات پر خوش ہوتے تو آپ کا چہرہ چاند کی طرح روشن ہو جاتا، ہم لوگ آپ کی خوشی ومسرت چہرہ انور سے بھانپ لیتے تھے۔

الغرض جب میں آپ کے سامنے بیٹھ گیا تو عرض کیا، یا رسول اللہ! اپنی قبولیتِ توبہ کے شکر میں اپنا مال اللہ اور اس کے رسول کے لیے صدقہ نہ کر دوں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! بہتر ہے کہ کچھ مال اپنے لیے بھی رکھو۔ میں نے عرض کیا: میں خیبر کا اپنا حصہ رکھ لیتا ہوں، پھر میں نے عرض

---

(۱) الاستیعاب ۳/۴۴۸۔ الثقات ص ۱۹۸۔ الاصابۃ ۳/۲۰۱۔ (۲) الاصابۃ ۳/۲۰۱۔

کیا: یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے مجھے سچ بولنے کی وجہ سے نجات دی ہے۔ اب میری توبہ یہ ہے کہ جیتے جی میں سچ ہی بولوں گا، کبھی بھی جھوٹ نہیں بولوں گا۔ خدا کی قسم میں نہیں سمجھتا کہ اللہ تعالیٰ نے سچ بولنے کی وجہ سے کسی مسلمان پر اتنا فضل کیا ہو جتنا مجھ پر فضل کیا ہے۔ جب سے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سچ سچ عرض کر دیا، اس وقت سے آج تک کبھی جھوٹ کا ارادہ تک نہیں کیا اور مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ باقی زندگی میں بھی مجھے محفوظ رکھے گا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سورہ توبہ کی یہ تین آیتیں نازل کیں۔ **لقد تاب اللہ علی النبی و المھاجرین۔ الی قولہ۔ و کو نو امع الصادقین** (سورۃ توبہ آیت ۱۱۷۔۱۱۹) اللہ کی قسم! اسلام کی ہدایت کے بعد اللہ تعالیٰ کا کوئی احسان اس سے بڑھ کر مجھ پر نہیں ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مجھ کو سچ بولنے کی توفیق دی اور جھوٹ سے بچایا۔ اگر میں جھوٹ بولتا تو دوسرے لوگوں (منافقوں) کی طرح تباہ ہو جاتا، جیسے وہ تباہ ہوئے، اللہ تعالیٰ نے ان جھوٹ بولنے والوں پر اتنی سخت وعید فرمائی ہے جتنی سخت وعید کسی دوسرے کے لیے نہیں فرمائی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ **سیحلفون باللہ لکم اذا انقلبتم الیھم الخ** جب تم لوٹ کر ان کے پاس جاؤ گے تو یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی جھوٹی قسمیں کھائیں گے تاکہ تم ان کو ان کی حالت پر چھوڑ دو چنانچہ تم ان کو ان کی حالت پر چھوڑ دینا، وہ لوگ بالکل گندے ہیں اور ان کا ٹھکانہ جہنم ہے، وہ اس لیے قسمیں کھاتے ہیں تاکہ تم ان سے راضی ہو جاؤ۔ اگر تم ان سے راضی بھی ہو جاؤ تو اللہ تعالیٰ ایسی فاسق قوموں سے راضی نہیں ہوگا۔ (سورۃ توبۃ آیت ۹۵۔۹۶) حضرت کعب کا بیان ہے کہ ہم تینوں آدمیوں کا حکم ملتوی رکھا گیا اور ان لوگوں کے مقدمہ کا (جنہوں نے جھوٹی قسمیں کھائیں تھیں)، فیصلہ ہو گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے بیعت لے لی، ان کے واسطے دعاءِ مغفرت کی اور ہمارے معاملہ کو مؤخر کر دیا اس وقت تک کہ اللہ تعالیٰ نے خود ہی اس کا فیصلہ فرما دیا۔ اور اس آیت **و علی الثلاثۃ الذین خلفوا** (اور ان تین شخصوں کے حال پر بھی توجہ فرمائی جن کا معاملہ ملتوی چھوڑ دیا گیا تھا) (سورۂ توبہ آیت ۱۱۸) میں یہی مراد ہے اور اسی کی طرف اشارہ کیا ہے اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہمارے غزوہ میں شریک نہ ہو سکنے کا تذکرہ نہیں کیا ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ یہ ان لوگوں کے پیچھے رہے، جنہوں نے قسمیں کھا کر عذر بیان کیے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے عذر قبول

---

(۱) حلیۃ الاولیاء ج ص ۱۰۷۔ الاصابۃ ج ۳ ص ۳۰۲۔ (۲) صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۵۸ رقم ۳۹۲۵۔

(۳) الاستیعاب ج ۳ ص ۴۴۸۔

کر لیے(۱)

پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے شعراءِ کرام

امام محمد بن سیرین فرماتے ہیں کہ تین انصاری صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدافعت میں اشعار پڑھا کرتے تھے۔ وہ حضرت حسان بن ثابت، حضرت عبداللہ بن رواحہ اور حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہم ہیں (۲)

شاگردانِ کرام

حضرت کعب رضی اللہ عنہ کے شاگردوں میں خود ان کے پانچ صاحبزادے: عبداللہ، عبید اللہ، محمد، معبد اور عبدالرحمان ہیں اور ان کے پوتے عبدالرحمان بن عبداللہ بن کعب بھی ہیں اور صحابۂ کرام میں حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت جابر اور حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہم جیسے جلیل القدر صحابی ہیں اور تابعین میں ابوجعفر باقر، عمر بن حکم وغیرہ ہیں (۳)

وفات

حضرت کعب رضی اللہ عنہ کی تاریخِ وفات میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں ۵۱ھ یا ۵۰ھ یا ۴۰ھ سے پہلے وفات ہوئی ہے (۳) جب کہ علامہ ابن حبان کہتے ہیں: حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے دن ۶۷ سال کی عمر میں یہ اس دنیا سے رحلت فرما گئے ہیں۔ (۴)

(۸۳) حضرت کنّاز بن حُصین ابومَرثَد غَنَوی رضی اللہ عنہ

امام المورخین علامہ واقدی، حافظ ابوعبداللہ، علامہ ابوعبدالرحمان سلمی اور امام ابونعیم اصبہانی نے حضرت کنّاز رضی اللہ عنہ کو اصحابِ صفہ

میں سے شمار کیا ہے۔ (حلیۃ الاولیا، ج ۲ ص ۱۹۔ ۲۰)

حضرت کناز رضی اللہ عنہ اپنی کنیت ابومرثد غنوی سے مشہور ہیں، والد کا نام حصین بن یربوع اور سید الشہداء حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے حلیف و معاہد ہیں۔

ان کے صاحبزادے مرثد بن کناز غنوی رضی اللہ عنہ نے بھی اسلام قبول کرلیا تھا۔

حضرت کناز ابومرثد رضی اللہ عنہ ہجرت کرکے مدینہ منورہ آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اور حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے درمیان مؤاخات کرائی۔ (۱)

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں سات ماہ قیام کے بعد ماہِ رمضان المبارک میں سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں تیس افراد پر مشتمل صحابہ کرام کی ایک فوج تیار کی جس میں آدھے مہاجرین اور آدھے انصار صحابۂ کرام تھے۔ مہاجرین کی طرف سے حضرت ابومرثد کناز اور ان کے صاحبزادہ محترم حضرت مرثد رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ یہ اسلام کی پہلی فوج تھی جو ابوجہل کی قیادت میں خاندانِ قریش کے تین سو افراد پر مشتمل شام سے واپس ہونے والے تجارتی قافلہ پر حملہ آور ہونے گئی تھی مگر بغیر کسی جنگ کے مدینہ منورہ واپس آگئی (۲) پھر اسلام کا عظیم معرکہ غزوہ بدر پیش آیا اس میں باپ بیٹے دونوں شریک رہے اور دونوں نے بڑے کرتب دکھلائے۔ حضرت مرثد رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مقدسہ میں جنگِ رجیع ☆ میں شہید ہوگئے اور حضرت کناز رضی اللہ عنہ تمام غزوات میں شریک رہے (۱) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مقدسہ کے بعد شام میں سکونت پذیر ہوگئے (۲) اور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت ۱۲ھ میں ۶۶ سال کی عمر میں داصل بحق ہوئے۔ (۳)

ان کے خاندان کی خصوصیت یہ ہے کہ خود حضرت کناز، بیٹے حضرت مرثد اور پوتے حضرت انیس بن مرثد بن کناز رضی اللہ عنہم یہ تینوں شرفِ صحابیت سے بہرہ ور ہیں۔ (۴)

---

(۱) الثقات لابن حبان ص: ۲۲

(۲) الثقات ص ۱۹۸

(۳) الاستیعاب ۳/۴۴۹

(۴) جامع ترمذی شریف ج ۲ ص ۴۷

(۸۴) حضرت مِسطَح بن اُثاثہ رضی اللہ عنہ

حافظ ابوعبداللہ اور امام ابونعیم اصبہانی نے حضرت مسطح رضی اللہ عنہ کو اصحابِ صفہ میں سے شمار کیا ہے۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۲۱)

حضرت مِسطح رضی اللہ عنہ کا اسمِ گرامی عوف، مِسطح لقب، کنیت ابوعبّاد، والد کا نام اُثاثہ بن عباد بن المطلب ہے (۱) ان کی والدہ محترمہ ام مسطح بنت ابی رہم بن مطلب بن عبد مناف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خالہ کی لڑکی ہیں ان کا سارا گھرانہ ابتداءِ اسلام میں ہی مشرف بہ اسلام ہوگیا تھا۔ (۲) سیدنا ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر طوفان اٹھانے والوں اور ان پر تہمت لگانے والوں میں بعض مسلمان بھی نادانی میں شریک ہوگئے تھے۔ ان میں سے ایک حضرت مسطح رضی اللہ عنہ بھی تھے، جو ایک مفلس نادار مہاجر ہونے کے علاوہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بھانجے ہوتے ہیں۔ ''قِصہَ اِفک'' (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے کا قصہ) سے پہلے حضرت صدیق اکبر

---

(۱) صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۵۵۔ نمبر ۶۴۴۸ (۲) صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۷۰ نمبر ۱۲۷۵

(۳) اُسد الغابہ ج ۵ ص ۱۸۲ (۴) المغازی للواقدی ج ۱ ص ۵۸۔ الِاستیعاب ۳/۴۵۰

رضی اللہ عنہ ان کی امداد اور خبر گیری کیا کرتے تھے۔ جب یہ قصۂ طوفان ختم ہوا اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی براءت آسمان سے نازل ہوچکی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قسم کھائی کہ آئندہ مسطح کی امداد نہیں کروں گا تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی!

"ولایاتل اولو الفضل منکم والسعة ان یوتوا اولی القربی والمساکین والمهاجرین فی سبیل اللّٰہ ولیعفوا ولیصفحوا۔ الا تحبون ان یغفر اللّٰہ لکم و اللّٰہ غفور رحیم"(۴) اور جو لوگ تم میں دینی بزرگی اور دنیوی وسعت والے ہیں وہ رشتہ داروں، مسکینوں اور اللہ تعالی کے راستہ میں ہجرت کرنے والوں کو دینے سے قسم نہ کھا بیٹھیں اور چاہیے کہ وہ معاف کردیں اور درگذر کریں۔ کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ اللہ تعالی تمہاری خطاؤں کو معاف کردے۔ بے شک اللہ تعالی بخشنے والے اور رحم کرنے والے ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خاص طور سے **"الا تحبون أن یغفر اللّٰہ لکم"** (کیا تم یہ نہیں چاہتے ہو کہ اللہ تعالی تمہارے قصور معاف کردیں) سننے کے ساتھ فوراً بول اٹھے **"بلی، واللّٰہ انی أحب ان یغفر اللّٰہ لی"** کیوں نہیں، اللہ کی قسم! بے شک میں یہی چاہتا ہوں کہ اللہ تعالی میری مغفرت فرمادے اور میری خطاؤں کو معاف کردے یہ کہہ کر حضرت مسطح کی جو امداد کرتے تھے، بدستور جاری فرمادی اور کہا: اللہ تعالی کی قسم میں کبھی بھی ان کی امداد سے ہاتھ نہیں کھینچوں گا۔(۱)

حضرت مسطح رضی اللہ عنہ پستہ قد تھے، آنکھیں دھنسی ہوئیں اور انگلیاں موٹی اور کھردری تھیں۔(۲) ان کا انتقال ۳۴ھ میں ۵۶ سال کی عمر میں ہوا۔(۳)

---

(۱) کتاب المغازی للواقدی ج ۱ ص ۲۳۹۔

(۲) المغازی ۱/ ۲۳۴۔

(۳) الاستیعاب ج ۳ ص ۴۵۱۔

(۴) المغازی ج ۱ ص ۱۴۰۔

(۸۵) حضرت مسعود بن ربیع القاری رضی اللہ عنہ

حافظ ابوعبداللہ اور علامہ ابونعیم اصبہانی نے حضرت مسعود بن ربیع رضی اللہ عنہ کو اصحابِ صفہ میں شمار کیا ہے (حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۲۱)

حضرت مسعود رضی اللہ عنہ کے والد کے نام میں اختلاف ہے کہ ربیع ، یا ربیعۃ ہے۔ ''قاری'' کے سلسلہ میں ابن الکلبی کہتے ہیں: قاری یہ ایک قبیلہ کی جانب منسوب ہے، آلِ مسعود کو ''بنوالقاری،، کہا جاتا ہے، یہ مدینہ منورہ میں بنوزہرہ کے حلیف تھے۔

یا ان کے سلسلۂ نسب میں ''قارہ بن خزیمۃ'' آتے ہیں، ممکن ہے کہ ان کی جانب منسوب کرکے قاری کہا جاتا ہے۔(۱) حضرت مسعود رضی اللہ عنہ قدیم الاسلام ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دارِ رقم میں تشریف لے جانے سے پہلے ہی مسلمان ہوئے۔ مدینہ منورہ ہجرت کرکے تشریف لائے تو

---

(۱) تہذیب ج۱۰ص۱۸۸۔

(۲) الاستیعاب ج۳ص۳۴۶۔

(۳) الاصابۃ ج۳ص۴۰۷۔

(۴) تہذیب التہذیب ج۱۰ص۱۸۸۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اور عبید بن تیہان کے درمیان مواخات کرائی۔ غزوۂ بدر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک رہے (۲) اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت ۳۰ھ میں وفات پائی۔ (۳)

(۸۶) حضرت مُصعَب بن عمیر العبدری رضی اللہ عنہ

امام المغازی محمد ابن اسحاق حافظ ابونعیم اصبھانی نے حضرت مصعب بن عمیر کو اصحابِ صفہ میں شمار کیا ہے۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۲۰)

☆ جنگِ جسر جنگِ یرموک کے چالیس دن کے بعد ماہِ شعبان ۱۳ھ میں پیش آیا ہے (البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۲۸) ایرانی سپہ سالار رستم نے مذہبی پیشوا بہمن جاذویہ کی کمانڈری میں ایک بڑی فوج دے کر اسلامی لشکر سے مقابلہ کے لیے بھیجا۔ اسلامی سپہ سالار ابوعبید بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ دس ہزار کا اسلامی فوج لے کر مقامِ ”مروحہ“ میں پہونچے، جو دریائے فرات کے کنارے تھا۔ اسلامی فوج کے آگے ایرانی فوج اور پیچھے دریائے فرات تھا۔ ایرانی لشکر اپنے ساتھ ہاتھیوں کو لائے تھے، یہ عربوں کے لیے نہایت عجوبہ کی چیز تھی، حضرت ابو عبید اور ان کے ساتھیوں نے ہاتھیوں کی سونڈیں کاٹنی شروع کیں، ایک بھاری بھرکم سفید ہاتھی نے ان کو کچل کر شہید کر دیا۔ اسی طرح یکے بعد دیگرے سات اسلامی علم بردار جامِ شہادت نوش کرتے چلے گئے، بالآخر حضرت مثنّٰی بن حارثہ نے جھنڈا ہاتھ میں لیا، مگر مسلمان اپنے اسلامی علم برداروں اور دیگر رفقاء کی کثیر تعداد میں شہادت دیکھ کر میدانِ کارزار میں جم نہ سکے، دریا کی طرف بھاگے، حضرت عبداللہ ابن مرثد خثعمی رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر پل توڑ دیا، تا کہ کوئی بھاگنے کا ارداہ نہ کرے۔ جس کی بنا پر دریا میں ڈوب کر اور میدانِ کارزار میں مقتول ہو کر شہید ہونے والے مسلمانوں کی تعداد چار ہزار اور ایک روایت کے مطابق چھ ہزار تک پہونچ گئی۔ (ماخوذ از الکامل فی التاریخ ج ۲ ص ۳۰۱۔ ۳۰۲۔ البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۲۷۔ ۲۸)

(۱) تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۱۸۸

(۲) الاصابہ ۳ ص ۴۰۷

حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کی کنیت ابو محمد یا ابو عبداللہ، والد کا نام عمیر بن ہاشم بن عبد مناف قرشی عبدری، والدہ کا نام خناس بنت مالک تھا۔ (۱)

اسلام

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ دارِ ارقم میں گھر والوں سے چھپ کر مسلمان ہو گئے اور چپکے چپکے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے لگے، ایک دن عثمان بن طلحہ کو ان کے مسلمان ہونے کا علم ہو گیا تو اس نے ان کے گھر والوں کو خبر کر دی، انہوں نے ان کو باندھ کر قید کر دیا، کچھ روز اسی حالت میں گذارے اور جب موقع ملا تو چھپ کر بھاگ گئے اور جو لوگ سرزمینِ حبشہ کی ہجرت کر رہے تھے ان کے ساتھ ہجرت کر گئے۔ پھر مکہ مکرمہ واپس آئے۔ (۲)

داعیٔ اسلام اور معلمِ قرآن بن کر مدینہ منورہ کی ہجرت

ابتداءِ اسلام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موسمِ حج میں مختلف اطراف سے آئے ہوئے قبیلے والوں کو دعوتِ اسلام دیا کرتے تھے، ان ہی قبیلہ والوں میں انصارِ مدینہ بھی تھے، جب یہ لوگ مکہ مکرمہ حج کرنے کے لیے آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اور دینِ اسلام کے سلسلے میں کچھ باتیں سنیں تو اسلام کی جانب راغب و مائل ہوئے، چنانچہ کچھ لوگ ''منیٰ'' کے ''عقبہ'' (گھاٹی) میں جمع ہوئے اور مسلمان ہو گئے، پھر آئندہ سال مدینہ منورہ کے کچھ مسلمان اور ان کے ساتھ مزید کچھ نئے لوگ ''منیٰ'' کے عقبہ (اسے عقبۂ ثانیہ کہتے ہیں) میں آئے، اسلام قبول کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ ہم لوگوں کے ساتھ ایک داعیٔ اسلام اور معلمِ قرآن بھیج دیجئے تاکہ وہ ہم لوگوں کو قرآن کی تعلیم دیں اور مدینہ منورہ میں اسلام کی تبلیغ کریں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مصعب بن عمیر اور ابنِ ام مکتوم رضی اللہ عنہما کو ان کے ساتھ کر دیا۔ (۱) حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مہاجرین میں سب سے پہلے ہم لوگوں کے پاس مدینہ منورہ میں مصعب بن عمیر اور ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہما تشریف لائے اور یہ حضرات لوگوں کو قرآن کریم کی تعلیم دینے اور دینِ اسلام

---

(۱) الثقات ص۱۹۹۔ نمبر (۱۲۲۴) استیعاب ۳/ ۳۸۴ (۲) الاصابۃ ج ۳ ص ۴۱۱

کی دعوت پھیلانے میں ہمہ تن مصروف ہو گئے (۲) یہی وجہ ہے کہ حضرت مصعب کو قاری و مقری کے لقب سے بھی ملقب کیا جاتا ہے۔ (۳)

حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ پہونچ کر حضرت اسعد بن زرارہ کے مکان میں قیام کیا اور گھر گھر پھر کر دعوتِ اسلام اور تعلیمِ قرآن کی اشاعت کرنے لگے۔ جو بھی دل کے کانوں سے قرآن کریم کو سن لیتا وہ حلقہ بگوشِ اسلام ہو جاتا رفتہ رفتہ مدینہ منورہ کے لوگ دینِ اسلام میں داخل ہوتے رہے۔

حضرت مصعب ایک دن بنونجار کے باغیچہ میں حضرت اسعد بن زُرارہ کے ساتھ تشریف فرما تھے اور کچھ مسلمان ان کے پاس بیٹھ کر قرآن کریم کی تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ سعد بن معاذ کو اس وقعہ کا علم ہوا تو حضرت اُسید بن حُضیر سے کہا اس شخص کو یہاں سے بھگا دو۔ اس کے لیے میں ہی جاتا مگر اسعد بن زُرارہ میرے خالہ زاد بھائی ہیں اور وہ مبلّغِ اسلام ان کا مہمان ہے، اس لیے میں تمہیں تکلیف دے رہا ہوں۔ اسید بن حضیر غصہ کی حالت میں نیزہ لے کر چلے۔ حضرت اسعد بن زرارہ نے انہیں اپنی جانب آتا ہوا دیکھ کر حضرت مصعب سے کہا: یہ دیکھو اسید چلے آرہے ہیں، یہ اپنی قوم کے سرداروں اور بڑے لوگوں میں ہیں۔ اپنی قوم میں ان کا ایک اعلیٰ مقام ہے۔ اسید حضرت مصعب کے پاس پہونچ کر غصہ میں کچھ سخت جملے کہے۔ حضرت مصعب نے نرم لہجہ میں فرمایا براہِ کرم آپ بھی تھوڑی دیر بیٹھ کر میری بات سن لیں، اگر پسند آئے تو قبول کر لیں اور اگر ناپسند ہو یا آپ کے خلاف ہو تو ہم خود کنارہ کش ہو جائیں گے۔

یہ جملہ سن کر اسید کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا۔ انہوں نے اپنے نیزہ کو زمین پر گاڑ کر بیٹھتے ہوئے کہا! کوئی مضائقہ نہیں۔ آپ اپنی بات ضرور سنائیں! حضرت مصعب نے ان پر اسلام پیش کیا اور قرآنِ کریم کی چند آیتیں تلاوت کیں۔ اسید نے یہ سن کر کہا! کیا ہی بہترین اور عمدہ کلام ہے! اس مذہب میں داخل ہونے کے لیے ہم کیا کریں؟ حضرت مصعب نے فرمایا غسل کر لیں اور پاک صاف کپڑے پہن کر کلمہ طیبہ کا اقرار کر لیں اور دو رکعتیں نماز پڑھ لیں۔ چنانچہ انہوں نے اس پر عمل کیا اور مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ پھر حضرت سعد بن معاذ کی جانب لوٹ کر گئے، انہوں نے دور ہی سے دیکھ کر یہ کہا: خدا کی قسم! اسید کی رنگت بدلی ہوئی نظر آرہی ہے۔ یہ اپنی پہلی حالت پر قائم نظر نہیں آرہا ہے، اتنے میں قریب

---

(۱) حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۳۳

(۲) صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۰۳

آ گئے، سعد نے دریافت کیا: کیا ہوا؟ بولے! ان دونوں نے مجھ سے بڑے نرم لہجے میں گفتگو کی اور اپنے معاملہ کو ہم دونوں پر ٹال دیا؛ البتہ ایک بات معلوم ہوئی کہ بنوحارثہ تمہارے خالہ زاد بھائی اسعد بن زرارہ کے قتل کرنے کے درپے ہو گئے ہیں تا کہ تمہاری توہین وتذلیل ہو۔ اس جملے نے سعد بن معاذ کے جوشِ حمیت وغیرت کو للکارا، یہ اپنے خالہ زاد بھائی کے دفاع میں تلوار لے کر نکلے۔ حضرت اسعد بن زرارہ نے حضرت مصعب سے ان کا تعارف کراتے ہوئے کہا، خدا کی قسم یہ سردارِ قوم سعد بن معاذ چلے آ رہے ہیں! اگر یہ ایمان لے آئے تو پوری قوم مشرف بہ اسلام ہو جائے گی۔ حضرت سعد ان دونوں حضرات کے پاس پہونچے اور غصہ میں اسعد بن زرارہ سے کہا! تو نے اپنے پاس ایک ایسے شخص کو ٹھکانہ دیا ہے جو ہمارے نوجوانوں اور ہمارے کمزوروں کو بے وقوف بنا رہا ہے اور ان کے عقیدے کو خراب کر رہا ہے۔ خدا کی قسم! اگر ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی رشتہ داری نہ ہوتی تو آج تم دونوں کی گردن اڑا دیتا۔ جب یہ اپنا کلام پورا کر چکے تو حضرت مصعب ہم کلام ہوئے اور کہا آپ تھوڑا وقت دیں اور میری بات بغور سنیں، اگر بھلی معلوم ہو تو قبول کر لیں ورنہ ہم خود یہاں سے چلے جائیں گے۔ حضرت سعد بولے "أنصفت" ہاں! تم نے انصاف کی بات کہی ہے اور یہ کہہ کر اپنے نیزہ کو زمین پر گاڑ کر بیٹھ گئے۔ حضرت مصعب نے قرآن کریم کی چند آیتیں تلاوت کیں اور اسلام کے محاسن کو پیش کیا۔

بے ساختہ حضرت سعد نے کہا: یہ یقیناً بہت اچھا مذہب ہے ہم اسے دل وجان سے قبول کرتے ہیں اور اس کی بھرپور مدد کرنے کا پختہ عہد کرتے ہیں۔ پھر حضرت مصعب کے حکم سے غسل وغیرہ سے فراغت پا کر کلمۂ شہادت کا اقرار کیا اور دو رکعت نمازِ شکرانہ ادا کی۔ پھر اپنے قبیلہ بنوعبدالاشہل میں آئے اور کہا! اے بنوعبدالاشہل! میری رائے اور میری عقل کے سلسلہ میں تمہارا کیا خیال ہے؟ سب نے بیک زبان ہو کر کہا "أنت خيرنا رايًا" ہم میں سب سے بہتر آپ کی رائے ہوتی ہے۔ یہ سن کر فرمایا! تمہارے مردوں اور تمہاری عورتوں سے بات کرنا مجھ پر حرام ہے جب تک خدائے وحدہ لاشریک لہ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لاؤ گے۔ اس جملہ کو سن کر بنوعبدالاشہل کے سارے لوگ مسلمان ہو گئے۔(۱) پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ طیبہ میں تشریف آوری سے پہلے اکثر اہلِ

---

(۱) الاستیعاب ج ۳ ص ۳۸۴

(۲) تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۲۰۵

مدینہ حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کے دستِ مبارک پر مشرف بہ اسلام ہو گئے تھے۔ (۲)

زاہدانہ زندگی

واقدی کی روایت میں ہے کہ حضرت مصعب رضی اللہ عنہ بڑے ناز کے پلے ہوئے اور مکہ مکرمہ کے مالدار حسین وجمیل نوجوان تھے۔ والدین ان سے بے پناہ محبت کرتے تھے اور ان کی والدہ انہیں بہت خوبصورت جوڑے پہنایا کرتی تھی اور یہ مکہ مکرمہ میں سب سے زیادہ خوشبو کا استعمال کیا کرتے تھے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے **"ما رأيت بمكة أحسن لمة، ولا أراق حلة، ولا أنعم نعمة من مصعب بن عمير"** میں نے مکہ میں مصعب بن عمیر سے زیادہ حسین بالوں والا، خوبصورت جوڑے والا اور بہت زیادہ ناز ونِعَم میں پرورش پانے والا کسی کو نہیں دیکھا (۳) لیکن اسلام قبول کرتے ہی حالت بدل گئی، زہد وفقر کی زندگی بسر کرنے لگے ایسی تنگی اور فقر وفاقہ سے دوچار ہوئے کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ان کی حالتِ زار پر ترس آنے لگا اور آنکھوں سے آنسو بہائے بغیر نہیں رہے۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں! ایک دن ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت مصعب سامنے سے گذرے، ان کے جسم پر صرف ایک چادر تھی وہ بھی پھٹی ہوئی تھی اور بجائے کپڑے کے چمڑے کا پیوند لگا تھا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی اس حالت اور اُس ناز ونِعَم والی حالت کا تذکرہ فرماتے ہوئے آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور رو پڑے (۴)

حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کی حالتِ زندگی سے اکثر صحابۂ کرام درسِ عبرت لیتے تھے، مثالوں میں اور اپنی اپنی تقریروں میں ان کی حالتِ زندگی خوب بیان کر کے اپنی اپنی زندگی کا موازنہ کرتے اور رونے لگتے تھے۔

حضرت خباب بن ارت رضی اللہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خالص اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی خاطر ہجرت کی اب ہم میں سے کچھ لوگ دنیا سے گذر گئے اور انہوں نے دنیا سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا جیسے مصعب بن عمیر جو احد کی لڑائی میں شہید ہوئے ان کے پاس ایک چادر کے سوا کچھ نہ تھا وہی کفن ہوئی۔ جب اس سے ان کا سر ڈھانپتے تو پاؤں کھل جاتے، پاؤں

---

(۱) الاصابۃ ج ۳ ص ۴۳۳۔ ۴۳۴۔

ڈھانپتے تو سر کھل جاتا، آخر نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! ایسا کرو ان کا سر چادر سے ڈھانپ دو اور پاؤں پر اِذخر گھاس ڈال دو۔(۱)

حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ کے سامنے کھانا لایا گیا، بس حضرتِ مصعب کی حالتِ زندگی یاد کر کے، خاص طور سے تدفین کے واقعہ کو یاد کر کے اتنا پھوٹ کر رونے لگے کہ کھانا نہیں کھا سکے جب کہ روزہ افطار کرنے بیٹھے تھے۔(۲)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ حضرت مصعب کی زاہدانہ زندگی کا اپنی تقریروں میں تذکرہ کیا کرتے تھے۔(۳)

اسلامی فوج کے علم بردار اور شہادت سے بہرہ ور

حضرت مصعب رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک رہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا لواءِ اعظم (اسلامی جھنڈا) ان ہی کے ہاتھ میں تھا(۴) اور غزوۂ احد میں بھی یہ ہی علم بردار رہے اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی نظروں کے سامنے کافروں سے سخت قتال کیا۔

جب اسلامی فوج کی صفیں درہم برہم ہونے لگیں اور مسلمان پسپا ہو کر ادھر اُدھر منتشر ہو گئے تو اس وقت حضرت مصعب اسلامی فوج کا جھنڈا لیے ہوئے پہاڑ کی طرح ثابت قدم رہے، عبداللہ بن قَمِیۂ نے آپ کے دائیں ہاتھ پر تلوار سے حملہ کیا اور اسے کاٹ ڈالا، فوراً "**ومامحمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل**" آیت کی تلاوت کرتے ہوئے بائیں ہاتھ میں جھنڈا لے لیا، اس نے دوسرے ہاتھ کو بھی کاٹ ڈالا، انہوں نے بازوؤں کو جوڑ کر سینے سے چمٹا لیا کہ جھنڈا گر نہ جائے جس سے مسلمانوں کی کھلی شکست سمجھی جائے اور بار بار **ومامحمد الا رسول** کی تلاوت کرتے رہے بالآخر اس نے نیزہ جسم میں اتار دیا جس سے وہیں شہید ہو گئے اور جھنڈا گر گیا(۱) ایک روایت میں ہے کہ فوراً اسی وقت حضرت مصعب کی شکل میں ایک فرشتہ نے اسلامی جھنڈا اٹھا لیا اور اسے پکڑے رہے اسی دوران ایک مرتبہ

---

(۱) حلیۃ الاولیاء ج۱ ص۱۷۲، الاستیعاب ۳/۴۵۱۔ (۲) الاستیعاب ج۳ ص۴۵۱۔۴۵۲۔

(۳) مسند احمد ج۵ ص۳۵۱۔۳۵۲۔ جامع ترمذی ۲/۲۱۲ (۴) البدایہ والنہایہ ج۵ ص۳۳۸۔

(۵) الاستیعاب ج۴ ص۴۵۴۔ (۶) الحلیہ ج۱ ص۱۷۴۔ الاستیعاب ۳/۴۵۴۔

رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تقدم یا مصعب" اے مصعب! آگے بڑھ! یہ سن کر فرشتہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب متوجہ ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھتے ہی پہچان لیا اور فرمایا! تم مصعب نہیں ہو، بلکہ فرشتہ ہو، تمہارے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد کی ہے (۲) پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی جھنڈا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالہ کیا۔ (۳)

حضرت مصعب کا اپنے حقیقی کافر بھائی کے سلسلے میں سخت رویہ

غزوۂ بدر میں حضرت مصعب کے بھائی ابوعزیز بن عمیر گرفتار کر کے لائے گئے اور حضرت مُحرِز بن نضلہ کے حصہ میں آئے، تو حضرت مصعب نے فرمایا اے مُحرِز! ابوعزیز کو خوب زور سے باندھ دو؛ کیونکہ مکہ میں اس کی ماں کے پاس بے پناہ مال ودولت ہے۔

یہ سن کر ابوعزیز نے کہا: اے بھائی جان! کیا اپنے حقیقی بھائی کے ساتھ آپ کا ایسا رویہ ہے؟

بولے: تم میرے بھائی نہیں ہو؛ بلکہ ہمارے تمہارے درمیان ایک زبردست خلیج کفر ہے۔

حقیقت میں ہمارا بھائی تو مُحرِز ہے۔ ہم دونوں اسلامی بھائی اور دوست ہیں۔

کچھ دنوں بعد ابوعزیز کی ماں نے کفارِ مکہ سے خاندانِ قریش کا اعلیٰ فدیہ معلوم کرنے کے بعد چار ہزار درہم کے بدلے اپنے بیٹے کو مسلمانوں سے رہا کرا لیا۔ (۴)

(۸۷) حضرت معاذ بن حارث انصاری رضی اللہ عنہ

---

(۱) الاصابہ ج ۳ ص ۳۴۳ (۲) صفۃ الصفوۃ ج ۱ ص ۴۲۳

(۳) فتح الباری ج ۷ ص ۳۳۵-۳۳۶- المغازی ج ۱ ص ۴۸ (۴) سورۃ المائدۃ آیت ۲۴

(۵) صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۶۴- حدیث نمبر ۳۹۵۲-

حافظ ابوعبداللہ اور علامہ ابونعیم اصبہانی نے حضرت معاذ بن حارث رضی اللہ عنہ کو اصحابِ صفہ میں سے شمار کیا ہے۔ (حلیۃ الاولیا، ج ۲ ص ۲۱)

نام معاذ، کنیت ابوحلیمہ، والد کا نام حارث، انصارِ مدینہ کے قبیلۂ بنونجار سے تعلق رکھتے ہیں۔ (۱) ''معاذ قاری'' سے مشہور ہیں اسلئے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ماہِ رمضان المبارک میں نمازِ تراویح کے لیے انہیں متعین کر رکھا تھا۔ (۲)

ابوبکر بن محمد کا بیان ہے کہ عبدالرحمان کی بیٹی عمرہ ہم لوگوں سے ملاقات کرنے کے لیے تشریف لائیں۔ اس روز میں تہجد کی نماز میں آہستہ آہستہ قرآن کریم کی تلاوت کرنے لگا، تو وہ بولیں اے بھتیجے! کیوں نہیں بلند آواز سے قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہو؟ سن لو! ہم لوگوں کو رات کے وقت معاذ قاری کی تلاوت ہی بیدار کرتی ہے (۳) اس سے معلوم ہوا کہ حضرت معاذ قاری بہ آوازِ بلند خوش آوازی میں قرآن کریم کی تلاوت کیا کرتے تھے۔

حضرت معاذ غزوۂ خندق میں شریک رہے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مقدسہ کے چھ سال انہیں نصیب ہوئے ہیں (۴)

یہ ماہِ رمضان المبارک میں دعاءِ قنوت پڑھنے کا خاص اہتمام کرتے تھے، امام بخاری نے انہیں اہلِ مدینہ میں شمار کیا ہے۔ اور یہ جنگِ جسر☆ میں ابوعبید بن مسعود ثقفی کے ساتھ شریک رہے ہیں۔

شاگردانِ کرام

---

(۱) صفۃ الصفوۃ ج۱ص ۴۴۳۔

(۲) المستدرک ج۳ص۴۹۴ صفۃ الصفوۃ ۱/ ۴۴۴۔

(۳) الاستیعاب ۴/ ۴۵۴۔ صفۃ الصفوۃ ۱/ ۴۴۳۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے شاگردوں میں نافع مولی ابن عمر، عمران بن ابی انس، سعید مقبری اور ابوالولید بصری ہیں۔ صحاحِ ستہ میں سے صرف سننِ ابوداؤد میں ان کی روایت ہے۔ (۱)

وفات

حضرت معاذ کا انتقال بعمرِ ۶۹ سال واقعہ حرہ ۶۳ھ میں ہوا (۲)

(۸۸) حضرت معاویہ بن حَکَم سُلَمی رضی اللہ عنہ

علامہ ابونعیم اصبہانی نے حضرت معاویہ بن حکم رضی اللہ عنہ کو اصحابِ صفہ میں سے شمار کیا ہے۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص۔ ۳۴)

نام معاویہ، والد کا نام حَکَم بن مالک بن خالد ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ قبیلۂ بنوسلیم کے علاقہ میں رہتے تھے۔ (۱) مدینہ منورہ آتے جاتے رہتے تھے پھر کچھ دنوں کے بعد مستقل طور پر مدینہ منورہ میں سکونت اختیار کرلی تھی (۲)

صفہ کی زندگی

حضرت معاویہ بن حکم رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صفہ

---

(۱) سورۃ الفرقان آیت ۷۴

(۲) حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۱۷۵۔۱۷۶، صفۃ الصفوۃ ج ۱ ص ۳۲۴۔۳۲۵

(۳) سیر اعلام النبلاء ۱: / ۳۸۶

(۴) تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۲۸۶

میں تھا۔ ایک مہاجر صحابی ایک انصاری کے ساتھ، دو مہاجر دو انصاری اور تین مہاجر تین انصاری کے ساتھ گھر گئے، اس طرح مہاجرین اصحابِ صفہ انصاری صحابۂ کرام کے درمیان کھانا کھانے کے لیے تقسیم ہو گئے، چوتھے یا پانچویں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باقی رہ گئے، تو آپ نے ارشاد فرمایا تم لوگ میرے ساتھ چلو، ہم لوگ چل دیئے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر پہونچے تو آپ نے فرمایا۔ اے عائشہ رات کا کھانا کھلاؤ؟ وہ جو، دلیا اور کھجور یا گوشت سے تیار شدہ کھانا لے کر آئیں، ہم لوگوں نے کھایا۔ پھر آپ نے فرمایا اے عائشہ! ہم لوگوں کو اور کھلاؤ؟ تو وہ کھجور، پنیر اور گھی میں تیار کردہ کھانا لے کر آئیں، ہم لوگوں نے کھایا۔

پھر آپ نے فرمایا: اے عائشہ! اب ہم لوگوں کو کچھ پلاؤ؟ وہ چند گھونٹ دودھ لائیں۔ ہم لوگوں نے پیا۔ پھر آپ نے فرمایا اے عائشہ ہمیں اور پلاؤ؟ وہ ایک بڑے پیالہ میں پانی لے کر آئیں۔ ہم لوگوں نے سیراب ہو کر پیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا: تم میں سے جو مسجد میں قیام کرنا چاہے وہ مسجد چلا جائے اور جو اسی جگہ قیام کرنا اور رات گذارنا چاہے یہیں قیام کر لے۔ حضرت معاویہ کہتے ہیں! سب نے بیک زبان ہو کر کہا: آپ پریشان نہ ہوں، ہم لوگ مسجد میں چل کر قیام کر لیں گے۔ ہم لوگ مسجد آ گئے۔ میں پیٹ کے بل سو گیا، آدھی رات کے قریب ایک شخص آ کر مجھے اپنے پاؤں سے ٹھوکر مار کر جگانے لگا۔ میں نے اپنا سر اٹھا کر دیکھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہیں اور فرما رہے ہیں! قم فان ھذہ ضجعۃ یبغضھا اللّٰہ عز و جل'' کھڑے ہو جاؤ اور سن لو! اس طرح لیٹنا اللہ تعالی کو ناپسندیدہ ہے(۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کا طریقہ

حضرت معاویہ بن حکم رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک روز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا، نمازیوں میں کسی کو چھینک آ گئی، میں نے ''یرحمک اللہ'' اس کے جواب

---

(۱) الاصابہ ج ۳ ص ۴۳۴

(۲) صفۃ الصفوۃ ۱/ ۴۲۶۔ المستدرک ج ۳ ص ۳۴۸۔ الثقات ص ۱۹۹۔

(۳) سیر أعلام النبلاء ج ۱ ص ۳۸۶۔

(۴) صفۃ الصفوۃ ج ۱ ص ۴۲۳۔ سیر اعلام النبلاء ج ۱ ص ۳۸۶۔

میں کہہ دیا۔ اتنا کہنا تھا کہ لوگ مجھے گھورنے لگے، میں نے کہا: کیا ہو گیا تم مجھے کیوں گھور رہے ہو؟ نماز میں بولنے کی بنا پر وہ لوگ اپنی اپنی رانوں پر ہاتھ مارنے لگے،

تو میں سمجھ گیا کہ نماز میں بولنے کی وجہ سے یہ لوگ مجھے خاموش کرا رہے ہیں۔ بالآخر میں خاموش ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مرے ماں باپ قربان ہوں، میں نے آپ جیسا معلم، نہ آپ سے پہلے اور نہ آپ کے بعد دیکھا۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے اللہ کی قسم! نہ آپ نے مجھے نماز میں اس بولنے کی بنا پر پٹائی کی اور نہ ڈانٹ ڈپٹ کی، بلکہ پیار بھرے لہجہ میں ارشاد فرمایا: نماز میں کسی قسم کی بات نہیں کی جاتی ہے اور نہ ایسا کرنا درست ہے؛ بلکہ نماز میں صرف اللہ تعالیٰ کی پاکی اور بڑائی بیان کی جاتی ہے اور قرآنِ کریم کی تلاوت کی جاتی ہے۔ (۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ غزوہ خندق کے موقع پر ہم لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، میرے بھائی علی بن حکم نے گھوڑے پر بیٹھ کر ایک خندق کی چھلانگ لگانی چاہی لیکن گھوڑا چھلانگ نہ لگا سکا اور خندق کی دیوار علی رضی اللہ کی پنڈلی پر گر گئی، ہم لوگ اسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے کر آئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پنڈلی پر دستِ مبارک پھیرا جس سے اسی وقت پنڈلی بالکل صحیح ہو گئی۔ (۱)

شاگردانِ کرام اور تعدادِ احادیث

---

(۱) الاستیعاب ج ۳ ص ۵۱۴ (۲) الاستیعاب ج ۳ ص ۵۱۴۔ تاریخ ابن عساکر ۱۷/ ۲۸۹

☆ عبدالعزیٰ بن خطل: یہ پہلے مسلمان ہو گیا تھا، ہوشیار آدمی تھا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عامل بنا کر صدقات وصول کرنے کے لیے بھیجا، ایک غلام اور ایک انصاری ساتھ تھے، ایک منزل پر پہونچ کر ابن خطل نے غلام کو کھانا تیار کرنے کا حکم دیا اور خود سو گیا، جب بیدار ہوا تو دیکھا کہ ابھی تک اس نے کھانا تیار نہیں کیا ہے، غصہ میں آکر اسے قتل کر ڈالا، اور بعد میں خیال آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے ضرور قصاصاً قتل کریں گے، اس لیے مرتد ہو کر مکہ چلا آیا اور مشرکین سے جاملا اور صدقات کے اونٹ بھی لے گیا خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو میں شعر کہتا تھا اور اس کی دو باندیاں تھیں ان کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو میں گانا گانے کا حکم دیتا تھا۔ اس طرح اس کے تین جرم ہو گئے، قتلِ ناحق، ارتداد اور آپ کی ہجو میں شعر کہنا۔ چنانچہ ان جرائم کی وجہ سے حجرِ اسود اور مقام کے درمیان حضرت ابو برزہ اسلمی کے ہاتھوں قتل کیا گیا۔ (صارم المسلول ص ۲۳۳ عیون الاثر ج ۲ ص ۱۷۶)

(۳) سننِ ابوداؤد ج ۲ ص ۳۶۵ (۴) سیر اعلام النبلاء ج ۳ ص ۴۱

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے شاگردوں میں خود ان کے صاحبزادہ کثیر بن معاویہ، عطاء بن یسار اور ابوسلمہ بن عبدالرحمان ہیں۔ صحاح ستہ میں صرف صحیح مسلم سننِ ابوداؤد اور سننِ نسائی میں ان کی روایتیں ملتی ہیں۔ (۲)

☆ جنگِ خراسان: بادشاہِ ایران یزدجر نے اپنی ایرانی سلطنت کو بچانے کے لیے خاقانِ چین سے مدد طلب کی۔ ترکیوں کا بادشاہ ایک زبردست فوج لے کر اس کی مدد کے لیے "خراسان"، کی طرف بڑھا۔ حضرت فاروقِ اعظم کے حکم سے احنف بن قیس بیس ہزار کا اسلامی لشکر لے کر اس لشکرِ جرار کے مقابلہ کے لیے آگے بڑھے، ترکی فوج کے ایک شہ سوار نے میدانِ کارزار میں مبارزہ طلب کیا، احنف بن قیس نے منٹوں میں اسے قتل کر دیا۔ ایسے ہی دو شہ سوار اور آئے ان دونوں کو بھی احنف بن قیس نے نمٹا دیا۔ اس طرح خاقانِ اعظم نے مسلمانوں کی طاقت کا اندازہ لگا لیا اور یزدجر کا ساتھ چھوڑ کر اپنی عظیم الشان فوج کو لے کر ملک واپس چلا گیا، مسلمانوں کو بہ آسانی فتح حاصل ہوگئی۔ (البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۱۲۷۔ ۱۲۹)

☆ جنگِ نہروان: حضرت علی رضی اللہ عنہ اور خوارج (جو حضرت علی اور ان کے تابعین پر کفر کا فتوی لگاتے اور اپنی جماعت کے علاوہ ہر ایک کو باطل گردانتے ہیں) کے درمیان ۳۷ھ میں مقامِ نہروان میں جنگ ہوئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہر چند ان لوگوں سے لڑائی لڑنے سے گریز کرتے رہے اور انہیں وعظ و نصیحت خود بھی فرماتے رہے اور صحابۂ کرام کی ٹولیوں کو بھی پند و نصیحت کرنے کے لیے روانہ فرماتے رہے، لیکن یہ لوگ بہ بانگِ دُہل یہی کہتے رہے کہ علی کی جماعت سے گفتگو مت کرو نہ ان کی باتیں سنو بلکہ اللہ کی ملاقات کے لیے دوڑو یعنی جنگ کرو، یہ حالت دیکھ کر حضرت علی نے حضرت ابوایوب انصاری کو امن و امان کا جھنڈا دے کر فرمایا: تم اس جھنڈا کو لے کر ایک بلند مقام پر کھڑے ہو جاؤ اور بلند آواز سے اعلان کر دو کہ جو شخص بغیر جنگ کیے ہوئے چلا آئے گا اس کو امن دی جائے گی اور جو شخص کوفہ یا مدائن کی طرف چلا جائے گا وہ بھی مامون ہوگا۔ اس اعلان کو سن کر چار ہزار خوارج کی فوج میں سے تین ہزار نکل گئے، صرف ایک ہزار باقی رہ گئے ان پر حملہ کیا گیا اور سب کو گھیر کر تہہ تیغ کیا گیا۔ عبداللہ بن وہب، حرقوص بن زہیر، شریح بن اوفی، عبداللہ بن سنجرۃ وغیرہ خوارج کے بڑے بڑے سردار مارے گئے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۲۸۸۔ ۲۹۰)

(۱) الاصابہ ج ۳ ص ۵۲۷۔ تہذیب التھذیب ج ۱۰ ص ۴۴۶

(۸۹) حضرت مِقداد بن عَمر والکِندی رضی اللہ عنہ

حافظ محمد بن یحییٰ ذہلی اور علامہ ابونعیم اصبہانی نے حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کو اصحابِ صفہ میں شمار کیا ہے۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۲۰)

حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کی کنیت ابومعبد، والد کا نام عمرو بن ثعلبہ، قبیلہ بنو کندۃ سے تعلق رکھنے کی وجہ سے کندی کہلاتے ہیں۔ حضرت مقداد کی نسبت اسود کی جانب کر کے مقداد بن اسود بھی کہا جاتا ہے۔

اس سلسلہ میں مختلف اقوال ہیں۔ کلبی کی راویت میں ہے کہ حضرت مقداد کے والد عمرو بن ثعلبۃ اپنی قوم میں کسی کا خون کر کے ''حضر موت'' چلے گئے اور ''بنو کندہ'' سے معاہدہ کر کے اس کے حلیف و معاہد بن گئے۔ جس کی بنا پر کندی کہے جانے لگے اور اسی قبیلۂ کندہ کی ایک عورت سے شادی کی، جس سے حضرت مقداد پیدا ہوئے، اسی قبیلہ میں پلے بڑھے اور جوان ہوئے۔ ایک دن ابوشمر بن حجر کندی سے ان کی لڑائی ہوگئی، انہوں نے تلوار سے پاؤں پر وار کیا اور گہرا زخم پہونچایا، پھر مکہ مکرمہ بھاگ کر چلے گئے اور اسود بن عبد یغوث زہری کے حلیف بن گئے اور اپنے والد کے پاس سارا واقعہ لکھ کر بھیج دیا۔ وہ آئے تو اسی دوران اسود نے انہیں اپنا متبنیٰ بنالیا۔ جس کی بنا پر مقداد بن اسود کہے جانے لگے اور لوگوں میں اسی مقداد بن اسود سے مشہور ہوگئے۔

---

(۱) صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۰۴۔ نمبر ۶۱۲۷ (۲) تاریخ ابن عساکر ج ۱۷ ص ۲۸۹ (۳) طبقات ابن سعد ج ۴ ص ۳۰۰

جب ”أدعوھم لاٰ بائھم ھو أقسط عند اللّٰہ“ (تم ان منہ بولے بیٹوں کو ان کے حقیقی باپوں کی جانب نسبت کر کے پکارو۔ یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک منصفانہ بات ہے) نازل ہوئی تو اس وقت سے مقداد بن اسود کے بجائے مقداد بن عمرو کہے جانے لگے(۱)

قدیم الاسلام

حضرت مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی ہیں۔ یہ اسلام قبول کرنے میں ساتویں شخص ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے!

”اول من أظھر اِسلامہ سبعۃ، رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم و أبو بکر و عمار و أمہ سمیۃ و بلال و صھیب و المقداد“ ابتداءِ اسلام میں اپنے اسلام کا کھلم کھلا اعلان کرنے والے سات حضرات ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ابو بکر، عمار اور ان کی والدہ سمیۃ، بلال، صہیب اور مقداد رضی اللہ عنہم۔(۱)

پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں

حضرت مقداد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شرفا، نجباء، ستودہ صفات اپنی ذات اور اپنی نوع میں ممتاز صحابۂ کرام میں ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہر نبی کو سات نجُباء رفقاء اور وزراء دیئے گئے ہیں۔ مجھے چودہ ایسے ستودہ صفات کے لوگ دیئے گئے ہیں: حمزہ، جعفر، ابو بکر، عمر، علی، حسن، حسین، عبداللہ بن مسعود، سلمان، عمار، حذیفہ ابوذر، مقداد اور بلال۔(۲)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: علیکم بحب أربعۃ: علي، وأبی ذر وسلمان والمقداد“

اے مسلمانو! تمہارے لیے چار آدمیوں سے محبت رکھنا ضروری ہے: حضرت علی، ابوذر، سلمان اور مقداد رضی اللہ عنہم (۳) علامہ ابن کثیر نے حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کو خادمِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں گردانا ہے(۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مقداد کی تلاوتِ قرآن سن کر ارشاد فرمایا:

---

(۱) حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۳۲۔۳۳ (۲) مسند احمد ج ۴ ص ۴۱۹

"أوّاب" یہ اللہ تعالیٰ کی جانب بہت زیادہ رجوع کرنے والا ہے۔ (۵)

حضرت مقداد کا بیان ہے کہ ہم لوگ جس وقت ہجرت کرکے مدینہ منورہ پہونچے تو ایک گھر کو دس دس ساتھی پر تقسیم کیا گیا۔ اس طور پر کہ ایک گھر میں دس آدمی ٹھہرائے گئے۔ جن دس حضرات کو نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک گھر میں قیام کرنے کا شرف حاصل ہوا، ان میں ایک میں بھی تھا اور ہم لوگوں کے گذر بسر کے لیے ایک بکری کا دودھ کافی تھا۔ (٦)

شادی

حضرت مقداد رضی اللہ عنہ اور عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ دونوں ایک ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ حضرت عبدالرحمان نے آپ سے کہا: آپ شادی کیوں نہیں کرتے؟ بولے: آپ میری شادی اپنی بیٹی سے کرا دیجیے، اتنا کہنا تھا کہ حضرت عبدالرحمان آگ بگولہ ہو گئے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جا کر شکایت کر دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! میں تمہاری شادی کراؤں گا۔ آپ نے حسب وعدہ اپنی چچازاد بہن ضباعۃ بنت زبیر بن عبدالمطلب سے میری شادی کرادی (۱)

جنگی کارنامہ

اللہ تعالیٰ کے راستہ میں سب سے پہلے گھوڑے پر سوار ہو کر جنگ کرنے والے حضرت مقداد رضی اللہ عنہ ہی ہیں (۲) غزوہ بدر کے موقع سے بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو آپ نے ایسی منفرد اور بے مثال تاریخی تقریر کی ہے کہ آج تک اس کی نظیر نہیں پیش کی گئی ہے۔ تاریخ اسلام کی سب سے پہلی عظیم جنگ غزوۂ بدر ہے۔ جس سے مجبوراً رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو تلواروں کی چھاؤں سے گذرنا پڑا۔ درحقیقت مسلمان کسی بڑی جنگ کی نیت سے نہ نکلے تھے، لیکن جب یہ خبر ملی کہ قریش پوری تیاری اور شان بان سے آرہے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابۂ کرام سے مشورہ کرنا پڑا کہ کیا کرنا چاہیے؟ مہاجرین میں سے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مستعدی کا اظہار

---

(۱) ج ۴ ص ۲۹۹

(۲) تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۴۴۶

(۳) الثقات ص ۲۰۶ نمبر (۱۳۷۸)

(۴) الاصابۃ ج ۳ ص ۵۲۷

کیا، پھر ان کے معاً بعد حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے (۳) اور فرمایا: یارسول اللہ! ہم بنی اسرائیل نہیں ہیں جنھوں نے اپنے نبی موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام سے کہا تھا " **اذھب انت وربک فقاتِلا اناھھنا قاعدون** " آپ اور آپ کے اللہ تعالیٰ چلے جایئے اور دونوں جنگ کیجئے ہم تو یہاں سے سرکتے نہیں"(۴) یارسول اللہ! ہم آپ کے غلام ہیں اور آپ کے دائیں، بائیں، آگے اور پیچھے ہر طرف نثار ہونے کے لیے تیار ہیں۔ یہ سن کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ مبارک خوشی سے کھل گیا اور اس قول سے بے پناہ خوش ہوئے (۵) حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: غزوۂ بدر کے دن مقداد کے علاوہ ہم مسلمانوں میں سے کسی کے پاس گھوڑا نہیں تھا۔ صرف مقداد ہی غزوہ بدر کے دن گھوڑے پر سوار تھے۔ (۱)

حضرت مقداد کا بیان ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک سریہ کا امیر بنا کر بھیجا، جب میں واپس آیا تو آپ نے ارشاد فرمایا: تم نے امارت کو کیسا پایا؟ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مجھے تو ایسا لگا کہ سارے لوگ میرے محافظ ونگراں تھے۔ اللہ کی قسم! جیتے جی میں کسی معمولی چیز کا بھی ذمہ دار اور امیر نہیں بنوں گا۔ (۲) آپ غزوۂ احد اور دیگر تمام غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک رہے۔ (۳)

کاش! میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہوتا!

حضرت جبیر بن نفیع کا بیان ہے کہ ایک روز حضرت مقداد رضی اللہ عنہ ہم لوگوں کے پاس تشریف فرما تھے ان کے پاس سے ایک شخص گذرا اور ان کی جانب متوجہ ہو کر کہنے لگا: یہ کیا ہی خوش قسمت آنکھیں ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار سے بہرہ ور ہیں۔ اللہ کی قسم! کاش ہم بھی اس شرف کو پائے ہوتے! کاش ہم بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلسِ مقدس میں حاضر ہو کر آپ کے ارشادات وفرامینِ عالیہ سن کر لطف اندوز ہوتے! آہ ہمارا نصیبہ!!

اس نو وارد شخص کے جملہ کو سن کر حضرت مقداد نے اس کو اور حاضرینِ مجلس کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص ایسی چیز کی تمنا نہ کرے جس سے اللہ تعالیٰ نے محروم کر رکھا ہے؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا ہے کہ وہ اس وقت حاضر ہوتا تو کس حال میں ہوتا، حالتِ کفر یا حالتِ

---

(۱) تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۱۰۰ الِاصابۃ ج ۳ ص ۵۸۹

اسلام میں؟

اللہ تعالی کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مقدسہ میں ایک بڑی تعداد تھی جس نے اللہ تعالی کی وحدانیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار نہیں کیا، جس کے نتیجے میں اللہ تعالی نے انہیں اوندھے منہ جہنم میں ڈال دیا۔

کیا تم لوگ اس بات پر اللہ تعالی کی حمد وثناء بیان نہیں کرتے اور اس کا شکر بجا نہیں لاتے کہ تم لوگوں نے اللہ تعالی کی وحدانیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا دل سے اقرار کیا اور تمہیں کسی قسم کی مصیبتوں کا سامنا نہیں کرنا پڑا!

اللہ کی قسم! پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت بڑی سخت حالت اور انتہائی سخت وقت میں ہوئی ہے۔ وہ جاہلیت وفترت کا زمانہ تھا، لوگ بت پرستی سے بہتر کوئی مذہب وعبادت نہیں سمجھتے تھے۔ عین اسی وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حق وباطل کے درمیان فرق کرنے والا دین لے کر آئے۔ جس سے حق وباطل کے فرق کو پورے طور پر آشکارہ کر دیا۔ جس دینِ حق کے نتیجہ میں باپ بیٹے کے درمیان، بھائی بھائی کے درمیان تفریق ہوگئی۔ باپ اسلام میں داخل ہے، تو بیٹا اسلام سے محروم۔ ایک بھائی اسلام سے بہرہ ور ہے تو دوسرا بھائی محروم۔ ایسا اس لیے کیا گیا تا کہ ایک مسلمان شخص اپنے کافر باپ، یا بیٹے، یا بھائی کو دیکھ کر اللہ تعالی کا شکر بجالائے کہ اللہ تعالی نے میرے مقفل دل کو ایمان کے لیے کھول دیا اور یہ جان لے کہ جو جہنم میں داخل ہوا وہ ہلاکت وبربادی کے آخری دہانے پر پہونچ گیا۔ جو یہ بات جان لے گا تو اپنے رشتہ داروں وجگر پاروں کے جہنمی ہونے سے ہرگز ہرگز خوش نہیں ہوسکتا؛ بلکہ وہ انہیں جہنمی ہونے سے بچانے کی پوری جدوجہد اور سعیٔ پیہم کرے گا اور ساتھ ساتھ بارگاہِ ایزدی میں یہ دعاء کرے گا “ **ربنا هب لنامن أزواجنا وذ ريٰتنا قرة أعين واجعلنا للمتقين إماما**” (۱) اے ہمارے پروردگار! ہم کو ہماری بیویوں اور ہماری اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک (یعنی راحت) عطا فرما اور ہم کو متقیوں کا افسر بنا دے۔ (۲)

---

(۱) حلیۃ الاولیاء، ج ۲ ص ۲۴

(۲) تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۱۰۰

(۳) الاصابہ ج ۲ ص ۵۸۹

(۴) تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۱۰۰

شاگردانِ کرام

حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کے تلامذہ میں اجلّہ صحابہ ہیں۔ مثلاً حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم (۳) اور خود حضرت مقداد کی صاحبزادی کریمہ بنت مقداد اور ضباعہ بنت مقداد اور ان کی زوجۂ محترمہ ضباعہ بنت زبیر بن عبدالمطلب آپ کے شاگردوں میں ہیں۔ (۴)

سببِ وفات

حضرت مقداد کی زوجۂ محترمہ کا بیان ہے کہ مقداد بڑے پیٹ والے تھے، ان کا رومی غلام تھا۔ ایک روز غلام نے آپ سے کہا: میں آپ کے پیٹ کو پھاڑ کر چربی نکال دوں گا جس سے پیٹ ہلکا ہو جائے گا۔ ایسا ہی کیا ان کے پیٹ کو پھاڑا اور سلائی کرنے لگا اسی دوران آپ کا انتقال ہو گیا اور غلام نے راہِ فرار اختیار کر لی (۱)

یہ حادثہ مدینہ منورۃ سے تین میل کے فاصلے پر بمقامِ ''جُرف'' بعمرِ ۷۰ رسال ۳۳ھ میں پیش آیا، آپ کی نعشِ مبارک مدینہ منورۃ لائی گئی، امیر المؤمنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور ''جنت البقیع'' میں سپردِ خاک کر دیے گئے۔ (۲)

آپ انتقال کے وقت نواسۂ رسول حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما کے لیے تیس ہزار درہم اور حضرات امہات المؤمنین رضی اللہ عنہم میں سے ہر ایک کے لیے سات سات ہزار درہم وصیت کر گئے۔ (۳)

حلیۂ مبارکہ

آپ کا لمبا قد و قامت اور گندمی رنگ تھا اور آپ کے گھنے اور گنجان بال، بڑے پیٹ، بڑی بڑی اور کشادہ آنکھیں تھیں اور دونوں بھنویں آپس میں ملی ہوئی تھیں۔ (۴)

---

(۱) الثقات ص۲۰۶ رقم (۱۳۹۷)

(۲) طبقات ابن سعد ج۷ ص۴۰۷، الاستیعاب ۳/ ۶۰۶۔ ۶۰۷۔ سیر اعلام النبلاء ۳/ ۳۸۱

(۹۰) حضرت نَضلہ بن عُبید ابو بَرزہ اسلمی رضی اللہ عنہ

علامہ ابونعیم کہتے ہیں !" دخل الصفة ولا بسَ أهلها"
حضرت ابوبرزہ اسلمی رضی اللہ عنہ صفہ میں داخل ہوئے اور اصحابِ صفہ کے ساتھ رہنے لگے۔ (حلیۃ الاولیا، ج ۲ ص ۳۲)

نَضلہ نام، کنیت ابوبرزہ، والد کا نام عُبید، قبیلۂ بنواسلم سے تعلق رکھتے ہیں۔ (۱) یہ اپنی کنیت ابوبرزہ سے مشہور رہیں۔

حضرت ابوبرزہ اسلمی رضی اللہ عنہ قدیم الاسلام ہیں۔ انہوں نے غزوہ خیبر، فتحِ مکہ اور غزوہ حنین میں شرکت کی ہے۔ خود فرماتے ہیں !"غزوت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ستاً أو سبعاً" میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چھ یا سات غزوے میں شریک رہا ہوں۔ (۲)

انہوں نے ہی فتحِ مکہ کے موقع سے عبدالعزی بن خطل ☆ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے قتل کیا ہے (۳) مدینہ منورہ میں رہنے کے بعد بصرہ چلے گئے اور وہیں ایک عرصہ تک حضرت امیر معاویہ کے ساتھ رہے (۴) ابن الکلبی کی راوایت میں ہے کہ بصرہ میں سکونت اختیار کرلی، پھر

---

(۱) سورۃ الاحزاب ۳۳

(۲) تفسیر طبری ج ۲۲ ص ۷۔ قال الذھبی: ھذا حدیث حسن غریب۔ کمافی سیر اعلام النبلاء ج ۳ ص ۳۸۵

(۳) الاستیعاب ۳/ ۶۰۶۔ ۶۰۷۔ سیر اعلام النبلاء ۳/ ۳۸۱۔

خراسان گئے، وہاں ''مرو'' نامی جگہ میں قیام کیا، پھر بصرہ واپس آ گئے، یہ جنگِ خراسان ☆ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگِ نہروان ☆ میں شریک رہے۔ (۱)

حضرت ابو برزہ پر اشکال کرنے والے کو منہ کی کھانی پڑی

ایک مرتبہ حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ ''نہرِ اہواز'' کے کنارے سے گزر رہے تھے کہ عصر کی نماز کا وقت ہو گیا، گھوڑے سے اترے اور نماز پڑھنے لگے۔ گھوڑے کو چھوڑ دیا وہ بھاگ کھڑا ہوا۔ یہ دیکھ کر انہوں نے نماز چھوڑ دی اور گھوڑے کے پیچھے دوڑ پڑے، اس کو پکڑ لائے، پھر نماز میں مشغول ہو گئے، یہ صورت دیکھ کر ایک کم بخت خارجی کہنے لگا، اس بوڑھے کو دیکھو، اس نے گھوڑے کے لیے نماز چھوڑ دی۔ حضرت ابو برزہ نے اس کی بات سن لی، نماز سے فراغت کے بعد فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فراق وجدائیگی کے بعد آج تک مجھے کسی نے ایسی سخت بات نہیں کہی اور نہ کسی نے میری ملامت کی۔ آج میں بوڑھا ہو گیا ہوں، میری منزل یہاں سے دور ہے۔ اگر میں گھوڑے کو یونہی چھوڑ کر نماز پڑھتا، نہ جانے گھوڑا کہاں چلا جاتا، بہت تلاش کرنے کے بعد رات کے کسی حصہ میں گھر پہونچ پاتا، جب کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک لمبے عرصے تک رہا ہوں، ہمیشہ آپ کو ہر معاملہ میں یسر و آسانی ہی اختیار کرتے دیکھا ہے۔ (۱)

یہ کلام سن کر حاضرین نے اس اشکال کرنے والے شخص کی جانب سے معذرت طلب کی۔ (۲)

اس سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ کبھی بھی کسی عالم باعمل کے قول و فعل کو ہدفِ ملامت نہیں بنانا چاہیے، بشرطیکہ وہ صراحتاً شریعت کے خلاف نہ ہو۔

زاہدانہ زندگی

ایک مرتبہ ایک شخص نے حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے دریافت کی، کہ آپ بہت معمولی اونی کپڑا استعمال کرتے ہیں اور گھوڑے پر بہت کم سوار ہوتے ہیں، جب کہ آپ کے دینی بھائی عائذ بن عمرو اونی اور ریشم کے بنے ہوئے کپڑے کا استعمال کرتے ہیں اور گھوڑے پر خوب سوار ہوتے رہتے ہیں۔

---

(۱) المستدرک: ۴/۱۱۶

انہوں نے جواب دیا "من فینا مثل عائذ" ہم میں عائذ جیسا کون ہے؟ عائذ کی منقبت وفضیلت کے بارے میں میں پوچھنا ہی نہیں، وہ تو بے نظیر ہیں۔

یہی سائل حضرت عائذ کے پاس گیا، ان کے سامنے یہی سوال دہرایا کہ آپ ریشم کے بنے ہوئے کپڑے کا استعمال کرتے ہیں اور گھوڑے کی خوب سواری کرتے ہیں، جب کہ ابوبرزہ خالص اونی کپڑے کا استعمال کرتے ہیں اور گھوڑے کی سواری بہت معمولی کرتے ہیں۔

انہوں نے جواب دیا "من فینا مثل ابی برزۃ" ہم میں ابوبرزہ جیسا کون ہے؟ وہ تو بے نظیر وبے مثال ہیں، ان کے متعلق کیا پوچھنا! دونوں اپنی اپنی وفات سے پہلے ایک دوسرے کو نمازِ جنازہ پڑھانے کی وصیت کر گئے تھے۔ (۳)

دنیا سے نفرت

ابوالمنہال یسار بن سلامہ کا بیان ہے کہ جب ملکِ شام سے ابن زیاد کو نکالا گیا تو مروان بن حکم نے حکومتِ شام کی باگ ڈور سنبھالی اور مکہ مکرمہ میں حضرت عبداللہ بن زبیر خلیفہ بنے۔ معلمین وقراء حضرات بصرہ کے گورنر بنے، تو اسی موقع پر میرے والدِ محترم سلامہ بڑے افسردہ خاطر ہوئے۔ وہ مجھ سے کہنے لگے کہ میرے ساتھ حضرت ابوبرزہ اسلمی صحابیِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلو۔ جب ہم لوگ ان کے گھر پہونچے تو کیا دیکھتے ہیں وہ سخت گرمی میں ایک لکڑی کے سایہ میں بیٹھے ہیں۔ میرے والد نے کہا! اے ابوبرزہ اسلمی! کیا آپ مسلمان حاکموں اور گورنروں کا حال نہیں دیکھ رہے ہیں یہ حکومت کی خاطر جان دے رہے ہیں؟

حضرت ابوبرزہ نے سب سے پہلا یہ جملہ فرمایا: میں قریش کے قبیلوں کی ناراضگی مول لے کر اللہ تعالی سے ثواب کی امید کیسے رکھ سکتا ہوں!

اے عرب کی جماعتو! تمہاری سابقہ حالتیں بڑی تاریک تھیں، تم جہالت وگمراہی میں تھے کہ اللہ تعالی نے اسلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت تم لوگوں کی دین ودنیا دونوں بنادی، جس کا تم لوگ کھلی آنکھوں مشاہدہ کررہے ہو۔ اسی دنیا نے تم لوگوں کے درمیان فساد و بگاڑ پیدا کیا۔ ملکِ شام میں جو کچھ قتل وقتال وخون خرابہ ہوا، خدا کی قسم! دنیا کی خاطر ہوا اور جو تم لوگوں نے معلمین وقراء کو حکومت

---

(۱) حلیۃ الاولیا، ج ۲ ص ۲۲۔۲۳ (۲) سیر اعلام النبلاء ۳/۳۸۶

کی خاطر جھگڑتے دیکھا، خدا کی قسم! وہ لوگ دنیا کی خاطر آپس میں لڑ رہے ہیں اور اپنی قیمتی جانوں اور مالوں سے بے پرواہ ہیں۔ میں آج غریب نادار و مفلس جماعت کو بہترین جماعت سمجھتا ہوں۔ یہ حضرات لوگوں کی جانوں اور مالوں سے بے پرواہ ہیں ایسے موقع پر نادار و مفلس کی جماعت کو لازم پکڑ لو، تب ہی تم دنیا کے فتنوں سے اپنے آپ کو بچا سکو گے۔ ورنہ اپنے دین کی خیر مناؤ۔

حضرت ابو برزہ کے اندر دنیا کی نفرت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، دنیا کی مذمت خوب بیان کرتے تھے۔ فرماتے تھے! ایک شخص اپنی گود میں دیناروں کو رکھ کر اللہ تعالی کے راستے میں خوب خرچ کر رہا ہے۔ دوسرا شخص اللہ تعالی کے ذکر میں لگا ہوا ہے تو یہ ذکر کرنے والا شخص ہی افضل ہے(۱)

عبادت

حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ تہجد کی نماز پڑھنے کا بہت اہتمام کرتے تھے۔ خود بھی بیدار ہوتے اور اپنے گھر والوں کو بھی بیدار کیا کرتے تھے۔ اور روزانہ ساٹھ، یا سو آیت تلاوت کر لیا کرتے تھے۔ (۲)

اللہ کے راستہ میں خرچ کرنا

ان کا روزانہ کا یہ معمول تھا کہ غریبوں اور مسکینوں میں کھانا تقسیم کراتے تھے۔

طبقات ابن سعد میں ہے کہ حضرت ابو برزہ کے پاس ایک بڑا پیالہ اور ڈونگا تھا، جس میں روزانہ صبح و شام ثرید بنا کر بیواؤں، یتیموں اور مسکینوں کو دیا کرتے تھے۔ (۱)

شاگردانِ کرام

حضرت ابو برزہ کے شاگردوں میں خود ان کے صاحبزادہ مغیرہ، اور ان کی پوتی منیۃ بنت عبید بن ابو برزہ اسلمی اور ابو عثمان نہدی اور ابو لعالیہ رباحی وغیرہ ہیں۔ (۲) زیادہ ان کی حدیثیں۔ اہلِ بصرہ سے مروی ہیں (۳)

---

(۱) الجامع لاَخلاق آداب الروای والسامع ج ۲ ص ۳۱ (۲) سیر اعلام النبلاء ج ۳ ص ۳۸۴۔ تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۱۰۱

وفات

ان کی تاریخِ وفات میں بڑا اختلاف ہے۔ علامہ ابن حجر عسقلانی نے صحیح بخاری میں ان پر ملامت کرنے والے شخص سے متعلق ذکر کردہ روایت اور ان کے حاکموں اور گورنروں پر عیب لگانے کے قصہ کی روشنی میں بیان کیا ہے کہ ان کا انتقال ۶۵ھ میں ہوا ہے۔ (۴)

(۹۱) حضرت وابِصہ بن مَعبَد جہنی رضی اللہ عنہ

علامہ ابو نعیم اصبہانی نے حضرت وابصہ رضی اللہ عنہ کو اصحابِ صفہ میں شمار کرتے ہوئے کہا ہے کہ ایوب بن مکرر راوی کا بیان ہے کہ حضرت وابصہ رضی اللہ عنہ فقراء ومساکین کے ساتھ رہتے تھے اور یہ کہا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارکہ کے یہی لوگ میرے بھائی ہیں۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۲۴)

---

(۱) تاریخ ابن عساکر ۱۷/ ۳۵۳۔ ۳۵۴ بحوالہ سیر اعلام النبلاء ۳/ ۳۸۷

(۲) سیر اعلام النبلاء ج ۳ ص ۳۸۷۔ المستدرک ۳/ ۵۷۰۔ الاصابۃ ج ۳ ص ۵۹۰

(۳) سیر اعلام النبلاء ۳/ ۳۸۶۔ الاصابۃ ۳/ ۵۹۰

(۴) کتاب الثقات ص ۲۰۶

حضرت وابصہ رضی اللہ عنہ کے والد کا نام معبد بن عتبہ، کینت ابوسالم، قبیلۂ جہینہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

حضرت وابصہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ۹ھ میں آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ علومِ نبوت حاصل کر کے اپنی قوم کی جانب لوٹ گئے۔ (۱)

بے پناہ عشقِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

خود حضرت وابصہ کا بیان ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علی وسلم کے پاس آیا، تاکہ میں آپ سے امورِ خیر و بھلائی اور گناہوں کے کام پوچھوں اور خیر و بھلائی کے کام خوب کروں اور گناہ و معاصی کے قریب بھی نہ پھٹکوں۔ بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صحابۂ کرام کی بھیڑ تھی لیکن میں نے کسی چیز کی پرواہ کیے بغیر لوگوں کے کندھوں کو پھاندتا ہوا آگے بڑھتا چلا گیا، لوگوں نے ہر ممکن روکنے کی کوشش کی، مگر میں نے کسی کی نہ سنی اور یہ کہا! تم لوگ مجھے مت روکو جانے دو، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مجھے بے پناہ محبت ہے اور آپ کی ذاتِ عالی میری جان سے زیادہ مجھے عزیز ہے، میں آپ کے قریب ہی بیٹھوں گا، یہ جملہ سن کر بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے وابصہ تم مجھ سے قریب ہو جاؤ۔ میں آپ سے اتنا قریب ہو گیا کہ میرے گھٹنے آپ کے گھٹنے سے مل گئے۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا: اے وابصہ! تمہارے آنے کا مقصد بتا دوں اور تم جس سوال کو لے کر آئے ہو، اسے بتا دوں؟ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ضرور بتائیے۔

آپ نے فرمایا: تم میرے پاس نیکی اور گناہ کے کام پوچھنے آئے ہو۔ میں نے عرض کیا: جی ہاں، اے اللہ کے رسول! حضرت وابصہ کا بیان ہے کہ اتنا سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سینہ پر دستِ مبارک مارا اور فرمایا اے وابصہ! تو اپنے دل سے فتوی پوچھ، تو اپنے دل سے نیکی اور گناہ کے بارے میں سوال کر، جس کام سے تیرا دل مطمئن ہو اور کسی قسم کا تردد نہ ہو تو یہی نیکی کا کام ہے اور جس کام سے تیرا دل مطمئن نہ ہو، بلکہ دل میں تردد و شبہ ہو یہی گناہ کا کام ہے، اگرچہ لوگ تمہیں اس کام کے جائز ہونے کا فتوی دیں (۱)

---

(۱) حلیۃ الاولیاء، ج ۲ ص ۲۴ (۲) الاصابۃ ج ۳ ص ۵۷۵

تلاوتِ قرآن کے وقت رونا

ابو راشد ازرق کہتے ہیں کہ جب کبھی میں حضرت وابصہ کے پاس آیا تو آپ کے ہاتھ میں قرآن کریم کھلا ہوا پایا اور قرآن کریم پڑھتے وقت اس قدر روتے ہوئے دیکھا کہ مصحف کے صفحات آنسوؤں سے تر ہو جاتے تھے (۲)

وفات

حضرت وابصہ نے کوفہ میں سکونت اختیار کر لی تھی، پھر وہاں سے "رقہ" چلے گئے اور "رقہ" ہی میں ان کا انتقال ہوا (۳)

شاگردانِ کرام

ان کے تلامذہ میں خود ان کے دو صاحبزادے سالم اور عمر ہیں۔ زر بن حبیش، شداد مولی عیاض اور عمرو بن راشد اشجعی وغیرہ ہیں۔

اور صحاحِ ستہ میں سے صرف سننِ ابوداؤد، جامع ترمذی اور سننِ نسائی میں ان کی راویت ہے (۴)

(۹۲) حضرت واثلہ بن اَسقَع لیثی رضی اللہ عنہ

امام المحدثین یحی بن معین، امام المغازی علامہ واقدی، حافظ ابن سعد، علامہ ابن عبد البر اور علامہ شمس الدین ذہبی نے حضرت واثلہ بن اسقع کو اصحابِ صفہ میں سے شمار کیا ہے۔ (حلیۃ الاولیاء: ۲/ ۲۱، الاستیعاب ۳/ ۶۰۶، سیر اعلام النبلاء ۳/ ۳۸۴ الاصابۃ ۳/ ۵۹۱)

---

(۱) الاصابۃ ج ۳ ص ۵۷۶

خود حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے وقت میں بیس صحابۂ کرام صفہ میں رہتے تھے، میں ان میں سب سے چھوٹا تھا۔ (طبقات ابن سعد ۷ / ۴۰۷)

واثلہ نام، ابوالاسقع کنیت، اسقع والد کا نام اور بنولیث سے تعلق رکھنے کی بنا پر لیثی کہے جاتے ہیں (۱)

حضرت واثلہ بن اسقع مدینہ منورہ کے اطراف میں رہتے تھے، ان کے دل میں اسلام کی محبت گھر گئی، جس وقت نبی اکرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک کی تیاری فرمارہے تھے اسی وقت حضرت واثلہ بن اسقع دربارِ رسالت میں حاضر ہوکر مشرف بہ اسلام ہوئے اور غزوہ تبوک میں شریک ہوئے۔ پھر صفہ کی زندگی اختیار کی اور خادمِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی رہے۔ (۲)

پیغمبرِ اسلام کا حضرت واثلہ کو اپنے اہلِ بیت میں شمار کرنا

حضرت واثلہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن، حسین اور فاطمہ رضی اللہ عنہم کو ایک چادر میں لپیٹ کر اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی "**انما یرید اللّٰہ لیذھب عنکم الرجس أھل البیت ویطھر کم تطھیرا**(۴)" (اللہ تعالی یہی چاہتا ہے کہ دور کردے تم سے گندی باتیں اے نبی کے گھر والو! اور تم کو اچھی طرح ستھرا کردے) اور فرمایا "**اللّٰھم ھؤلاء أھلی**" (۳) اے اللہ! یہ لوگ میرے اہل بیت ہیں! حضرت واثلہ بن اسقع کہتے ہیں کہ میں نے یہ سن کر عرض کیا اے اللہ کے رسول "**أأنا من أھلک**" کیا میں آپ کے اہلِ بیت میں نہیں ہوں؟ نبی

---

(۱) استیعاب ج ۳ ص ۵٦۸۔ اِلاصابۃ ج ۳ ص ۵۷۸

(۲) حلیۃ الاولیاء ۱ / ۳۴۸، اِلاصابۃ ج ۳ ص ۵۷۸

(۳) اِلاصابۃ ج ۳ ص ۵۷۸

(۴) استیعاب ج ۳ ص ۵۷۸۔ الثقات (۱۳۳۴)

اقدس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا! "أنت من أهلي" ہاں! تو میرے اہلِ بیت میں ہے۔ (۲)

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ملکِ شام چلے گئے اور "دمشق" سے کچھ فاصلہ پر "بلاط" نامی بستی میں ایک عرصہ تک رہے اور دمشق میں اپنے نام کی یادگار ایک مشہور مسجد بھی چھوڑ گئے۔ پھر وہاں سے بیت المقدس آ گئے اور یہیں مستقل طور پر سکونت اختیار کر لی۔ دمشق اور حمص وغیرہ کی فتوحات میں شریک رہے۔ (۳)

صفہ کی زندگی

حضرت واثلہ نے صفہ کی زندگی کیسی بے کسی، کسمپرسی اور بھوک کی شدت کی حالت میں گذاری ہے خود ان کی زبانی ملاحظہ فرمائیں! فرماتے ہیں کہ میں صفہ کے طالب علموں میں تھا، روزانہ ہر ایک شخص اپنی وسعت و حیثیت کے مطابق صفہ کے دو دو، تین تین ساتھیوں کو اپنے گھر کھانا کھلانے لے جایا کرتے۔ اتفاق سے تین دن تک مجھے کوئی اپنے گھر نہیں لے گیا۔ میرے دیگر ساتھیوں کو کوئی نہ کوئی لے جاتا؛ مگر مجھ پر کسی کی نظر نہیں پڑتی، اسی طرح سے تین دن ہو گئے، عشاء کی نماز کے وقت حضرت ابوبکر کو دیکھ کر میں نے "سورہ سبا" کی کچھ آیتیں ان سے پڑھنے کی درخواست کی، وہ چلتے رہے پڑھاتے رہے، جب اپنے گھر کے دروازہ تک پہونچ گئے تو میں اپنے دل میں بہت خوش ہوا کہ اب مجھے کھانے کے لیے ضرور بلائیں گے؛ مگر وہ اپنے گھر کے دروازہ پر پہونچ کر کھڑے ہو گئے اور جو بقیہ حصہ سمجھانا رہ گیا تھا اسے دروازہ پر کھڑے کھڑے سمجھا دیا اور خاموشی کے ساتھ اندر تشریف لے گئے اور مجھ سے کچھ نہیں کہا۔ پھر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس قرآن کریم کی آیت سمجھنے کے بہانے سے گیا، انہوں نے بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جیسا معاملہ اپنایا، صبح ہوئی تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شدتِ بھوک کی شکایت کی اور رات کا سارا واقعہ کہہ سنایا تو آپ نے مجھے کھانا کھلایا۔ (۱)

حضرت واثلہ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ میں اصحابِ صفہ میں تھا، میرے ساتھی شدتِ بھوک سے بلبلا اٹھے تو ان لوگوں نے مجھ سے کہا اے واثلہ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم لوگوں کے

---

(۱) الاصابۃ ۴ ص ۱۵۵ (۲) استیعاب ج ۴ ص ۱۵۶

(۳) الاِصابۃ ج ۴ ص ۱۵۵ (۴) الاستیعاب ج ۴ ص ۱۵۶

واسطے کھانا مانگ کر لے آؤ میں بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا اور عرض کیا اے اللہ کے رسول! میرے ساتھی بھوک سے بلبلا رہے ہیں۔ نبی اکرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر حضرت عائشہ سے فرمایا: اے عائشہ! کیا تمہارے پاس کچھ کھانا ہے؟ جواب میں عرض کیا اے اللہ کے رسول! کچھ چوری ہوئی روٹی ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا! اسی کو لے آؤ! تو وہ ایک چمڑے کے تھیلے میں لے کر آئیں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بڑا پیالہ (ڈونگا) منگوایا اور چوری ہوئی روٹی اسی میں ڈال دی اور اپنے دستِ مبارک سے ثرید تیار کرنے لگے۔ ثرید تیار ہونے کے ساتھ ڈونگا بھر گیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا اے واثلہ! تم جاؤ اپنے ساتھیوں کو بلا کر لے آؤ، یہ یاد رکھنا کہ ان میں دسویں تم شمار کیے جاؤ گے۔ میں گیا، اپنے ساتھیوں کو بلا کر لے آیا، آپ نے ارشاد فرمایا! بیٹھ جاؤ اور بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کرو اور اپنے سامنے ہی سے کھانا، ہرگز بیچ پیالہ سے مت کھانا، کیونکہ برکت کا نزول بیچ ہی میں ہوتا ہے۔ سارے لوگ آسودہ ہو کر کھا چکے مگر ڈونگے کا کھانا کچھ بھی کم نہیں ہوا۔ پھر نبی اکرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دستِ مبارک سے ڈونگے کو چلانے لگے، وہ ڈونگا ثرید سے بھر گیا پھر آپ نے ارشاد فرمایا: اے واثلہ! اپنے دس اور ساتھیوں کو بلا کر لے آؤ، میں گیا، دس ساتھیوں کو لے کر آ گیا، آپ نے فرمایا! تم لوگ بیٹھ جاؤ اور اللہ کا نام لے کر کھانا شروع کرو۔ سب نے کھانا شروع کیا اور خوب آسودہ ہو کر کھایا۔ جب جانے لگے تو پھر آپ نے فرمایا! اے واثلہ! اپنے مزید دس ساتھیوں کو ساتھ لے کر آؤ۔ میں گیا، دس ساتھیوں کو لے کر حاضرِ خدمت ہوا۔

یہ لوگ بھی خوب آسودہ ہو کر کھائے اور جانے لگے تو آپ نے فرمایا: اے واثلہ! اصحابِ صفہ میں کوئی باقی تو نہیں رہ گیا؟ میں نے عرض کیا ہاں، ابھی اصحابِ صفہ کے دس ساتھی اس مبارک دعوت سے محروم ہیں! آپ نے فرمایا! ان کو بھی بلا لاؤ۔ میں انہیں بھی ساتھ لے آیا۔ حکم ہوا جاؤ اور بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کرو۔ یہ لوگ بیٹھے اور پیٹ بھر کر کھائے۔ جب اٹھنے لگے تو پیالہ ویسے ہی کھانے سے لبالب تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کچھ بھی کم نہیں ہوا ہے۔ پھر نبی اقدس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے واثلہ! اسے عائشہ کے گھر پہنچا دو۔

حضرت واثلہ کا بیان ہے کہ میں اصحابِ صفہ اور فقراءِ مسلمین میں تھا۔ ایک دن دربارِ

---

(۱) سورۃ الانعام آیت ۵۲

(۲) حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۲۵

رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوا نبی اکرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا! میرے وصال کے بعد تم لوگوں کی دنیوی حالت کیا ہی اچھی ہوگی۔ ذرا یہ بتلاؤ! جب تم لوگوں کو پیٹ بھر کر گیہوں کی روٹیاں اور زیتون ملیں گے اور قسم قسم کے کھانے کھاؤ گے اور مختلف قسم کے لباسوں کا استعمال کرو گے، تو اس دن بہتر حال میں رہو گے یا آج بہتر حال میں ہو؟ میں نے عرض کیا اس دن بہتر حال میں ہوں گے۔ آپ نے فرمایا! نہیں، بلکہ آج تم لوگ بہتر حال میں ہو۔ اس دن تمہاری حالت اور وہ دینی کیفیت نہیں ہوگی جو آج ہے۔ حضرت واثلہ فرماتے ہیں۔ نبی اکرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کو ابھی کچھ ہی عرصہ گذرا تھا کہ واقعی ہم لوگوں نے قسم قسم کے کھانے اور مختلف قسم کے لباسوں کا استعمال کیا اور سواریاں بھی خوب کیں (۱) حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ نے اس طرح صفہ میں سخت کی زندگی گذار کر اور شدتِ بھوک سے بے بس ہو کر علومِ نبوت حاصل کئے۔

حلقۂ درس

حضرت واثلہ کا حلقۂ درس بیت المقدس یا مسجدِ دمشق یا پھر دونوں مسجدوں میں قائم ہوتا تھا۔
معروف الخیاط کا بیان ہے! **رأیت واثلة بن الاسقع یملی علی الناس الأحادیث، وهم یکتبونها بین یدیه**" میں نے واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ لوگوں کو احادیث کا املاء کرا رہے ہیں اور لوگ ان کے سامنے لکھ رہے ہیں۔ (۲)

شام کے محدثِ وقت امام مکحول شامی نے درس کے دوران ایک مرتبہ حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے کہا، اے ابوالاسقع! آپ ہم سے ایسی حدیث بیان کریں جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن رکھا ہو اور جس میں وہم یا زیادتی یا کمی نہ ہو۔ یہ سن کر حضرت واثلہ نے فرمایا: کیا تم لوگوں میں سے کسی نے رات کچھ قرآن کریم کی تلاوت کی ہے؟ مکحول نے عرض کیا: ہاں میں نے کی ہے؛ مگر میں قرآن کریم کا حافظ نہیں ہوں اور اس میں واؤ اور الف کی زیادتی ہو جاتی ہے۔ حضرت واثلہ نے فرمایا یہ قرآن کریم کتنی مدت سے تم میں پڑھا پڑھایا جا رہا ہے اور اس کو پوری طرح یاد نہیں کر سکتے ہو اور اس میں کمی زیادتی کا اقرار کرتے ہو تو ان حدیثوں کا کیا حال ہوگا جن کو ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، جن کو ہو سکتا ہے کہ ایک ہی مرتبہ آپ سے سنا ہو، اس لیے میرا حدیث بالمعنی بیان کرنا تمہارے لیے کافی ہے۔ (۱)

شاگردان کرام

حضرت واثلہ رضی اللہ عنہ کے شاگردوں میں ان کی صاحبزادی فسیلہ بنت واثلہ، ابوادریس خولانی، شداد ابوعمار، مکحول شامی، بسر بن عبید، بشر بن عبید اللہ حضرمی، عبدالواحد بن عبداللہ نصری، یونس بن میسرۃ اور معروف خیاط وغیرہ فقہ وفتاوی اور روایت میں زیادہ مشہور ہیں (۲)

حضرت واثلہ کا معمول تھا کہ مکان کے باہر کھلی جگہ میں کھانا کھایا کرتے تھے اور لوگوں کو بلا بلا کر کھلاتے تھے۔ (۳)

شجاعت و بہادری

حضرت واثلہ رضی اللہ عنہ کی شجاعت و بہادری کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے!

حضرت واثلہ رضی اللہ عنہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی امارت میں ''دمشق'' جنگ کرنے کے لیے آئے تھے تو اسی دوران کا واقعہ نقل کرتے ہوئے حضرت واثلہ کہتے ہیں کہ ایک دن میں نے ''جابیہ'' (دمشق میں ایک جگہ کا نام ہے) کے دروازہ کھلنے کی آواز سنی، پھر یکا یک بڑی فوج کو باہر آتے ہوئے دیکھا، میں نے چپ سادھ لی، پھر نعرۂ تکبیر بلند کرتے ہوئے ان کے پیچھے سے زوردار ہلّہ بول دیا، ان لوگوں نے یہ گمان کیا کہ انہیں چاروں طرف سے گھیر لیا گیا ہے، تو سب اپنی جان بچاتے ہوئے شہر کی جانب بھاگنے لگے اور ان کا کمانڈر پیچھے رہ گیا، میں نے اس پر نیزہ سے زوردار حملہ کیا کہ وہ اپنے برذون گھوڑے سے گر پڑا، میں نے اس کے گھوڑے کی لگام سنبھالی اور ایڑ لگا کر بھاگنے لگا۔ جب ان لوگوں نے مجھے تنہا دیکھا تو میرا تعاقب کیا، میں نے پیچھے مڑ کر ایک شہ سوار پر نیزہ سے حملہ کیا اور اسے قتل کر دیا، پھر دوسرا شہ سوار قریب آیا اسے بھی نمٹا دیا اور سیدھے امیرِ لشکر حضرت خالد بن ولید کے پاس آیا اور سارا واقعہ سنانے لگا، ابھی واقعہ مکمل نہیں ہو پایا تھا کہ روم کا کمانڈر انچیف گورنر اہلِ دمشق کے لیے امن وامان کا خواہاں بن کر حاضر ہوا۔ (۱)

وفات

حضرت واثلہ کی وفات دمشق میں بعمرِ ۹۸ سال ۸۵ھ میں ہوئی۔ ایک قول یہ ہے کہ ان کا انتقال خلیفہ عبدالملک بن مردان کے دور میں ۸۳ھ میں ہوا۔ (۲) اس وقت ان کی عمر ایک سو پینٹھ سال

کی تھی اور دمشق میں انتقال ہونے والے یہ آخری صحابی ہیں۔ (۳) ابن حبان کی روایت میں ہے کہ ان کی عمر ایک سو پچاس سال کی ہوئی ہے۔ (۴)

(۹۴) حضرت ہلال مولیٰ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ

علامہ ابونعیم اصبہانی اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے فرمایا ہے کہ امام ابوعبدالرحمان سلمی نے حضرت ہلال رضی اللہ عنہ کو اصحابِ صفہ میں شمار کیا ہے۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۲۴، الاِصابۃ ج ۳ ص ۵۷۵)

حضرت ہلال رضی اللہ عنہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ علامہ ابونعیم اصبہانی نے ان کی فضیلت ومنقبت میں اپنی سند سے یہ روایت ذکر کی ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا! "لید خلن من ھذا الباب رجل ینظر اللّٰہ الیہ" یقیناً اس دروازہ سے ایک ایسا شخص داخل ہوگا جس پر اللہ تعالیٰ نظرِ رحمت فرمائیں گے۔

راوی حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں، اس دروازہ سے ہلال داخل ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "صلِّ علیی یا ھلال" اے ہلال! تو میرے لیے دعاء کر(۱)

علامہ ابن حجر عسقلانی نے اس روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا ''سندہ ضعیف ومنقطع'' اس کی سند ضعیف اور منقطع ہے''(۲)

حکیم ترمذی نے نوادر الاصول میں اپنی سند سے یہ روایت ذکر کی ہے کہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد میں بیٹھا ہوا تھا نبی اکرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "یدخل من ھذا الباب رجل من أھل الجنة" اس دروازہ سے ایک جنتی شخص آئے گا۔ یہ فرمانے کے بعد نبی اقدس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے کھڑے ہو گئے، میں اس دروازہ سے باہر نکلا؛ لیکن کسی شخص کو نہیں دیکھا، واپس لوٹا، تو اسی خاص دروازہ سے اندر اس امید پر آیا کہ میں ہی جنتی ہو جاؤں، پھر نبی اکرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔ آپ نے فرمایا: اے ابوالدرداء! تو وہ مخصوص جنتی شخص نہیں ہے۔ کچھ دیر بعد ایک حبشی شخص اس مخصوص دروازہ سے اندر آیا، جس کے جسم پر اونی جبہ تھا، اس کے جسم پر چمڑے کے پیوند تھے اور وہ ٹکٹکی باندھ کر آسمان کی جانب دیکھتا ہوا چلا آ رہا تھا وہ اس مخصوص دروازہ سے اندر داخل ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر اسے سلام عرض کیا اور فرمایا: اے ہلال! خیریت سے ہو؟ وہ بولے! اے اللہ کے رسول! بخیر ہوں، پھر آپ نے ارشاد فرمایا اے ہلال! میرے لیے بھی اللہ تعالیٰ سے دعاء و استغفار کرو۔ یہ سن کر انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ آپ سے راضی ہی ہیں اور آپ بخشے بخشائے ہیں۔

علامہ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد اس پر کچھ بھی کلام نہیں کیا ہے؛ بلکہ شواہد کے طور پر ایسی حدیثوں کا حوالہ دیا ہے جن میں ایسا ہی واقعہ مذکور ہے، البتہ وہ مخصوص دروازہ سے آنے والے شخص کا نام متعین نہیں ہے(۱)

(۹۴) حضرت ہند بن حارثہ اسلمی رضی اللہ عنہ

امام ابن عبدالبر نے حضرت ہند بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو اصحابِ صفہ میں گردانا ہے۔ (الاستیعاب ج ۳ ص ۵۶۸)

نام ہند، والد کا نام حارثہ، قبیلہ ''اسلم'' سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ حضرت اسماء بن حارثہ کے بھائی ہیں۔

حضرت ہند رضی اللہ عنہ اپنے سات بھائی: اسماء، خراش، ذویب، فضالہ، سلمہ، مالک اور حمران کے ساتھ بیعتِ رضوان میں شریک رہے ہیں۔ یہ خصوصیت ان کے خاندان کے علاوہ کسی کو بھی حاصل نہیں ہے کہ اتنی کثیر تعداد حقیقی بھائیوں کی بیک وقت کسی بھی غزوہ وغیرہ میں شریک رہی ہو۔ (۱)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے! میں حارثہ کے لڑکے ہند اور اسماء کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خادم ہی سمجھتا ہوں، کیونکہ یہ دونوں درِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے چمٹے رہتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مستقل خدمت کرنے میں کوشاں رہتے تھے۔ (۲)

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر قبیلہ ''اسلم'' کے پاس سے ہوا وہ لوگ تیر اندازی

(۹۵) حضرت یَسَار ابو فُکَیہہ جہمی رضی اللہ عنہ

امام المغازی محمد ابن اسحاق اور علامہ ابو نعیم اصبہانی نے حضرت یسار رضی اللہ عنہ کو صفہ کے طالب علموں میں شمار کیا ہے۔

(حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۲۴)

حضرت یسار نام، ابو فکیہہ کنیت اور صفوان بن امیہ کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ دوسرا قول ہے کہ بنوعبدالدار کے آزاد کردہ غلام ہیں (۱)

حضرت یسار رضی اللہ عنہ ابتداءِ اسلام ہی میں مشرف بہ اسلام ہوئے جس کی وجہ سے طرح طرح کی تکلیفیں دی گئیں۔ حافظ ابن عبدالبران کے تذکرہ میں لکھتے ہیں! بنوعبدالدار کے لوگ ان کو لوہے کی زنجیروں میں جکڑ کر سخت گرمی میں دوپہر کے وقت تپتی ہوئی ریت پر سینہ کے بل لٹا کر ان کی پشت پر پتھر کی بڑی بڑی چٹان رکھ دیتے تھے، تاکہ وہ حرکت نہ کرسکیں۔ (۲) خاص طور سے امیہ بن خلف ان کے پاؤں میں زنجیر باندھ کر انہیں گھسیٹتا تھا اور گرم زمین پر ڈال کر اور زیادہ زخمی کرتا تھا جس سے ان کا دم گھٹنے لگتا تھا۔ اس مردود کا ملعون بھائی ابی بن خلف اس وقت آکر زخمی جسم پر نمک پاشی کرتا اور کہتا اتنی تکلیف دے کہ یہ مر جائے۔ برابر انہیں اسی قسم کی تکلیفیں دی جاتی رہیں۔ ایک مرتبہ ابی بن خلف نے یہ گمان کیا کہ یہ مر چکے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اسی حالت میں ان کے پاس سے گذر رہے تھے۔ یہ حالت و کیفیت دیکھ کر ان سے رہا نہ گیا اور انہیں خرید کر آزاد کر دیا (۳) یہ دوبارہ سرزمینِ حبشہ ہجرت کرنے والے مسلمانوں کے ساتھ حبشہ ہجرت کر گئے۔ (۴)

امام المغازی ابو محمد ابن اسحاق کہتے ہیں! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں

---

(۱) الاصابۃ ج ۴ ص ۱۵۵
(۲) استیعاب ج ۴ ص ۱۵۶
(۳) الاصابۃ ج ۴ ص ۱۵۵
(۴) الاستیعاب ج ۴ ص ۱۵۶

حضرت خباب، حضرت عمار، حضرت ابوفکیہہ یسار مولی صفوان بن امیہ اور حضرت صہیب بن سنان رضی اللہ عنہم جیسے غرباء مسلمان ہوا کرتے تھے۔ کفارِ قریش ان کا مذاق اڑایا کرتے تھے اور آپس میں یہ کہا کرتے تھے کہ ذرا محمد کے ساتھیوں کو دیکھو! یہ ہی وہ لوگ ہیں کہ جنہیں ہمارے مابین اللہ تعالیٰ نے ہدایت دے کر ان پر احسان کیا ہے۔

اگر واقعتاً محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) حق اور خیر کی بات لے کر آئے ہوتے تو یہ حقیر و ذلیل لوگ اس خیر کے حاصل کرنے میں نہ ہم سے آگے بڑھ سکتے اور نہ اللہ تعالیٰ اس خیر و حق کے لیے ان ہی لوگوں کو خاص کرتا۔ اسی موقع سے ان ہی کمزور و غریب مسلمانوں کے حق میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی! "**ولا تطرد الذین یدعون ربھم بالغدوۃ والعشی یریدون وجھہ**" (۱) اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ان لوگوں کو اپنی مجلس سے نہ نکالیے جو صبح و شام اپنے پروردگار کی عبادت کرتے ہیں جس سے صرف اللہ تعالیٰ کی رضاء ہی کا قصد رکھتے ہیں۔ (۲)

---

(۱) سورۃ الانعام آیت ۵۲

(۲) حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۲۵

مصادر و مراجع

(۱) القرآن الکریم

(۲) الاِحسان بترتیب صحیح ابن حبان : علاء الدین بن بلبان حنفی (المتوفی ۷۳۹) دار الکتب العلمیة بیروت سنہ ۱۴۰۷ھ

(۳) الادب المفرد: امام محمد بن اسماعیل بخاری (المتوفی سنہ ۲۵۶ھ) دار العرفہِ بیروت سنہ ۱۹۹۹ء

(۴) اُسد الغابة فی معرِفة الصحابة: علیِ بن محمد عزالدین ابن الاثیر (المتوفی سنہ ۶۳۰ھ القاهره سنہ ۱۹۷۰ء

(۵) الا ستیعاب فی معرفة الاصحاب: اما م یوسف بن عبدالله، المعروف بابن عبدالبر (المتوفی سنہ ۴۶۳ھ) بهامش "الا صابة"

(۶) الاِصابة فیِ تمییز الصحابة: علامة احمد بن علی بن حجر عسقلانی (المتوفی سنہ ۸۵۲ھ) دار الکتاب العربی بیروت.

(۷) اصول سرخسی: الشیخ ابوبکر محمد بن احمد سرخسی (م سنہ ۴۹۰ھ) دار المعرفة بیروت و حیدراباد.

(۸) اعلام الموقعین: علامة محمد بن ابوبکر المعروف بابن قیم (م سنہ ۷۵۱ھ) دار الجیل سنہ ۱۹۷۳ء

(۹) الاَنساب: عبدالکریم بن محمد سمعانِی (م سنہ ۵۲۶ھ) موسسة الکتب الثقافیة بیروت سنہ ۱۴۰۸ھ

(۱۰) البدایة و النهایة: ابو الفداء اسماعیل بن عمربن کثیر (م سنہ ۷۷۴ھ) مکتبه المعارف بیروت سنہ ۱۴۰۱ھ

(۱۱) بحوث فی تاریخ السنة المشرفة: دکتور اکرم ضیاء العمری (٠٠٠) الجامعة الا سلامیة مدینة منورة

(۱۲) تاریخ الثقات: احمد بن محمدالعجلیِ (المتوفی سنہ ۲۶۱ھ) دار الکتب العلمیة بیروت سنہ ۱۴۰۵

(۱۳) تاریخ الخلفاء: جلال الدین عبدالرحمان سیوطی (المتوفی سنہ ۹۱۱ھ) اشرفی بکڈپو دیوبند.

(۱۴) تاریخ دمشق: ابوزرعه عبدالرحمان بن عمرو (المتوفی سنہ ۲۸۱ھ) تعلیق شکر الله قوجانیِ دمشق سنہ ۱۹۷۳ء.

(۱۵) تاریخ دمشق: المعروف بتاریخ ابن عساکر علیِ بن حسن هبة اللّٰه المعروف بابن

عساكر (م ۵۷۱ھ) الظاهرية، و مجمع اللغة العربية.
(۱۶) تاريخ طبری :محمد بن جرير طبری (م۳۱۰ھ)دار سويدان بيروت.
(۱۷) التاريخ الكبير: امام بخاری رحمة الله. موسسة الكتب الثقافية بيروت ۱۹۰۷ھ.
(۱۸) تدريب الراوی: جلال الدين سيوطی (م ۹۱۱ھ)القاهرة ۱۹۵۹ء.
(۱۹) تذكرة الحفاظ: محمد بن احمد بن عثمان ذهبی (المتوفی ۷۴۸ھ)احياء التراث العربی.
(۲۰) ترتيب المدراک: ابو عونةَ يعقوب بن اسحاق اسفرائينی (م۳۱۶ھ)مكتبة الحياة بيروت.
(۲۱) تفسيرابن كثير: حافظ اِسماعيل ابن كثير (م۷۷۴ھ)مكتبة الفيصلية.
(۲۲) تفسير طبری: محمد بن جرير طبری (م۳۱۰ھ)دار المعرفة بيروت ۱۴۰۳ھ.
(۲۳) تلخيص المستدرک علی الصحيحين بهامش المستدرک الذهبی (م۷۴۸ھ) دارالكتب العلمية.
(۲۴) تهذيب التهذيب :ابن حجر عسقلانی (م۸۵۲ھ)مجلس دائرة المعارف النظامية حيدر اباد.
(۲۵) الجامع لأخلاق أداب الراوی والسامع: احمد بن علی بن ثابت خطيب البغدایِ (م ۴۶۳ھ) مكتبة المعارف رياض ۱۴۰۳ھ.
(۲۶) جامع ترمذی :محمد بن عيسی الترمذی (م ۲۷۹ھ)الهندية.
(۲۷) جامع بيان العلم: علامة ابن عبدالبر (م ۴۲۳ھ)
(۲۸) حجة اللّٰه البالغة: شاه ولی الله بن عبدالرحيم (م ۱۱۷۶ھ)مكتبة التهانوی ديوبند.
(۲۹) حسامی: محمد حسام الدين بن محمد (م ۶۴۴ھ)
(۳۰) حلية الاولياء: ابونعيم احمد بن عبدالله اصبهانی (م۴۳۰ھ) دارالكتب العلمية بيروت بغير تاريخ
(۳۱) الخيرات الحسان فی مناقب الامام أعظم ابی حنيفة: احمد بن حجر هيتمی مكی (م۹۷۳ھ)دارالكتب العلمية بيروت ۱۴۰۳ھ.
(۳۲) دفاع عن ابی هريرة: عبدالمنعم صالح عزی(۰۰۰)مكتبة النهضة بيروت ۱۳۹۳ھ.
(۳۳) رسم المفتی: علامة محمد أمين بن عابدين المعروف بالشامی (المتوفی ۱۲۵۲ھ)
(۳۴) روح المعانی: شهاب الدين محمد الوسی (م ۱۲۷۰ھ)إحياء التراث العربی بيروت
(۳۵) الزهدلابن المبارک: عبدالله بن المبارک (م۱۸۱ھ)دار الكتب العلمية.
(۳۶) سننِ ابن ماجه: محمد بن يزيد القروينی (م ۲۷۵ھ)دار الكتب العلمِة
(۳۷) سننِ ابوداؤد: سليمان بن أشعث السجستانی (م ۲۷۵ھ) المكتبة الديوبندية

(۳۸) سننِ دارمی: عبدالرحمان دارمی (م ۲۵۵ھ) دارالکتب العلمیۃ بیروت

(۳۹) سننِ نسائی: عبدالرحمان بن شیعب نسائی (م ۳۰۳ھ).

(۴۰) سیر أعلام النبلاء: محمد بن احمد الذہبی (م ۷۴۸ھ). مؤسسۃ الرسالہ ۱۹۸۱ء.

(۴۱) السیرۃ النبویۃ: لا بن ہشام عبد الملک ابومحمد (م ۲۱۳ھ) القاہرۃ ۱۹۵۵ء

(۴۲) ریکندورف دائرۃ المعارف الاسلامیۃ مجلد ۳، ترجمۃ عباس محمد ورفاقۃ.

(۴۳) شرح صحیح مسلم بہامش صحیح مسلم: یحیی بن شرف النووی (المتوفی ۶۷۶ھ) أشرفی بکڈپو دیوبند.

(۴۴) شرح وقایۃ: عبید اللہ بن مسعود (م ۷۴۷ھ) مکتبۃ دیوبند

(۴۵) شرف أصحاب الحدیث: خطیب البغدادی (م ۴۶۳ھ)

(۴۶) صارم المسلول فی شاتم الرسول ﷺ: احمد بن عبدالحلیم المعروف بابن تیمیۃ(م ۷۲۸ھ) المکتبۃ العفریۃ بیروت ۱۴۱۱ھ.

(۴۷) صفۃ الصفوۃ: ابوالفرج عبدالرحمان بن علی ابن الجوزی (م ۵۹۷ھ) دارالمعرفۃ بیروت ۱۴۰۵ھ.

(۴۸) صحیح بخاری: محمد بن اسماعیل البخاری (م ۲۵۶ھ) اشرفی بکڈپو دیوبند

(۴۹) صحیح مسلم: مسلم بن الحجاج القشیری (م ۲۶۱ھ) اشرفی بکڈپو دیوبند الہند.

(۵۰) الطبقات الکبری: محمد بن سعد (م ۲۳۰ھ) دارصادر بیروت.

(۵۱) طبقات خلیفۃ: خلیفۃ بن خیاط (م ۲۴۰ھ) دارطیبۃ ریاض ۱۴۰۵ھ

(۵۲) العبر فی خبر من غبر: ذہبی (م ۷۴۸ھ) دارالکتب العلمِۃ ۱۴۰۷ھ.

(۵۳) العقدالفرید: احمد بن محمد (م ۳۲۸ھ) مصر ۱۳۶۸ھ.

(۵۴) علوم الحدیث المعروف مقدمۃ ابن الصلاح: عثمان بن عبدالرحمان ابن الصلاح (م ۶۴۳ھ) اَلمکتبۃ العلمیۃ ۱۴۱۰ھ

(۵۵) عمدۃ القاری: بدر الدین محمود بن احمد عینی (م ۸۵۵ھ) داراحیاء التراث العربی.

(۵۶) عون المعبود: محمد شمس الحق عظیم ابادی (۱۳۲۹ھ) المکتبۃ الاشرفیۃ دیوبند ۲۰۰۱ء.

(۵۷) غایۃ النہایۃ فی طبقات القراٰن: شمس الدین محمد بن محمد جوزی (م ۸۳۳ھ) القاہرۃ ۱۹۳۲ء.

(۵۸) فتح الباری: ابن حجر عسقلانی مکتبۃ العبید کان الریاض ۱۴۲۱ھ.

(۵۹) فتح المغیث شرح الفیۃ الحدیث: شمس الدین عبدالرحمان سخاوی (م ۹۰۲ھ) دارالکتب العلمیۃ بیروت.

(۶۰) فتوح البلدان: ابو الحسن بلاذری (م۲۷۹ھ) دار الکتب العلمیة بیروت ۱۹۰۳ھ.

(۶۱) فضائل قرآن لابی عبید قاسم بن سلّام الھروی (م۲۲۴ھ) دار ابن کثیر ۱۹۹۵ء.

(۶۲) الفقیہ والمتفقہ: خطیب البغدادی (م۴۶۳ھ) دار الکتب العلمیة بیروت ۱۴۰۰ء.

(۶۳) الکامل فی التاریخ: محمد ابن الاثیر جزری (م ۶۳۰ھ) دارا لکتاب العربی (۱۴۰۳ھ).

(۶۴) کتاب الا موال: أبو عبید قاسم بن سلام (م ۲۲۴ھ) القاھرة ۱۹۵۳ء .

(۶۵) کتاب الثقات: محمد بن حبان (م۳۵۴ھ) مکتبة بز مصطفی الباز مکة المکرمة ۱۴۲۵ھ.

(۶۶) کتاب الجرح والتعدیل: عبدالرحمان بن أبی حاتم (م۳۲۷ھ) دار الکتب العلمیة بیروت
۱۹۷۱ء

(۶۷) کتاب الخراج: قاضی أبویوسف یعقوب بن ابراھیم (م۱۸۲ھ) دار المعرفة بیروت
۱۳۹۹ھ.

(۶۸) کتاب العلل ومعرفة الرجال: امام احمد بن محمد بن حنبل (م۲۴۱ھ) أنقرة ۱۹۶۳ھ.

(۶۹) کتاب الکنٰی: امام محمد بن اسماعیل بخاری (م ۲۵۶ھ) حیدرآباد ۱۳۶۰ھ.

(۷۰) کشف الظنون: حاجی خلیفة مصطفی بن عبداللہ (م ۱۰۶۸ھ) استنبول ۱۳۶۰ھ.

(۷۱) الکنٰی والاسماء: محمد بن احمد دولابی (م۳۱۰ھ) حیدر اباد ۱۳۲۲ھ.

(۷۲) لسان العرب: جمال الدین محمدا بن منظور المصریِ (م ۷۱۱ھ) دارصادر بیروت
۱۳۰۰ھ.

(۷۳) المجتمع المدنی فی عھد النبوی ﷺ: دکتور اکرم ضیاء عمری (۰۰۰) الجامعة
الاسلامیة المدینة المنورة ۱۴۰۳ھ.

(۷۴) مجمع الزوائد: نور الدین علی بن ابی بکر ھیتمی (م۸۰۷ھ) دار الکتاب العربی ۱۹۸۲ء.

(۷۵) المحدث الفاصل: خطیب البغدادی (م۴۶۳ھ)

(۷۶) مروج الذھب: ابو الحسن علی بن الحسن المسعودی (۳۴۶ھ) مکتبة الریاض الحدیثیة
۱۳۹۳ھ.

(۷۷) المستدرک علی الصحیحین: حاکم محمد بن عبداللہ نیسافوری (م۴۰۵ھ) دار الکتب
العلمیة.

(۷۸) مسند أحمد: امام أحمد بن محمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ).

(۷۹) مسندِ أبویعلی الموصلی: احمد بن علی الموصلی (م ۳۰۷ھ) دار المامون للتراث بیروت
۱۹۸۸ء.

(۸۰) مسند حمیدی: ابوبکر عبداللہ بن زبیر (م ۲۱۹ھ) المکتبة السلفیة المدینة المنورة.

(۸۱) مشکاة المصابیح: محمد بن عبد اللہ خطیب التبریزی (م۶۴۳ھ) الھندیہ

(۸۲) مصنف ابن ابی شیبة:محمد بن أبی شیبة کرخی (م ۲۳۵ھ)دار التاج بیروت ۱۹۸۹ء.

(۸۳) مصنف عبدالرزاق: عبدالرزاق بن همام صنعانی (م ۲۱۱ھ)بیروت ۱۳۹۰ھ.

(۸۴) معالم السنن:ابو سلیمان حمد بن محمد خطابی (م۳۸۸ھ) المکتبة العلمیة بیروت ۱۴۰۱ھ.

(۸۵) معانی الاثار:احمد بن محمد بن سلامة الطحاوی (م۳۲۱ھ)دار الکتب العلمیة ۱۳۹۵ھ.

(۸۶) المعجم الکبیر:سلیمان بن احمد طبرانی (م ۳۶۰ھ) داراحیاء التراث العربی ۲۰۰۲ء

(۸۷) معجم البلدان:شهاب الدین یاقوت بن عبدالله (م ۶۲۶ھ)داراحیاء التراث العربی ۱۳۹۹ء.

(۸۸) المعرفة والتاریخ: یعقوب بن سفیان (م۲۷۷ھ) مؤسسة الرسالة ۱۴۰۱ھء.

(۸۹) المغازی للواقدی.محمد بن عمر بن واقد (م ۲۰۷ھ)عالم الکتب ۱۴۰۴ء.

(۹۰) موطامالک: الامام مالک بن انس (م ۱۷۹ھ) المکتبة الدیوبندیة.

(۹۱) میزانِ الاِعتدال:محمد بن احمد الذهبی (۷۴۸ھ) دار الفکر.

(۹۲) النهایة فی غریب الحدیث:مجدالدین مبارک بن محمد جزری (م۶۰۶ھ) المکتبة العلمیة بیروت.

(۹۳) وفاء الوفاء:نورالدین علی بن احمد (م۹۱۱ھ) دارا الکتب العلمیة ۱۳۷۴ء بیروت.

(۹۴) هدی الساری:ابن حجر عسقلانی مکتبة العبیدکان الریاض ۱۴۲۱ھ.

صفہ، تاریخ اسلام ہی نہیں، تاریخ عالم کا پہلا مدرسہ ہے، جہاں حضور پاک ﷺ نے نادار اور استطاعت نہ رکھنے والے طلباء کے لئے تعلیم وتعلم کا نظم فرمایا تھا۔

لیکن عجیب اتفاق ہے کہ اس موضوع سے متعلق اُردو ہی نہیں، عربی اور فارسی میں بھی کوئی مستقل کتاب نظر سے نہیں گذری۔

قابل مبارک باد ہیں عزیز محترم مولانا محمد اشرف علی صاحب قاسمی زید مجدھم کہ انہوں نے اپنی تصنیف کے لئے بالکل نئے موضوع کا انتخاب کیا اور اس کے تمام گوشوں کا احاطہ کرتے ہوئے تحقیقی کام کا حق ادا کردیا۔

انہوں اپنی کتاب میں **صُفّہ** کی تاریخ، طریقہ تعلیم، نظم وانتظام، خبرگیری کا طریقہ، سرپرستوں کا حال اور استفادہ کرنے والے ۹۵ / پچانوے صحابہ کرام کے نام ذکر کیے ہیں اور ان تمام افراد کے تفصیلی حالات قلم بند کرکے ایک معتبر دستاویز تیار کردی ہے۔

میں مصنف محترم زید مجدھم کو صمیم قلب سے مبارک باد پیش کرتا ہوں اور خلوص ل سے دُعا گو ہوں کہ اہل علم ان کی محنت کی پذیرائی کریں اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ان کی محنت کو قبول عطا فرمائے۔ آمین!

مادرِ علمی دارالعلوم دیوبند کے مایہ ناز اساتذہ کرام:

زالعلوم، محدث کبیر، حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی مدظلہم

دیب العصر حضرت مولانا ریاست علی بجنوری زید مجدھم کے قلم سے ص۱۰)

مکتبہ اسلامیہ اشرفیہ دہلی
MAKTABA ISLAMIA ASHRAFIA

Phone : 9350364861

ہدیہ -/185

Printed & Designed : at : Jalal Press, Delhi -6

اصحابِ صُفّہ

مفتی محمد اشرف علی باغپتی ایم اے قاسمی